ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، در اصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ
تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

ادارۂ الفرقان

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۵ر
〃 〃 (〃 پاکستان) ۶ر

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(فی کاپی آٹھ آنے)

غیر ممالک سے!
سالانہ چندہ ...... ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵ر

جلد (۲۸) محرم الحرام ۱۳۸۰ھ مطابق جولائی ۱۹۶۰ء شمارہ (۱)

اگر اِس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہو، تو

اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ر جولائی تک دفتر میں آجانی چاہئے ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا ——— **نمبر خریداری**:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے ——— **تاریخ اشاعت**:۔ ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ر تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے، تو مطلع فرمائیں۔ انکی اطلاع ۲۵ر تاریخ کے اندر آجانی چاہئے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہو گی۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

مقامِ اشاعت:۔ **دفتر الفرقان، کچہری روڈ۔ لکھنؤ**

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریاست اُتّر پردیش کی دینی تعلیمی تحریک جس کی داغ بیل چھ ماہ قبل ضلع بستی میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجتماع نے ڈالی تھی، بحمد اللہ نہایت تیز رفتاری اور مقبولیت کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے۔ چھ ماہ کے مختصر عرصے میں آٹھ دس ضلع وار کانفرنسیں ہو چکی ہیں، اور ہر ضلع میں کسی نہ کسی درجہ میں عملی کام شروع ہو چکا ہے۔

سوکھی زمین خشک سالی کے بعد جس طرح پانی بھرے بادلوں کو دیکھ کر ناچ جاتی اور پوری گرمجوشی کے ساتھ بارانِ رحمت کا استقبال کرتی ہے، کچھ یہی کیفیت اس تحریک پر ان مسلمانوں کی نظر آئی ہے جو حالات سے باخبر ہونے کی بنا پر اپنی نئی نسل کے دینی مستقبل کے لئے فکرمند یا حالات سے ناواقفیت کے باوجود اپنے بچوں کے دین وایمان کے مسئلہ کی اہمیت کو سمجھنے والے تھے۔ جہاں جہاں اس تحریک کے پیغامبر پہنچے، مسلمانوں کے ان دونوں طبقوں نے ان کی آواز پر اس گرمجوشی کے ساتھ لبیک کہی کہ بعض مقامات پر تو مسلکی اختلافات تک کی وہ خلیجیں بھی کالعدم ہوگئیں جن کا پاٹنا کسی حال میں بھی ممکن نہیں سمجھا جاتا تھا۔

خدا برقرار رکھے، یہ بڑی پُر اُمید صورتِ حال ہے، اور دیدۂ بیدار مغز آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حال کی یہ صورت مستقبل قریب میں رونما ہو جانے والی کیا کیا امکانی صورتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اور ۴۷ء کے سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کی ملّی زندگی میں جو سب سے زیادہ تشویشناک خلا پیدا کر دیا تھا وہ اس خوش آئند صورتِ حال کی فطری رفتار کے نتیجہ میں کس خوبصورتی کے ساتھ آپ سے آپ پُر ہوتا چلا جائے گا۔

"عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" اور قرآن کے الفاظ میں "عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ" حقیقت یہ ہے کہ یہ ابدی صداقتیں ہیں، جن کا تجربہ زمانہ کی گردش بار بار کراتی رہتی ہے۔ ڈیڑھ سو سالہ انگریزی راج کے طفیل ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف سے لاپرواہ ہو چکے تھے، اور کوئی صورت نہیں سمجھ میں آتی تھی جس سے مسلمانوں کے ذہن کی اس تشویشناک بیماری کا علاج کیا جا سکے۔ کارسازِ حقیقی جو کائنات میں خیر سے شر اور شر سے خیر پیدا کرنے والی قدرت کے عجیب عجیب جلوے دن رات دکھاتا رہتا ہے، اسے اسی کی حکمتِ بالغہ کہئے کہ ملت کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والے ایک شر کے، بادل پورے زور و شور سے اس ملک میں اس نے اٹھوائے، اور جیسا کہ نظر آتا ہے، شاید فیصلہ فرما دیا کہ امت کے اہلِ نظر اگر چونک جائیں تو ان ہولناک بادلوں کو خیرِ مطلوب کا ذریعہ بنالیں۔

بت پرستانہ اعتقادات اور ان کے تہذیبی و معاشرتی مظاہر (جن کو مسلمان قدرتی طور پر اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے ہیں) سے آئندہ نسلوں کے ملوث ہو جانے کا خطرہ اگر اس عریاں پیمانے پر (تعلیمی نظام کے راستہ سے) سامنے نہ آکھڑا ہوتا، تو بظاہر کوئی امید نہیں تھی کہ اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف سے لاپروائی کے ذہن پر کوئی مؤثر چوٹ لگائی جا سکتی، لیکن اس شرِ خیر انگیز نے نہ صرف اس لاپروائی کو فکرمندی سے بدلنے کا سامان فراہم کر دیا ہے، بلکہ اسی ضمن میں "بیک کرشمہ دو کار" کے انداز پر مسلمانوں کی ملی حیاتِ تازہ کا بھرپور امکان بھی ودیعت فرما دیا ہے۔

قدرت کے ان کارسازانہ رجحانات سے کاربرآری اب ہماری توفیق پر موقوف ہے، اس موقع سے اگر ہم پوری تندہی اور چابکدستی کے ساتھ فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں، تو لوہے کا جتنا حصہ گرم ہو چکا ہے وہ ہماری منشا کے مطابق ڈھل جانے سے پہلے سرد ہو رہے گا، اور جو حصہ گرم ہونے سے باقی ہے اسکے گرم ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں گے ــــــ استعارہ کی زبان کو چھوڑ کر کہئے کہ جتنے مسلمانوں میں اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا احساس پیدا ہو چکا ہے، وہ ضائع ہو رہے گا، اور جن میں ابھی حالات سے ناواقفیت اور دینی شعور کی کوتاہی کی وجہ سے اس ضرورت کا احساس بیدار نہیں ہوا ہے، انہیں یہ احساس پھر بیدار کرایا نہیں جا سکے گا ــــــ اور پھر اسکے نتائج، خدا محفوظ رکھے، بڑے ہوشربا ہونگے۔

پس وہ لوگ جنھوں نے بستی کانفرنس کی دعوت و پکار میں اپنے دل کی بات پائی ہے، ملّتِ اسلامیہ ہند کے مستقبل کا سوال اُنھیں پکار رہا ہے، کہ اس دعوت سے ہم آہنگ ہو کر میدانِ عمل میں اُتر آئیں! ـــــ اور جو افراد اس دعوت کو لیکر میدان میں اُتر چکے ہیں، یا اَب بنامِ خدا اُترتے ہیں، وہ اس جانفشانی اور اس تندہی کے ساتھ کام سے لپٹ جائیں کہ کام کا جو زرّیں موقع مسبب الاسباب نے عجیب و غریب طریقے سے پیدا کر دیا ہے، وہ تکمیل کار سے ایک لمحہ پہلے بھی گذر نہ جائے ـــــ اور ع

"یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد"

کی طرح پر ایک نئے مرثیہ کا اضافہ ہمیں اپنی تاریخ میں نہ کرنا پڑے۔

قوموں اور ملتوں کی زندگی میں کبھی کبھی کوئی مسئلہ آجاتا ہے جو تقدیرِ الٰہی کا کانٹا بن جاتا ہے، اُس مسئلہ کی بدولت یا تو قومیں ایک نئی زندگی پا جاتی ہیں، اور صدیوں کی تقدیری بساط اُلٹ کر پھینک دیتی ہیں، یا پھر صدیوں کے لئے اپنی تقدیر پر ایک نئی مہر لگا لیتی ہیں! ـــــ یہ نئی نسل کی دینی تعلیم کا مسئلہ جس سے اچھی طرح عہدہ بر آنہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کا ممتاز ملّی وجود گم ہو جانے کا زبردست اندیشہ سامنے ہے اسی سے اگر پوری ہوشمندی اور جانکدستی کے ساتھ نپٹ لیا جائے، تو یہی مسلمانانِ ہند کے ممتاز اور مخصوص ملّی وجود کی انشاء اللہ مدتوں تک کی ضمانت دے کر اور اُن کو ایک مؤثر اقلیت بنا کر جائے گا!!۔

اس مسئلہ سے بہتر طور پر نپٹنے کے لئے جہاں اور بہت سے پہلوؤں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، وہاں یہ بات خاص طور پر بہت بنیادی اہمیت کی حامل ہے، کہ دینی تعلیم کے ہمہ گیر انتظام کی جو جدوجہد کیجا رہی ہے جس کے دائرہ سے ریاست کا ایک مسلمان بچہ بھی باہر نہ رہنے پائے، اُسکے بارے میں مسلمانوں کے ذہن کو اس پہلو سے بالکل صاف رکھا جائے کہ یہ جدوجہد محض جبری تعلیم کے منصوبے اور موجودہ نصابی زہر سامانیوں پر مبنی نہیں ہے۔ نصابی کتابوں سے زہریلا عنصر نکال بھی دیا جائے (اور بلاشبہ نکل کر رہے گا) تب بھی دینی تعلیم کا یہ ہمہ گیر بندوبست اور اُس میں مسلمانوں کی دلچسپی اسی قدر ضروری ہے جس قدر اس زہر کی موجودگی کی شکل میں ـــــ اسلئے کہ یہ زہر جو ملک کے تعلیمی شعبہ میں بہت عریاں شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے، یہی زہر اُنھیں اسباب کے ماتحت (جن اسباب کے ماتحت تعلیمی شعبہ میں داخل ہوا ہے) ملک کے سرکاری اور غیر سرکاری عمومی ماحول میں بھی

پوری طرح جاری وساری ہے، اور رہے گا (جس کی اگر مثالیں دی جائیں، تو قدم قدم پر نشاندہی کیجا سکتی ہے) اور اس زہر کے اثرات سے بھی وہ نسل زیادہ دیر تک نہیں بچ سکتی، جس کے دل ودماغ پر دینی تعلیم کے نقوش ثبت نہ کئے گئے ہوں، جس طرح کہ تعلیمی شعبہ میں پائے جانے والے زہر کے متعلق آج ہم سب یہ بات پوری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ علیٰ ہذا اگر کوئی صورت ایسی ہوتی ہے کہ پورا ماحول بھی زہر سے پاک ہوجاتا ہے تب بھی اس جدوجہد سے دلچسپی میں کمی آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں، اسلئے کہ یہ بات اب ہم سب پر صاف ہوگئی ہے کہ دینی تعلیم سے بے بہرہ نسل ہر وقت خطرہ میں ہے، کوئی بھی کسی طریقہ سے اس کو بآسانی اغوا کرسکتا ہے ــــ پس ضروری ہے کہ جو کام تائیدِ ایزدی سے شروع ہوگیا ہے، اُس کو عارضی اور وقتی سمجھ کر نہ کیا جائے، بلکہ اس کو ایک غیر مختتم اور غیر میعادی فیصلہ کی حیثیت دی جائے۔

یہ ایک طرف، ایک حقیقت پسندانہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر ہوگا، دوسری طرف ہوشمندانہ بھی ــــ اور یہ "ہوشمندانہ" اس جدوجہد کے اُن عظیم مضمر منافع کے لحاظ سے جن کی طرف اشارۃً توجہ دلائی گئی ہے۔

دوسری بات جو اسی طرح بہت اہمیت کیساتھ ملحوظ رکھنے کی ہے، یہ ہے، کہ اس کام کا انداز نہایت باوقار تعمیری کام کا ہے، موجودہ ابتدائی مرحلہ جس سے یہ جدوجہد گزر رہی ہے، اس میں حکومت اور اس کی مشینری پر نکتہ چینی ناگزیر ہے، لیکن یہ بات ایک لمحہ کیلئے فراموش کرنے کی نہیں ہے کہ اگر اس نکتہ چینی کے انداز میں وقار اور رکھ رکھاؤ کی شان نہ رہی، اور اسکی حدیں کہیں عامیانہ ہجو واستہزاء اور سطحی جذباتیت سے جا ملیں، تو اس کا نقصان حکومت کو تو بالکل نہیں، تمامتر اس تحریک اور مسلمان قوم کو پہنچے گا، اور جس عادت نے چار کروڑ کی مسلمان قوم کو بے وزن اور تعمیری دلچسپیوں سے بیگانہ کر رکھا ہے، بدقسمتی سے یہ تحریک اُسکے فروغ کا ذریعہ بن جائیگی، اور کوئی ٹھوس خدمت مسلمانوں کی انجام نہ دے سکے گی۔

آج ہر تعمیری کام سے پہلے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے، کہ مسلمانوں کے ذہن کو تعمیری بنایا جائے، اور اس کے لئے اسوقت کی بہترین شکل یہ ہے کہ یہ دینی تعلیمی تحریک جو مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہے، اسے ہر لحاظ سے ایک پُروقار تعمیری تحریک کا نمونہ بنایا جائے، اور اس تحریک کی نمائندگی کرنے والے تمام افراد اپنے طرزِ عمل سے تعمیری کردار کا ایک بہترین اُسوہ مسلمانوں کے سامنے رکھیں ــــ اگر مسلمانوں کی کوئی ٹھوس خدمت کو ملے ہے، اور اُن میں اپنے

مسائل کو حل کرنے کا سنجیدہ مذاق پیدا کرنا ہے، تو اس راہ میں قدم رکھنے کی یہ سب سے پہلی شرط ہے۔

جہانتک اسوقت کے ذمہ دارانِ تحریک کے ذہن اور رویّہ کا تعلق ہے، وہ ان دونوں باتوں میں بالکل صاف اور صحیح ہے، لیکن ہم نے یہ گذارشات، اسکے باوجود، اسلئے سپردِ قلم کی ہیں کہ تحریک کے ہر نمایاں کارکن پر یہ باتیں واضح ہونی چاہئیں، اور اُسے ان باتوں کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے ــــ یہ اور اسی قبیل کی دوسری باتیں اگر ہر کارکن کو ملحوظ رہیں، تو انشاء اللہ یہ تحریک بارآور ہو کے رہے گی، اور اس سے وہ عظیم منافع ظہور میں آئیں گے، جن کے راستے نئے ہندوستان میں مسلمانوں پر بند نظر آرہے تھے۔

اِس شمارہ سے الفرقان کی اٹھائیسویں جلد کا افتتاح ہو رہا ہے ــــ خدا سے دُعا ہے، کہ وہ اِس آغاز کو نیک انجام تک پہنچائے، اور حقیر دینی خدمت کی یہ مہلت اُسکے حضور سرخروئی کا ذریعہ قرار پائے۔

اِس موقع پر چند باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے:-

۱ ۔ الفرقان پڑھنے والوں اور پسند کرنے والوں کا حلقہ خدا کے فضل سے بہت وسیع ہے لیکن خریدارں کی تعداد اس لحاظ سے، بلکہ ضرورت کے اعتبار سے بھی کم ہے، ہم اپنے تمام قارئین سے چاہتے ہیں، کہ وہ ادارۂ الفرقان کی اِس ضرورت کی طرف توجہ کریں، جو حضرات اس طرف توجہ رکھتے ہیں وہ برابر الفرقان کی خریداری میں اضافہ کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں، یہی توجہ اگر تمام محبّین کا معمول بن جائے، تو بڑی آسانی کے ساتھ خریداروں کی مطلوبہ تعداد فراہم ہو سکتی ہے ــــ اگر آپ نے اُبتک توجہ نہیں کی ہے تو براہِ کرم اٹھائیسویں سال کے اِس پہلے مہینہ کو اپنی خاص توجہ کا مہینہ قرار دے کر ادارہ کو ممنون فرمائیے۔

۲ ۔ کم استطاعت حضرات اور عزیز طلبہ رعایتی چندہ کیلئے لکھتے رہا کرتے ہیں، ایسے حضرات کی اطلاع کیلئے عرض ہے، کہ اسوقت ایک صورت ایسی پیدا ہوگئی ہے کہ سال بھر کیلئے تین روپئے وصول ہونے پر رسالہ جاری ہو سکتا ہے، اُمید ہے مستحقین اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے ــــ اِس مد کی گنجائش محدود ہے، اسلئے خواہشمند حضرات کو عجلت سے کام لینا چاہئے ــــ لائبریریاں اور دیگر ادارے اِس موقع کیلئے درخواست نہ کریں۔

الفرقان کے بالکل ابتدائی دور سے خریداری کا تعلق رکھنے والوں میں ایک صاحب تھے جناب محمد اسحٰق صاحب انصاری، افسوس ہے کہ موصوف نے جون کی ... تاریخ کو انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ غالبًا پتا اسٹیٹ (مدھیہ بھارت) کے باشندے تھے، پولیس کی ملازمت کیوجہ سے مختلف مقامات پر تبدیل ہوتے رہتے تھے، اور چند سال سے ٹی۔ بی کے مرض میں مبتلا تھے ــــ باوجود کوئی ذاتی تعلق نہ ہونے کے الفرقان سے انکے تعلقِ خاطر کی کوئی انتہا نہیں تھی، حد یہ ہے کہ ٹی۔ بی ہاسپٹل چھتر پور (ایم۔ پی) جہاں وہ کئی ماہ سے بسلسلۂ علاج داخل تھے، اس اسپتال کے بستر سے بھی اُنکے خود اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے خطوط الفرقان اور مطبوعاتِ الفرقان کو مختلف پتوں پر بھجوانے کیلئے آخر دم تک آتے رہے، اور نئے سال کیلئے اپنا چندہ بھی ابھی چند روز ہوئے آیا ــــ

ہم ادارۂ الفرقان کو انکی مفارقت کا غم ہے، اور اپنے بزرگوں اور دوستوں سے اُن کیلئے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

قرآن کا تذکیری مطالعہ

وصیتِ ابراہیمیؑ

عتیق الرحمٰن سنبھلی

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

(سورۂ بقرہ رکوع ۱۶)

(ترجمہ) اور کون روگردانی کرے گا طریقِ ابراہیمی سے بجز اس شخص کے جو بیوقوف بنالے اپنے آپ کو۔ ہم نے تو اپنا خاص بنایا تھا اس کو دنیا میں، اور لاریب کہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہے!

جب کہا اس سے اس کے رب نے کہ حکم برداری کر! تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں پروردگار عالم کا اور پھر اسی کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو (اور یعقوب نے بھی) کہ بیٹو! اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین اسلام بس نہ موت آئے تم کو مگر مسلمانی پر!!

یہی ملت ابراہیمی ہے جس کی ہدایت ہمیں خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی اور آپؐ کی رہنمائی اپنے جد امجد کی اس میراث کی طرف خود پروردگار عالم نے فرمائی اور دو ٹوک الفاظ میں اس حقیقت کے اظہار کا حکم آپ کو دیا کہ

اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ　　مجھ کو دکھایا ہے میرے رب نے ایک سیدھا

مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ	راستہ، کہ وہ ایک دین ہو مستحکم جو ملت ہو
حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٥	ابراہیم کی جس میں ذرا بھی کجی نہیں۔ اور
قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ	وہ نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے۔
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ٥ لَا	(آپ فرما دیجئے) کہ میری ساری عبادت
شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَ	اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی
أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ٥	کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ کو
(الانعام ع ۲۰)	حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول ماننے والا ہوں

اس اظہار و اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جس حکم برداری کا اصطلاحی عنوان ہے اس کی وسعتوں میں کس طرح انسانی زندگی کا ایک ایک نفس سمایا ہوا ہے۔ کہ پوری زندگی حکمبرداری ہی کے خطوط پر گردش کرتے ہوئے موت سے ہم آغوش ہونی چاہیے اور نماز و روزہ و حج ہی کو نہیں، زندگی کے ہر ہر لمحے، حتیٰ کہ موت کو بھی "لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کی شانِ حنیفی کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔

الغرض ہم مسلمانوں نے جس دین کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یا مسلمان کہلانے کی بنا پر جس دین سے وابستگی ہمارے ذمہ لازم آتی ہے، قرآن بتاتا ہے کہ وہ اصلاً طریقِ ابراہیمی (یا ملتِ ابراہیمی) ہے۔ جس سے اعراض اور بے رخی سفاہت اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اور بالفاظ دگر جس کی پیروی حقیقت پسندی و دانشمندی کا سب سے واضح معیار ہے۔۔۔ اسلیے کہ اس کی پیروی میں ایک طرف دنیاوی زندگی میں پروردگارِ عالم کی اصطفائیت (پسندیدگی) مضمر ہے، دوسری طرف یہ پیروی حیاتِ اخروی میں نجات و فلاح کی ضمانت دیتی ہے۔۔۔ اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لینے والا کوئی انسان، جو اس حقیقت کا یقین رکھتا ہو کہ اس تمام کائنات کی خالق اور فرمانروا وہی ایک ذات ہے جسکو اللہ کہا جاتا ہے وہ، دنیا اور آخرت کی اس خوش نصیبی کو کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا

طریقِ ابراہیمی کی کچھ جوہری تفصیل تو ہمیں سورۂ انعام کی مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سورۂ بقرہ کی وہ آیتیں جو زیرِ مضمون ہیں ان سے ایک اور اسوۂ ابراہیمی بھی سامنے آتا ہے۔ اور وہ ہے اولاد کو دینِ حق پر قائم رکھنے کی فکر جس کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

اور وصیت کی اسی (ملت) کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے چن دیا ہے تمہارے لیے دین اسلام۔ پس نہ موت آئے تمکو مگر حالت مسلمانی و حکمبرداری پر۔

اس اُسوۂ ابراہیمی کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجیے کہ آپ کا طریقہ اپنی اولاد کے بارے میں کیا ہے؟ آپ اُس دین حق پر اپنی اولاد کو کاربند رہنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کو اللہ نے اپنی خاص رحمت سے آپ کی اولاد کا پیدائشی (یا مادری) دین بنایا ہے؟ آپ نے انسانی کوشش کی حد تک اس کا بندوبست کرتے ہیں کہ "نہ مرے وہ مگر حالت مسلمانی و حکمبرداری پر" یا آپ کی کوششیں از اوّل تا آخر اس کی دنیا بنانے پر مرکوز ہوتی ہیں اور دین کا سوال آپ سراسر بخت و اتفاق کے حوالے کر کے چھوڑ دیتے ہیں؟ ــــــ اور ذرا دیکھیے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ اولاد کو اُسکی دنیا کی خاطر کسی ایسے ماحول میں بھی جھونک دینے سے دریغ نہ کرتے ہوں جہاں قسمت ہی ہے کہ اس کا دین سلامت رہ جائے، اور نصیب ہی ہے کہ اس کی پیدائشی مسلمانی کچھ سخت جانی دکھا جائے؟

اگر خدانخواستہ آپ کا معاملہ یہی ہے تو غور کیجیے کہ یہ بھی وہی "سفاہت نفس" ہے یا نہیں جس کا ذکر قرآن کے حوالہ سے اوپر آیا ہے؟ ــ اس سے بڑھ کر سفاہت نفس اور خود فریبی دوسری کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اولاد کی دنیا کی خاطر خود اپنی اور اولاد کی آخرت کو خطرہ میں ڈالے! ــ اگر ایمان ہے کہ ابراہیم کا طریقہ ہی عقلِ خداداد کا تقاضا ہے اور اس سے انحراف سراسر سفاہت و عقل فروشی، تو ابراہیم نے اولاد کے باب میں یہ طریق ہدایت بنا کیا ہے۔

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۔ (ابراہیم ع ۶)

پروردگارا! میں نے آباد کر دیا ہے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب بن کھیت وادی میں۔ پروردگارا! اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔

آج سچ مچ کی بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کو لے جا کر ڈال دینے کا کسی سے مطالبہ نہیں لیکن دینی تعلیم و تربیت کی وادی جو فی زمانہ مادّی اعتبار سے غیر نفع بخش ہونے کی بنا پر ہیں "وادی غیر ذی زرع" ہی نظر آتی ہے، اگر اولاد کو کما حقہٗ دین پر قائم رکھنے کی مخلصانہ خواہش ہے تو ایک حد تک اس وادی میں داخل کیے بغیر چارہ نہیں، اور ابراہیمؑ کے اسوۂ "وصیت" کی پیروی کا حق درحقیقت اس کے

بغیر ادا نہیں ہو سکتا —

اور یہ وادی بے آب و گیاہ ہونے کے باوجود وہ وادی ہو کہ اس کے مخلص مکینوں کی طرف ساکنانِ عالم کے دل کھنچتے اور سرسبز وادیوں کے رُخ مڑتے ہیں، اولاد ابراہیمؑ کے ساتھ یہی ہوا اور آج تک اس کا حیران کن اور ایمان آفریں منظر ہمارے سامنے ہو — ابراہیمؑ کی راہ پر گامزن ہو کر کوئی ضائع نہیں ہوتا۔ "فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ" کے دعائیہ الفاظ جو اولاد کو وادیٔ غیر ذی زرع میں ڈالتے وقت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبان سے نکلے تھے۔ ان کلماتِ دعا نے قیامت تک کے پیروانِ ابراہیمؑ کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے —
اور — ایمان رکھئے کہ یہ راہِ ابراہیم پر چلنے والوں کے لیے خدا کی تقدیر بن گئے ہیں!!

اور صرف یہ بھی نہیں کہ اس طریقِ ابراہیمی کی اقتدا میں ایک وادیٔ "غیر ذی زرع" میں بسائی جانے والی اولاد کو زندگی کی ضمانت حاصل ہے بلکہ اس وادی سے پوری دنیا کی روحانی زندگی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو روحانی زندگی کے بقا کی خاطر ایک وادیٔ بے آب و گیاہ میں بسایا تو دنیا کی روحانی مُردنی کے وقت میں اسی بے آب و گیاہ وادی نے ایک مسیحا پیدا کیا۔ آج دنیا پھر ایک بار روحانی موت کے دروازہ پر پہونچا چاہتی ہے اس کی حیاتِ تازہ کا سامان وہی لوگ کریں گے جو اس مسیحا کے دین کی بے آب و گیاہ وادی کو آباد کریں گے۔

پس کون ہے جو اس عزت سے سرفراز ہونا چاہے۔
اور کون ہے جو طریقِ ابراہیمی میں رغبت کا ثبوت دینا چاہے۔
وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ		اور وہی لوگ ہیں درحقیقت جن کے پاس عقل ہے اور سرمایۂ دانش ہے۔

معارفُ الحدیث

(مُسلسل)

وضو کی سُنّتیں اور اسکے آداب :

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجۂ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا، ___ اِن چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے، یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اُسکے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے ___ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین دفعہ دھونا، اور مل مل کر دھونا، داڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اُسکے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور خاتمۂ وضو کی دعا کرنا ___ یہ سب چیزیں وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اِس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے ! :-

(۱۴) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ___ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)۔

(ترجمہ) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اُس کا وضو ہی نہیں ___

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اُمت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے، وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا، اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے —— اگلے ہی نمبر پر ابو ہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اُس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے، وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے، لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(۴۲) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

—— (رواہ الدار قطنی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، کہ جو شخص وضو کرے اور اُس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اُس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے —— (سنن دار قطنی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لیکر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کا کوئی کلمۂ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہر اور منور ہو جاتا ہے، اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اُس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اُس سے صرف اعضاء وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے ——

(۴۳) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰی تُحْدِثَ مِنْ ذَالِكَ الْوُضُوْءِ۔

—— (رواہ الطبرانی فی الصغیر)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اُن سے فرمایا:۔ اے ابوہریرۃ جب تم وضو کرو، تو" بسم اللہ والحمد للہ" کہہ لیا کرو (اس کا اثر یہ ہوگا، کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبینِ اعمال) تمہارے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے ——

—— (معجم صغیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو "بسم اللہ والحمد للہ" کہکر کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اُس وقت تک کاتبانِ اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

(۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَیَامِنِكُمْ ——

—— (رواہ احمد وابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم لباس پہنو، اور جب تم وضو کرو، تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو —— (مسند احمد۔ سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے، اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتداء داہنی طرف سے کی جائے۔

(۴۵) عَنْ لَقِیْطِ بْنِ صَبِرَةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَیْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا —— (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

(ترجمہ) لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتائیے؟ (یعنی بتائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے)۔ آپؐ نے فرمایا:۔ (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقے سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور (دوسرے یہ کہ) ہاتھ پاؤں دھوتے وقت اُن کی انگلیوں میں خلال کیا کرو، اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے نتھنوں میں خوب پانی

چڑھا کے اچھی طرح اُن کی صفائی کیا کرو، الا یہ کہ تم روزہ سے ہو" (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ) ــــــــــ

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی) ــــــــــ

(۴۶) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ ــــــــــ

ــــــــــ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

(ترجمہ) مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی اُن کے درمیانی حصوں کو) مَلتے تھے۔

ــــــــــ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

(۴۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ ــــــــــ (رواه ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لیکر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہنچاتے، اور اس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

ــــــــــ (سنن ابی داؤد)

(۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَأُذُنَيْهِ بَاطِنِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرِهِمَا بِإِبْهَامَيْهِ۔

ــــــــــ (رواه النسائی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا، اور اسکے ساتھ دونوں

کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا، اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے ——

—— (سنن نسائی)

(۴۹) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَىْ اُذُنَيْهِ ——

—— (رواہ ابوداؤد واحمد وابن ماجہ)

(ترجمہ) رُبَیّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ نے اپنی انگلیاں ڈالیں —— (سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۵۰) عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِيْ اِصْبَعِهٖ ——

—— (رواہ الدارقطنی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا وضو فرماتے تھے، تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اُس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے، اور کوئی شک شبہ باقی نہ رہے) —

—— (سنن دارقطنی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مندرجۂ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً ڈاڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور اُن کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے: ——

(۵۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ! قَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ ——— (رواہ احمد وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اُس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گذرے، تو آپ نے اُن سے فرمایا:۔ سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جارہا ہے) انھوں نے عرض کیا حضورؐ! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے ———

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال :———

(۵۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرْفِ ثَوْبِهٖ ——— (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ جب آپؐ وضو فرماتے، تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرۂ مبارک پونچھ لیتے ——— (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرۂ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپؐ اس کام میں استعمال کرتے تھے ———

بعض اور صحابۂ کرامؓ کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے ـــــ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے کوئی مستقل کپڑا رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا، اور کبھی کبھی آپ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لے لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز :ـــــ

نمبر (۱۶) پر بحوالۂ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعاء ماثور "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے، اور نمبر (۳۵) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالۂ بخاری و مسلم گذر چکی ہے جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے :ـــــ

(۵۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِيْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِي الْاِسْلَامِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰى عِنْدِيْ اَنِّيْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِيْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا وَصَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِيْ اَنْ اُصَلِّيَ ـــــ

(رواہ البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا، تھیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ امید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتلاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سُنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سُن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے، لہٰذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تھیں سب سے زیادہ ثواب

اور رحمت کی اُمید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ اُمید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے، تو اُس وضو سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس وقت توفیق ملی ——————— (صحیح بخاری) ———

(تشریح) اس حدیث میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سُننے کی جو اطلاع دی ہے (جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے) یہ خواب[1] کا واقعہ ہے، اسلئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے، البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا، اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں، بلکہ درجۂ اول کے جنتیوں میں ہیں ———————

اس حدیث کی رُوح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے، کہ جب بھی وضو کرے، اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت خواہ نفل ۔

---

[1] جن شواہد اور قرائن کی بناء پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے، اُن کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے ۔ ۱۲ منہ

تجلیاتِ مجدّد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(از- مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۱۸۹) شرف الدین حسین بدخشی کے نام :——

(نصیحت)

عزیزی شرف الدین حسین کا مکتوب شریف وصول ہوکر موجبِ فرحت اور باعثِ مسرت ہوا۔ یہ بڑی نعمت ہے، کہ تعلقاتِ دُنیا میں گرفتاری کے باوجود، فقراء، فراموش نہیں ہوئے —— اس بات (خط وکتابت) سے فقراء سے انتہائی مناسبت کا پتہ چلتا ہے، اور یہی سببِ افادہ و استفادہ ہے ——

بعض وقائع جو لکھے تھے اچھے ہیں، ارتباطِ معنوی پر دلالت کرتے ہیں —— اے فرزند! دُنیائے دَنی کی تروتازگی پر فریفتہ اور اس کی بے حقیقت شان وشوکت پر شیفتہ نہ ہوجانا، یہ دُنیا ناپائیدار اور بے اعتبار ہے —— آج یہ بات تمھاری سمجھ میں نہیں آتی، توکل (بروز قیامت) ضرور سمجھ میں آجائے گی، مگر اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا —— ؎

گوشش از بارِ دُر گراں شدہ است

نشنود نالہ و فغانِ مرا

چاہیئے کہ سبقِ باطن کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سبق کی تکرار کے حریص ہوں، اور پنجوقتہ

نماز کو باجماعت بغیر سستی و کاہلی کے ادا کریں ـــــ چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا فقراء و مساکین کو شکر گذاری کے ساتھ پہنچائیں ـــــ محرّمات و مشتبہات سے اجتناب کریں ـــــ مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی کرنے والے ہوں ـــــ یہ ہے طریقِ نجات ـــــ والسلام ـــــ

مکتوب (۱۹۰) میر محمد نعمان اکبر آبادی کے ایک صاحبزادے کے نام: ـــــ

(آخری حصہ)

...... جانتے ہو کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ جناب قدس تک پہنچنے کا طریقہ تم اس سے حاصل کرو ـــــ اور اس راہِ سلوک میں اُس سے مدد و اعانت پاؤ ـــــ محض کُلاہ، چادر اور شجرۂ سلسلہ جو رواج پذیر ہے، حقیقتِ پیری و مریدی سے خارج ہے، اور داخلِ رسوم و عادات ہے...... یہ بھی جاننا چاہیئے کہ خواب اور وارداتِ قلبیہ شایانِ اعتماد نہیں ہیں، اگر کوئی اپنے کو خواب میں بادشاہ دیکھ لے، یا قطبِ وقت پائے، تو حقیقت میں ایسا نہیں ہو جاتا ـــــ اگر بیرونِ خواب بادشاہ یا قطب ہو، تو البتہ صحیح ہے ـــــ پس احوال و مواجید جو بیداری میں اور بحالتِ ہوش ظاہر ہوں، وہ گنجائش اعتماد رکھتے ہیں ورنہ نہیں ـــــ یہ بھی واضح رہے کہ ذکر کا نفع اور ذکر کے آثار کا ترتّب عمل شریعت سے وابستہ ہے ـــــ پس فرائض و سُنن کی ادائیگی اور حرام و مشتبہ سے اجتناب اچھی طرح ملحوظ رہنا چاہیئے ـــــ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں علماء سے رجوع کرنا، اور ان کے فتویٰ کے مطابق زندگانی بسر کرنا چاہیئے ـــــ والسلام ـــــ

مکتوب (۱۹۱) عبدالرحیم خانخاناں کے نام: ـــــ

(متابعتِ انبیاء کی ترغیب میں، اور اس بیان میں کہ تکلیفاتِ شرعیہ کے اندر آسانی و سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے) ـــــ

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ـــــ سعادتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی، متابعتِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہے ـــــ اگر بالفرض ہزار سال عبادت کی جائے، اور ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ بجا لائے جائیں، لیکن وہ انبیاء علیہم السلام کے نورِ متابعت سے منور نہ ہوں، تو اُن کی کوئی قیمت نہیں ـــــ ہزار سالہ ریاضتیں اور مجاہدے اُس ایک دوپہر سونے (قیلولے)

کے برابر نہیں، جو انبیاء کے حکم کے مطابق ہو ــــــ اگرچہ اُس سونے میں سراسر غفلت و تعطیل ہے ــــــ قیلولے کے مقابلے میں (اپنی مرضی کی) ہزار سالہ عبادت کو چٹیل میدان میں سراب کی مانند شمار کریں گے ــــــ اللہ جلّ سلطانہ کی کمال عنایت ہے، کہ تمام تکلیفاتِ شرعیہ اور ماموراتِ دینیہ میں اُس نے انتہائی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آٹھ پہر (دن رات) میں سترہ رکعت (فرض) پر اکتفا کیا گیا، کہ جس کی ادائیگی میں کُل وقت ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگتا ــــــ ساتھ ہی نماز میں قرأت کو بھی اُتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی آسان ہو ــــــ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جا سکے، تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا، اور بیٹھنا بھی مشکل ہو، تو کروٹ کے بل، نماز پڑھنے کو فرمایا گیا، اور جب رکوع و سجود بھی مشکل ہوں، تو اشارے سے نماز پڑھنے کی سہولت عطا فرمائی ــــــ طہارت میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، تو تیمم کو اُس کا خلیفہ بنا دیا ــــــ زکوٰۃ میں (صرف) چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کے لئے مقرر فرمایا، اور اس کو مالِ نامی اور جنگل میں چرنے والے چوپایوں پر ہی رکھا گیا ــــــ تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض کیا گیا، اور ساتھ ہی اُسے زادِ راحلہ اور راستے کے امن کے ساتھ مشروط فرما دیا ــــــ دائرۂ مباح کو وسیع کر دیا (بیک وقت) چار نکاح اور باندیوں سے جسقدر چاہے مباح کر دیئے، طلاق کو ایک ذریعہ بنایا اس کام کے لئے کہ (بوقتِ احتیاج) عورتوں کو تبدیل کیا جا سکے ــــــ کھانے، پینے اور پہننے کی چیزوں میں اکثر کو مباح کر دیا، اور تھوڑی سی چیزیں حرام قرار دیں، اور وہ بھی بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر ــــــ اگرچہ ایک بد ذائقہ اور مضرت رساں شراب کو حرام کر دیا گیا، لیکن کتنے خوش ذائقہ اور نفع مند شربت اُس کے عوض میں مباح کر دیئے ــــــ لونگ کا عرق اور دارچینی کا عرق، ہاضم اور خوشبودار ہونے کے علاوہ کتنے ہی منافع اور فوائد رکھتا ہے، جن کو لکھا نہیں جا سکتا ــــــ ان (مباح) عرقوں کے مقابلہ میں ایک تلخ، بدمزہ، بدبودار اور ہوش و حواس لے جانے والی پُرخطر (شراب) کی کیا حیثیت ہے؟ ــــــ دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ــــــ اس کے علاوہ وہ فرق جو حلت و حرمت کی راہ سے رونما ہوتا ہے، اور وہ امتیاز جو رضائے الٰہی اور عدم رضائے الٰہی کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے، وہ علیحدہ ہے ــــــ اگر (مردوں کے لئے) ریشم کے کچھ لباسوں کو حرام کر دیا گیا، تو کیا مضائقہ ہے؟ اُس کے بدلے میں کتنے عمدہ عمدہ، اور طرح طرح کے مزین کپڑے حلال کر دیئے گئے ــــــ

اونی لباس جو کہ مطلقاً مباح ہے، لباس ریشمی سے کئی درجے زیادہ بہتر ہے ـــــ علاوہ ازیں ریشمی لباس عورتوں کے لئے مباح کر دیا گیا، اور عورتوں کے لباس کا فائدہ مردوں کے طرف ہی راجع ہوتا ہے۔ ایسے ہی چاندی سونے کا حال ہے، کہ (طلائی و نقرئی زیور) عورتوں کو حلال ہیں، اور عورتوں کے زیوروں سے مردوں کو (یک گونہ) نفع حاصل ہوتا ہے ـــــ اگر کوئی بے انصاف شریعت کی اِس سہولت اور آسانی کے باوجود، شریعت کو مشکل سمجھے، تو وہ مرضِ قلبی اور علّتِ باطنی میں گرفتار ہے ـــــ بہت سے کام ہیں جن کو تندرست لوگ بآسانی کرتے ہیں، لیکن ضعیف و بیمار لوگوں کو وہ کام مشکل ہو جاتے ہیں ـــــ مرضِ قلبی سے مراد، احکامِ سماویہ کا عدمِ یقین ہے ـــــ (مریضانِ قلب) جو تصدیق (اپنے پاس) رکھتے ہیں، وہ صورتِ تصدیق ہے، نہ کہ حقیقتِ تصدیق ـــــ حقیقی تصدیق کی علامت یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری آسان ہو جائے ـــــ اس کے بغیر گویا درختِ خاردار میں اُلجھنا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "کبر علی المشرکین ماتدعوھم الیہ اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب" (گراں ہے مشرکوں پر وہ امر جس کی طرف آپ اُن کو بُلاتے ہیں ـــــ اپنا کر لیتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے، اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو دل سے متوجہ ہوتا ہے) ـــــ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ

مکتوب (۱۹۳) سیادت پناہ شیخ فرید کے نام: ـــــ

(تصحیحِ عقائد اور تعلّمِ احکامِ فقہیہ کی ترغیب میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و معین ہو، ہر اُس کام کے مقابلے میں جو آپ کے لئے نازیبا ہو ـــــ سب سے پہلی ضرورت اُن لوگوں کے لئے جو مکلّف ہیں ـــــ تصحیحِ عقائد ہے ـــــ علماء اہلِ سنت وجماعت کی آراء کے مطابق ـــــ نجاتِ اُخروی انھیں علماء کے راہِ راست دکھانے والے عقائد کے اتباع سے وابستہ ہے، فرقہ ناجیہ یہ اور ان کے متبعین ہی ہیں ـــــ یہی حضرات آنسرور اور اصحابِ آنسرور کے طریقے پر ہیں ـــــ صلوات اللہ وتسلیماتہٗ علیہ وعلیہم اجمعین ـــــ

کتاب و سنت سے حاصل کردہ وہی علوم معتبر ہیں، جو ان علمائے اہلِ سنت نے اخذ کئے، اور

سمجھے ہیں ـــــ اس لئے کہ ہر گمراہ بدعتی اپنے عقائدِ فاسدہ کو اپنے گمان میں کتاب و سنت سے ہی اخذ کرتا ہے ـــــ لہذا ہر وہ معنی جو (ایجادِ بندہ کے طور پر) کتاب و سنت سے نکالے گئے ہوں (بغیر تائیدِ علمائے اہلِ سنت) وہ معتبر نہیں ہوں گے ـــــ

عقائدِ حقہ کی تصحیح کے لئے امام تورپشتی رح کا رسالہ بہت مناسب ہے اور وہ قریب بہ فہم بھی ہے ـــــ ضروری ہے کہ آپ کی مجلسِ مبارک میں وہ رسالہ موجود رہے ـــــ لیکن چونکہ رسالۂ مذکورہ استدلالات پر مشتمل ہے، اور طویل ہے، لہذا کوئی اور رسالہ ہو جو خالص مسائل پر مشتمل ہو، تو اور زیادہ اچھا رہے گا ـــــ اس اثناء میں فقیر کے دل میں بھی یہ بات آئی کہ فقیر ایک رسالہ لکھے جو عقائد اہلِ سنت و جماعت پر مشتمل ہو اور آسان ہو ـــــ اگر ایسا رسالہ لکھا گیا تو بھیجا جائیگا ـــــ

عقائد کی تصحیح کے بعد حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مندوب اور مکروہ کا علم بھی ضروری ہے ـــــ جس کا ضامن علم فقہ ہے ـــــ اور اس علم کے مطابق عمل بھی ضروری ہے ـــــ کسی طالب علم سے آپ فرماویں کہ وہ فقہ کی کتابوں میں سے کوئی ایسی کتاب جو فارسی زبان میں ہو آپکی مجلس میں پڑھ دیا کرے، مثلاً مجموعہ خانی اور عمدۃ الاسلام ـــــ اگر نعوذ باللہ، مسائلِ عقائد ضروریہ میں سے کسی مسئلہ میں بھی خلل آیا، تو نجاتِ اخروی سے محرومی ہے ـــــ (بصورت صحت عقائد) عمل میں اگر کچھ سستی ہو جائے تو ممکن ہے کہ بے توبہ بھی درگذر فرما دی جائے، اور اگر مواخذہ بھی کرینگے تو آخر کار نجات ہو ہی جائے گی ـــــ پس سب سے بڑا کام تصحیح عقائد ہے ـــــ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رح سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ـــــ "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیں اور ہماری حقیقت کو عقائدِ اہلِ سنت و جماعت کے ساتھ مزین نہ کریں، تو اس کو ہم اپنے لئے خرابی و بربادی سمجھیں گے لیکن اگر تمام خرابیاں ہمارے ساتھ جمع کر دیں، اور ہماری حقیقت کو عقائدِ اہلِ سنت و جماعت سے نواز دیں، تو ہم کو کچھ خوف نہیں" ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو طریقۂ مرضیہ پر ثابت قدم رکھے بحرمۃ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ

ایک درویش لاہور سے آئے تھے، انھوں نے بیان کیا کہ شیخ صاحب (آپ) جامع مسجد خاص کہنہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے گئے تھے، وہاں میاں رفیع الدین نے اوّلاً آپ کی اس توجہ و رغبت کا اظہار کیا، جو ترویج دین کی طرف مبذول ہے، بعد ازاں بتایا کہ نواب صاحب (شیخ فرید) نے

اپنے گھر میں مسجد جامع بنائی ہے ـــ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ـــ حضرت حق سبحانہ مزید توفیق عطا فرمائے ـــ اس قسم کی خوشخبریاں جب مخلصین سنتے ہیں تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔

سیادت پناہا! آج کے دن اسلام بہت کس مپرسی کے عالم میں ہے ـــ ایک جیتل (پیسہ) آج اگر تقویتِ دین کے سلسلے میں صرف کیا جائے گا، تو کروڑ دروں کے اجر میں قبول کرینگے ـــ دیکھئے کس شہباز کو ترویج دین کی دولتِ عظمیٰ سے مشرف کرتے ہیں؟ ـــ ترویجِ دین، اور تقویتِ ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے اچھی ہے ـــ لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے، آپ جیسے سیادت مآب، جوانمردوں کے لئے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے۔ کیونکہ یہ اسلام آپ ہی کے بزرگ خاندان سے نکلا ہے...... حقیقی وراثتِ نبوی اسی ترویج واشاعت دین میں مضمر ہے ـــ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانہ میں موجود ہو، کہ اگر اوامر و نواہی میں سے دسواں حصہ ترک کردو تو تباہ ہو جاؤ، اور تمہارے بعد لوگ آئیں گے اگر وہ دسواں حصہ بھی اوامر و نواہی کا انجام دے لیں گے تو نجات پا جائیں گے ـــ یہ وقت وہی وقت ہے، اور یہ موجودہ لوگ وہی لوگ ہیں۔ ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

...... مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) کو بدمذہبوں کے رسوم کی خرابی سے باخبر کریں، اور اُن رسوم کے مٹانے میں کوشش کریں۔ یہ رسوم کفر جو باقی رہ گئے ہیں شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ بادشاہ کو اُن کی بُرائی کا علم نہیں ـــ اگر گنجائش دیکھیں تو علماء اہل اسلام میں سے کسی عالم سے فرمادیں کہ وہ بادشاہ کو اہل کفر کی رسوم کی بُرائی سے مطلع کرے ـــ تبلیغ احکام شرعیہ کے لئے کرامات دکھانا ضروری نہیں ہے ـــ قیامت میں یہ عذر نہ چل سکے گا، کہ تبلیغ احکام شرعیہ اس وجہ سے نہیں کی گئی، کہ کوئی کرامت نہ تھی ـــ (دیکھئے) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کہ بہترین موجودات تھے تبلیغ احکام شرعیہ کرتے تھے، اگر امت معجزہ طلب کرتی تھی، تو فرمادیتے تھے کہ: "معجزات، خدا کے پاس ہیں، ہمارے ذمے تو تبلیغ احکام ہے" ـــ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (اس تبلیغی جدوجہد کے درمیان) حق سبحانہ کوئی ایسا امر واضح فرما دے جس سے لوگوں کو جماعت

اہلِ حق کی حقانیت کا یقین ہو جائے ـــــ بہرحال (بادشاہ کو) مسائلِ شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع دینی ضروری ہے، جب تک ایسا نہ ہوگا علماء اور مقربانِ بادشاہ کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی ـــــ اس تبلیغی جدوجہد اور گفتگو میں اگر کسی جماعت کو تکلیف و اذیت بھی پہنچ جائے تو زہے قسمت، انبیاء علیہم السلام نے تبلیغِ احکامِ شرعیہ میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں جھیلیں، اور کتنی کچھ دشواریاں برداشت نہیں کیں؟۔ وہ جو تمام انبیاء میں سب سے افضل تھے، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ انھوں نے فرمایا ہے ـــــ مجھے اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف دی گئی ہے کسی نبی کو اتنی تکلیف نہیں دی گئی ـــــ ؎

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

والسلام والاکرام ... .

مکتوب (۱۹۴) صدرِ جہاں[1] کے نام : ـــــــــــ

(ترویجِ ملت اور تائیدِ دین کی ترغیب میں)

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باعافیت رکھے ـــــ ترویجِ احکامِ شرعیہ اور تذلیلِ دشمنانِ دینِ محمدی کی خبریں سُن کر غم زدہ مسلمانوں کو فرحت اور خوشی ہے ـــــ الحمد للہ ـــــ اللہ تعالیٰ ہے

---

[1] میران صدرِ جہاں ۔ آپ پہانی کے ساکن تھے (جو بقول صاحب تذکرہ علمائے ہند توابع قنوج سے ایک گاؤں ہے) ـــــ بڑے فاضل اور بڑے خوش طبع تھے، عہدِ اکبری میں شیخ عبد النبی کی سفارش سے ممالک محروسہ کے افتاء کی صدارت ان کے سپرد تھی، اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتے کرتے پایۂ امارت اور منصب دو ہزاری پر فائز ہوئے ـــــ جہانگیر نے زمانۂ شاہزادگی میں ان سے وعدہ کیا کہ اگر میری سلطنت ہوئی تو آپ کا تمام قرضہ ادا کر دوں گا یا آپ کوئی منصب چاہیں گے وہ دوں گا ـــــ جہانگیر جب بادشاہ ہوا تو میران کو دونوں باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا ـــــ میران نے ادائگی قرض اپنے ذمے لیکر منصب چہار ہزاری کی درخواست کی، چنانچہ یہ منصب عطا کیا گیا ـــــ صدارت بھی برقرار رکھی گئی ـــــ اور قنوج کو انکی جاگیر میں دیدیا میران صدرِ جہاں، خلقِ خدا کے حق میں بہت محسن اور نافع واقع ہوئے تھے ـــــ ایک سو بیس برس

(بقیہ ص۲۶ پر)

درخواست ہے، کہ وہ اس عظیم الشان کام میں ترقی عطا فرمائے۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یقین ہے کہ مقتدایانِ اسلام، خواہ وہ ساداتِ عظام ہوں یا علماءِ کرام، خلوت وجلوت میں دین کی ترقی اور اس صراطِ مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے ـــ ایک بے سروسامان (عاجز) اس معاملہ میں گفتگو کو کیا طول دے ـــ سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) اسلامی حسنِ استعداد کی وجہ سے علماء کے طلبگار ہیں ـــ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ـــ آپ کو معلوم ہے کہ قرنِ سابق (عہدِ اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا وہ علماء سوء کی نحوست کی وجہ سے تھا۔

اسلئے پوری چھان بین کر کے علماء دیندار کا انتخاب کریں ـــ علماء سوء دین کے چور ہیں۔ ان کا مقصد، حب جاہ وریاست اور مخلوق میں اپنی عزت ہے ـــ اللہ اُن کے فتنہ سے پناہ دے ـــ ہاں جو بہترین علماء ہیں وہ بہترین خلائق ہیں ـــ یہ ہی وہ ہیں کہ فردائے قیامت میں اُن کے قلم کی سیاہی، شہداء کے خون کے ہموزن کریں گے، اور اس سیاہی کا پلہ جھک جائے گا ـــ بُرے علماء سب لوگوں سے بدتر ہیں، اور اچھے علماء سب لوگوں سے بہتر ہیں۔

والسلام..... .. .. ..

(صفحہ ۲۵ کا بقیہ حاشیہ) کی عمر پا کر ۱۰۲۰ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ـــ آخر وقت تک عقل وحواس میں بالکل کوئی فتور نہیں آیا تھا ـــ ویسے مشتِ استخواں تھے، اور گھر میں بستر پر پڑے رہتے تھے، لیکن جہانگیر کی خدمت میں تا دیر مودب کھڑے رہنا، اور دربارِ شاہی میں براہِ زینہ بے استعانتِ غیر آمد ورفت رکھنا ـــ آخری عمر تک رہا ـــ (ماخوذ از مآثر الامراء جلد سوم)

حضرت مجددؒ سے عمر میں تقریباً ۸۰ سال بڑے تھے ـــ عہدِ اکبری میں ان کے پائے ثبات میں بھی کچھ لغزش آ گئی تھی ـــ چنانچہ مآثر الامراء میں دربارِ اکبری کے ایک قابلِ افسوس اور عبرت ناک واقعہ کو ان کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے ـــ حالانکہ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ خلعتِ افتاء پہننے کے بعد بپاس شریعتِ غرّا شعر گوئی کو چھوڑ دیا تھا ـــ اللہ تعالیٰ ان کی بعض لغزشوں کو معاف فرمائے (آمین)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ پورے طریقے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سعیٔ مشکور سے متاثر ہو گئے تھے۔

نسیم احمد فریدی غفرلہٗ

اللہ کا ایک بندہ

(محمد منظور نعمانی)

(۲)

بیٹی کی شادی میں رسوم سے انکار اور اسکی وجہ سے مقاطعہ اور برادری سے اخراج

—— فرمایا —— میری بڑی بیٹی زینب کا رشتہ ایک جگہ طے ہو گیا تھا، میں نے اس کے نکاح کا ارادہ کیا، اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ برادری کی رسموں کی پابندی بالکل نہیں کروں گا بس شریعت و سنت کے مطابق سیدھا سادہ نکاح کر دوں گا اور بچی کو رخصت کر دوں گا، جو لوگ برادری میں بڑے تھے پہلے ان سے بات چیت کی۔ تاکہ کوئی ہنگامہ اور ناگواری پیش نہ آئے، انھوں نے کہا کہ ناچ باجے کے لیے تو ہم تجھے مجبور نہیں کرتے لیکن برادری کی فلاں فلاں رسمیں تو تجھے ضرور ہی کرنی پڑیں گی۔ میں نے بہت سمجھایا، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے، اب میں نے لڑکے والوں سے بات چیت کی کہ میرا ایسا ارادہ ہے، اگر تم پختگی سے اس کے لیے تیار ہو تو فلاں دن بعد مغرب نکاح ہوگا اور اگر تم بھی اس کے لیے تیار نہ ہو تو پھر خوشی سے اپنے لڑکے کے لیے کوئی دوسری لڑکی تجویز کر لو مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی، انھوں نے آمادگی اور استقامت ظاہر کی، اور میں نے دن مقرر کر دیا، یہ بھی کہہ دیا کہ آپ حضرات مغرب کی نماز اپنی مسجد میں پڑھ کے آئیں اور نکاح اور رخصتی سے فارغ ہو کے عشاء اپنی مسجد میں جا کے پڑھ لیں۔ بس اتنا ہی وقت نکاح اور رخصتی میں لگے گا۔

برادری والوں نے پنچایت بلائی اور خود میرے بھائی کی زبان سے میرے مقاطعہ کا اور برادری سے خارج کیے جانے کا اعلان کرایا۔

مقررہ دن آجانے پر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آج بعد مغرب زینب کا نکاح اور رخصتی ہو، جو کچھ ضرورت ہو بنا دو اور ضروری سامان کر دو، والدہ کو میری اس بات سے تعجب بھی ہوا اور اس وقت رنج بھی ہوا لیکن پھر میرے کہنے سننے سے وہ راضی اور آمادہ ہوگئیں، بعد مغرب لڑکے والے آئے اور میں نے نکاح کر کے اسی وقت بچی کو رخصت کر دیا۔

پھر اللہ نے برادری والوں کا وہ سارا مقاطعہ بھی ختم کرا دیا اور سب سیدھے ہو گئے۔

پہلا حج فرمایا — سنہ ۱۳۸۰ھ میں میں نے والدہ کو ساتھ لے کر حج کا ارادہ کیا، کئی بچے چھوٹے چھوٹے تھے اور ان کی وجہ سے گھر پر کسی کا رہنا ضروری تھا، اس لیے اہلیہ کے متعلق طے کیا کہ وہ ساتھ نہ چلیں، بلکہ گھر پر رہیں۔ محمد عمرؒ کی بیوی صرف ۸-۱۰ دن پہلے آئی تھی، اس لیے گھر اس بیچاری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا، لیکن اہلیہ نے (جو دین میں بھی حضرت حاجی صاحب کی رفیقہ اور بڑی صالحہ عابدہ تھیں) ساتھ چلنے کے لیے اتنا سخت اصرار کیا کہ مجبوراً میں نے طے کر لیا کہ اچھا اب اس سال نہیں جاتے، انشاء اللہ اگلے سال جب محمد عمر کی بیوی گھر سنبھالنے کے قابل ہو جائے گی تو والدہ اور اہلیہ دونوں کو ساتھ لے چلیں گے۔ بندھا بندھایا سامان بھی کھل گیا۔ شہر کے کئی آدمی جو ساتھ جانے والے تھے جب میں نے انھیں اپنی مجبوری بتائی تو ان اللہ کے بندوں نے بھی ارادہ فسخ کر دیا۔ میں نے ہر چند سمجھایا لیکن وہ تیار نہیں ہوئے۔ میں نے بیوی سے کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے یہ سب بھی رہے جا رہے ہیں، اس نیک بندی کے دل پر اس کا بہت اثر پڑا اور وہ اس پر راضی ہوگئی کہ میں والدہ کو ساتھ لے کے چلا جاؤں، اب شہر کے وہ سب ساتھی بھی تیار ہو گئے، اور ہم روانہ ہو گئے —

مناسک حج کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی کتاب زبدۃ الحرمین میں نے بہت پہلے سے دیکھنی شروع کر دی تھی۔ اس کی باتیں خوب یاد ہوگئی تھیں۔ اس کے مطالعہ سے اور تجربہ کاروں کے بتانے سے یہ بات دل میں بیٹھ گئی تھیں کہ اس سفر میں دو چیزیں مشکل ہیں۔ ایک نفس پر ایسا قابو کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو اور دوسرے یہ کہ ہر نماز وقت پر اور جماعت سے ادا ہو۔

ؒ حاجی صاحب مدظلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کی بہت سی خوبیوں کا وارث بنایا ہے!

لڑائی جھگڑے کے بارے میں تو مجھے اطمینان تھا کہ انشاء اللہ میں اس سے محفوظ رہوں گا، اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی ہو کہ ساری عمر میں کسی سے لڑائی کی بلکہ تیز کلامی کی بھی نوبت نہیں آئی اور نماز کے بارہ میں میں نے عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس مالک کا فضل ہے کہ اس دن سے آج تک بغیر عذر شرعی کے جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوئی ہے۔

دوسرا حج اور اہلیہ کی نہایت دردناک موت

سنہ ۴۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو اتنی وسعت عطا فرمادی کہ اہلیہ محترمہ سے انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے سب بچوں کو ساتھ لے جاکر حج کر آؤ، انھوں نے اس پر سخت اصرار کیا کہ حاجی صاحب خود بھی ساتھ چلیں، چنانچہ کراچی تک حضرت موصوف کو ساتھ جانا پڑا، وہاں پہونچ کر بڑی مشکل سے وہ اہلیہ کو اس پر راضی کر سکے کہ وہ ان کے بغیر اپنے بچوں [illegible] ساتھ ہی چلی جائیں، جہاز کے ساڑھے چھ ٹکٹ خریدے گئے اور حاجی صاحب اپنے گھر کے اس قافلہ کو رخصت کر کے کراچی ہی سے واپس تشریف لے آئے۔ یہ پورا قافلہ حج ادا کر کے بخیر و عافیت واپس آگیا۔

اگلے سال سنہ ۵۰ھ میں حضرت حاجی صاحب نے تنہا حج کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اہلیہ نے اب پھر ساتھ چلنے کے لیے شدید اصرار کیا، ان کو حجاز مقدس سے ایسا عشق ہوگیا تھا کہ وہ حاجی صاحب سے اصرار کرتی تھیں کہ ہجرت کر کے وہیں جا پڑیں، بہرحال جب سنہ ۵۰ھ میں حاجی صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے بھی ساتھ چلنے کے لیے بے انتہا اصرار کیا بلکہ کراچی تک ساتھ گئیں بھی، لیکن حاجی صاحب چونکہ حج تنہا ہی کرنا چاہتے تھے اس لیے کسی طرح سمجھا بجھا کر انھیں واپسی پر راضی کر لیا اور وہ کراچی ہی سے واپس آگئیں۔ اور حضرت حاجی صاحب اپنے پروگرام کے مطابق تنہا ہی تشریف لے گئے۔ ماہ محرم میں حاجی صاحب کی واپسی ہونے والی تھی، اہلیہ محترمہ نے صاحبزادوں سے تقاضا کر کے مکان کے بالائی حصہ میں ایک عمارت حاجی صاحب ہی کے آرام کی نیت سے بنوائی اور اس کی پوری کوشش کی کہ حضرت موصوف کی تشریف آوری سے پہلے عمارت بن کر تیار ہوجائے۔ نویں محرم کی شام کو عمارت مکمل ہوئی۔ مزدوروں کے جانے کے بعد اہلیہ محترمہ نے خود بھی لگ لپٹ کے اسی وقت اس کی صفائی کرائی تاکہ آج کی مبارک رات (شب عاشورا) میں نمازیں اسی نئی عمارت میں پڑھی جائیں، چنانچہ مغرب کی نماز اسی نئی چھت

کے نیچے مصلّیٰ بچھا کر پڑھی جسے مزدوروں نے آج ہی پاٹا تھا۔ پھر وہیں اوّابین کے نوافل پڑھے، وہیں عشاء پڑھی، نماز عشاء سے فارغ ہو کر وہیں معمول کے مطابق تسبیح پڑھتی رہیں۔ اسی حال میں مصلّے پر لیٹ گئیں۔ ہزار دانہ تسبیح ہاتھ میں بھی اور ہاتھ سینے پر تھا، رات کو سخت آندھی چلی، چھت کا ایک پتھر جو مزدوروں نے غالباً صحیح نہیں لگایا تھا اس آندھی سے گرا اور حضرت حاجی صاحب کی اہلیہ محترمہ کے ٹھیک سر پر پڑا اور وہ وہیں اپنے مصلّے پر جاں بحق ہو گئیں۔ (یہ عاشورا ۱۳۵۱ھ کی رات تھی)۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۰ اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وابلغھا منازل الشھداء۔

چند ہی دن کے بعد حاجی صاحب پہونچے اور اس سانحہ کی تفصیل معلوم ہوئی، دل پہ جو گزرنی چاہیے وہ سب گزری اور خوب گزری۔ لیکن حضرت موصوف کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ سب گھر والوں نے (یعنی صاحبزادوں اور صاحبزادیوں نے) اتنے عظیم سانحہ کو ان کے پیچھے بھی صبر سے برداشت کیا، سب کے دل روئے، سب کی آنکھوں سے آنسو گرائے لیکن زبان کسی کی نہیں بہکی۔

(راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اہلیہ محترمہ کی شہادت کا یہ واقعہ میں نے حضرت حاجی صاحب کی زبان سے مختلف صحبتوں میں کئی بار سنا ہے، اس کے سناتے وقت حضرت کی جو خاص کیفیت ہوتی ہے اور چہرہ پر قلبی حزن و سرور کے جو ملے جلے آثار ہوتے ہیں ان سے میرا اندازہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی دینی ترقیات میں اس واقعہ کو بھی خاص دخل ہے ـــــ اسی طرح اب سے کوئی تین سال پہلے حضرت موصوف کے ایک صاحبزادہ محمد عثمان، مرحوم کی موت بھی بڑے دردناک طریقہ پر واقع ہوئی اور اتفاق سے اس وقت بھی حضرت موصوف، حج ہی کے سفر میں تھے ـــــ راقم سطور کا اندازہ ہے کہ ان جانگسل حادثوں کو آپ نے جس تسلیم و رضا کی صفت کے ساتھ جھیلا اور "صبر" و "احتساب" کی نبوی ہدایت پر جس طرح عمل کیا، اس نے موصوف کو وہاں پہونچا دیا جہاں شاید برسہا برس کے اختیاری مجاہدوں سے بھی نہ پہونچا جا سکتا ـــــ

ناظرین معاف فرمائیں! میں نے حضرت حاجی صاحب کے حالات حتی الوسع انہی کی زبان سے بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن درمیان میں یہ میں نے اپنا ایک تاثر اور خیال بھی بیان کر دیا ـــــ اس کے آگے حضرت موصوف کے حالات خود انہی کی زبان سے سنئے)۔

اہلیہ محترمہ کی شہادت کا مذکورۂ بالا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ایک دفعہ بیان فرمایا

کہ ــــ میں نے سوچ سمجھ کے دوسرا نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کیا، میرے مخلص دوستوں نے گناہ اور نفس کی خرابی سے بہت ڈرایا اور نکاح کر لینے کا مشورہ دیا۔ ان حضرات کا مشورہ مخلصانہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی امید تھی کہ انشاء اللہ میں ایسے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گا، اس لیے میں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، میرے مالک نے ایسی حفاظت فرمائی کہ آج تک قلب میں کبھی وسوسہ بھی نہیں آیا، کسی اور کا کیا ذکر، جوان ہونے کے بعد اپنی کسی بیٹی، پوتی یا نواسی کو بھی میں نے نظر بھر کے نہیں دیکھا ہے۔

اشرف منزل ذکر فرمایا ــــ کہ دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر دیتے کہ سب بچوں کے لیے الگ الگ مکان ہوتا، کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اتنا طویل و عریض فلاں پلاٹ فروخت ہو رہا ہے، اس کی خرید کے لیے نقد روپیہ اپنے پاس نہیں تھا، سب گھر والے خوشی سے زیور فروخت کرنے پر راضی ہو گئے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے وہ پلاٹ دلا دیا۔ اب تعمیر کے لیے کچھ نہیں تھا، میرے ایک عزیز نے کہا کہ میرے پاس اتنی رقم رکھی ہے اُسے لے کر تعمیر شروع کرا دیجئے۔ اور جب کبھی واپس کرنا آپ کے لیے آسان ہو میری رقم واپس کر دیجئے گا۔ چنانچہ وہ رقم لے کر تعمیر شروع کر دی گئی اور ٹھیکیداری میں دوسروں کے کام بھی کراتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں ایسی غیر معمولی برکت دی کہ اپنی ہی آمدنی سے تعمیر بھی مکمل ہو گئی، اور قرضہ والی رقم بھی ادا کر دی گئی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اسی عمارت کا نام "اشرف منزل" ہے۔ یہ پوری عمارت سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے (اُس علاقہ میں عام طور سے عمارتیں بجائے اینٹ کے پتھر ہی سے بنتی ہیں) بالکل سادہ مگر بہت مضبوط عمارت ہے۔ اس میں سترہ مکانات، چند دوکانیں، ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے۔ گویا قلعہ نما ایک چھوٹا سا محلہ ہے، حضرت حاجی صاحب کی مہارت فنی کا یہ کرشمہ ہے یا کہیے کہ ان کی کرامت ہے کہ اتنی وسیع اور ایسی مضبوط عمارت جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر پر کئی لاکھ روپے صرف ہوئے ہوں گے بہت تھوڑی لاگت سے تیار ہوئی، اشرف منزل کی مسجد جس کی لاگت کا تخمینہ کوئی دیکھنے والا کسی طرح بھی ۳-۴ ہزار سے کم نہ لگائے گا ــــ حضرت

حاجی صاحب نے بتایا کہ اس پر صرف پندرہ سو روپے صرف ہوئے ہیں۔ اور وہ بھی اس لیے کہ زمین پتھریلی ہونے کی وجہ سے قریبًا چار سو روپے صرف کنوئیں کی تیاری میں لگ گئے، گویا کنوئیں کی رقم اگر الگ کردی جائے تو مسجد پر صرف گیارہ سو روپے صرف ہوئے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ "اشرف منزل" تیار ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں ابھی سے اس کی ملکیت ان بچوں کی طرف منتقل کردوں جن کے خیال سے یہ بنائی گئی ہے اور اپنے کو بے ملک بنالوں۔ اس کے بارہ میں میں نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر مشورہ چاہا، حضرت کا جواب آیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جائے اور معلوم ہو تو اس کا بتانا تو ضروری ہو، لیکن ہر معاملے میں مشورہ دینا ضروری نہیں، آپ خود ہی غور کرلیں کہ اس زمانہ میں سب کچھ دوسروں کے حوالے کرکے خود خالی ہاتھ ہو جانا کہاں تک مناسب ہوگا

حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرت کی رائے نہیں ہو۔ اس لیے میں نے اپنا وہ ارادہ اس وقت فسخ کردیا ــــ کچھ عرصہ کے بعد پھر وہی داعیہ شدت سے دل میں پیدا ہوا، اب میں نے سوچا کہ حضرت نے صاف منع تو فرمایا نہیں ہے، اس لیے مشورہ کے واسطے اپنے کسی اور بزرگ کی طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہو اور اگر وہ انتقال ملک کا مشورہ دے دیں تو میں اس پر عمل کرلوں۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اپنی بات اس میں زیادہ تفصیل سے لکھی، وہاں سے صاف جواب میری رائے کے خلاف آیا۔ میں نے پھر ارادہ ترک کردیا ــــ

اس کے کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سیرت پڑھ رہا تھا، اس کے مطالعہ سے اپنے کو بے ملک بنا لینے کا وہی داعیہ اور زیادہ شدت سے پیدا ہوا، اب میں نے سوچا کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ جو کچھ میں سوچ رہا ہوں وہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، میرے اکابر میرے ضعف کی وجہ سے ازراہ شفقت و خیر خواہی مجھے اس کا مشورہ نہیں دیتے ہیں، اگر میں توکلًا علی اللہ عزم کرلوں اور ایسا کرگزروں تو انشاء اللہ میرے حق میں یہ بہتر ہی ہوگا ــــ یہ سوچ کر میں نے ایک دن فیصلہ کرلیا اور لڑکوں کے سامنے اپنا یہ منصوبہ رکھا

کہ میں نے یہ سوچا ہے، ان سب نے بھی یہی کہا کہ جب تک آپ ہیں یہ سب آپ ہی کی ملک میں رہنا چاہیے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں خوب سوچ سمجھ کے عزم کر چکا ہوں اور اس کام کو اب کر دینا ہی چاہتا ہوں۔

پھر میں نے انتقال ملک کی اس کارروائی کو قانونی طور پر بھی مکمل کر دیا اور بحمداللہ اب میری ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے۔

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ میں ابتدائی دور میں بکثرت خواب میں اپنے کو برہنہ دیکھا کرتا تھا اور اس سے طبیعت متاثر ہوتی تھی، میں نے حضرت مرحوم کو لکھا کہ میں بکثرت ایسا خواب دیکھتا ہوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ خوابوں کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے اور کیا عجب ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت تجرد اور ماسویٰ سے انقطاع نصیب فرما دے اور ان خوابوں کی تعبیر اس طرح ظاہر ہو ۔۔۔

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی موجودہ زندگی ان خوابوں کی ظاہر باہر تعبیر و تفسیر ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی موجودہ زندگی

اب حاجی صاحب کی قیام گاہ اشرف منزل کی مسجد کا ایک بہت چھوٹا سا حجرہ ہے جو شاید اسی نیت سے بنایا تھا ۔۔۔ اب وہ اس لحاظ سے کہ ان کی ملک میں اب کچھ بھی نہیں ہے گویا "فقیر" ہیں اور دعائے نبوی "اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین" (جو ان کی خاص محبوب دعاؤں میں سے ہے) کی قبولیت کا زندہ مجسمہ ہیں، لیکن ساری اولاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سعادتمند لائق حضرت حاجی صاحب کی دل سے معتقد بھی ہے اس لیے کچھ نہ ہونے کے باوجود گویا سب کچھ ہے۔ خیر کے مصارف میں حسب سابق اب بھی وہ خوب صرف فرماتے ہیں لیکن ہر پیسہ سوچ سمجھ کے بہتر سے بہتر مصرف میں صرف فرمانے کا اہتمام کرتے ہیں، اپنی ذات پر بہت ہی کم خرچ کرتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ ۹۰ سال کی عمر ہے اب تو خدا کے فضل سے تین لڑکوں کے دواخانے ہیں اور وہ طرح طرح کی دوائیں بنا کر مجھے خود ہی دیتے رہتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ اپنی دوا دارو میں میں نے کبھی ایک روپیہ بھی صرف نہیں کیا ہے۔ کسی حکیم ڈاکٹر کو اپنے

حساب میں کبھی فیس نہیں دی، چونکہ ہمیشہ سے کم کھانے کی عادت ڈالی ہو اس لیے خدا کے فضل سے بیمار ہی بہت کم ہوتا ہوں، اور اگر کبھی کچھ طبیعت خراب ہوئی تو بس ۲-۳ دن لوٹ پوٹ کے کھڑا ہو جاتا ہوں ـــــ لباس اتنا معمولی اور کم قیمت پہنتے ہیں کہ کپڑے کی اس شدید گرانی کے زمانہ میں پورے لباس (کرتے، پاجامے اور ٹوپی) کی لاگت غالباً ۲-۳ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی، اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ اور معمولی کھاتے ہیں ـــــ جفاکشی اور کفایت شعاری زندگی کا مستقل اصول ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید و تلقین فرماتے رہتے ہیں کہ جہانتک ہو سکے جفاکشی اور کفایت شعاری کو اپنا اصول بنائیں اور اپنے ذاتی مصارف سے پیسے بچا بچا کر دینی ضرورتوں میں لگائیں اور اللہ کے حاجت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کریں۔

چند ایمانی صفات

اخلاص و للّٰہیت کسی انسان کی نیت اور اس کے باطن کا صحیح علم تو بس اللہ ہی کو ہوتا ہو لیکن آثار اور علامات سے کسی حد تک اندازہ بندوں کو بھی ہو جاتا ہو، حضرت حاجی صاحب سے بے تکلف تعلق کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ غالباً ان کا ہر کام اور کسی کے ساتھ ان کا ہر معاملہ اور برتاؤ. کھانا، کھلانا، پینا، پلانا، لینا، دینا، حتیٰ کہ بات کرنا سب حضرت اللہ کے لیے اور ثواب ہی کی نیت سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنی قابل رشک نعمت ہے۔
وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون ٥

دعا اور شکر کا غلبہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احوال و اوقات میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور آپ کی یہ یاد زیادہ تر دعا اور شکر کی شکل میں ہوتی تھی، حضرت حاجی صاحب پر بھی ان دو چیزوں کا خاص غلبہ ہو اکثر اوقات زبان دعا اور شکر میں مصروف رہتی ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ اپنی ہی سیدھی سادی زبان میں عرض کرتے ہیں اور اس طرح عرض کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہو ہر کلمہ قلب کی گہرائی سے نکل رہا ہو، اندازہ ہوتا ہو کہ اللہ کا یہ بندہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں رسوم کا پابند نہیں ہے بلکہ بس مغز اور حقیقت ہی سے واسطہ ہے۔

بے نفسی

حاجی صاحب کی زندگی میں جو ایمانی صفت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہو وہ اُن کی بے نفسی ہو، اگر ان کو کسی ایسے کام میں جو عرف عام میں بہت ہی پست اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور جس کے کرنے سے لوگوں کی نظروں میں آدمی بے وقعت ہو جاتا ہو اجر اخروی اور دینی نفع کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ اس کو بڑی بے تکلفی بلکہ ذوق و شوق سے کرتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا کہے گا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ جس سے مجھے بڑا سبق ملا اور جس کا میرے دل پر آج تک اثر ہے یہاں بھی ذکر کرتا ہوں۔

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ حاجی صاحب نے خیر کے جو مختلف سلسلے قائم کر رکھے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مفید دینی اور اصلاحی کتابیں کافی مقدار میں کتب خانوں سے منگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں کو پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ پھر جب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا تو اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کو وہ کتاب بلا قیمت ہدیہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کو خریدنے کی ترغیب دے کر اس اصل قیمت پر دے دیتے ہیں جس پر وہ کتب خانہ سے آئی ہوتی ہے اور کبھی مزید نقصان برداشت کر کے اس سے بھی کم قیمت پر دے دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں غالباً ۳۰۔۴۰ سال سے قائم ہے ـــــــ میرے نزدیک تو یہی بڑی بے نفسی کی بات ہے کہ کسی شخص کو کتاب خریدنے کی ترغیب دے کر خود ہی اس کے ہاتھ کتاب فروخت کی جائے، لیکن اس سلسلہ میں اب سے ۳ سال پہلے مجھے ایک بڑا ہی حیرت انگیز اور بہت ہی سبق آموز تجربہ ہوا، حاجی صاحب نے مجھے جودھپور آنے کے لیے لکھا میں نے ارادہ کر لیا اور اُن ہی کے مشورہ سے سفر کا پروگرام اس طرح بنا کہ پہلے میں بی باڑ اتروں اور دو دن وہاں قیام کر کے جودھ پور جاؤں، حاجی صاحب نے مجھے لکھا کہ میں ان کے لیے ڈیڑھ دو سو روپے تک کی مفید اور عام فہم دینی اور اصلاحی کتابیں بھی کتب خانہ الفرقان سے لیتا آؤں۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں ساتھ لے لیں۔ پروگرام کے مطابق میں بی باڑ پہونچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب وہیں تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا کتابیں ساتھ آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لایا ہوں، فرمایا تو مجھے دیجئے دے دیجئے! میں نے عرض کیا کہ کتابیں جودھپور ہی تو جانی ہیں، اسی طرح میرے بکس میں چلی جائیں گی، فرمایا نہیں، مجھے یہاں ہی دے دیجئے!

میں نے ساری کتابیں حوالہ کر دیں۔ فرمایا جو کمیشن دیا گیا ہو وہ منہا کر کے ہر کتاب کی قیمت مجھے بتادی جائے۔ میرے ایک رفیق سفر نے حساب لگا کر ہر ایک کتاب کی قیمت بعد منہائی کمیشن لکھ دی۔ اس کے بعد جب میں نماز کے لیے مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چادر پر وہی کتابیں اس طرح لگی ہوئی ہیں جس طرح بعض غریب کتب فروش زمین پر چادر بچھا کر اپنا کتب خانہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، میں نے سمجھا کہ حاجی صاحب نے یہ کتابیں کسی صاحب کے سپرد کر دی ہیں۔ اور وہ بیچارے اس طرح ان کو فروخت کر رہے ہیں ــــ اگلے دن حاجی صاحب نے دریافت فرمایا کیا ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ساتھ ہیں؟ میں نے عرض کیا جی بس یہی تھیں، فرمایا وہ تو یہیں ختم ہو گئیں، ــــ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دوکان حاجی صاحب نے خود ہی لگائی تھی اور خود ہی بیٹھ کر "کتب فروشی" فرمائی، اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر پڑھے لکھے شخص کو خود بلاتے اور ایک دو کتابیں اس کو دے کر فرماتے کہ ان کو دیکھو، جی چاہے گھر لے جاؤ، اگر مفید سمجھو اور خرید سکو تو قیمت ادا کر دینا اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور رکھنا چاہو تو یوں ہی رکھ لینا، مگر مجھے آکر بتا جانا ــــ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاجی صاحب نے خود ہی بیٹھ کے کتب فروشی کی ہے اور اس طرح کی ہے تو میری طبیعت پر ایک تو اس کا بوجھ پڑا کہ میری کتابوں کی وجہ سے انھوں نے اتنی زیر باری اٹھائی اور دوسرا وسوسہ دل میں یہ آیا کہ شاید بہت سے لوگوں نے سمجھا ہو کہ بیچنے کے لیے میں اپنی کتابیں سفروں میں بھی ساتھ لیے پھرتا ہوں اور یہاں میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ بیجا کام لیا ہے ــــ اب مجھے یاد نہیں کہ اس بارہ میں میں نے حاجی صاحب سے کچھ عرض کیا اور موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا یا از خود مجھ سے فرمایا ــــ کہ حضرت! میرے پاس اتنا علم تو ہے نہیں کہ میں ایسی کتابیں لکھ کر اللہ کے بندوں کو نفع پہونچا سکوں اور اس کا ثواب حاصل کر سکوں، لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ان کی اشاعت میں اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں تک ان کے پہونچانے میں کوشش کروں اور اس طرح اس کے ثواب میں شریک ہو جاؤں، میں بس اس لالچ میں ایسا کرتا ہوں ــــ

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حاجی صاحب نے جس پی پارٹ میں اس شان سے یہ

"کتب فروشی" کا عمل کیا، وہاں کے لوگ عموماً حضرت موصوف کو ایک شیخ و مرشد اور جودھ پور کی ایک معزز اور باوقار شخصیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں، دراصل ایسا نفس کش عمل وہی شخص کر سکتا ہے جس کا نفس بالکل کٹ چکا ہو اور جس کی نظر ہر طرف سے ہٹ کے بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجر آخرت پر جم گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی حصہ اس ناچیز کو بھی عطا فرمائے۔

دین کا صحیح فہم اور اعتدال

یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حاجی صاحب "تعلیم یافتہ" نہیں ہیں دینی ذوق اور دینی شعور پیدا ہونے کے بعد بس قرآن مجید پڑھ لیا ہے اور اردو کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر لی ہے، خط و کتابت کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن اپنے خطوط عموماً دوسروں سے لکھاتے ہیں، خود غالباً دو سطریں بھی نہیں لکھ سکتے ہیں لیکن اس "ناتعلیم یافتگی" کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فہم دین کی ایسی دولت نصیب فرمائی ہو کہ بس اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ ایک دفعہ ایک علمی اور دینی موضوع پر ناچیز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی نے ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک نتیجہ پر پہونچے کچھ دنوں بعد میرا جودھ پور جانا ہوا میں نے ایک سلسلۂ گفتگو میں حاجی صاحب سے اس موضوع کا کچھ ذکر کیا۔ حاجی صاحب نے اپنی سیدھی سادی بالکل غیر علمی زبان میں وہی بات فرمائی جس پر ہم دونوں کافی غور کے بعد پہونچ سکے تھے، ایسے ہی حضرات کے بارہ میں عارف رومی نے فرمایا ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اس صحیح فہم دین ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صادق عشق اور نہایت عمیق عقیدت کے باوجود اس طرح کا غلو بالکل نہیں ہے کہ جو اس تعلق میں اکثر پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ اس طرح کے غلو کی اصلاح ان کا خاص موضوع ہے، حاجی صاحب کی گفتگو کا خاصا حصہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہوتا ہے لیکن بڑے سادے انداز میں بس مرحوم یا زیادہ سے زیادہ حضرت مرحوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ذکر کے ساتھ برابر دعائے مغفرت کرتے جاتے ہیں ــــــ خود ہی سنایا کہ ایک دفعہ حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک

صاحب نے میری زبان سے حضرت کے لیے باربار دعائے مغفرت سن کر فرمایا کہ مغفرت میں کیا شبہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ خدا کے بندے اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، جس کے لیے جو چاہے فیصلہ کرے، پیغمبر تک اُس کے جلال کے سامنے لرزتے، اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ ہم سب اور ہمارے سب بڑے بھی دعائے مغفرت کے محتاج ہیں۔

اسی طرح سنایا کہ ایک دفعہ حجاز مقدس میں ہمارے فلاں پیر بھائی نے بڑی ناگواری کے ساتھ میرے سامنے شکایت کی کہ فلاں بزرگ کے مریدین و متعلقین اپنے شیخ کو ہمارے حضرت سے بھی بڑا سمجھتے ہیں ــــــ میرا جی چاہا کہ اسی وقت ان سے اس بارہ میں کچھ کہوں، لیکن میں نے سمجھا کہ اس وقت یہ بحث کرنے لگیں گے اس لیے اس وقت میں نے اُن سے کچھ عرض نہیں کیا، دوسرے کسی وقت میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے مجھ سے فلاں وقت یہ بات کہی تھی، آپ نے سوچا ہے کہ اس بات سے آپ کی ناگواری اور غصہ کی وجہ اور اس کا منشا کیا ہے؟ میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ یہ بات آپ کے جذبات کے خلاف ہے۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُمت کے ایک ایک کلمہ گو کا درجہ ایمان وعمل میں اور دین میں ہمارے حضرت سے بڑھا دے اور سب کو حضرت سے اونچے درجہ کا بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی اونچے درجہ کا ولی بنادے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی ــ پھر فرمایا کہ میرے اس کہنے سے حضرت کا درجہ گھٹ نہیں جاتا ہے حضرت کا جو مقام اللہ کے یہاں ہے وہ ہے۔

یہ بھی خود ہی سنایا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جب ہمارے اکابر میں اختلاف ہو گیا تھا تو میں حضرت مرحوم (یعنی حضرت تھانویؒ) کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور اس زمانہ میں مجھ پر اس چیز کا اتنا غلبہ تھا کہ میں یہ دعا گویا مضطر ہو کر کیا کرتا تھا ــــــ ایک صحبت میں حاجی صاحب جس وقت یہ بیان فرما رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت حکیم الامتؒ کے ایک مجاز بزرگ بھی تشریف فرما تھے ــــ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ــــــ حضرت میرا یہ دعا کرنا ادب کے خلاف تو نہیں تھا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ انشاء اللہ بالکل نہیں یہ دعا تو اس وقت میرے قلب پر وارد کی جاتی تھی۔

ــــــــــــ (باقی ص ۵۶ پر ملاحظہ ہو)

سیّد ابوذر بخاری

"اِیفاءِ عہد!"

سید ابوذر بخاری صاحب جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہم کے فرزند ارجمند ہیں اور اُنکے ان اشعار میں "شاہ جی" کی جولانی طبع کا پورا پورا رنگ موجود ہے ——— (ادارہ)

(۱)

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ!

سمندر کا تموّج — قہرمانی —!

وہ ساحل کا سکوں — اُسکی متانت؟

وہ صحرا، میں تپش کی حکمرانی!

وہ میقاتِ یلملم — اور — اِحرام

وہ — لبّیک و دُرُود و رجز خوانی

وہ بن کھیتی کا خطہ — أرضِ مکّہ!

وہ — کعبہ — کی جلال آگیں نشانی

خوشا دیوانگی در طوفِ کعبہ

زہے بوسیدنِ سنگِ جنانی

رمل — اظہارِ سرگرمئ عشاق

(۲)

وہ شانِ اِضطباع — مسلمانی

حطیم — و بابِ کعبہ پر دعائیں

وہ فیضِ عام اور — رُکنِ یمانی

وہ جدول نور کی — میزابِ رحمۃ

سوادِ — کعبہ کی وہ ضوء — فشانی

وہ رونا اور لپٹنا — مُلتزم سے؛

وہ شوقِ وصلِ حُسنِ — لامکانی!

وہ ربُّ البیت سے فریاد ہر سانس

حُضوری اور مُخاطب یارِ جانی

گلوگیری وہ آوازوں میں رِقّۃ

ندامۃ — اور اشکوں کی روانی

(۳)

وہ عُشّاقِ اَزَل کی جاں نثاری
وہ محبوبِ اَبَد کی دل ستانی
وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا؟
وہ ترساں چہرہ اور آنکھوں میں پانی!
مُصلّیٰ براہیمی میں سجدے
مبارک اِقتداءِ نیک بانی
وہ روحوں کی پیاس اور سوزِ باطن
وہ زمزم اُسکی وہ فیضانِ ساقی
ازل کے عہد کی تجدیدِ دائم
ہیں موجِ بقاء در بحرِ فانی
صفا مروہ پہ ہونا نہ گردش
وہ حیرانی ہیں ذوقِ کامرانی
شعب اور بو قبیس و دارِ ارقم
یہاں پوشیدہ ہے حق کی کہانی

(۴)

وہ عَرَفات و مِنیٰ وہ مَظہرِ عشق
وہ مُزدلِفہ کی شب زرّیں سُہانی!
وہ خَیف و نمرہ میں عجز و تعبُّد
وہ مشعر میں وُقوفِ بے مکانی
وہ ظُہر و عصر کی تکبیرِ یکجا
وہ مغرب عشاء کی ہمعنانی
رقیبِ روسیہ کی نامرادی
وہ رمیِ جمرہ وجہ شادمانی
وہ قُربانی وہ اک شکرانۂ وصل
وہ حلق و قصر اور پھر میزبانی
کفن عشاق کا اب ہوگیا ترک
بہ ملبوسِ رضا شہ میہمانی
غلامی اور آقائی کے منظر!
وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

"کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی"

تعارف و تبصرہ

سیاست شرعیہ از، مولانا رئیس احمد جعفری، ناشر:۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور
صفحات ۵۶، مجلد ۵/ روپے۔

یہ کتاب دو کتابوں کا مجموعہ ہے، ایک مصر کے استاذ عبد الوہاب الخلاف مفتش محاکم شرعیہ (مصر) کی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" جسے ترجمہ و تلخیص، نیز کچھ حذف و ترمیم اور کچھ ایک دوسری مصری کتاب (النظم الاسلامیہ) کے مضامین سے پیوند کاری کے بعد مترجم (جناب رئیس احمد جعفری) نے گویا اپنا لیا ہے۔

۲؎ علامہ ابو الحسن ماوردی کی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کے چند ابواب و فصول کا ترجمہ۔

یہ کتاب نوزائیدہ اسلامی مملکت پاکستان کی دینی رہنمائی کے لئے پیش کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے ہماری رائے میں یہ ایک کارآمد اور قیمتی پیش کش ہے۔

ماوردی کی کتاب تو ایک پرانی تصنیف ہے جس کے ایک سے زائد اردو ترجمے ہو چکے ہیں اس لئے کسی تعارف کی حاجت نہیں البتہ استاذ خلاف کی کتاب کے متعلق یہ بتانا مناسب ہوگا کہ اسلام کے نظام سیاست اور اصول حکومت پر یہ ایک پرمغز اور حشو و زوائد سے پاک تالیف ہے اور مجموعی طور پر قارئین کو اپنے موضوع میں اچھی بصیرت عطا کرنے کے لائق۔

افسوس ہے کہ ناشر نے پروف ریڈنگ کی طرف بڑی لاپروائی برتی ہے۔ لکھائی چھپائی کا معیار بھی اونچا نہیں ہے خصوصاً الاحکام السلطانیہ کے ترجمہ میں تو بہت ہی نیچا ہو گیا ہے۔

سرگذشت غزالیؒ از، مولانا محمد حنیف ندوی، ناشر:۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ
صفحات ۱۸۸، مجلد ۳/ روپے۔

مقررہ دن آجانے پر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آج بعد مغرب زینب کا نکاح اور رخصتی ہو، جو کچھ ضرورت ہو تیار دو اور ضروری سامان کر دو، والدہ کو میری اس بات سے تعجب بھی ہوا اور اس وقت رنج بھی ہوا لیکن پھر میرے کہنے سننے سے وہ راضی اور آمادہ ہو گئیں، بعد مغرب لڑکے والے آئے اور میں نے نکاح کر کے اسی وقت بچی کو رخصت کر دیا۔

پھر اللہ نے برادری والوں کا وہ سارا مقاطعہ بھی ختم کرا دیا اور سب سیدھے ہو گئے۔

پہلا حج　فرمایا ــــ ۱۳۷۵ھ میں میں نے والدہ کو ساتھ لے کر حج کا ارادہ کیا، کئی بچے چھوٹے چھوٹے تھے اور ان کی وجہ سے گھر پر کسی کا رہنا ضروری تھا، اس لیے اہلیہ کے متعلق طے کیا کہ وہ ساتھ نہ چلیں، بلکہ گھر پر رہیں۔ محمد عمرؒ کی بیوی صرف ۸ ۔ ۱۰ دن پہلے آئی تھی، اس لیے گھر اس بیچاری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا، لیکن اہلیہ نے (جو دین میں بھی حضرت حاجی صاحب کی رفیقہ اور بڑی صالحہ عابدہ تھیں) ساتھ چلنے کے لیے اتنا سخت اصرار کیا کہ مجبوراً میں نے طے کر لیا کہ اچھا اب اس سال نہیں جاتے، انشاء اللہ اگلے سال جب محمد عمر کی بیوی گھر سنبھالنے کے قابل ہو جائے گی تو والدہ اور اہلیہ دونوں کو ساتھ لے چلیں گے۔ بندھا بندھایا سامان بھی کھل گیا، شہر کے کئی آدمی جو ساتھ جانے والے تھے جب میں نے انھیں اپنی مجبوری بتائی تو ان اللہ کے بندوں نے بھی ارادہ فسخ کر دیا۔ میں نے ہر چند سمجھایا لیکن وہ تیار نہیں ہوئے۔ میں نے بیوی سے کہا کہ دیکھو تمھاری وجہ سے یہ سب بھی رہے جا رہے ہیں، اس نیک بندی کے دل پر اس کا بہت اثر پڑا اور وہ اس پر راضی ہو گئی کہ میں والدہ کو ساتھ لے کے چلا جاؤں، اب شہر کے وہ سب ساتھی بھی تیار ہو گئے، اور ہم روانہ ہو گئے ــــ

مناسک حج کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی کتاب زیارۃ الحرمین میں نے بہت پہلے سے دیکھنی شروع کر دی تھی۔ اس کی باتیں خوب یاد ہو گئی تھیں۔ اس کے مطالعہ سے اور تجربہ کاروں کے بتانے سے یہ بات دل میں بیٹھ گئی تھیں کہ اس سفر میں دو چیزیں مشکل ہیں۔ ایک نفس پر ایسا قابو کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو اور دوسرے یہ کہ ہر نماز وقت پر اور جماعت سے ادا ہو۔

---

[۱] حاجی صاحب مدظلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کی بہت سی خوبیوں کا وارث بنایا ہو۔

لڑائی جھگڑے کے بارے میں تو مجھے اطمینان تھا کہ ان شاء اللہ میں اس سے محفوظ رہوں گا، اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی ہو کہ ساری عمر میں کسی سے لڑائی کی بلکہ تیز کلامی کی بھی نوبت نہیں آئی اور نماز کے بارہ میں میں نے عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس مالک کا فضل ہے کہ اس دن سے آج تک بغیر عذر شرعی کے جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوئی ہے۔

دوسرا حج اور اہلیہ کی نہایت دردناک موت

سنہ ۴۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو اتنی وسعت عطا فرمادی کہ اہلیہ محترمہ سے انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے سب بچوں کو ساتھ لے جاکر حج کر آؤ، انھوں نے اس پر سخت اصرار کیا کہ حاجی صاحب خود بھی ساتھ چلیں، چنانچہ کراچی تک حضرت موصوف کو ساتھ جانا پڑا، وہاں پہونچ کر بڑی مشکل سے وہ اہلیہ کو اس پر راضی کر سکے کہ وہ ان کے بغیر اپنے بچوں [illegible]تھ ہی چلی جائیں، جہاز کے ساڑھے چھ ٹکٹ خریدے گئے، اور حاجی صاحب اپنے گھر کے اس قافلہ کو رخصت کرکے کراچی ہی سے واپس تشریف لے آئے۔ یہ پورا قافلہ حج ادا کرکے بخیر و عافیت واپس آگیا۔

اگلے سال سنہ ۵۰ھ میں حضرت حاجی صاحب نے تنہا حج کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اہلیہ نے اب پھر ساتھ چلنے کے لیے شدید اصرار کیا، ان کو حجاز مقدس سے ایسا عشق ہوگیا تھا کہ وہ حاجی صاحب سے اصرار کرتی تھیں کہ ہجرت کرکے وہیں جا پڑیں، بہرحال جب سنہ ۵۱ھ میں حاجی صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے بھی ساتھ چلنے کے لیے بے انتہا اصرار کیا بلکہ کراچی تک ساتھ گئیں بھی، لیکن حاجی صاحب چونکہ حج تنہا ہی کرنا چاہتے تھے اس لیے کسی طرح سمجھا بجھا کر انھیں واپسی پر راضی کرلیا اور وہ کراچی ہی سے واپس آگئیں۔ اور حضرت حاجی صاحب اپنے پروگرام کے مطابق تنہا ہی تشریف لے گئے۔ ماہ محرم میں حاجی صاحب کی واپسی ہونے والی تھی، اہلیہ محترمہ نے صاحبزادوں سے تقاضا کرکے مکان کے بالائی حصہ میں ایک عمارت حاجی صاحب ہی کے آرام کی نیت سے بنوائی اور اس کی پوری کوشش کی کہ حضرت موصوف کی تشریف آوری سے پہلے عمارت بن کر تیار ہوجائے۔ نویں محرم کی شام کو عمارت مکمل ہوئی۔ مزدوروں کے جانے کے بعد اہلیہ محترمہ نے خود بھی لگ لپٹ کے اسی وقت اس کی صفائی کرائی تاکہ آج کی مبارک رات (شب عاشورا) میں نمازیں اسی نئی عمارت میں پڑھی جائیں، چنانچہ مغرب کی نماز اسی نئی چھت

کے نیچے مصلّیٰ بچھا کر پڑھی جسے مزدوروں نے کچ ہی پاٹا تھا، پھر وہیں اوّابین کے نوافل پڑھے، وہیں عشاء پڑھی، نماز عشاء سے فارغ ہو کر وہیں معمول کے مطابق تسبیح پڑھتی رہیں۔ اسی حال میں مصلّے پر لیٹ گئیں۔ ہزار دانہ تسبیح ہاتھ میں بھی اور ہاتھ سینے پر تھا، رات کو سخت آندھی چلی، چھت کا ایک پتھر جو مزدوروں نے غالباً صحیح نہیں لگایا تھا اس آندھی سے گرا اور حضرت حاجی صاحب کی اہلیہ محترمہ کے ٹھیک سر پر پڑا اور وہ وہیں اپنے مصلّے پر جاں بحق ہو گئیں۔ (یہ عاشورا ۱۳۵۱ھ کی رات تھی)۔۔۔۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ٥ اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وابلغھا منازل الشھداء۔

چند ہی دن کے بعد حاجی صاحب پہونچے اور اس سانحہ کی تفصیل معلوم ہوئی، دل پر جو گزرنی چاہیے وہ سب گزری اور خوب گزری۔ لیکن حضرت موصوف کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ سب گھر والوں نے (یعنی صاحبزادوں اور صاحبزادیوں نے) اتنے عظیم سانحہ کو ان کے پیچھے بھی صبر سے برداشت کیا، سب کے دل روئے، سب کی آنکھوں نے آنسو گرائے لیکن زبان کسی کی نہیں بہکی۔

(راقم سطور عرض کرتا ہو کہ اہلیہ محترمہ کی شہادت کا یہ واقعہ میں نے حضرت حاجی صاحب کی زبان سے مختلف صحبتوں میں کئی بار سنا ہو، اس کے سناتے وقت حضرت کی جو خاص کیفیت ہوتی ہو اور چہرہ پر قلبی حزن و سرور کے جو ملے جلے آثار ہوتے ہیں ان سے میرا اندازہ ہو کہ حضرت حاجی صاحب کی دینی ترقیات میں اس واقعہ کو بھی خاص دخل ہے ۔۔۔۔ اسی طرح اب سے کوئی تین سال پہلے حضرت موصوف کے ایک صاحبزادہ محمد عثمان مرحوم کی موت بھی بڑے دردناک طریقہ پر واقع ہوئی اور اتفاق سے اس وقت بھی حضرت موصوف، حج ہی کے سفر میں تھے ۔۔۔۔ راقم سطور کا اندازہ ہے کہ ان جانگسل حادثوں کو آپ نے جس تسلیم و رضا کی صفت کے ساتھ جھیلا اور "صبر" و "احتساب" کی نبوی ہدایت پر جس طرح عمل کیا، اس نے موصوف کو وہاں پہونچا دیا جہاں شاید برسہا برس کے اختیاری مجاہدوں سے بھی نہ پہونچا جا سکتا۔۔۔۔

ناظرین معاف فرمائیں! میں نے حضرت حاجی صاحب کے حالات حتی الوسع انہی کی زبان سے بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن درمیان میں یہ میں نے اپنا ایک تاثر اور خیال بھی بیان کر دیا۔۔۔۔ اس کے آگے حضرت موصوف کے حالات خود انہی کی زبان سے سنئے!

اہلیہ محترمہ کی شہادت کا مذکورۂ بالا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ایک دفعہ بیان فرمایا

کہ ــــ میں نے سوچ سمجھ کے دوسرا نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کیا، میرے مخلص دوستوں نے نگاہ اور نفس کی خرابی سے بہت ڈرایا اور نکاح کر لینے کا مشورہ دیا۔ ان حضرات کا مشورہ مخلصانہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی امید تھی کہ انشاء اللہ میں ایسے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گا، اس لیے میں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، میرے مالک نے ایسی حفاظت فرمائی کہ آج تک قلب میں کبھی وسوسہ بھی نہیں آیا، کسی اور کا کیا ذکر، جوان ہونے کے بعد اپنی کسی بیٹی، پوتی یا نواسی کو بھی میں نے نظر بھر کے نہیں دیکھا ہے۔

اشرف منزل

ذکر فرمایا ــــ کہ دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر دیتے کہ سب بچوں کے لیے الگ الگ مکان ہوتا، کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ اتنا طویل و عریض فلاں پلاٹ فروخت ہو رہا ہے، اس کی خرید کے لیے نقد روپیہ اپنے پاس نہیں تھا، سب گھر والے خوشی سے زیور فروخت کرنے پر راضی ہو گئے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے وہ پلاٹ دلا دیا۔ اب تعمیر کے لیے کچھ نہیں تھا، میرے ایک عزیز نے کہا کہ میرے پاس اتنی رقم رکھی ہے اُسے لے کر تعمیر شروع کروا دیجئے۔ اور جب کبھی واپس کرنا آپ کے لیے آسان ہو میری رقم واپس کر دیجئے گا۔ چنانچہ وہ رقم لے کر تعمیر شروع کر دی گئی اور ٹھیکیداری میں دوسروں کے کام بھی کراتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں ایسی غیر معمولی برکت دی کہ اپنی ہی آمدنی سے تعمیر بھی مکمل ہو گئی، اور قرضہ والی رقم بھی ادا کر دی گئی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اسی عمارت کا نام "اشرف منزل" ہے۔ یہ پوری عمارت سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے (اس علاقہ میں عام طور سے عمارتیں بجائے اینٹ کے پتھر ہی سے بنتی ہیں) بالکل سادہ مگر بہت مضبوط عمارت ہے۔ اس میں سترہ مکانات، چند دوکانیں، ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے۔ گویا قلعہ نما ایک چھوٹا سا محلہ ہے، حضرت حاجی صاحب کی مہارت فنی کا یہ کرشمہ ہے یا کہیے کہ ان کی کرامت ہے کہ اتنی وسیع اور ایسی مضبوط عمارت جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر پر کئی لاکھ روپے صرف ہوئے ہوں گے بہت تھوڑی لاگت سے تیار ہوئی، اشرف منزل کی مسجد جس کی لاگت کا تخمینہ کوئی دیکھنے والا کسی طرح بھی ۳-۴ ہزار سے کم نہ لگائے گا ــــ حضرت

حساب میں کبھی فیس نہیں دی، چونکہ ہمیشہ سے کم کھانے کی عادت ڈالی ہو اس لیے خدا کے فضل سے بیمار ہی بہت کم ہوتا ہوں، اور اگر کبھی کچھ طبیعت خراب ہوئی تو بس ۲۔۳ دن لوٹ پوٹ کے کھڑا ہو جاتا ہوں ـــــ لباس اتنا معمولی اور کم قیمت پہنتے ہیں کہ کپڑے کی اس شدید گرانی کے زمانہ میں پورے لباس (کرتے، پاجامے اور ٹوپی) کی لاگت غالباً ۲۔۳ روپیے سے زیادہ نہیں ہوتی، اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ اور معمولی کھاتے ہیں ـــــ جفاکشی اور کفایت شعاری زندگی کا مستقل اصول ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید و تلقین فرماتے رہتے ہیں کہ جہانتک ہو سکے جفاکشی اور کفایت شعاری کو اپنا اصول بنائیں، اور اپنے ذاتی مصارف سے پیسے بچا بچا کر دینی ضرورتوں میں لگائیں اور اللہ کے حاجت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کریں۔

چند ایمانی صفات

اخلاص و للہیت کسی انسان کی نیت اور اس کے باطن کا صحیح علم تو بس اللہ ہی کو ہوتا ہو لیکن آثار اور علامات سے کسی حد تک اندازہ بندوں کو بھی ہو جاتا ہو، حضرت حاجی صاحب سے بے تکلف تعلق کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ غالباً ان کا ہر کام اور کسی کے ساتھ ان کا ہر معاملہ اور برتاؤ. کھانا، کھلانا، پینا، پلانا، لینا، دینا، حتیٰ کہ بات کرنا سب حضرت اللہ کے لیے اور ثواب ہی کی نیت سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنی قابل رشک نعمت ہے۔

وفی ذالك فلیتنافس المتنافسون ۝

دعا اور شکر کا غلبہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احوال و اوقات میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور آپ کی یہ یاد زیادہ تر دعا اور شکر کی شکل میں ہوتی تھی، حضرت حاجی صاحب پر بھی ان دو چیزوں کا خاص غلبہ ہو اکثر اوقات زبان دعا اور شکر میں مصروف رہتی ہو اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ اپنی ہی سیدھی سادی زبان میں عرض کرتے ہیں اور اس طرح عرض کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہو ہر کلمہ قلب کی گہرائی سے نکل رہا ہو، اندازہ ہوتا ہو کہ اللہ کا یہ بندہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں رسوم کا پابند نہیں ہے بلکہ بس مغز اور حقیقت ہی سے واسطہ ہے۔

بے نفسی

حاجی صاحب کی زندگی میں جو ایمانی صفت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہو وہ اُن کی بے نفسی ہو، اگر ان کو کسی ایسے کام میں جو عرف عام میں بہت ہی پست اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور جس کے کرنے سے لوگوں کی نظروں میں آدمی بے وقعت ہو جاتا ہو اجرِ اخروی اور دینی نفع کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ اس کو بڑی بے تکلفی بلکہ ذوق و شوق سے کرتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا کہے گا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ جس سے مجھے بڑا سبق ملا اور جس کا میرے دل پر آج تک اثر ہے یہاں بھی ذکر کرتا ہوں۔

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ حاجی صاحب نے خیر کے جو مختلف سلسلے قائم کر رکھے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مفید دینی اور اصلاحی کتابیں کافی مقدار میں کتب خانوں سے منگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں کو پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ پھر جب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا تو اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کو وہ کتاب بلا قیمت ہدیہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کو خریدنے کی ترغیب دے کر اس اصل قیمت پر دے دیتے ہیں جس پر وہ کتب خانہ سے آئی ہوتی ہے اور کبھی مزید نقصان برداشت کر کے اس سے بھی کم قیمت پر دے دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں غالباً ۳۰۔۴۰ سال سے قائم ہے۔ —— میرے نزدیک تو یہی بڑی بے نفسی کی بات ہے کہ کسی شخص کو کتاب خریدنے کی ترغیب دے کر خود ہی اس کے ہاتھ کتاب فروخت کی جائے، لیکن اس سلسلہ میں اب سے ۲ سال پہلے مجھے ایک بڑا ہی حیرت انگیز اور بہت ہی سبق آموز تجربہ ہوا، حاجی صاحب نے مجھے جودھپور آنے کے لیے لکھا میں نے ارادہ کر لیا اور اُن ہی کے مشورہ سے سفر کا پروگرام اس طرح بنا کہ پہلے میں بی پاڑ اتروں اور دو دن وہاں قیام کر کے جودھ پور جاؤں، حاجی صاحب نے مجھے لکھا کہ میں ان کے لیے ڈیڑھ دو سو روپے تک کی مفید اور عام فہم دینی اور اصلاحی کتابیں بھی کتب خانہ الفرقان سے لیتا آؤں۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں ساتھ لے لیں۔ پروگرام کے مطابق میں بی پاڑ پہونچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب وہیں تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا کتابیں ساتھ آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لایا ہوں، فرمایا تو مجھے ابھی دے دیجئے! میں نے عرض کیا کہ کتابیں جودھپور ہی تو جانی ہیں اسی طرح میرے بکس میں چلی جائیں گی، فرمایا نہیں مجھے یہاں ہی دے دیجئے!

میں نے ساری کتابیں حوالہ کر دیں. فرمایا جو کمیشن دیا گیا ہو وہ منہا کر کے ہر کتاب کی قیمت مجھے بتادی جائے. میرے ایک رفیق سفر نے حساب لگا کر ہر ایک کتاب کی قیمت بعد منہائی کمیشن لکھ دی۔ اس کے بعد جب میں نماز کے لیے مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چادر پر وہی کتابیں اس طرح لگی ہوئی ہیں جس طرح بعض غریب کتب فروش زمین پر چادر بچھا کر اپنا کتب خانہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، میں نے سمجھا کہ حاجی صاحب نے یہ کتابیں کسی صاحب کے سپرد کر دی ہیں. اور وہ بیچارے اس طرح ان کو فروخت کر رہے ہیں ــــ اگلے دن حاجی صاحب نے دریافت فرمایا کیا ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ساتھ ہیں؟ میں نے عرض کیا جی بس یہی تھیں' فرمایا وہ تو یہیں ختم ہو گئیں، ــــ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دوکان حاجی صاحب نے خود ہی لگائی تھی اور خود ہی بیٹھ کر "کتب فروشی" فرمائی. اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ پڑھے لکھے شخص کو خود بلاتے اور ایک دو کتابیں اس کو دے کر فرماتے کہ ان کو دیکھو' جی چاہے گھر لے جاؤ، اگر مفید سمجھو اور خرید سکو تو قیمت ادا کر دینا اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور رکھنا چاہو تو یوں ہی رکھ لینا، مگر مجھے آکر بتا جانا ــــ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاجی صاحب نے خود ہی بیٹھ کے کتب فروشی کی ہے اور اس طرح کی ہے تو میری طبیعت پر ایک تو اس کا بوجھ پڑا کہ میری کتابوں کی وجہ سے انھوں نے اتنی زیر باری اٹھائی اور دوسرا وسوسہ دل میں یہ آیا کہ شاید بہت سے لوگوں نے سمجھا ہو کہ بیچنے کے لیے میں اپنی کتابیں سفروں میں بھی ساتھ لیے پھرتا ہوں اور یہاں میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ بیجا کام لیا ہے ــــ اب مجھے یاد نہیں کہ اس بارہ میں میں نے حاجی صاحب سے کچھ عرض کیا اور موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا یا از خود مجھ سے فرمایا ــــ کہ حضرت! میرے پاس اتنا علم تو ہے نہیں کہ میں ایسی کتابیں لکھ کر اللہ کے بندوں کو نفع پہونچا سکوں اور اس کا ثواب حاصل کر سکوں، لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ان کی اشاعت میں اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں تک ان کے پہونچانے میں کوشش کروں اور اس طرح اس کے ثواب میں شریک ہو جاؤں، میں بس اس لالچ میں ایسا کرتا ہوں ــــ

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حاجی صاحب نے جس پی پاڑ میں اس شان سے یہ

"کتب فروشی" کا عمل کیا، وہاں کے لوگ عموماً حضرت موصوف کو ایک شیخ و مرشد اور جودھ پور کی ایک معزز اور باوقار شخصیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں، دراصل ایسا نفس کش عمل وہی شخص کر سکتا ہو جس کا نفس بالکل کٹ چکا ہو اور جس کی نظر ہر طرف سے ہٹ کے بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجر آخرت پر جم گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی حصہ اس ناچیز کو بھی عطا فرمائے۔

دین کا صحیح فہم اور اعتدال

یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حاجی صاحب "تعلیم یافتہ" نہیں ہیں دینی ذوق اور دینی شعور پیدا ہونے کے بعد بس قرآن مجید پڑھ لیا ہے اور اردو کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر لی ہے، خط و کتابت کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن اپنے خطوط عموماً دوسروں سے لکھاتے ہیں، خود غالباً دو سطریں بھی نہیں لکھ سکتے ہیں لیکن اس "نا تعلیم یافتگی" کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فہم دین کی ایسی دولت نصیب فرمائی ہو کہ بس اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ ایک دفعہ ایک علمی اور دینی موضوع پر ناچیز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی نے ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک نتیجہ پر پہونچے کچھ دنوں بعد میرا جودھ پور جانا ہوا میں نے ایک سلسلۂ گفتگو میں حاجی صاحب سے اس موضوع کا کچھ ذکر کیا۔ حاجی صاحب نے اپنی سیدھی سادی بالکل غیر علمی زبان میں وہی بات فرمائی جس پر ہم دونوں کافی غور کے بعد پہونچ سکے تھے، ایسے ہی حضرات کے بارہ میں عارف رومی نے فرمایا ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اس صحیح فہم دین ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صادق عشق اور نہایت عمیق عقیدت کے باوجود اس طرح کا غلو بالکل نہیں ہے کہ جو اس تعلق میں اکثر پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ اس طرح کے غلو کی اصلاح ان کا خاص موضوع ہے، حاجی صاحب کی گفتگو کا خاصا حصہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہوتا ہے لیکن بڑے سادے انداز میں بس مرحوم یا زیادہ سے زیادہ حضرت مرحوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ذکر کے ساتھ برابر دعائے مغفرت کرتے جاتے ہیں ـــــ خود ہی سنایا کہ ایک دفعہ حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک

صاحب نے میری زبان سے حضرت کے لیے بار بار دعائے مغفرت سن کر فرمایا کہ مغفرت میں کیا شبہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ خدا کے بندے اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، جس کے لیے جو چاہے فیصلہ کرے، پیغمبر تک اُس کے جلال کے سامنے لرزتے، اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ ہم سب اور ہمارے سب بڑے بھی دعائے مغفرت کے محتاج ہیں۔

اسی طرح سنایا کہ ایک دفعہ حجازِ مقدس میں ہمارے فلاں پیر بھائی نے بڑی ناگواری کے ساتھ میرے سامنے شکایت کی کہ فلاں بزرگ کے مریدین و متعلقین اپنے شیخ کو ہمارے حضرت سے بھی بڑا سمجھتے ہیں ـــــ میرا جی چاہا کہ اسی وقت ان سے اس بارہ میں کچھ کہوں، لیکن میں نے سمجھا کہ اس وقت یہ بحث کرنے لگیں گے اس لیے اس وقت میں نے اُن سے کچھ عرض نہیں کیا، دوسرے کسی وقت میں نے اُن سے کہا کہ آپ نے مجھ سے فلاں وقت یہ بات کہی تھی، آپ نے سوچا ہے کہ اس بات سے آپ کی ناگواری اور غصہ کی وجہ اور اس کا منشا کیا ہے؛ میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ یہ بات آپ کے جذبات کے خلاف ہے۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُمت کے ایک ایک کلمہ گو کا درجہ ایمان و عمل میں اور دین میں ہمارے حضرت سے بڑھا دے اور سب کو حضرت سے اونچے درجہ کا بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی اونچے درجہ کا ولی بنا دے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی ـ پھر فرمایا کہ میرے اس کہنے سے حضرت کا درجہ گھٹ نہیں جاتا ہے حضرت کا جو مقام اللہ کے یہاں ہے وہ ہے۔

یہ بھی خود ہی سنایا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جب ہمارے اکابر میں اختلاف ہوگیا تھا تو میں حضرت مرحوم (یعنی حضرت تھانویؒ) کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور اس زمانہ میں مجھ پر اس چیز کا اتنا غلبہ تھا کہ میں یہ دعا گویا مضطر ہو کر کیا کرتا تھا ـــــ ایک صحبت میں حاجی صاحب جس وقت یہ بیان فرما رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت حکیم الامتؒ کے ایک مجاز بزرگ بھی تشریف فرما تھے ـــ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ـــــ حضرت میرا یہ دعا کرنا ادب کے خلاف تو نہیں تھا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ انشاء اللہ بالکل نہیں یہ دعا تو اس وقت میرے قلب پر وارد کی جاتی تھی۔

(باقی ص۵۶ پر ملاحظہ ہو)

سیّد ابوذر بخاری

"ایفاءِ عہد!"

سید ابوذر بخاری صاحب جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہم کے فرزند ارجمند ہیں اور انکے ان اشعار میں "شاہ جی" کی جولانیٔ طبع کا پورا پورا رنگ موجود ہے ــــــ (ادارہ)

(۱)

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ!
سمندر کا تموّج ـــ قہرمانی ـــ!
وہ ساحل کا سکوں ـــ اسکی متانت؟
وہ صحرا، میں تپش کی حکمرانی!
وہ میقاتِ ـ یلملم ـ اور ـ احرام
وہ ـ لبّیک و دُرُود و رجز خوانی
وہ بن کھیتی کا خطّہ ـ ارضِ مکّہ!
وہ ـ کعبہ ـــ کی جلال آگیں نشانی
خوشا دیوانگی در طوفِ ـ کعبہ
زہے بوسیدنِ سنگ ـ جنانی ـ
رمَل ـــ اظہارِ سر گرمیٔ عشّاق

(۲)

وہ شانِ اِضطِباع ـ مسلمانی
حطیم ـــ و بابِ کعبہ پر دعائیں
وہ فیضِ عام اور ـــ رُکنِ یمانی
وہ جدوَل نور کی ـ میزابِ رحمۃ
سوادِ ـــ کعبہ کی وہ ضوء ـ فشانی
وہ رونا اور لپٹنا ـ مُلتزم سے؟
وہ شوقِ وصلِ حُسنِ ـ لامکانی ـ!
وہ ربّ البیت سے فریاد ہر سانس
حُضوری اور مخاطب یار جانی
گلوگیری وہ آوازوں میں رِقّۃ
ندامۃ ـــ اور اشکوں کی روانی

(۳)

وہ عشاقِ اَزَل کی جاں نثاری
وہ محبوبِ اَبَد کی دل ستانی
وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا؟
وہ ترساں چہرہ اور آنکھوں میں پانی!
مُصلّیٰ براہیمی میں سجدے
مبارک اِقتِداءِ نیک بانی
وہ روحوں کی پیاس اور سوزِ باطن
وہ زمزم اُسکی وہ فیضان رسانی
ازل کے عہد کی تجدید دائم
یہیں موجِ بقاء در بحرِ فانی
صفا مروہ پہ ہونا گردش
وہ حیرانی میں ذوقِ کامرانی
شِعب اور جُوقُبیس و دارِ اَرقم
یہاں پوشیدہ ہے حق کی کہانی

(۴)

وہ عرفات و منیٰ وہ مظہرِ عشق
وہ مُزدلِفہ کی شب زرّیں سہانی!
وہ خَیف و نَمرہ میں عجز و تعبّد۔
وہ مَشعر میں وُقوفِ بے مکانی
وہ ظُہر و عصر کی تکبیر یکجا
وہ مغرب عشاء کی ہمعنانی۔
رقیبِ رُوسیہ کی نامرادی
وہ رَمیِ جَمرہ وجہ شادمانی
وہ قُربانی وہ اک شکرانۂ وصل
وہ حلق و قصر اور پھر میزبانی
کفن عشاق کا اب ہو گیا ترک
بملبوسِ رِضا شد میہمانی
غلامی اور آقائی کے منظر!
وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

"کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گُل
نسیمِ صبح تیری مہربانی"

تعارف و تبصرہ

سیاست شرعیہ از، مولانا رئیس احمد جعفری، ناشر:۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، لاہور
صفحات ۵۶، مجلد ۵/ روپے۔

یہ کتاب دو کتابوں کا مجموعہ ہے، ایک مصر کے استاذ عبد الوہاب الخلاف مفتش محاکم شرعیہ (مصر) کی کتاب "السیاستہ الشرعیہ" جسے ترجمہ و تلخیص، نیز کچھ حذف و ترمیم اور کچھ ایک دوسری مصری کتاب (النظم الاسلامیہ) کے مضامین سے پیوند کاری کے بعد مترجم (جناب رئیس احمد جعفری) نے گویا اپنا لیا ہے۔
۲۔ علامہ ابو الحسن ماوردی کی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کے چند ابواب و فصول کا ترجمہ۔

یہ کتاب نو زائیدہ اسلامی مملکت پاکستان کی دینی رہنمائی کے لئے پیش کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے ہماری رائے میں یہ ایک کارآمد اور قیمتی پیش کش ہے۔

ماوردی کی کتاب تو ایک پرانی تصنیف ہے جس کے ایک سے زائد اردو ترجمے ہو چکے ہیں اس لئے کسی تعارف کی حاجت نہیں البتہ استاذ خلاف کی کتاب کے متعلق یہ بتانا مناسب ہوگا کہ اسلام کے نظام سیاست اور اصول حکومت پر یہ ایک پر مغز اور حشو و زوائد سے پاک تالیف ہے اور مجموعی طور پر قارئین کو اپنے موضوع میں اچھی بصیرت عطا کرنے کے لائق۔

افسوس ہے کہ ناشر نے پروف ریڈنگ کی طرف بڑی لاپروائی برتی ہے۔ لکھائی چھپائی کا معیار بھی اونچا نہیں ہے۔ خصوصاً الاحکام السلطانیہ کے ترجمہ میں تو بہت ہی نیچا ہو گیا ہے۔

سرگذشتِ غزالیؒ از، مولانا محمد حنیف ندوی، ناشر:۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
صفحات ۱۸۸، مجلد ۳/ روپے۔

یہ مضمون اس مجموعہ کا سب سے اچھا اور اس قابل ہے کہ اہل علم دین سنجیدگی کے ساتھ اس سے اعتنا فرمائیں ـــــ باقی تین میں سے دو مضمون مرتب کتاب مولانا جعفر صاحب کے ہیں اور ایک عطاء اللہ صاحب پالوی کا۔

مولانا جعفر صاحب کا ایک مضمون "سود خواری کی قسموں" پر ہے، جس کا مذکورۂ بالا استفتار سے تعلق نہیں، اس مضمون پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ یہ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" کا مصداق ہے۔ ان کا دوسرا مضمون اور پالوی صاحب کا مضمون سید یعقوب شاہ صاحب کے استفتار کے جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ہر دو صاحبان نے کمرشل انٹرسٹ کو جائز ٹھہرایا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں مضامین بالکل تلاعب بالدّین کا منظر پیش کرتے ہیں۔ مولانا جعفر شاہ صاحب کمرشل انٹرسٹ پر فقہی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں۔ لیکن طے شدہ اصولِ فقہ کے ساتھ انھوں نے کھلا ہوا مذاق کیا ہے، اس طرح کوئی مسئلہ علمی سطح پر منقح ہونے سے تو رہا۔ البتہ بے پڑھے لکھوں کی گمراہی کا ذریعہ ایسے مضامین ضرور بن سکتے ہیں ـــــ عطاء اللہ صاحب پالوی کو ہم نہیں جانتے کہ کتنے پڑھے لکھے ہیں۔ البتہ انکی بعض تصانیف دیکھنے کا ہمیں اتفاق ہوا ہے، جن میں ہم نے ایسے ایسے لطائف بھی پائے ہیں ـــــ اعاذنا اللہ منھا ـــــ کہ قرآن فہمی میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی تشریح کے پابند تھوڑے ہی ہیں۔ آپ تو قرآن میں تدبر کی دعوت دیتے تھے، تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بعد والے فہم مراد میں آپ سے آگے جا سکتے تھے، اور بعض قرآنی حقائق ایسے ہو سکتے تھے کہ بعد والے لوگ اُن کو زیادہ صحیح طور پر سمجھ سکتے تھے[1]۔ جن لوگوں کا انداز فکر یہ ہو وہ امت کو جس کھڈ میں لیجاکر نہ گرادیں تھوڑا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے زیر تبصرہ مضمون میں مستفتی کے ذاتی مسئلہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ انکی جو انٹرسٹ کی رقم ہو۔

"وہ ملکی مروجہ قانون کے مطابق ہے۔ اور ملکی قانون کا احترام اور اس پر عملدرآمد

---

[1] اصل الفاظ تو اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں، لیکن مفہوم یہی ہو، کتاب کا نام غالباً "شمع فروزاں" ہے۔

خود از روئے قرآن ازبس ضروری ہے" (یعنی انٹرسٹ کی اس رقم کو لینے میں تامل روا نہیں۔)

یہ "ازبس ضروری" ہونے کا حکم قرآن کی کس آیت سے معلوم ہوتا ہے؟

فرماتے ہیں:۔

"قرآن نے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ

وہ لوگ کہ جب انھیں ملک میں اقتدار حاصل ہوگا۔ تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے زکوٰۃ وصول کریں گے۔ لوگوں کو معروفات پر عمل کرنے کا حکم دیں گے اور وہ تمام امور کا فیصلہ اللہ کے حکم کے مطابق کریں گے۔

یعنی اگر اسلامی نظام قائم ہوگا تو اُس وقت قوانین ہی ایسے بنائے جائیں گے جس میں معروفات پر عملدرآمد اور منکرات سے بچنے کی گنجائش ہو...... اور جب تک یہ نہو مرّوجہ قانون کا احترام اور ان ہی پر عملدرآمد کرنا ہوگا۔"

یہ ہے رسول اکرمؐ کے قرآنی تشریحات پر بعد والوں کی ترقی کا نمونہ! کتنے ناخداترس ہیں وہ لوگ جو ان بوالفضولی نکات کو اشاعت دیتے اور اپنی سفارشات کے ساتھ لوگوں کے غور و فکر کے لئے پیش کرتے ہیں! ——— قرآن تو اُس وصف پر مسلمانوں کی ستائش کر رہا ہے کہ اگر انھیں اقتدار حاصل ہوگا تو وہ منکرات کو مٹائیں گے۔ اور یہاں اُس سے یہ نکتہ پیدا کیا جارہا ہے کہ جب تک اقتدار حاصل نہو گا وہ پورے "احترام" اور "اطمینان" کے ساتھ مرّوجہ منکرات پر عمل پیرا رہیں گے۔

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو "رسا" باندھتے ہیں

صاحب مضمون یا صاحب کتاب کو یہ شکایت نہو کہ ہم بس ایک ٹکڑے کو لے اُڑے اور اصل بحث پر کوئی نقد نہ کیا۔ دراصل ایک تو ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جب مستفتی ایک ایسا شخص ہے جو قرآن کے ساتھ سدّ بیٹ اور پھر نصوص قرآن و حدیث پر متفرع اصولِ فقہ کو بھی

قابل اعتنا سمجھتا ہے تو پالوی صاحب کو، جو آیاتِ قرآنی کے سوا کسی چیز کو کچھ نہیں گردانتے، اس دخل در معقولات کی ضرورت کیا تھی؟ —— اور کیوں کوئی اس بحث میں اُنکی اس بے محل مداخلت کو لائق اعتنا گردانے؟

ثانیاً۔ ہمارے نزدیک یہ نقطۂ نظر قطعاً لغو ہے کہ ارشادات رسول کو چھوڑ دو، ائمہ مجتہدین اور علمائے اصول وفقہ کی کاوشوں کو چھوڑ دو اور ہر مسئلہ کا فیصلہ قرآن کے الفاظ سے کر لو۔ اس اصولی اختلاف کی موجودگی میں کیا سوال ہے کہ پالوی صاحب کی گفتگو سے اعتنا کیا جائے۔

ثالثاً۔ پالوی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"ربوا کے سلسلے میں انسانی راؤں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہمارے یہاں صرف الفاظ سے کھیلا جاتا ہے۔"

اُدھر دوسری ہی سانس میں، "خود قرآن میں غور کرنے" کی دعوت دیکر اپنی رائے سے قرآنی الفاظ کے مقاصد و مطالب بیان کرنا شروع کر دئے جاتے ہیں —— جب انسانی رائیں ناقابل اعتبار ہیں تو خود پالوی صاحب کی رائے کیونکر لائق اعتنا ہوگی؟ اُس میں کون ایسے سُرخاب کے پر لگے ہیں۔؟

تحدیدِ نسل | مرتبہ مولانا محمد جعفر صاحب، ناشر:۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور صفحات ۵، قیمت ۱۲ر آنے۔

یہ کتاب بھی "کرشل انٹرسٹ" کی طرح چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کو حالات کا شدید تقاضا قرار دیتے ہوئے، اسکے شرعی حکم سے بحث کی گئی ہے۔ اور اسے جائز بتایا گیا ہے۔ مضامین میں اس درجہ تکرار اور یکسانیت ہے کہ مرتب کے "پیش لفظ" میں اس پر دو ڈھائی صفحے کی توجیہی تقریر پڑھنے کے بعد بھی طبیعت اُکتائے بغیر نہیں رہتی۔ اور کوئی معقولیت اِن مضامین کی یکجائی اشاعت میں، سمجھ میں نہیں آتی۔

ضبط ولادت کا موضوع آج کوئی نیا نہیں ہے۔ اسکی حمایت میں لکھنے والے عام طور پر جو لکھتے آئے ہیں وہی باتیں ان مضامین میں بھی دہرائی گئی ہیں۔ البتہ مولانا جعفر شاہ صاحب نے ایک نکتۂ حدیث غالباً بالکل نیا نکالا ہے۔ ایک حدیث میں اُس صاحب اولاد بیوہ کو جنت

میں قربِ نبوی کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے یتیم بچوں کی خاطر باوجود اعلیٰ مواقع کے نفس کشی کرے اور عقد ثانی سے باز رہے۔ مولانا جعفر شاہ صاحب اس سے یہ نکتہ برآمد فرماتے ہیں کہ:۔

"آج اگر زندوں کو زندہ رکھنے کی خاطر مزید روحوں کو آنے سے روک دیا جائے تو یہ کوئی گناہ نہیں، بلکہ قربِ نبویؐ کا ذریعہ ہے۔"

کیوں؟

(اس لئے کہ) عقد ثانی سے باز رہنا مزید اولاد کو وجود میں آنے سے روکنا (ہی تو) ہے"

(ص ۹۶-۶۷)

کہئے ہم اس پر کیا تبصرہ کریں؟

حدیث میں بشارت صرف اس بات پر ہے کہ ایک عورت اپنے یتامیٰ کی پرورش کی خاطر لذتِ نفس کے بھرپور مواقع قربان کرتی ہے۔ (جیسا کہ حدیث کے الفاظ "حبسِ نفس" سے صاف ظاہر ہے) لیکن شاہ صاحب کی نظر اس صاف اور سامنے کی بات پر رُکنے کے بجائے اس گہرائی میں پہنچتی ہے کہ عقد ثانی سے باز رہنے میں مزید اولاد پیدا کرنے سے باز رہنا بھی تو لازم آتا ہے، سو دراصل بشارت اسی پر ہے کہ موجودہ اولاد کی خاطر مزید اولاد کو وجود میں آنے سے روکا جائے۔ پس آج ضبطِ ولادت کا عمل نہ صرف جائز بلکہ قربِ نبویؐ کا ذریعہ ہوا۔

کیا کہنے ہیں ان نکتہ سنجیوں کے!

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

اسی کو کہتے ہیں "پاپوش میں آفتاب کی کرن لاکے لگانا"۔

اگر اتنی بات بھی شاہ صاحب فرماتے کہ اس حدیث سے ضبطِ ولادت کا جواز نکلتا ہے۔ تب بھی یہ کچھ کم سرمایۂ حیرانی نہ تھا۔ چہ جائیکہ اس پر قربِ نبوی کی بشارت کا اعلان فرمانا ـــــ جبکہ اسی مضمون میں، بلکہ کتاب کے ہر مضمون میں، وہ روایتیں بھی درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ ضبطِ ولادت (بذریعہ عزل) کی اجازت چاہنے والوں کو حضور نے ہمیشہ ایسا جواب دیا جس سے اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہی مفہوم ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہیں ہوا کہ حضور فرماتے، یہ کام خوب کرو،

یہ تو جنت میں میرے قرب کا ذریعہ ہے۔

خیر، یہ تو شاہ صاحب کے ایک لطیف نکتہ کے طفیل گفتگو طویل ہو گئی[1]۔ ورنہ کہنے کی بات صرف یہ تھی کہ کتاب اپنے مدعا میں کامیاب نہیں ہے ــــــ اور اسکے چند وجوہ ہیں۔

۱۔ قلتِ خوراک و وسائل معاش کے خیال سے تحدیدِ نسل کا رجحان کتاب وسنت کی رو سے کوئی پسندیدہ رجحان نہیں ثابت کیا جا سکتا۔

۲۔ عزل کی وہ روایات جو یہ دکھانے کے لئے پیش کی گئی ہیں کہ حضور نے ممانعت نہیں فرمائی، ان میں سے کوئی بھی نہیں بتاتی کہ عزل کی بنا خشیۂ املاق (تنگدستی کا خوف) تھی ــــ واضح رہے کہ اُسامہ بن زیدؓ کی جو روایت احمد و مسلم کے حوالہ سے اِن مضامین میں نقل کی گئی ہو اس میں "اشفق علی ولدھا" کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے۔ اس میں کثرت اولاد کا خوف نہیں، بلکہ دودھ پیتے بچے کو کوئی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ بیان ہوا ہے، چنانچہ مسلم میں یہ روایت "باب الغیلۃ" کے تحت آئی ہے۔ اسی سے اس کا مطلب سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ انفرادی واقعات اور قومی پیمانے کے رجحانات کا حکم یکساں ہونا ضروری نہیں۔ روایات میں انفرادی انداز کے واقعات سامنے آتے ہیں، نہ کہ قومی اور اجتماعی پیمانے کا کوئی رجحان۔ پس اِن روایات میں آنحضرت کی عدم ممانعت کو قومی پیمانہ پر تحدیدِ نسل کا رواج ڈالنے کے لئے وجہ جواز نہیں بنایا جا سکتا۔

۴۔ اولاد کو بیماریوں اور وباؤں پر قیاس کر کے اُسکے انسداد یا مدافعت کی تدبیروں کو جائز ٹھہرانا کوئی صحیح طرز فکر نہیں، اولاد اللہ کا ایک عطیہ اور نسل انسانی کی بقار کے لئے اس کا ایک ازلی فیصلہ ہے جس کے لئے اللہ نے مرد و زن کو ایک ذریعہ بنایا ہے۔ اسکے برعکس ہم پر بیماریاں اور وبائیں مسلط کرنے سے اللہ کو از خود کوئی دلچسپی نہیں، یہ چیزیں در اصل خود ہماری کسی غلطی

---

[1] اس لطیفہ کے علاوہ شاہ صاحب کی یہ عبارت بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حضور کے اس ارشاد پر کہ "آنے والی روح تو آکر ہی رہے گی" ایک موقع پر بالواسطہ یہ اعتراض بھی جڑا ہے کہ "وہ کونا جائز روح بھی آکر رہتی ہے تو کیا اُسے بھی آنے دینا چاہیئے؟" (ص۵)

کے نتیجہ میں ہم پر مسلط ہوتی ہیں۔ پس اِن غلطیوں سے احتیاط و اجتناب یا ان کے نتائج کے ازالہ کی تدبیروں پر قیاس کر کے اولاد کے انسداد کے لئے بھی یہی سب روا رکھنا ظاہر ہو کہ کسقدر غلط قیاس ہے۔

۵۔ بے روزگاری اور افلاس کا مسئلہ ہماری آبادی کے خاص طور پر جس حصّہ کا مسئلہ ہے تجربہ بتاتا ہے کہ اُس میں ضبط تولید کو رواج پانے کے لئے جتنا عرصہ درکار ہوگا، ارباب اقتدار اور دردمندانِ ملت اگر ایمانداری اور فرض شناسی کے ساتھ جد و جہد کریں تو بلاشبہ اتنے عرصہ میں وسائل معاش کی افزائش اور اُن کی صحیح تقسیم کا بند و بست ہو سکتا ہے۔ پس کیوں اس مسئلہ کو سیدھے سیدھے حل کرنے کے بجائے قوم کو تحدید نسل کا سبق پڑھایا جائے۔ اور اس سبق کے خطرات کو انگیز کیا جائے؟

تشبیہات رومیؒ

از، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم، ناشر:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ...۶ سے اوپر صفحات، اعلیٰ کاغذ، نفیس طباعت $\frac{27\times 17}{8}$ (کاپی سائز)

مجلد قیمت -/۸ روپے

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی مثنوی اسلامی ادب کا ایک لافانی اور حیات بخش شاہکار ہے۔ کتنوں نے اپنے دلوں کی سرد انگیٹھیاں اس سے گرمائیں، اور کتنے دلوں کو ایمان و ایقان کی دولت اسکی بدولت ہاتھ آئی ——— اقبال سے پوچھئے مثنوی کیا چیز ہے۔ اور کیا اُسکا عالم تاثیر ہے۔ ؎

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغ یک نفس مثل شرار

مثنوی روم کی یہ تاثیر مولائے روم کی آتشِ درونی کے علاوہ بہت کچھ اُن کے پیرایۂ تشبیہ و تمثیل کی رہین منت ہے۔ مثال دیکر بات سمجھانے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ قرآن و حدیث کے کتنے ہی حقائق و معارف مولانا کی چند لفظی تشبیہات و تمثیلات کے ذریعہ اس آسانی کے ساتھ دل میں گھر کرتے چلے جاتے ہیں کہ لمبی لمبی منطقی تقریریں ان چند بولوں پر رشک کرتی رہجائیں، اور بڑے بڑے پیچیدہ اخلاقی و روحانی اور نفسی مسائل کی زلفیں اس طرح

سنورتی چلی جاتی ہیں کہ ہر مسئلہ ایک رُخِ زیبا کی طرح سامنے آتا اور دلوں کی گہرائیوں سے خراجِ قبول حاصل کرتا ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب مرحوم اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک اور بہت سادہ و شگفتہ لکھنے والے تھے۔ مثنوی رومیؒ سے اُن کو خاص لگاؤ تھا۔ یہ کتاب انھوں نے مثنوی کے تشبیہی اور تمثیلی پہلو کو اُجاگر کرنے یا کہیئے کہ تشبیہات رومی کو اُردو میں منتقل کرنے کے لئے لکھی تھی، اور حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دور کے خاص ادبی مذاق کے مطابق اس کام کو خوب کیا ہے ـــــ افسوس ہے۔ کہ وہ اپنی اس محنت کو کتابی شکل میں دیکھنے سے پہلے ہی رحلت کر گئے، اور کتاب اُن کے بعد تیار ہوکر پریس سے نکلی۔

ذیل میں کتاب کا ایک اقتباس نمونہ کے طور پر دیا جاتا ہے۔

"باطن حیات کے لامتناہی ممکنات"

"کائنات میں ہر چیز کا باطن اُسکے ظاہر کے مقابلے میں ہزار درجہ زیادہ ہستی رکھتا ہے۔ یہاں تم مٹی کو سب سے ادنیٰ ہستی سمجھتے ہو۔ مٹی نے بھی ظاہر میں خاکساری اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن اس کا باطن اس سے برسرِ پیکار رہتا ہے، کہ ذرا ٹھہرو ہم تم کو دکھا دیں گے کہ ہمارے اندر کیا کیا خزانے پنہاں ہیں، آتش کا شعر ہے:-

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل وہ زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

مٹی کے باطنی ممکنات کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا، گل و ثمر کی گوناگونی کی کوئی انتہا نہیں۔ زمین کا سا مصور کون ہو سکتا ہے جو فقط مٹی سے ہزاروں قسم کی رنگا رنگ کی تصویریں بنا سکے؟ چشم ظاہر بیں مٹی ہی سے باطن حیات کے ممکنات کا کچھ اندازہ لگا لے۔

زانکہ دارد خاک شکل اغبری
وز دروں دارد صفات انوری
ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ
باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ

ظاہرش گوید کہ ما ایغیم وبس
باطنش گوید نکو بیں پیش دلیس
ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست
باطنش گوید کہ بنمائیم بیست
ظاہرت از تیرگی افغاں کناں
باطن تو گلستاں در گلستاں

تیرا باطن کبھی تیرے ظاہر کو پکار پکار کر یہی کہہ رہا ہے کہ تو نے اپنے آپ کو حقیر سمجھ کر کس قسم کے ذلیل فکر و عمل میں مبتلا کر رکھا ہے، تجھے معلوم ہی نہیں کہ تکمیل حیات اور تسخیر کائنات کے کیا لامتناہی ممکنات تیرے اندر مضمر ہیں۔ مشرقی پنجاب کے درویش شاعر بھیک کا کیا عارفانہ شعر ہے:-

بھیکا بھوکا کوئی نہیں سب کی گدڑی لال
گرہ کھول نہیں جانتا اسلئے ہے کنگال"

ص ۵۷-۵۶

پوری کتاب خوبصورت ٹائپ پر چھپی ہے۔

پیشۂ وکالت از، سید محمد نبی ایم' اے ایڈکیٹ، صفحات ۱۲۰، کاغذ اخباری، مجلد مع گرد پوش ۸/۱ پتہ:۔ مکتبۂ روحانی دنیا، ہیوٹ روڈ، لکھنؤ،

یہ سید محمد نبی صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کی نہایت دلچسپ سوانح حیات ہے، جس کا پورا نام ہو "پیشۂ وکالت اور میں نے وکالت کیوں چھوڑی" وکیل صاحب نے نہایت ذوق وشوق سے وکالت پڑھی، اور بڑی امنگوں اور تمناؤں کے ساتھ یہ پیشہ شروع کیا۔ طبیعت میں بچپن سے دینی رجحان تھا۔ اس لئے اس کوچہ میں قدم رکھتے ہی اس رجحان کو رگڑ لگنا شروع ہوئی، اور اس سے کشمکش کی وہ چنگاریاں اٹھیں کہ رہ رہ کر دو تین بار وکالت کو خیرباد کہا۔ اور اب بظاہر اسکو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ کتاب وکیل صاحب کی اسی پر کشمکش زندگی کی داستان ہے، جس میں اس زندگی کے سارے متعلقات کچہری، محرر، موکل، پولیس اور پیشۂ وکالت کی نہایت

بیدردانہ نقاب کشائی ایک محرم اسرار کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

کتاب کا پہلا اڈیشن غالباً جولائی ۱۹۵۹ء میں نکلا تھا، اس سے پیشتر کی کتابوں کے ہجوم کی وجہ سے ہم تبصرہ نہ کر سکے حتیٰ کہ یہ دوسرا ایڈیشن آگیا جو ہر لحاظ سے پہلے سے بہتر ہے۔ امید ہو کہ وکیل صاحب کی یہ کتاب اور بھی زیادہ مقبولیت حاصل کرے گی، اور انکی جرأت رندانہ کی خوب خوب داد ملے گی۔

کتاب کا انتساب

"اس زندگی کے نام جس کو میں خیرباد کہہ چکا ہوں"

وکیل صاحب کو کیا ہی خوب سوجھا ہے ـــــــ گویا "عطائے تو بہ لقائے تو"

فاتحہ کا صحیح طریقہ از جناب قاضی سید اسمٰعیل صاحب حنفی چشتی قادری، قیمت ۲۰ نئے پیسے علاوہ محصولڈاک، ملنے کے پتے (۱) ایم عبدالسلام ٹمبر مرچنٹ، لکڑ گنج بڈنیرہ ضلع امراؤتی، (۲) قاضی بکڈپو، پنگنور، ضلع چتور (آندھرا)

عام مسلمان ایصال ثواب کا شرعی طریقہ نہ جاننے کی وجہ سے بہت سی خرافات اور بے اصل رسوم و رواج میں پڑ گئے ہیں۔ قاضی سید اسمٰعیل صاحب نے اسی صورت حال کی اصلاح کے خیال سے یہ کتاب مرتب کی ہے جس میں ہندوستان کے مستند بزرگان دین کی کتابوں اور فتووں سے ایصال ثواب کے صحیح طریقے اور اس باب کے تمام ضروری مسائل لکھے گئے ہیں ـــــــ فاتحہ اور نذر و نیاز کا ذوق رکھنے والے مسلمانوں کو اس مختصر کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا یا اسے پڑھوا کر سننا چاہئیے ـــــ ہمارے سامنے اس وقت کتاب کا پانچواں ایڈیشن ہے جو کتاب کی مقبولیت اور افادیت کی کھلی دلیل ہے۔

فضائل دعا مولفہ جناب نصیر الدین صاحب اکبرآبادی، صفحات ۸۰، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱/۴۰ پتہ: مکتبۂ رحمانیہ کٹرہ حاجی حسن آگرہ (یو، پی)

تبلیغی جماعتوں میں فضائل کی کتابیں بہت مقبول ہیں۔ غالباً فضائل دعا کے نام سے کوئی کتاب ابتک نہ تھی۔ اس کمی کو تبلیغی کام سے دلچسپی رکھنے والے آگرہ کے مذکورہ بالا صاحب نے پورا کرنے کی کوشش کی ہے ـــــــ خود عالم نہ ہونے کی وجہ سے مؤلف نے بعض مقامی علماء سے اس پر نظر ثانی بھی کرائی ہے مگر اسکے باوجود مقدمہ نگار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا احساس

یہ ہے کہ اس پر کسی محقق عالم کی مزید نظر کی حاجت ہے، چنانچہ مؤلف اگلے اڈیشن کے لئے اس مشورہ کی تعمیل کر رہے ہیں، موجودہ اڈیشن بھی نظر ثانی کے محتاج پہلوؤں کو چھوڑ کر مقصد کے لحاظ سے انشاءاللہ مفید ہی ثابت ہوگا۔

معاویہؓ از، عمر ابو النصر (لبنانی) مترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی، صفحات ۲۳۲ ـــ کتابت طباعت روشن، کاغذ گلیز، قیمت ۳/- ناشر:- ایوان پبلشر، الہ آباد ۳

حضرت معاویہؓ کی شخصیت بڑی متنازع فیہ ہے۔ اور ادھر کچھ دن سے تو ہندوستان پاکستان میں خاص موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ بہرحال ایک لبنانی مصنف کی یہ کتاب حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت کے مفصل جائزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ روایات کی تحقیق کے بارے میں مصنف نے کسی حد تک گہری نظر سے بھی کام لیا ہے۔ مگر عام طور پر انکی نظر کا انداز سرسری رہا ہے پھر بھی کتاب معلومات افزا ہے، ترجمہ بھی اچھا ہے۔

معاویہ ویزید از، حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر "دورِ جدید"، صفحات ۳۰۰، اخباری کاغذ قیمت ۴/- ملنے کا پتہ :- مکتبہ دورِ جدید اردو بازار دہلی۔

خدا بھلا کرے محمود احمد عباسی کا، ایسے غلط ڈھنگ سے خلافتِ معاویہؓ ویزید کا مسئلہ اٹھایا ہے کہ ایک اچھا خاصا فتنہ کھڑا ہوگیا۔ پیش نظر کتاب محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ہی کا ایک نہایت 'شافیانہ' جواب ہے۔ لکھنے والے نے شروع کا حصّہ تہذیب و شائستگی کا لبادہ اوڑھ کر لکھا ہے، جس سے لوگوں کو دھوکا ہوگیا کہ اندازِ گفتگو سنجیدہ و متین ہے، اور بعض ایسے مدیرانِ جرائد نے بھی اپنے جرائد میں اس تأثر کا اظہار فرما دیا جن کی شخصیت کا ایک وزن ہے۔ لیکن آخر کا حصّہ اس کتاب کا ایسا ہے کہ اگر آپ سچ مچ اہل سنت میں سے ہیں تو اوّلاً تو اس حصّہ کو آخر تک پڑھ جانے کی تاب نہیں لا سکتے، اور کسی طرح ضبط کر کے پڑھ بھی جائیں تو شاید کتاب پٹخ کر نذرِ آتش کئے بغیر نہیں رہ سکتے، یہ مجاہدہ صرف تبصرہ نگار ہی کا مجبورانہ حصّہ ہے کہ وہ صبر و ضبط کے ساتھ کتاب بتمامہا پڑھے بھی اور پھر اظہار رائے کے لئے اُس کو اپنی الماری میں محفوظ کر کے رکھے بھی!

ذرا لب و لہجہ کی وہ شائستگی تو ملاحظہ ہو جسے شروع کے تصنع نے چھپا رکھا تھا۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشہور صحابی ہیں، ذخیرہ حدیث میں اُنکی بہت سی روایات ہیں۔ آپکے متعلق ارشاد ہے۔

"اس سمرہ بن جندب کی زندگی میں متعدد تاریک واقعات ہیں۔
اس کے دوزخی ہونے کے حق میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث مشہور ہیں۔" (ص۲۳۰)

"اتنا بڑا ظالم تھا کہ" الخ ص۲۳۱

"اس قسم کا فرعون تھا" ص۲۳۱

حضرت معاویہؓ جن کے ذکر میں بہت دور تک تہذیب کے حدود برقرار رکھنے کا تکلف برتا گیا، آخر میں آکر یہ تکلف اس طرح برطرف ہو گیا ہے۔

"معاویہ کو کھانے کی بہت دُھن تھی۔ اور اُسکی توند بھی بہت بڑی ہو گئی تھی، یہانتک کہ خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا تھا۔" (ص۲۵۰)

یہ تو محض لہجہ کی "تہذیب و متانت" تھی۔ اور اس کتاب کی گندگیاں تو، معاذ اللہ! وہ باتیں اور وہ زبان ہے جسے پرلے درجہ کے بازاری۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہی استعمال کرسکتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں اگر کوئی شخص مہذب لوگوں کی مجلس میں کرنے بیٹھ جائے تو یقین ہے کہ اُسی دم مجلس سے باہر کر دیا جائے۔

آپ کہیں گے کہ اس کا کوئی نمونہ پیش ہو، مگر ہم معذور ہیں کہ اس گندگی سے ہم الفرقان کے صفحات کو متعفن نہیں کرسکتے۔

اس طرح کی متعفن کتابیں کسی اعتنا کی مستحق نہیں ہوا کرتیں، لیکن جہاں یہ چند سطریں ہم کتاب کی زبان کے متعلق محض اس لئے لکھنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارے ملک کے ایک مقتدر ہفت روزہ کے مدیر نے غالباً پوری کتاب پڑھے بغیر اسے شائستہ و مہذب بتا دیا تھا۔ اسی طرح ہم اس کتاب کے سنجیدہ گفتگو والے حصے کی حالت بھی ظاہر کر دیں ـــــ جسے معاصر مذکور ہی کے الفاظ نے لائقِ اعتناء بنا دیا ہے ـــــ کہ حضرت معاویہؓ کی مذمت کے بارے میں بحث و استدلال کی تمام تر عمارت نہایت پوچ اور بودی ہے، جس سے صرف ناواقف عوام کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ اس

معاملہ میں اِن حافظ صاحب پر شیعی ذہنیت کا پورا پورا عکس نظر آتا ہے۔ اور یہ ہونا بھی چاہیئے، جبکہ وہ شیعیت سے اسقدر ہم آہنگ ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مدینہ میں حضرت علی کو اپنا نائب بنا کر چھوڑتے ہوئے انکے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الخ کا مقصد حضرت موسیٰ کے قرآنی الفاظ ـــــ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ـــــ کی روشنی میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ :-

"منصب نبوت کے گرانبار فرائض کی ادائیگی میں حضرت علی کی امداد بہت اہم تھی"۔ (ص۱۶۷)

اور تورات کے الفاظ سے یہ ثابت کر کے ـــ جو کہ واقعہ بھی ہے ـــ کہ

"موسیٰ کے منصب نبوت کے کاروبار میں ہارونؑ کا رتبہ بہت بلند تھا اور یہ مرتبہ موسیٰ کا تعین کردہ نہیں تھا بلکہ خود اللہ نے انھیں متعین کیا تھا"،

فرماتے ہیں :-

"یہ وہ مرتبۂ ہارون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دیا تھا"

یہی نہیں شیعیت کے دوسرے آثار بھی خیر سے کتاب میں موجود ہیں، ان حضرات کو عمر فاروقؓ سے جو تعلق خاطر ہے وہ معلوم ہے، اسی پرانی الفت کا (غالباً غیر شعوری) مظاہرہ ایک جگہ یوں ہوا ہے :-

"مغیرہ جو معاویہ کے خاص مشیر اور نفسِ ناطقہ بھی تھے، حضرت عمر کے زمانہ میں ایک ایسے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے، کہ صرف قانون کے الفاظ..... کی آڑ لیکر انھیں حضرت عمر نے چھوڑ دیا" الخ ص۲۱۸

کیا کوئی غیر شیعی ذہنیت کا آدمی بھی حضرت عمرؓ کے متعلق "کوئی آڑ لیکر مجرم کو چھوڑ دینے" کا تصور کر سکتا ہے؟ نشانہ تو بظاہر حضرت مغیرہ تھے، لیکن شیعی نیش زنی کا کمال دیکھئے، کہ ذرا سی تقریب پیدا ہوئی، تو اُسی ایک تیر سے عدالتِ فاروقی کو بھی شکار کر جانے میں چوکنے کا کام نہیں۔

غرض جب فکر و نظر کا یہ رنگ ہو، تو جس ڈھنگ کے دلائل و استشہادات کا انبار کتاب میں لگایا گیا ہوگا، وہ ظاہر ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۰)

حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے اجازت

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ بالکل اچانک حضرت کا والا نامہ آیا جس میں مجھے تلقین و بیعت کی اجازت دی گئی تھی۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خلاف عادت چیخ نکل گئی، پھر میں نے حضرت کو لکھایا کہ میرا حال یہ ہے کہ میں پڑھا لکھا کچھ نہیں ہوں، میں نے ذکر شغل بھی نہیں کیا ہے، پھر میں ایک چھوٹی ذات کا آدمی ہوں یعنی تیلی ہوں، البتہ ظاہر صوم و صلوٰۃ کی پابندی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے، ریا، عجب، کبر، حسد وغیرہ کے بارہ میں بھی کچھ موٹی موٹی معلومات ہیں۔ — ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرمادیں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

حضرت نے حسب معمول اسی پر جواب دیا، پڑھا لکھا نہ ہونے کے بارہ میں اور ذکر شغل نہ کرنے کے بارہ میں میں نے جو لکھا تھا اس کے متعلق حضرت نے کچھ تحریر نہیں فرمایا، اور اپنے تیلی ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر تحریر فرمایا "کیا حرج ہے بعضے تیل گھی سے بھی زیادہ قیمت کے ہوتے ہیں۔"

ظاہر صوم و صلوٰۃ کی پابندی نصیب ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ "کیا یہ تھوڑی نعمت ہے۔" ریا اور عجب وغیرہ کے بارہ میں جو میں نے لکھا تھا کہ اس کے متعلق بھی موٹی موٹی معلومات ہیں، اس پر تحریر فرمایا "پھر تو نورٌ علیٰ نور" —

اور آخر میں جو میں نے لکھا تھا کہ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرمادیں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں، — اس پر تحریر فرمایا کہ "ہاں ضرور، انشاء اللہ برکت ہوگی۔"

اگست 1960ء

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

16/8

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا ذریعہ ... اور ...

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک ...

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں ...

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ...

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں ... اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّی فی الدنیا والآخرۃ

توفّنی مسلماً والحقنی بالصّالحین

"ادارۂ الفرقان"

مرتّب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

مسئول
محمد منظور نعمانی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۶؍
؍؍ (؍؍ پاکستان) ۷؍

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ، ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ، ۱۵؍

(فی کاپی آٹھ آنے ۸؍)

جلد (۲۸) | بابت صفر المظفر سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۶۰ء | شمارہ (۲)

اگر اِس دائرے میں ◯ سُرخ نشان ہے ، تو

اس کا مطلب یہ ہے، کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہِ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو، تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ ؍ اگست تک دفتر میں ضرور آجانی چاہئے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا ———

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں ——— **نمبر خریداری :** - خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے ——— **تاریخ اشاعت** - الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۲ ؍ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے، تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۰ ؍ تاریخ کے اندر آجانی چاہئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی ———

مقام اشاعت :- دفتر الفرقان - کچہری روڈ - لکھنؤ

نگاہِ اوّلیں

(از- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ہندوستان کی ایک معیاری تعلیم گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا ایک ایسا فکری و تہذیبی مرکز بھی ہے، جس سے انکی ایک صدی کی ادبی، علمی، سیاسی، تاریخ وابستہ ہے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کسی ادارہ پر ہندوستانی مسلمانوں کی اتنی بہتر ذہنی صلاحیتیں، قوت کار اور مساعی صرف نہیں ہوئیں، اور نہ مسلمانوں نے کسی ادارہ کے ساتھ اتنی گہری دلچسپی اور وابستگی کا اظہار کیا، جتنا اس ادارہ کے ساتھ کیا ہے، یہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک ایسا تہذیبی ورثہ ہے، جو ان کو بہت عزیز ہے، اپنی انفرادیت کے ساتھ اس کا قائم رہنا، اور پھلتے پھولتے رہنا ہندوستان کی سیکولر حکومت کی نا مذہبیت کا نشان، اور اس ملک میں مسلمانوں کے عزت و وقار کیساتھ رہنے کا اعلان ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہ بڑی تشویش کی بات ہے، کہ کچھ عرصہ سے مسلم یونیورسٹی غیر اسلامی اثرات اور کمیونزم کا ایک اچھا خاصا مرکز بن گئی ہے، اور اس بارے میں جو سرگرمی وہاں نظر آتی، وہ بہت سی دوسری یونیورسٹیوں میں بھی نہیں پائی جاتی، سب سے زیادہ ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ یونیورسٹی کا شعبۂ مطالعۂ اسلامیات (اسلامک اسٹیڈیز) جس کو یونیورسٹی کے اندر اسلامی افکار و تہذیب کا نمائندہ اور علم بردار ہونا چاہئے تھا، غیر دینی رجحانات اور اثرات کا مرکز بنا ہوا ہے۔

ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں، کہ کسی ادارہ کے اساتذہ اور اہل تعلق میں کسی گروہ یا کسی فرد کو اس ادارہ کے بنیادی مقاصد اور اسکے بانیوں کے منشاء اور عقیدے کے خلاف تبلیغ و دعوت کی اجازت

دیجا سکتی ہے، یا اس بارے میں رعایت اور چشم پوشی سے کام لیا جا سکتا ہے، اہلِ نظر اور تجربہ کاروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں، کہ کسی ادارہ کے لئے انتشارِ خیال اور تصادمِ افکار سے زیادہ کوئی مضر چیز نہیں ہے کسی ایسے جامعہ یا درسگاہ کو کامیاب نہیں کہا جا سکتا، جس کا کوئی مسلک یا مزاج نہ ہو، یا وہ اپنا معین مسلک اور مزاج تو رکھتی ہو، لیکن خود اسکے حدود کے اندر اسکے خلاف تبلیغ کا سلسلہ جاری ہو، اور اس کی تحقیر کی جاتی ہو ؛

اسی طرح سے یہ بھی واقعہ ہے کہ کسی مضمون کے کسی استاذ کے انتخاب کے لئے محض اس سے علمی واقفیت قطعاً کافی نہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معلم اس مضمون کی روح اور مقاصد سے ہمدردی اور اس سے گہری دلچسپی رکھتا ہو، اس کا سچا داعی اور اس کی روح کا حامل بھی ہو تبھی وہ اس مضمون کیساتھ انصاف کر سکتا ہے، اور اپنے طلبہ میں اس کا ذوق پیدا کر سکتا ہے ؛ یونیورسٹی کے ذمہ داروں کو اس معیار سے اپنے اساتذہ کو جانچنا چاہئے، کہ وہ کہاں تک یونیورسٹی کے مسلک و مزاج سے اتفاق اور اپنے مضامین سے ہمدردی اور دلچسپی رکھتے ہیں، ان فاضل اساتذہ کی علمی شان، ذمہ دار حیثیت، اور منصب و مقام کے شایانِ شان بھی یہی ہے، کہ وہ با اصول اور صاحبِ ضمیر خادمانِ علم کی طرح اپنی علمی جدوجہد اور اپنی علمی خدمات کے لئے کوئی ایسا علمی ادارہ انتخاب کریں جس کے بنیادی مقاصد سے ان کو اتفاق ہو اور وہاں ان کے اور درسگاہ کے مزاج اور مسلک کے درمیان کوئی کشمکش نہ پیدا ہو، اور طلبہ کسی ذہنی انتشار کا شکار نہ ہوں ؛

ہم کو بڑی خوشی ہے، کہ ملک کے مؤقر علمی رسالہ "معارف" اعظم گڈھ نے اس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس مسئلہ پر سنجیدگی اور دیانت داری کے ساتھ غور و فکر و تحقیق کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس مسئلہ کو ذاتی اور جماعتی دلچسپیوں اور مصلحتوں اور پالیٹکس سے بالاتر رہنا چاہئے، اور اگر یہ واقعہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا ایک خاص مسلک اور مزاج ہے، اور اسکے کچھ بنیادی مقاصد ہیں، اور وہاں مسلمان اپنے فرزندوں اور نوجوانوں کو اس توقع پر تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتے ہیں، کہ وہ عہدِ حاضر کی ایک منظم اور ترقی یافتہ یونیورسٹی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا ایک تعلیمی و تربیتی مرکز بھی ہے، اور وہاں رہ کر مسلمان نوجوان اپنے عقائد اور اپنی تہذیب کے بارے میں زیادہ اعتماد اور زیادہ روشنی حاصل کر سکتے ہیں، اور موجودہ لادینی تحریکات کے اثرات سے (جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اپنے پورے عروج پر ہیں) ان کے محفوظ

رہنے کی زیادہ توقع ہے، اگر یہ سب صحیح ہے تو پھر اخلاقی و اصولی طور پر مسلم یونیورسٹی میں کسی ایسے ماحول یا مرکز یا تحریک کو آزادی کے ساتھ اپنا کام کرنے اور پھلنے پھولنے کی اجازت نہیں دینی چاہئے، جو ان بنیادی مقاصد پر تیشہ چلائے، اور ان تصورات اور توقعات پر ضرب کاری لگائے، جو مسلم یونیورسٹی کے لئے باعثِ کشش، اور وجہ ترجیح ہیں ؛

ہمیں اُمید ہے، کہ ہندوستان کے تمام سنجیدہ اور معقولیت پسند حلقے "معارف" کی اس دعوت و تحریک کی تائید کرینگے، اور سب سے پہلے یونیورسٹی کے ذمہ دار حضرات جو ملتِ اسلامیہ کے اس عظیم الشان ادارہ کے امین ہیں، اِس مسئلہ پر توجہ کرکے مسلمانوں کی اس تشویش کو رفع کرنے کی تدبیر کرینگے ؛

معارف الحدیث

(مسلسل)

جنابت اور غسلِ جنابت :۔

ہر سلیم الفطرت اور صاحبِ روحانیت انسان، جب اُسکے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بہیمی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے، جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے، اور اُس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا، اور تبلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام **حدث** ہے ——— پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں، یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں، ایک حدث اصغر، جس کے ازالہ کے لئے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے ——— اور دوسرے حدث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے۔ پیشاب پاخانہ اور خروج ریاح وغیرہ حدث اصغر کی مثالیں ہیں، اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اُس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لئے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے، اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گذرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے، اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوتِ قرآن جیسے مقدس وظائف میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس

سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :۔

(۵۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ حائضہ عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لئے بالکل ممنوع ہے) ——— (جامع ترمذی)

(۵۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّیْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ ——— (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ :۔ ان گھروں کا رُخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، اُن کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب لگا دو) کیونکہ کسی حائضہ عورت، اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (اُن کے لئے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے) ——— (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مسجد نبوی جب شروع میں بنی تھی تو آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، گویا کہ صحن مسجد ہی میں کھلتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آگیا، کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے، کہ حائضہ اور جنبی اُس میں داخل نہ ہوں، اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا، اور حکم دیا، کہ ایسے سب گھروں کے دروازوں کا رُخ بدل دیا جائے۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اسکے آداب :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اسکے آداب سکھلائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اسکے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں :۔

(۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ کُلِّ شَعْرٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ ——

(رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اسلئے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہئے (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصّہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے) اور جلد کا جو حصّہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی دُھلائی کرنی چاہئے —— (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۵۷) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ یَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِیٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاسِیْ، فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَاسِیْ ثَلٰثًا ——

رواہ ابوداؤد واحمد والدارمی الا انہما لم یکررا فمن ثم عادیت راسی

(ترجمہ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی، تو اُس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا —— حدیث کے راوی حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ حضورؐ کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا، (یعنی میں نے معمول بنا لیا، کہ جب ذرا بڑھے، میں نے اُن کا صفایا کرا دیا) ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپ نے تین دفعہ فرمایا —— (سنن ابی داؤد، مسند احمد، مسند دارمی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا، کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری ہے، کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنا لیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے اگرچہ اولیٰ سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہؐ کا، اور باقی خلفائے راشدینؓ کا معمول تھا۔

(۵۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَءُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهِ عَلَى شِمَالِهِ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَأْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ أَصَابِعَهُ فِي أُصُوْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى إِذَا رَاٰى أَنْ قَدِ اسْتَبْرَأَ حَفَنَ عَلٰى رَأْسِهِ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ أَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ۔

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

(ترجمہ) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت فرماتے تھے، تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو دھوتے اور داہنے ہاتھ سے اُس پر پانی ڈالتے تھے، پھر وضو فرماتے تھے، اُسی طرح جس طرح کہ نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے، اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پہنچا لیا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اُس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوتے تھے ——— (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۵۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةُ قَالَتْ أَدْنَيْتُ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلَهُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ أَفْرَغَ بِهٖ عَلٰى فَرْجِهٖ وَغَسَلَهُ بِشِمَالِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهِ الْأَرْضَ فَدَلَكَهَا دَلْكًا شَدِيْدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ أَفْرَغَ عَلٰى رَأْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ مِلْأَ كَفِّهٖ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهٗ ——— (رواہ البخاری ومسلم وہذا لفظ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے غسل جنابت کے لئے پانی بھر کے آپ کے پاس رکھ دیا، تو آپؐ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دُھلا ہوا ہاتھ آپؐ نے پانی کے اُس برتن میں ڈالا اور اُس سے پانی لیکر اپنے مقام استنجا پر ڈالا، اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اپنا وہ بایاں ہاتھ زمین پر مارا، اور اس کو خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپ نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اُس جگہ سے ہٹ کر آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے پھر میں نے آپ کو رومال دیا، تو آپؐ نے اس کو واپس فرما دیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپؐ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا، اور جھاڑ دیا) ———— (صحیح بخاری ومسلم)

(**تشریح**) حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت میمونہؓ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپؐ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اسکے بعد آپ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے، اور داہنے ہاتھ سے اُس پر پانی ڈالتے تھے، اسکے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کے، اور رگڑ رگڑ کے خوب مانجتے، اور دھوتے تھے، پھر اسکے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کُلی کر کے اور ناک میں پانی لیکر اُس کی اچھی طرح صفائی کر کے مُنھ اور ناک کے اندرونی حصّہ کو غسل دیتے تھے، اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کر کے اسکے ایک ایک بال کو غسل دیتے، اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اسکے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اسکے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اُس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے ——— ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہوسکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپ غالباً اسلئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

(۶۰) عَنْ يَعْلَى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ

إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ——— (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(**ترجمہ**) حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی، جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا، تو آپ نے (قریبی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، اسکے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شرم وحیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر نہیں فرماتا بلکہ ان کی پردہ داری فرماتا ہے) اور بندوں کے لئے بھی وہ حیاداری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بنا پر اس کا حکم ہے، اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے) ——— (سنن ابی داؤد وسنن نسائی)

تیمّم :

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے، کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لئے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا، ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دیدیجاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترکِ طہارت کی عادی بنتیں، اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اسکے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے، وہ مجروح ہوتا، اسلئے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمّم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنا دیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمّم کا اہتمام کرے گا، تو اس کی عادت اور اسکے ذہن پر انشاء اللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمّم یہ ہے، کہ سطح زمین پر، یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی جو ایسی چیزیں سطح زمین پر

عموماً ہوتی ہیں، (اُن میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اُور ہاتھوں پر پھیر لئے جائیں۔ اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہئے، کہ مٹی وغیرہ چہرے اُور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمم کی حکمت غسل اُور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اُس کے بجائے تیمم کا حکم دیا، جس میں مٹی اُور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہلِ تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، اُور دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اسلئے پانی اُور مٹی میں خاص مناسبت ہے۔ نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اُور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے، اُور مٹی کو ہاتھ لگا کر مُنھ پر پھیرنے میں تذلل اُور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اُور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اُور خاک ہی ہے، اُور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اسلئے اس تیمم میں موت اُور قبر کی یاد بھی ہے — واللہ تعالیٰ اعلم باسرار دینہٖ۔

اس کے بعد تیمم سے متعلق چند حدیثیں پڑھئے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اُس واقعہ کا ذکر ہے، جس میں تیمم کا حکم نازل ہوا:—

(۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِہٖ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْبَیْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَیْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدٌ لِیْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْتِمَاسِہٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَہٗ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ فَاَتَی النَّاسُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالُوْا اَلَا تَرٰی اِلٰی مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِالنَّاسِ مَعَہٗ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ وَلَیْسَ مَعَھُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْ بَکْرٍ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَاْسَہٗ عَلٰی فَخِذِیْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ وَلَیْسَ مَعَھُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِیْ اَبُوْ بَکْرٍ وَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّقُوْلَ وَجَعَلَ یَطْعَنُنِیْ بِیَدِہٖ فِیْ خَاصِرَتِیْ فَلَا یَمْنَعُنِیْ مِنَ التَّحَرُّکِ

اِلَّا مَكَانَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ مَاهِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَ الَّذِيْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ ــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

(**ترجمہ**) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (غزوہ بنی مصطلق میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے، یہانتک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینۂ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریۃً ان سے لیکر گلے میں ڈال لیا تھا) ٹوٹ کر گر گیا (اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپ نے وہاں قیام فرمالیا، اور آپ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ سب بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابوبکر صدیقؓ کے پاس جاکر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہؓ نے کیا کیا ہے، انھوں نے (ہار گم کرکے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے حالانکہ نہ یہاں پانی ہے، اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابوبکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے، اور آپ کو نیند آگئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی، اور صورتِ حال یہ ہے، کہ یہاں (قریب میں) کہیں پانی نہیں ہے، اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے ـــــ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ـــــ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اُسوقت انھوں نے مجھے وہ سب کہا، اور (غصہ سے) میرے پہلو میں

کو پیچھے لگائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے اِسلئے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے رہے، یہاں تک کہ آپ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کرکے نماز ادا کی گئی) تو اُسید بن حضیر نے (جو اُن نقباءِ انصار میں سے ایک تھے، جنھوں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آلِ ابوبکرؓ! یہ تیمم کا حکم تمھاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمھارے ذریعہ اُمت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ (اس سب کے بعد) جب اُس اونٹ کو اُٹھایا گیا، جو میری سواری میں تھا، تو میرا وہ ہار اُسکے نیچے مل گیا ____ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اُس سے غالباً سورۂ نساء کی یہ آیت مراد ہے: ____

وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا تم
اَوْجَاۤءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۤئِطِ	سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے
اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَاۤءَ فَلَمْ تَجِدُوْا	آیا ہو، یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو اور تم کو
مَاۤءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا	پانی نہ ملے، تو تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو (یعنی
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ	اس زمین پر دو ہاتھ مار کے) اپنے چہروں اور
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔	ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا
(النساء، ع ۷)	اور بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے، اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے، اور سورۂ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

(۶۲) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّي اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْكُرُ اِنَّا كُنَّا فِي سَفَرٍ اَنَا

وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ ——— (رواہ البخاری ومسلم نحوہ)

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی ہے، اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہوگئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز پڑھی نہیں، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لئے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اور ان کو پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو، وہ اڑ جائے) پھر آپ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا ———

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجیہیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سہل الفہم یہ ہے، کہ غالباً ان کو پانی مل جانے کا انتظار تھا، اور اس کی کچھ امید تھی، اسلئے انھوں نے اسوقت تیمم کرکے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم ——— اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا، کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے، جو وضو والے تیمم کا طریقہ ہے، اسلئے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا، تو آپ نے انکی اس غلطی کی تصحیح فرمادی، اور بتلادیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے

جو وضو والے تیمم کا ہے، حضرت عمارؓ چونکہ وضو والے تیمم کا طریقہ جانتے تھے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔

حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تیمم میں مٹی یا خاک کا منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اسکو پھونک دینا بہتر ہے۔

(۶۳) عَنْ عِمْرَانَ قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِيْ جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيْدِ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ ــــــــ (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ نے لوگوں کے ساتھ کسی وقت کی نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، تو آپ نے (اپنے ساتھ والوں میں سے) ایک شخص کو دیکھا، جو الگ تھلگ تھا، اور جماعت کے ساتھ اس نے نماز ادا نہیں کی تھی، آپ نے اس سے فرمایا:۔ یا فلاں! تمھارے لئے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا چیز مانع ہوئی؟۔ اس نے عرض کیا:۔ حضرت! مجھ پر غسل واجب ہوگیا ہے، اور پانی ہے نہیں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تمھیں چاہئے کہ مٹی سے کام لو، (یعنی تیمم کرلو) وہ تمھارے لئے کافی ہوگا ــــــــ

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) غالباً ان صاحب کو اس وقت تک یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ تیمم غسل جنابت کے قائم مقام بھی ہوجاتا ہے، بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مسئلہ بتلادیا، کہ ایسی حالت میں تیمم کرکے نماز پڑھ لینی چاہئے۔

(۶۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ

فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَهُ فَاِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ ـــــ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا سامانِ طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے پس جب پانی پاوے تو چاہئے کہ اس کو بدن پر ڈالے یعنی اُس سے وضو یا غسل کرلے کیونکہ یہ بہت اچھا ہے ـــــ مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر برسہا برس تک آدمی وضو یا غسل کیلئے پانی نہ پائے، تو تیمم اُس کیلئے برابر کافی ہوتا رہے گا ـــ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا، تو غسل یا وضو اُس کیلئے ضروری ہو جائے گا۔

(ف) قریب قریب سارے ائمہ امت اس پر متفق ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اُسنے بجائے غسل کے تیمم کیا ہو، تو اس کو جب پانی مل جائے گا، یا بیماری کا عذر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہوگا۔

(۶۵) عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُهُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذَالِكَ فَقَالَ لِلَّذِيْ لَمْ يُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِيْ تَوَضَّاءَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ ـــــ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا اور اُن کے ساتھ پانی تھا نہیں، اسلئے دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھی، اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا اُن سے آپ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا، اور تم نے جو نماز تیمم کرکے پڑھی وہ تمہارے لئے کافی ہوگی (شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ایسے موقع پر تیمم کرکے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اسلئے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کرکے نماز دوبارہ پڑھی تھی اُن سے آپ نے فرمایا، کہ تمھیں دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہوگئی، اللہ تعالیٰ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتا) ـــــ (سنن ابی داؤد و مسند دارمی)

تجلیاتِ مجدّد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(ترجمہ و تلخیص ——— از، مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۱۹۵) صدر جہاں کے نام : ———

(ترویجِ شریعت کی ترغیب میں)

سلمکم اللہ وابقاکم ——— بادشاہوں کا احسان چونکہ تمام خلائق پر ہوتا ہے، اس بناء پر مخلوق کے دل اپنے محسنوں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں ——— جیسا کہ کہا گیا ہے کہ "مخلوق کی فطرت میں اپنے محسنوں سے محبت رکھی گئی ہے" ——— اس ارتباطِ حُبّی کی وجہ سے (بقدرِ محبت) بادشاہوں کے اخلاق و اوضاع از قبیلِ خیر و شر و صلاح و فساد عام مخلوق میں جاری ساری ہوتے ہیں ——— اسی وجہ سے کہا گیا ہے : "لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقہ پر ہوتے ہیں" ——— زمانۂ گذشتہ کا کاروبار اس بات کا گواہ ہے ——— اب جبکہ انقلابِ حکومت ہو گیا ہے، اور اہلِ مذاہب کے عناد کی صورتیں درہم برہم ہو گئی ہیں، ائمۂ اسلام پر خواہ وہ صدر الصدور رہوں یا علماءِ کرام ——— لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو ترویجِ شریعت میں مشغول اور آغازِ کار ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو قائم و برپا کر دیں ——— کیونکہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے، تاخیر کے باعث غریبوں کے دل اضطراب میں ہیں ———

قرنِ سابق کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہیں، ایسا نہ ہو کہ تلافی نہ ہو اور اسلام کی کس مپرسی طول کھینچ جائے ——— جب کہ بادشاہ ترویجِ سنّتِ نبویہ میں سرگرم نہ ہوں، نیز اُن کے مقربین بھی اس معاملہ میں ڈھیلے پڑ جائیں، اور حیاتِ چند روزہ کو ہی عزیز سمجھیں، تو فقراءِ اہلِ اسلام پر کام بہت

تنگ و تاریک ہوجائے گا ـــ انا للہ وانا الیہ راجعون ـــــ ۵

صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیا لیا

(جو مصائب و آلام میرے اوپر ڈالے گئے ہیں، اگر دنوں پر ڈالے جائیں تو وہ راتوں کی شکل میں تبدیل ہوجائیں)

منجملۂ شعائر اسلام۔ قاضیوں کا بلاد اسلام میں تعین و تقرر بھی ہے۔ جو زمانۂ گزشتہ (عہد اکبری) میں موقوف ہوگیا تھا ـــ سرہند جو بڑا اسلامی شہر ہے۔ چند سال سے قاضی نہیں رکھتا ـــ حامل رقعہ قاضی یوسف کے آبا و اجداد اس وقت سے جب کہ سرہند کی بنیاد پڑی ہے۔ قاضی ہوتے چلے آئے ہیں چنانچہ بادشاہوں کی سندیں انکے پاس ہیں ـــ موصوف صلاح و تقویٰ سے بھی آراستہ ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو یہ "امر عظیم القدر" (قضائے سرہند) اُن کو سپرد فرمادیں ـــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو شریعت حقہ کے راستے پر ثابت قدم رکھے

مکتوب (۱۹۷) پہلوان محمود کے نام ـــــ

(نصیحت)

اللہ تعالیٰ تم کو جادۂ شریعت پر ثابت قدم رکھے ـــ سعادت مند وہ ہے جس کا دل دنیا سے سرد اور حرارت محبت حق سے گرم ہو ـــ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے ـــ اور اُس کا ترک جمیع عبادات کی اصل ہے ـــ وجہ یہ ہے کہ دنیا، الٰہ کی ناپسندیدہ اور مبغوض چیز ہے..... حدیث شریف میں ہے الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیہا الا ذکر اللہ (دنیا اور اسکی چیزیں ملعون ہیں سوائے ذکر اللہ کے) ـــ چونکہ ذاکرین اور اُن کے وجود کا ہر ذرہ ذکر اللہ سے پُر ہوتا ہے اسلئے وہ اس وعید سے خارج ہوں گے اور اہل دنیا کی فہرست میں نہ آئیں گے ـــ دنیا وہ ہے کہ دل کو حق سبحانہ سے باز اور اسکے غیر کے ساتھ مشغول رکھے ـــ خواہ اموال و اسباب ہوں، خواہ جاہ و ریاست خواہ ننگ و ناموس ـــ فاعرض عن من تولی عن ذکرنا (پس روگردانی کر اس سے جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرتا ہے) ـــ یہ نص قاطع ہے۔

جو چیز دنیا سے تعلق رکھتی ہے بلائے جان ہے ـــ اسکے مالک دنیا میں ہمیشہ پریشان

رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت و حسرت والوں میں ہوں گے —— ترکِ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی طرف رغبت نہ ہو اور عدمِ رغبت اس وقت ثابت ہوگی جب سر و سامانِ دنیا کا ہونا نہ ہونا دونوں مساوی ہوں۔ یہ بات اس وقت تک حاصل ہونی مشکل ہے جب تک اربابِ جمعیت کی صحبت نہ ہو، اگر ایسے لوگوں کی صحبت حاصل ہوجائے تو اسکو غنیمت شمار کرنا اور خود کو انکے سپرد کردینا چاہیئے —— میاں شیخ مزمّل کی صحبت تمھارے لئے غنیمت ہے —— اُن جیسے عزیز (آج کل) نادر الوجود اور کبریتِ احمر سے زیادہ نایاب ہیں —— مگر اہلِ کرم کا شیوہ یہ ہے کہ ایثار کیا جائے یعنی اپنی ضرورت پر دوسرے کی ضرورت کو مقدم رکھا جائے لہٰذا اگر چند روز کے لئے میاں شیخ مزمل کو رخصت کردیں تو مناسب ہے، —— فراغتِ کار کے بعد وہ پھر واپس چلے جائیں گے۔ ...

مکتوب (۱۹۰) مرزا عبدالرحیم خانخاناں کے نام ——

(اس بیان میں کہ فی زماننا فقراء کی دوستی اغنیاء سے نبھنا مشکل ہو)

...... التفات نامۂ گرامی جو فقراء کے نام زد تھا، وصول پایا —— باعثِ افزونیٔ محبت ہوا ..... مخدوما! فقراء کا اغنیاء سے دوستی کرنا اس زمانے میں بہت مشکل ہے —— اگر فقراء گفتگو میں یا تحریر میں تواضع اور حسنِ خلق کا رویہ اختیار کریں —— جو کہ لوازم فقراء سے ہے —— تو کوتاہ اندیش لوگ بدگمانی کرتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ لالچی اور ضرورت مند ہیں۔ اس بدگمانی سے یقینی طور پر وہ لوگ دارین کا نقصان اٹھاتے ہیں اور بزرگوں کے کمالات سے محروم رہتے ہیں —— اور اگر فقراء استغناء کے ساتھ گفتگو کریں تو بھی کوتاہ بیں لوگ اپنی بدخلقی پر قیاس کرکے اُن کو متکبر اور بدخلق قرار دیتے ہیں —— یہ نہیں جانتے کہ استغناء بھی لوازم فقراء سے ہے .... والسلام

مکتوب (۲۰۲) مرزا فتح اللہ حکیم کے نام (آخری حصہ)

...... جو شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنے آپ کو افضل جانتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا زندیق ہے یا جاہلِ مطلق —— اس فقیر نے ایک چند سال پیشتر جو مکتوب تم کو لکھا تھا —— فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت کے بیان میں —— تعجب ہو کہ

اسکے مطالعے کے بعد اس قسم کی باتیں (میرے لئے) تجویز کی جاتی ہیں ـــ جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل کہتا ہو وہ اہل سنت کے گروہ سے نکل جائے گا چہ جائیکہ کوئی خود کو اُن سے افضل جانے ـــ ..... اجماعِ سلف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو افضلیت حاصل ہے ـــ کوئی احمق ہوگا جو اس اجماع کے توڑنے کا وہم بھی کرے ـــ اس فقیر نے اپنے کتب و رسائل میں لکھا ہے کہ وحشیؓ، قاتل حمزہؓ جو ایک مرتبہ (بحالتِ ایمان) خدمتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم میں پہونچے ہیں ـــ اویس قرنیؒ سے جو کہ خیر التابعین تھے ـــ بہتر ہیں ـــ پس ایسے (عقیدے والے) شخص کے بارے میں اس قسم کی باتوں کا گمان کرنا عقل و دور اندیشی سے دور ہے ـــ میری وہ عبارت جہاں سے لوگوں کو یہ وہم پیدا ہوا ہے غور سے دیکھنا اور حقیقت معاملہ تک پہونچنا چاہیئے ـــ محض اربابِ حسد کی تقلید نہ کی جائے.... حاشا و کلا کہ عبارت فقیر میں اس قسم کی کوئی چیز مذکور ہوئی ہو۔ والسّلام

مکتوب (۲۰۳) مُلا حسینی کے نام ـــ

(اہل اللہ سے محبت کرنے کی ترغیب میں)

تمہارا مکتوب چونکہ محبت فقراء کی اطلاع دینے والا تھا اس لئے اسکے پہونچنے سے فرحتِ فراواں حاصل ہوئی ـــ اللہ تعالیٰ اس طائفہ علیہ کی محبت روز بروز زیادہ کرے اور ان سے نیازمندی کا تعلق، نصیب کرے ـــ حدیث المرءُ مع من احب ـــ کی رو سے، فقراء کے محب، فقراء کے ساتھ ہیں ـــ یہ (فقراء) وہ لوگ ہیں جن کا جلیس و ہمنشیں، شقاوت و بدبختی سے محفوظ ہے ـــ حدیث نبوی میں ہے کہ کاتبین اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں اور گذرگاہوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کی تلاش کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ذاکرین کی جماعت کو پالیتے ہیں اور ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ دوڑو اپنے مقصد کی طرف پس وہ سب کے سب اپنے بازوؤں سے اس جماعت کو گھیر لیتے ہیں اور کثرت تعداد کی وجہ سے آسمان تک اُنکا یہ سلسلہ پہونچ جاتا ہے ـــ خداوند کریم جو اپنے بندوں کے حال سے خود باخبر ہے ـــ ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں ـــ الٰہی وہ تیری حمد و ثنا کر رہے تھے اور تجھے تعظیم کے ساتھ یاد کر رہے تھے

اور تجھ کو تمام عیوب و نقصانات سے مبرّا قرار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں، نہیں ــــ پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیں تو انکا کیا حال ہو؟ ملائکہ کہتے ہیں کہ اور زیادہ تحمید، تمجید اور تکبیر کہیں ــــ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ لوگ مجھ سے کیا طلب کرتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں ــــ وہ بہشت طلب کرتے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــ انھوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں ــــ نہیں دیکھا ــــ فرماتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیں تو انکا کیا حال ہو؟ ملائکہ کہتے ہیں اگر دیکھ لیں تو انکو جنّت کی اور زیادہ طلب و حرص ہو جائے ــــ پھر ملائکہ کہتے ہیں اے رب وہ لوگ دوزخ سے لرزتے تھے اور تیری پناہ ڈھونڈھتے تھے ــــ حق سبحانہ فرماتا ہے انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ جواب دیتے ہیں نہیں دیکھا ــــ فرماتا ہے اگر دیکھ لیں تو کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں تو پھر تو وہ اور زیادہ پناہ چاہیں ــــ اور دوزخ سے زیادہ سے زیادہ راہِ فرار اختیار کریں ــــ (اس تمام سوال وجواب کے بعد) اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے ــــ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ اُن سب کو میں نے بخشدیا ــــ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس مجلسِ ذاکرین میں فلاں آدمی ذکر کے واسطے نہیں آیا تھا کسی حاجتِ دنیاوی کی وجہ سے آگیا تھا ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اُن کا جلیس و ہمنشیں محروم نہیں ہوتا ــــ پس اس حدیث سے اور حدیث المرء مع من احبّ سے لازم آیا کہ اس گروہ کے محب اُسکے ساتھ ہیں اور جو اُسکے ساتھ ہیں تو محروم و بدبخت کبھی نہ ہونگے .... اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اِن بزرگوں کی محبّت پر ثابت قدم رکھے ــــ بحرمۃ النبی الامی الہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ــــ والسلام

مکتوب (۲۰۴) میر محمد نعمان کے نام ــــ

(اہلِ خُسران کے اعتراضات سے ملول نہ ہونا چاہیئے)

اربابِ خُسران کی بے تکی باتوں سے دل شکستہ نہ ہوں ــ کلٌ یّعمل علیٰ شاکلتہ (ہر شخص اپنے طریقے پر عمل پیرا ہوتا ہے) ــــ مناسب یہ ہے کہ پاداش اور بدلے کے درپے کبھی نہ ہوں ــــ دروغ کو فروغ نہیں ہوتا ــــ مخالفین کے "کلمات متناقضہ" ہی اُن کی کساد بازاری کا سبب بن جائینگے ــــ من لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فمالہ من نور (جس کسی کو اللہ نے روشنی نہیں دی اُسکے لئے کوئی روشنی نہیں ــــ جو شغل رکھتے ہیں بس اُس ہی

مشغول رہیں اور اسکے علاوہ سب سے چشم پوشی کریں ــــــ

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ (کہہ اللہ اور پھر چھوڑ دے اُن کو اُنکی بیہودہ گفتار میں کھیلتا ہوا)۔

اخوی خواجہ محمد صادق، بروقت پہونچے ـ عشرۂ اعتکاف انھوں نے ہمارے ساتھ گذارا اور تازہ فتوحات و واردات سے مشرف ہوئے ــ الحمد للہ ــ تمام دوستوں کے اوقات، جمعیتِ قلب سے لبریز ہیں اور انکو ترقیات مسلسل حاصل ہیں ـــ ذٰلك فضل الله يوتيه من يشاءُ والله ذو الفضلِ العظيم ــــ وصلّى الله على خير خلقه سيّدنا محمد وآله وصحبه وسلّم وبارك عليه وعليهم اجمعين ــ

مکتوب (۲۰۶) مُلّا عبد الغفور سمر قندی کے نام ــــ

(دُنیا اور اُسکی عیش و عشرت کی مذمت میں)

اے اللہ ہمیں متنبہ کردے پہلے اس سے کہ موت متنبہ کرے ــ بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو مکتوب اس حقیر دور افتادہ کو بھیجا تھا وہ وصول ہوا ــ مسرور کیا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء ــ اے برادر! آدمی کو دنیا میں طعامہائے لذیذ اور لباسہائے نفیس کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اور اسکی آفرینش اسلئے نہیں ہوئی کہ وہ عیش و عشرت اور لہو و لعب میں رہے ـــ آدمی کی پیدائش کا مقصد۔ ذلّت و انکسار اور عاجزی و انفقار ہے ــ جو کہ حقیقت بندگی ہے ـــ مگر وہ انکسار و افتقار ہو جس کی شریعت مصطفویہ نے اجازت دی ہے ـــ اسلئے کہ اہل باطل کے ریاضات و مجاہدات جو کہ موافقت شریعت نہیں رکھتے سوائے زیان و محرومی اور حسرت و ندامت کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں کرتے ـــ چاہیئے کہ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کے ذریعہ آراستہ پیراستہ ہو کر عملاً و اعتقاداً، علماء اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کے مطابق رہیں اور اپنے باطن کو ذکرِ الٰہی سے آباد رکھیں .... حاصل کلام یہ ہے کہ فلاح اُخروی، ذکرِ کثیر کے ساتھ مربوط ہے ــ واذكروا الله كثيرًا لعلّكم تُفلحون (اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ) یہ آیۂ کریمہ اسی معنیٰ کی شاہد ہے ـــ پس ذکرِ کثیر سے تعلق اور جو چیز اس دولت کے منافی ہو اُس سے دشمنی رکھنا چاہیئے ــ نجات کی تدبیر یہی ہے ــ

ما علی الرسول الا البلاغ ـــــ ۵

ذکر گو ذکر تا تُرا جان است

پاکیٔ دل ز ذکر رحمان است

اَلَا بذکر اللہ تطمئن القلوب (آگاہ رہو کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں) یہ نص قاطع ہے ـــــ اللہ تعالےٰ سے درخواست ہے کہ اس کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر ثابت و مستقیم رکھے ـــ کیونکہ یہی مدارِ کارِ دین ہے ـــــ

والسلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ایک کپڑا جس کو اوقاتِ نیک میں بارہا پہنا گیا ہے ـ بھیجا جاتا ہے ـــ اُسکو پہنیں گے ـــــ

عواقب جمیع امور بخیر باد ـــــ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۲۰۷) مرزا حسام الدین احمد[۱] کے نام ـــــ

(قُربِ ابدان کو قُربِ قلوب میں بڑا دخل اور تاثیر عظیم ہے ـــ وجد و حال جب تک میزان شرع پر پورے نہ اُتریں ایک کوڑی قیمت کے نہیں ـــــ)

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ ایک مدت ہو گئی کہ آپکی خیریت اور حضرات مخدوم زادگان (خواجہ کلاں و خواجہ خُرد) اور فرزندی میاں جمال الدین حسین اور

---

[۱] خواجہ حسام الدین احمد دہلویؒ، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے قدیم ترین خلفاء میں سے ہیں۔ انکے والد میر نظام الدین احمد تھے جو اوّلاً قاضی خاں بعدہٗ غازی خاں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ میر نظام الدین احمد (غازی خاں) اکبر بادشاہ کے اُن خاص امراء میں سے تھے جو دین الٰہی کے اختیار کرنے میں اور اُسکے چلانے میں پیش پیش تھے ـــ خواجہ حسام الدین احمد ۹۷۷ھ میں پیدا ہوئے حروف شیخ جنید سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے ـــ اکتساب علوم رسمی سے بہرہ وافر رکھتے تھے ـــ ۹۹۱ھ یا ۹۹۲ھ میں انکے والد نے وفات پائی تو بادشاہ نے اِن کو زمرۂ امراء میں داخل کر لیا ـــ ابو الفضل کی بہن کے ساتھ اِن کا نکاح ہوا تھا۔ جب وادیٔ سلوک میں سیر کرنے کا داعیہ ان کے قلب میں پیدا ہوا تو منصب امارت سے علاحدہ ہونے کے لئے اپنے کو بہ تکلف دیوانہ بنالیا ـــ بالآخر بادشاہ نے ان کو برطرف کر دیا ـــ یہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

اور تمام اعزہ و خدام بارگاہ مرشدؒ علی الخصوص میاں شیخ الہداد و میاں شیخ الہدیا کی خیر و عافیت نہیں معلوم ہوئی ——— اس کا باعث اِس دور افتادہ کو فراموش کر دینے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا —— بے شک قُربِ ابدان کو قُربِ قلوب میں تاثیرِ عظیم حاصل ہے — اسی وجہ سے کوئی ولی مرتبۂ صحابی کو نہیں پہونچتا ——— جناب اویس قرنیؒ اپنی رفعتِ شان کے باوجود چونکہ شرفِ صحبت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف نہ تھے اس لئے ادنیٰ صحابی کے مرتبے کو کبھی نہیں پہونچتے ——— ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ انھوں نے جواب میں فرمایا —— "وہ غبار جو حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں انکی معیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حالت میں داخل ہوا تھا وہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے کہیں زیادہ بہتر ہے"

اس طرف کے احوال و اوضاع مع لاحقین و تابعین عافیت سے مقرون ہیں —— اللہ تعالیٰ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) میں پہونچے اور رفتہ رفتہ رنگ درویشی کا غلبہ ہوتا چلا گیا — اسکے بعد حضرت خواجہؒ ماوراء النہر چلے گئے یہ انکی واپسی کا انتظار کرتے رہے — ان کے واپس آنے پر مستقل طور پر خدمت اقدس میں رہے اور طریقۂ اذکار و مراقبات کو باقاعدہ حاصل کیا — اس زمانۂ سیر سلوک میں ابو الفضل ان کا سخت مزاحم رہا — انھوں نے پیر و مرشد سے شکایت کی پیر و مرشد نے فرمایا مطمئن رہو چند روز میں اس کا کام تمام ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھیں دنوں میں ابو الفضل قتل ہو گیا — ان کی بیوی بڑی صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں، اپنے میکے کی مخالفت کے باوجود اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا اور عسرت و تنگی میں زندگی بسر کر کے وفاداری کا اعلیٰ نمونہ پیش کر دیا — مآثر الامراء میں ہے کہ اس خاتون نے اپنے بھائیوں سے ترک تعلق کر کے جو کچھ نقد تھا شوہر کے حکم کے مطابق غریبوں پر تقسیم کر دیا تھا — خواجہ حسام الدین احمدؒ نے اپنی تمام عمر قناعت و توکل میں گذاری — ان پر عشق الٰہی بہت غالب تھا باوجود اجازت یافتہ ہونے کے بیعت نہیں کرتے تھے —— رہیسے خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی دیکھ بھال اور صاحبزادگان (خواجہ خُرد و خواجہ کلاں) کی تربیت حضرت خواجہؒ کے وصال کے بعد ان ہی کے سپرد تھی — مرزا عبدالرحیم خانخاناں کی طرف سے مآثر الامراء کے بیان کے مطابق بارہ ہزار روپیہ سالانہ خرچ خانقاہ کے لئے پہونچتے تھے — بعد اختیار درویشی زیادہ وقت عبادات اور کلام اللہ کی تلاوت میں گذرتا تھا — روزانہ پندرہ پارے پڑھتے تھے — (باقی حاشیہ صفحہ ۲۵ پر)

(لاکھ لاکھ) شکر ہے اس نعمت پر بلکہ تمام نعمتوں پر علی الخصوص نعمتِ اسلام اور اتباع سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر ــــــ کیونکہ یہی اسلام اور یہی اتباع رسولؐ، سعادات دنیویہ و اُخرویہ کے ساتھ ساتھ، مدار کار، مدار نجات اور مدار فوز و فلاح ہے ــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے ــ بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ــــــ

ع ــــ کار این است وغیر ایں ہمہ ہیچ

صوفیاء کے سُکر یہ کلمات اور ان کے احوال کیا فائدہ دے سکتے ہیں؟ ــــ وہاں (یعنی عند اللہ) وجد و حال جب تک میزان شرع میں نہیں تولتے آدھے پیسے کو نہیں خریدتے اور جب تک کشف و الہام کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر نہیں پرکھ لیتے آدھے جو کو قبول نہیں کرتے ــ طریق صوفیاء پر چلنے سے تو مقصود معتقداتِ شرعیہ پر یقین کامل کا حاصل کرنا ہے کہ یہی حقیقتِ ایمان ہے ۔ نیز احکام فقہیہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴) شفقت علی الخلق کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس نفرت کے جو ان کو حکام و رؤسا سے تھی ہمیشہ غریبوں کی حاجت روائی کے لئے امراء کے پاس سفارش نامے بھیجتے رہتے تھے ــــــ یکم ماہ صفر ۱۰۴۲ھ کو آگرہ میں وفات پائی کچھ دنوں بعد ان کے تابوت کو دہلی لاکر مزار خواجہ باقی باللہؒ کے جوار میں دفن کیا گیا ان کے مزار کے کتبے پر سال وفات ۱۰۱۳ھ لکھا ہوا ہے جو بالکل غلط ہے ۔ مزاراتِ اولیاء دہلی میں بھی یہی غلط تاریخ درج کر دی گئی ہے ــــ مآثر الامراء میں ان کا اور ان کے والد کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے لیکن انکی تاریخ وفات اس میں نہیں دی ہے ــ سید کمال سنبھلیؒ کی اسراریہ سے صحیح تاریخ کا پتہ چلا ہے ــــــ سید کمال سنبھلیؒ نے شیخ جنید ما کجا ــــــ ان الفاظ سے تاریخ وفات نکالی ہے ــ پیر بھائی کی حیثیت سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان سے بہت اچھے تعلقات تھے ــ تینوں جلدوں میں تقریباً پندرہ مکتوبات ان کے نام ہیں اور سب اہم ہیں ــــــ الفرقان رمضان و شوال ۱۳۷۳ھ میں احقر کا ایک مفصل مقالہ خواجہ حسام الدین احمدؒ پر شائع ہوا ہے ــــــ جو اسراریہ اور زبدۃ المقامات سے ماخوذ ہے ــ

یہ مختصر نوٹ اسی مضمون کا خلاصہ ہے البتہ مآثر الامراء جلد سوم کے مطالعے کے بعد دو ایک قابل ذکر باتوں کا اس مختصر نوٹ میں اضافہ کر دیا گیا ہے ــــ

(نسیم احمد فریدی غفرلہٗ)

ادائیگی میں سہولت کا حاصل ہونا بھی مقصود ہے اسکے علاوہ اور کوئی مقصود نہیں —— دیدار الٰہی کا آخرت کے لئے وعدہ کیا گیا ہے — دنیا میں ہرگز واقع نہیں ہوگا۔ وہ مشاہدات وتجلیات جن پر صوفیا خوش ہو رہے ہیں وہ تو (درحقیقت) سایے اور مثال پر تسلّی دی جا رہی ہے — اللہ تعالیٰ تو وراء الوراء ہے —— عجیب معاملہ ہے — اگر حقیقتِ مشاہدات وتجلیات کو صحیح صحیح بیان کر دیا جائے تو اس کا خوف ہے کہ اس راہ کے مبتدیوں کی طلب اور انکے شوق میں کہیں کمی واقع نہ ہو جائے — اور اگر نہ بیان کیا جائے تو اس کا خوف ہے کہ جان بوجھ کر حق وباطل کے خلط ملط کرنے کو جائز نہ قرار دے دیا جائے —— (بس میں حیران ہوں اور اللہ تعالےٰ سے التجا کرتا ہوں کہ) اے متحیروں کے رہنما میری رہنمائی فرما — اس ذات کے طفیل میں جس کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

کبھی کبھی اگر کیفیاتِ احوال سے مطلع فرماتے رہا کریں تو موجبِ ازدیادِ محبت ہوگا ——

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"ایک تاریخی رات" (صفحہ ۳۳ کا بقیہ)

بن عطاء، عمرو بن عثمان مکی رحمہم اللہ تعالیٰ ؒ

مولانا فرماتے ہیں کہ —— "نقطۂ نظر کے اس اچانک فجائی انقلاب (کے بارے) میں اسکے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہو کہ اس تاریخی رات ہی کی تاریکی میں غالباً یہ روشنی پیدا ہوئی جو اپنی افتادِ طبع کے خلاف امام احمد نے اسماعیل بن اسحٰق کے بالاخانے پر گزاری تھی۔ وہی رات جس میں بچشم خود معائنہ فرمانے کے بعد آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ صوفی بیچارے مظلوم ہیں ان کے متعلق پھیلانے والے جو کچھ پھیلاتے ہیں واقعہ کے خلاف ہے۔

(ملخص صـ ۲۴۳ تا صـ ۲۱۹)

ایک تاریخی رات

(از، افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)

مولانا مرحوم کی ایک ضخیم کتاب "مقالاتِ احسانی" کوئی سال بھر سے تبصرہ کو آئی ہوئی رکھی تھی، اب اسکی باری آئی تو نکال کر دیکھنا شروع کیا۔ یہ کتاب چند مقالات کا مجموعہ ہے، دوسرا مقالہ جو "طریقۂ غزالیہ" کے عنوان سے ہے، کوئی پونے دوسو صفحے کی ضخامت کا، یعنی بجائے خود ایک کتاب ہے۔ مقالے یوں تو سبھی کام کے ہیں مگر خاص اس مقالہ میں مولانا کی نکتہ رسی نے وسعتِ معلومات کے ساتھ مل کر وہ گلکاریاں کی ہیں کہ پڑھتے رہیئے اور سیر نہ ہوئیے۔ جی چاہا کہ اس مقالہ کے کچھ اوراق کی خوشہ چینی سے ناظرینِ الفرقان کے کام ودہن کی لذت کا بھی سامان کیا جائے۔ آج اس سلسلہ کی پہلی قسط حاضر ہے۔ ——— عتیق

حارث بن اسد المحاسبیؒ دوسری صدی کے آخر اور تیسری کے اوائل کے صوفیائے کرام میں سے ایک عظیم شخصیت ہیں۔ انکی جلالت قدر کے لئے بس یہی بتا دینا کافی ہے کہ سید الطائفہ حضرت جُنید بغدادیؒ کا شمار بھی اُنکے صحبت یافتوں میں ہے۔

یوں تو فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم شقیق بلخی، ذوالنون مصری اور حاتم اصم جیسے کتنے ہی بزرگ صوفیا محاسبی سے پہلے ہو چکے تھے، لیکن حارث محاسبیؒ وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس طبقہ کے علوم وافکار اور احسانی مسائل وحقائق کو باضابطہ کتابی قالب عطا کیا۔ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ

للحارث کتبٌ کثیرۃ فی الزھد — زہد (تصوف) میں حارث کی بہت سی کتابیں ہیں۔

(ص ۲۱۱ ج ۸)

علیٰ ہذا

کتبٌ کثیرۃ الفوائد جمۃ المنافع — انکی کتابیں فوائد سے لبریز اور بہت زیادہ نفع بخش ہیں۔ (ص۲۱۱)

اس وقت تک علماء اور صوفیا میں بڑی لاگ ڈانٹ چلی آرہی تھی۔ محاسبی علیہ الرحمۃ کی کتابوں کے ظہور اور پھر مسلمانوں میں انکے حسنِ قبول نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:۔ "علماء جو اب تک صوفیوں کے وجود ہی سے پریشان تھے جب "صوفیت" کتابی قالب میں گھر گھر پہنچنے لگی تو مخالفت کہیے یا رقابت کا جذبہ جو اب تک کچھ دبا دبایا سا تھا، حارث کی کتابوں نے اس کو ابھار دیا، بجائے کنایوں اور اشاروں کے صاف صاف کھلے کھلے الفاظ میں معمولی لوگوں ہی کی طرف سے نہیں بلکہ بڑی بعض بڑی ذمہ دار ہستیوں کی طرف سے "صوفیت" پر سخت تیز و تند تنقیدیں ہونے لگیں، انتہا یہ کہ وقت کے امام المحدثین رئیس الحفاظ امام ابو ذرعہ رازیؒ کی طرف تو لوگوں نے یہ الفاظ منسوب کئے ہیں کہ محاسبی کی کتابوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

ھذہٖ کتبُ بدعٍ وضلالات — یہ ساری کتابیں صرف خود ساختہ بدعات اور گمراہیوں کا مجموعہ ہیں۔ (تاریخ خطیب ج۸ ص۲۱۵)

جنھیں حارث کی کتابوں کے پڑھنے میں مزہ ملتا تھا اور فائدے حاصل ہوتے تھے، جب حافظ سے کہتے کہ حضرت ان کتابوں سے بڑی چونکانے پیدا ہوتی ہے۔ تو بگڑتے اور فرماتے:۔

من لم یکن لہٗ فی ھذا الکتٰب عبرۃٌ فلیس لہٗ فی ھذہٖ الکتب عبرۃ۔ — اللہ کی کتاب سے جن میں چونک نہ پیدا ہو تو ان کتابوں سے کبھی اس میں چونک نہ پیدا ہوگی۔

پھر غصے میں عام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرماتے:۔

لوگو! بتاؤ کیا مالک بن انس، سفیان ثوری، اوزاعی یا ان ہی جیسے دوسرے ائمہ جو پہلے گزرے ہیں۔ ان بزرگوں نے اس قسم کے مسائل جن سے حارث اپنی کتابوں میں بحث کرتے ہیں یعنی وساوس وخطرات اور وہی باتیں جو وہ کرتے اور لکھتے ہیں کیا کسی نے ان پر کتابیں لکھی ہیں؟

پھر علانیہ اپنا یہ دو ٹوک فیصلہ سناتے کہ:۔

هؤلاء قوم خالفوا اهل العلم — صوفیوں کا یہ گروہ اہل علم (یعنی طبقۂ علماء) کے خلاف چل رہا ہے۔

(ایضاً ص۲۱۵ ج ۸)

پھر مسلمانوں میں عام عقیدت صوفیہ کی طرف سے جو پھیل چکی تھی اور پھیلتی جا رہی تھی خصوصاً حارث محاسبی کی کتابوں نے اس (عقیدت) کی اشاعتِ عام میں جو تازیانے کا کام کیا تھا، اسی حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ فرماتے:۔

ما اسرع الناس الی البدع۔ — بدعت کی طرف چل پڑنے میں عام لوگ کتنی جلد بازی سے کام لیتے ہیں"

مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں"۔ کہ جہاں تک میری محدود معلومات ہیں اُنکی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اتنے صاف صاف کھلے کھلے تیز و تند الفاظ میں صوفیوں کی نقیب طبقہ علماء کی طرف سے شاید اب تک نہیں کی گئی تھی۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی جب کوئی مولوی صوفی کے خلاف کچھ کہتا ہے تو تقریباً ان ہی باتوں کو دہراتا ہے جو حافظ ابو ذرعہ نے ہزار سال پہلے فرمائی تھیں، فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو تصوف کی تاریخ لکھنے والوں کے لئے حافظ ابو ذرعہ کی یہ تنقید سنگِ میل کا کام دے سکتی ہے"

یہ تمہید تھی۔ اب "تاریخی رات" کا وہ قصہ سنیئے جس کا انتظار ہوگا۔ جس زمانہ میں یہ تنقیدیں المحاسبی کی کتابوں یا بالفاظ دیگر تصوف پر ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں امام احمد بن حنبل نور اللہ مرقدہٗ بھی اس خاکدانِ ارضی پر سراپا حجۃ اللہ بنے جلوہ افروز تھے۔ آپ تک بھی جب یہ چرچا پہنچا تو ــــــ مولانا گیلانی لکھتے ہیں کہ:۔

"اختلافات کے باب میں ہر فریق کے صحیح نقطۂ نظر کی تحقیق کا جو فطری میلان امام احمد میں قدرتاً ودیعت تھا، جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اسی کا نتیجہ تھا کہ محاسبی کے خلاف جو طوفان عام طبقۂ علماء میں پھوٹ پڑا تھا اسکے متعلق بھی امام نے بجائے سنی سنائی باتوں کے چاہا کہ واقعہ کی براہ راست خود تحقیق کرنی چاہیئے" اس کا انتظام امام نے یوں کیا کہ اپنے ایک شاگرد رشید اسمٰعیل بن اسحاق السراج سے (جو محدثین وقت میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ حارث محاسبی سے بھی اچھا

تعلق رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے ہاں آمد و رفت تھی) ایک دن فرمایا۔

"کیا ایسا کر سکتے ہو کہ اپنے گھر تم حارث کو بلاؤ اور مجھے کسی ایسی جگہ بٹھا دو کہ وہاں سے حارث کی باتیں براہ راست میں خود سُن سکوں"

مولانا فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل جیسے باوقار انسان کی زبان سے ایسی فرمائش اور ایسے طریقہ تحقیق پر آمادگی کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علماء اور صوفیہ کے درمیان اختلاف کی آگ اس وقت غیر معمولی حد تک بھڑک اٹھی تھی۔ بہرحال اسمٰعیل بن اسحٰق نے بڑی خوشی کے ساتھ اس فرمائش کی تعمیل پر آمادگی ظاہر کی۔ اور محاسبی سے دن وقت وغیرہ طے کر کے امام علیہ الرحمۃ کو اطلاع دے دی۔ اب آگے مولانا کی زبان سے سنیئے۔

"طے ہوا کہ مغرب بعد اسماعیل کے مکان پر صوفیوں کا مجمع جمع ہوگا۔ امام احمد مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر اسماعیل کے مکان میں آ گئے۔ ابھی المحاسبی اور اُن کے رفقاء نہیں پہنچے تھے۔ اسمٰعیل نے اپنے مکان کے بالاخانے پر پہنچا دیا وہیں اپنے درود و وظائف میں مشغول رہے تاآنکہ حارث اپنے رفقاء کہیئے یا موجودہ اصطلاح میں مریدوں کو لے کر پہنچ گئے۔ پہلے تو دسترخوان بچھایا گیا۔ کھانے سے لوگ فارغ ہوئے، اسکے بعد عشاء کی نماز ہوئی، نماز کے بعد حلقہ بنا کر سب بیٹھ گئے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ المحاسبی نے اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے جاری رہا۔ درمیان میں بعضوں نے سوال کیا حارث اس کا جواب دیتے تھے۔ حال یہ تھا کہ حارث کہتے جاتے تھے اور سارا مجمع خاموشی کے ساتھ سُن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ تقریر سننے والوں میں بعض لوگ رونے بھی لگتے تھے، اور بعضوں کو ہچکیاں لگ گئیں۔ مگر حارث اپنے کلام میں مستغرق تھے۔

اسماعیل کہتے ہیں کہ آدھی رات جب گزر گئی تب میں نے یہ خیال کیا کہ امام کو بھی جا کر تو دیکھوں وہ کس حال میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں اس غرفے (کمرے) میں گیا تو دیکھا کہ امام پر غشی طاری ہے۔۔۔ معلوم ہوا کہ روتے روتے۔ بالآخر بے ہوش ہو گئے۔ میں نے اسی حال میں انکو چھوڑ دیا۔ اور نیچے اُتر کر پھر حارث کے حلقے میں شریک ہو گیا۔ تاآنکہ صبح کا سپیدہ نمودار ہو گیا۔ تب یہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت تک اُن کو افاقہ ہو چکا تھا۔ تاہم بقول شخصے

"شنیدہ" کا اثر امام پر کچھ بھی باقی تھا۔ اسماعیل کے الفاظ میں

فصعدت الی ابی عبد اللہ	میں چڑھ کر اس کمرے میں گیا جس میں ابوعبد اللہ
وھو متغیر الحال۔	(یعنی امام احمد) تھے۔ اور انکی حالت اتنک
(ص۲۱۵)	متغیر تھی۔

اسماعیل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

"آپ نے ان لوگوں کو لے ابوعبد اللہ کیسا پایا؟"

جواب میں ارشاد ہوا:۔

ما انی اعلم انی رأیت مثل	میں نہیں جانتا کہ اس قسم کے لوگوں کو میں نے
ھؤلاء القوم۔	کبھی دیکھا ہے۔

یہ تو المحاسبی کے اصحاب کے متعلق امام کی رائے تھی۔ جو "شنیدہ" نہیں بلکہ "دیدہ مشاہدات" کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ پھر المحاسبی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ:۔

ولا سمعت علم الحقائق مثل کلام	اور حقائق و واقعات کے متعلق جیسی گفتگو
ھذا الرجل۔ (ص۲۱۵)	اس شخص نے کی میں نے نہیں سنی تھی۔

مولانا نے اس واقعہ کو شروع کرتے ہوئے لفظی سرخی دی ہے "مُلّا بہ تعاقب صوفی" اور اس سے پہلے وہ دو واقعے "صوفی بہ تعاقب مُلّا" کے دکھا آئے ہیں جن میں صوفی کا تأثر اسکے برعکس رہا تھا۔ اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں۔

"اور یہ تھا وہ فرق جو "ملّا اور صوفی" میں پایا جاتا تھا، حاتم اصم نے قاضی محمد بن مقاتل اور قاضی طنافسی کو دیکھ کر جو رائے قائم کی تھی اُسے بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ اور طبقہ علماء کے سرخیل کبیر امام الائمہ حضرت امام احمد بن حنبل ایک صوفی کو اسکے حلقے اور حلقہ کی گفتگو کو دیکھ کر اور براہ راست سن کر جس حال میں مبتلا ہوئے یعنی خوب روئے اتنا روئے کہ بالآخر بے ہوش ہوگئے یہ حال تھا جو امام پر طاری ہوا اور اس مشاہدہ اور تجربہ کے بعد جس قال کو اسمٰعیل نے آپ سے نقل کیا اُسے بھی سُن چکے۔"

مولانا کا خیال ہے کہ امام احمد کے مشاہدہ اور تجربہ کی اس رات نے تصوف کی تاریخ پر زبردست اثر ڈالا ہے، فرماتے ہیں کہ" امام احمد بن حنبل ان بزرگوں میں ہیں جنھوں نے علم حدیث کی تلاش میں اس زمانہ کے عام اسلامی ممالک کا متعدد بار دورہ فرمایا تھا، مشکل ہی سے اس زمانے کی کوئی ممتاز ہستی ہوگی جس سے آپ نہ ملے ہوں۔ اور انکی باتیں آپنے نہ سنی ہوں انکے حال کو نہ دیکھا ہو۔ اسکے بعد انکے اس قول کا وزن محسوس ہو سکتا ہے کہ :۔

"نہ میں نے حارث کے اصحاب کے مانند دیکھے اور نہ علم حقائق پر اس شخص کی گفتگو جیسی گفتگو میں نے سنی ہے"

ان الفاظ سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ مولانا فرماتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ کہ" ان کا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز اس مجلس کی قابل اعتراض حضرت امام کو نظر نہ آئی. گویا اپنے" دیدہ" کو انھوں نے شنیدہ روایات کے مطابق نہیں پایا۔ وہ شنیدہ روایات جن کو سن کر ان کے دوست حافظ ابو زرعہ نہ صرف المحاسبی بلکہ المحاسبی سے پہلے طبقۂ صوفیہ کے اکثر سر برآوردہ اکابر شقیق بلخی، حاتم اصم، عبدالرحیم دیبلی سب ہی پر انکار و اعتراض کی بارش برسا رہے تھے، بلکہ آپ سن چکے ہیں کہ ان تمام بزرگوں کے طریقہ زندگی پر" بدعت" ہونے تک کا فیصلہ صادر فرما چکے تھے"

اس فیصلے کے برعکس امام احمد جیسے آدمی سے اس فیصلے کا صدور جو مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہو رہا ہے کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی تھی، مولانا فرماتے ہیں: مسئلہ خلق قرآن کے امتحان سے گزرنے کے بعد" محبوبیت عامہ" کی جو عجیب و غریب کیفیت عام مسلمانوں میں آپ کو حاصل ہو گئی تھی ۔ اسکی توہیر شاید مشکل ہی سے نظیر مل سکتی ہے۔ لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بہت پہلے جس زمانہ میں حضرت امام ابھی نوجوان تھے اور امام شافعی کی ملاقات بغداد میں اسی زمانہ میں ان سے ہوئی تھی. جب بغداد سے امام شافعی تشریف لے گئے تو لوگوں کا بیان ہے کہ اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے۔

"میں نے بغداد میں تین عجیب چیزیں دیکھیں ایک نبطی (غیر عربی النسل عجمی آدمی تھا) جو نحوی تھا (یعنی عربی زبان کے قواعد و خصوصیات کا عالم تھا) اور ایک اعرابی کو دیکھا جو (عربی النسل اور عرب باشندہ ہونے کے باوجود) لحّان تھا (یعنی غلط عربی بولتا تھا)"

بغداد کے اِن دو اعجوبوں کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ:۔

ورأیت شابا اسود الرأس واللحیۃ۔ اذا قال حدثنا قال الناس کلھم صدق وھو احمد بن حنبل (ص ۲۳۱ ج ۲ تاریخ دمشق ابن عساکر)

اور میں نے ایک جوان کو دیکھا جس کا سر بھی سیاہ تھا اور زلفیں بھی سیاہ تھیں (یعنی ابھی شباب کی عمر میں تھا) اس کا حال یہ ہو کہ جب وہ حدثنا کہتا ہو (یعنی اس لفظ کو بیان کرکے حدیث کو بیان کرتا ہے) تو لوگ کل کے کل کہتے ہیں سچ کہتا ہے۔

جوانی میں عامۃ الناس کے قلوب میں جس کے متعلق اعتماد و وثوق کی یہ عمومی کیفیت پائی جاتی ہو سمجھا جاسکتا ہے کہ بعد کو جب اسکے علمی کمالات کا ظہور پختہ سالی کے زمانہ میں ہوا تو اس کی ہر دلعزیزی اور غیر معمولی حسن قبول کا کیا حال ہوگا؟

ایسی صورت میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ المحاسبی اور انکے اصحاب کے متعلق امام احمد کے اس ذاتی مشاہدے اور اس مشاہدے کے تاثرات و نتائج کا چرچا عوام میں جب پھیلا ہوگا اور پھیلے بغیر وہ کیسے رہ سکتا تھا تو اس کا اثر تصوف اور تصوف کے اُن ممتاز نمائندوں کے متعلق عام مسلمانوں پر کیسا پڑا ہوگا؟

اگرچہ ترتیب کے ساتھ تاریخ میں ہم ان واقعات و نتائج کو نہیں پاتے لیکن ابھی کچھ دیر پہلے آپ مجھ ہی سے سن چکے ہیں کہ امام احمد ہی کے زمانہ میں تصوف اور صوفیوں پر تنقید ہو رہی تھی کہ یہ لوگ اہل علم اور علماء کے مخالف ہیں۔ ان کے خلاف یہ دعویٰ علماء کی طرف سے دائر ہو رہا تھا کہ جن مسائل پر یہ لوگ بحث کرتے ہیں ان پر امام مالک، سفیان ثوری اور ان ہی جیسے دوسرے ائمہ متقدمین نے کیا کبھی کوئی بحث کی تھی، یا ان مسائل کے متعلق ان بزرگوں کی کوئی کتاب پائی جاتی ہے .... لیکن اچانک اسی زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان ہی بدنام صوفیوں کے چند سربرآوردہ نفوس (جن میں خود المحاسبی بھی ہیں) اُن کا تذکرہ مورخین ان الفاظ میں کر رہے ہیں۔ یعنی المحاسبی کا نام لے کر لکھتے ہیں کہ

"اُن پانچ شیوخ (صوفیہ کے سربرآوردہ) لوگوں میں ہیں جن میں علم ظاہر و باطن جمع ہوگیا ہے۔ یہ پانچوں ہی ایک زمانہ میں تھے۔ یعنی ابوالقاسم جنید، ابومحمد رویم، ابوالعباس

(باقی ص ۳۶ پر)

افق ہند پر سرخ بادل اور مسلمان

ایک دعوتِ فکر و عمل

از، مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی۔ استاذ سیاسیات و معاشیات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

[مولانا محمد اسحٰق صاحب کا یہ مقالہ وقت کے ایک اہم اور سامنے کے مسئلہ سے متعلق ہے۔ اسکی حیثیت ہمارے نزدیک چونکہ ایک دعوتِ فکر و عمل کی ہے (چنانچہ عنوان میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہمارا ہی ہے) اس لئے ہم نے کہیں کہیں ضرورت محسوس کر کے فٹ نوٹس میں دوسرے رُخ کی طرف اشارے بھی کر دیئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مقصد سے اتفاق رکھنے والے ارباب فکر و نظر اس موضوع پر اپنے خیالات و تجربات پیش کر کے راہ عمل متعین کرنے میں مدد دیں۔

ایک بات اور کہہ دینے کی ہے۔ کمیونسٹوں کے مظالم ایک حقیقت ہیں، لیکن اس حقیقت کے لئے جو پیرایہ بیان محترم مقالہ نگار نے اختیار فرمایا ہے اس میں کچھ جذباتی انداز کی کرختگی محسوس کی جا سکتی ہے۔ ہم نے مولانا سے مضمون کے اس پہلو پر نظر ثانی کی درخواست کی تھی، مگر مولانا کی غیرت ایمانی اس پر آمادہ نہ ہوئی ———— ادارہ]

چین زرد سے سرخ ہو چکا ہے، رنگ بدلتے ہی ڈھنگ بھی بدلے۔ خونخواری، حریت دشمنی، حرصِ استعمار، آہنی گرفت، بدعہدی، مذہب دشمنی، خدا بیزاری، فریب دہی وغیرہ اشتراکیت اور اشتراکیوں کے سب خواص اسکے اندر بدرجہ کمال پیدا ہو گئے۔ چو این لائی کی جگہ اسٹالن یا خسرو شچیف کو رکھ دیجئے یا ان کے خانے میں چو این لائی کو بٹھا دیجئے نظام میں کوئی فرق نمایاں نہ ہوگا۔ اس انقلاب نے ہندوستان کو ایک بہت مشکل مسئلے سے دوچار کر دیا ہے۔ سرخ چین سے سرخ بادل امڈ امڈ کر ہندوستان

کی طرف آ رہے ہیں اور اسکی فضا پر چھا رہے ہیں۔ یہ اندیشہ برابر بڑھ رہا ہے کہ ہمارا وطن کسی وقت خونیں بارش سے دوچار اور طوفانِ خون میں گرفتار ہو جائے، اس وقت کو دور سمجھنا دوراندیشی کے خلاف اور دانشمندی سے بعید ہے۔ خطرات سے بچنے کے لئے جو تدبیر ممکن ہو اسے جلد از جلد جامۂ عمل پہنا دینا ہی عقل و خرد کا تقاضا ہے۔

اثرات و خطرات ہندوستان ابھی بے خبروں کا ملک ہے، باشندوں کی اکثریت ایسی ہے، جو ان خطرات اور ہلاکت آفریں حالات کا کوئی اندازہ ہی نہیں رکھتی جو ملک میں اشتراکی انقلاب اور اشتراکیت کے غلبہ کی وجہ سے لازمًا ظاہر ہونگے۔ انھیں معلوم ہی نہیں کہ یہ خونخوار درندے خود اپنی مقبوضہ سرخ زمینوں میں کس طرح غریبوں اور کمزوروں کا شکار کر رہے ہیں، وہ شکاری کی اشکبار آنکھیں تو دیکھتے ہیں مگر اس کے ہاتھ نہیں دیکھ سکتے جو آہنی پردے اور جھوٹے پروپگنڈے کے پیچھے مستور ہیں۔ انھیں نہیں معلوم کہ چین، روس اور دوسرے اشتراکی ممالک میں آزاد شہریوں کی حیثیت ہمارے یہاں کے قیدیوں سے کہیں بدتر ہے۔ آزادیٔ رائے، آزادیٔ عمل، آزادیٔ تقریر و تحریر، آزادیٔ معاش، ہر قسم کی آزادی سے وہ محروم ہوتا ہے، شخصی آزادی کا گلا آہنی پنجے سے گھونٹ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ کمیونسٹوں کا ایک چھوٹا سا گروہ اسکی لاش پر اپنا پیر رکھے کھڑا ہوا ہے اور مملکت کی ساری دولت پر قابض ہے۔ اکثریت مصائب میں گرفتار اور بہت سے ضروریات کے عسیر الحصول اور محدود ہونے کی بنا پر پریشان ہے، محنت شاقہ برداشت کرنے پر بھی مناسب غذا و لباس اور دوسری ضرورت کی چیزوں سے محروم رہتی ہے۔ اولاد شفقت پدری سے محروم اور والدین اسکے دیدار کو ترستے ہیں۔ خدا کا نام لینا سنگین جرم، عبادت ناقابل عفو گناہ، مسجد، مندر، گرجا مسمار یا رقص خانوں میں تبدیل۔ انسانوں کو مشین سمجھا جاتا ہے اور انکی محنت سے پیدا کی ہوئی دولت سے ایک چھوٹا سا گروہ داد عیش دیتا رہتا ہے جس کی تعداد ساری دنیا میں صرف ۲۵ لاکھ یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہے[۱]۔ خلاصہ یہ کہ اگر دنیا میں جہنم کا کوئی تصور ہو سکتا ہے تو وہ یقینًا کمیونسٹ ممالک میں ہے۔

---

[۱] دیکھئے ٹوٹل ایمپائر۔ یہ تعداد پختہ کمیونسٹوں کی ہے۔ خام کمیونسٹوں کی تعداد ان سے زائد ہے مگر عوام کے مقابلہ میں وہ بھی بہت کم ہیں۔ انکی حیثیت ان گیدڑوں کی ہے جو کسی شیر کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اسکا پس خوردہ کھاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی پختہ کمیونسٹوں کا پس خوردہ کھاتے ہیں اور انکی حمایت میں کمربستہ رہتے ہیں — ۱۲

دو محاذ ہندوستان پر سُرخ جھنڈا لہرانے کے لئے کمیونسٹوں کا حملہ دو محاذوں پر ہو رہا ہے۔ (۱) فکری محاذ اور (۲) سیاسی محاذ۔

اگرچہ "الفرقان" کوئی سیاسی رسالہ نہیں ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ سیاسی محاذ کی تفصیل کسی ایسے ہی اخبار یا رسالہ میں مناسب ہے جو غیر مسلموں کے ہاتھوں میں بھی جاتا ہو لیکن اسے کیا کیا جائے کہ اس مسئلہ کا فکری پہلو سیاسی پہلو کے ساتھ اس طرح اُلجھ گیا ہے کہ دونوں میں جدائی پیدا کرنا تقریباً ناممکن ہے بنا بریں اسکے سیاسی پہلو پر پہنچنا ناگزیر ہے۔ تاہم میں اس میں امکانی اختصار سے کام لونگا اور بقدر ضرورت پر اکتفا کرونگا۔ اشتراکیت جس قوت و طاقت کے ساتھ ہندوستان کے ذہن و دماغ پر حملہ آور ہے اس کا پورا اندازہ کرنا بھی ہر ایک کے لئے آسان نہیں ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو کسی دینی ماحول میں بسر کر رہے ہوں۔ اشتراکیت کی ضرورت و اہمیت نیز اسکے فوائد و منافع ثابت کرنے کے لئے طوفانی طریق سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے لٹریچر سے فضا کو ایسا زہر آلود کر دیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان غیر شعوری طریقہ سے اشتراکی لٹریچر پڑھے بغیر بھی اسکا گرویدہ اور عاشق نادیدہ ہو جاتا ہے ایک طرف پروپیگنڈے کی بارش ہے تو دوسری طرف سیاسی تدبیریں پوری قوت کے ساتھ کی جارہی ہیں کہ کسی طرح ہندوستان پر سُرخ جھنڈا لہرا دیا جائے۔ یہ تدبیریں اندرون ملک میں بھی ہو رہی ہیں اور بیرون ملک بھی۔ چین کی سرحدی دست درازیاں، بین الاقوامی کمیونزم کا ایسا قدم ہے جو بہت سوچ سمجھ کر ایک بنے ہوئے منصوبہ کے ماتحت اٹھایا گیا ہے اگرچہ حکومت ہند کے بعض ذمہ داروں نے اسکی تردید کی ہے اور صرف چین کی ہوس ملک گیری کو اسکا ذمہ دار قرار دیا ہے لیکن حقیقت وہی ہے جو میں نے عرض کی ہے[۱]۔ ثبوت کے لئے اتنا کافی ہے کہ لینن نے اشتراکیت کے عالمگیر اقتدار کا جو خاکہ بنایا تھا اس میں ہندوستان کو خاص اہمیت دی ہے۔ اور اسے سُرخ اقتدار کے ماتحت لانے کو ایک اہم مقصد قرار دیا ہے۔ چین کے متعلق ہندوستانی کمیونسٹوں کا جو رویہ ہے اسے دیکھ کر کوئی احمق ہی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے متعلق چین کی روش کا کوئی تعلق بین الاقوامی اشتراکیت

الفرقان:-

[۱] حکومت ہند کے بعض ذمہ داروں کی تردید بھی جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ایک سیاسی تردید ہے' اسے حقیقت بیانی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ سیاست کی مجبوریاں کچھ اہل سیاست ہی جانتے ہیں۔ (ع)

سے نہیں ہے چین کی پشت پناہی حاصل کرنے کے بعد ہندوستانی کمیونسٹوں نے حصول اقتدار کی جدوجہد اور تیز کردی ہے۔ الکشن کے ذریعہ سے برسر اقتدار آنے کی کوشش کے علاوہ ہنگاموں اور مفسدانہ سرگرمیوں کا بازار بھی گرم ہے۔ آئے دن یہ پارٹی کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کرتی رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر ملک میں کوئی ہنگامہ کسی دوسری جماعت کی طرف سے بھی برپا کیا جاتا ہے تو کمیونسٹ اس پر قبضہ کرکے اسکی قیادت اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش کرتے جس سے ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت کی ہمدردی حاصل کی جائے اور اسکے عام دکمزور اشخاص کو اپنا ہم خیال بنایا جائے اس چور دروازے سے پبلک تک پہونچنا اور انھیں سبز باغ دکھا کر اپنے دام فریب میں اسیر کرنا دوسرا مقصد ہوتا ہے تیسرا فائدہ یہ ملحوظ ہوتا ہے کہ حکومت پر بوکھلاہٹ طاری رکھی جائے تاکہ اسے سوچنے سمجھنے کا زیادہ موقع نہ مل سکے اسے تشدد پر مجبور کرکے عوام میں غیر مقبول بنایا جائے۔ بدنظمی واختلال کی وجہ سے جو تکلیفیں انھیں پہونچیں انھیں نمایاں کرکے اپنی پارٹی اور اپنے نظریات کو ان میں مقبول بنایا جائے۔ ادھر حکومت کا حال یہ ہے کہ اس نے بارہ تیرہ سال میں ثابت کردیا ہے کہ تدبیر مملکت کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہے وہ اس میں بقدر ضرورت بھی موجود نہیں ہے[1]۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ اسکے عناصر کسی ایک نظریہ پر متحد نہیں ہیں۔ ایک گروہ دل سے کمیونزم کا حامی ہے اگرچہ لبادہ کانگریس کا اوڑھے ہوئے ہے۔ دوسرا گروہ اس کا مخالف ہے مگر مغلوب ہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو دو مخالف سمت جانے والی گاڑیوں پر بیک وقت سوار ہونا چاہتا ہو۔ مذبذبین کی یہ جماعت ہی درحقیقت اس وقت غالب ہے۔ یہ کمیونزم کو بھی پسند کرتے ہیں اور اسکے بنیادی فلسفہ خدا بیزاری اور مذہب دشمنی کو بھی، لیکن اسکے ساتھ جمہوریت اور وطنیت و قومیت کی آمیزش بھی کرنا چاہتے ہیں۔ انفرادی آزادی کو باقی بھی رکھنا چاہتے ہیں اور چھینا بھی چاہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جمع اضداد کی یہ کوشش ناکامی ہی پر ختم ہوسکتی ہے۔ یہ گروہ قدرتاً حامی اشتراکیت جماعت

---

[1] الفرقان:۔ ابتک تو واقعی یہی حال نظر آتا تھا مگر مرکزی ملازمین کی تازہ ہڑتال کا مقابلہ حکومت ہند نے جس شان سے کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیونسٹوں کے مفسدانہ حربوں کا توڑ اگر حکومت کرنا چاہے تو اسکی اچھی خاصی صلاحیت اسکے اندر پائی جاتی ہے۔ (ع)

سے زیادہ متاثر ہے۔ ان سب اسباب و حالات نے ملکر حکومت کی روش کو کمیونسٹوں کے حق میں بہت مفید بنا دیا ہے[1] وہ آزادی کے ساتھ اپنی کوششوں اور تدبیروں میں مصروف ہیں۔ اور ہندوستان کو سرخ انقلاب کے جہنم میں ڈھکیلنے کے لئے پوری قوت سے کھینچ رہے ہیں۔ کمیونسٹوں کی ہمت افزائی کے علاوہ حکومت کی دوسری غلطیاں بھی سرزمین ہند کو سرخ انقلاب کے لئے ہموار کر رہی ہیں لیکن انکی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے۔

مسلمان کا منصب اگر خدانخواستہ ہندوستان اشتراکیت کی آہنین زنجیر میں اسیر ہو گیا تو اسکا سب سے زیادہ اثر مسلمان پر پڑے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اشتراکیت دنیاوی سرمایہ داری کے ساتھ دینی سرمایہ داری کی بھی دشمن ہے اور دین کا سب سے بڑا سرمایہ دار دنیا میں درحقیقت مسلمان ہی ہے۔ اسکے شجر حیات کی جڑ ایمان ہے اور اسکی شاخیں ہر جہت میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اشتراکیت اسکے ہر شعبہ زندگی سے متصادم ہوگی اور اسے فنا کرنے کی کوشش کرے گی۔ اگر مسلمانوں میں کچھ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اشتراکیت انکے لئے آزادی کی بہار تازہ لے کر آئیگی جس میں وسیع القلبی اور بے تعصبی کی نسیم جانفزا کے جھونکے راحت و آسائش کے پھول برسائیں گے وہ اس سودائے خام سے جس قدر جلد نجات حاصل کر لیں اتنا ہی انکے حق میں بہتر ہے۔ سمرقند و بخارا کو اگر وہ بھول گئے ہیں تو عراق کا سرخ انقلاب انکی آنکھیں کھولدینے کے لئے کافی ہے، بشرطیکہ سرخ زہر انکی بصیرت کو سلب نہ کر چکا ہو۔

اس ہولناک دینی ہلاکت و بربادی سے قطع نظر جو اشتراکی انقلاب مسلمان کے لئے لائے گا بحیثیت مسلمان اس کا منصب بھی اس کا متقاضی ہے کہ وہ اس خوفناک اور ہلاکت آفریں مصیبت سے صرف خود ہی کو نہیں بلکہ پورے ملک کو بچانے کی کوشش کرے۔

تدبیر کیا ہو اصل سوال یہی ہے کہ مسلمان کرے تو کیا کرے، حکومت کی روش پر اوپر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس میں مسلمان کوئی موثر حیثیت نہیں رکھتا نہ اسکا اتنا وزن ہو

---

[1] الفرقان:۔ ہم یہاں بھی فاضل مقالہ نگار سے اس قدر اختلاف کی جرأت کرینگے کہ چین کی دست درازی کے بعد کمیونسٹوں کی جانب حکومت ہند کے رویہ میں کافی فرق آگیا ہے۔ اب اس رویہ کو ہمت افزائی کا رویہ کہنا مشکل ہی سے درست ہوگا۔ (ع)

جو حکومت کی پالیسی کا پلہ کسی طرف جھکا سکے۔ ملک میں اسکی حیثیت ایک ایسی اقلیت کی ہے جس کی سیاسی تنظیم جرم عظیم اور تمدنی تنظیم بھی کم از کم گناہ صغیرہ کے مرادف ہے۔ معاشی حیثیت سے وہ دوسروں سے ابھی بہت پیچھے ہے ہندوستان میں ایسی جماعتیں موجود ہیں جو اسکے وجود کو چین و روس سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتی ہیں اور اسے مٹانے کی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ ان مخالف اور ہمت شکن حالات میں وہ اس سیلاب عظیم کو کیسے روک سکتا ہے، جس کے روکنے سے امریکہ، فرانس وغیرہ دنیا کی عظیم الشان طاقتیں بھی قاصر ہیں۔

بیشک حالات بہت ہمت شکن اور یاس آفریں ہیں لیکن مسلمان کی نظر کو حالات تک محدود نہ رہنا چاہیئے، بلکہ اس قادر مطلق تک پہونچنا چاہیئے جس کے ہاتھ میں حالات و اسباب، کامیابی و ناکامی، عزت و ذلت ہر چیز کی کنجیاں ہیں۔ اس مقتدر رتبار کے سامنے بڑی سے بڑی قوت و طاقت ہیچ در ہیچ ہے۔ کیا عجب کہ تاریخ جو اپنا سبق دہراتی رہتی ہے اصحاب فیل کا سبق ایک مرتبہ دہرا دے اور سرخ اژدھوں کا سر ناتوانوں کے ہاتھوں سے کچلوا دیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ بات یاد رکھنا لازم ہے کہ ہمارا کام دین مبین کی حفاظت ہے۔ ہمیں محض اس مقصد کو سامنے رکھ کر کام کرنا چاہیئے اور اس راستہ سے رضاء الٰہی حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیئے۔ پورے اخلاص کے ساتھ محض دین حق کی حفاظت اور رضائے الٰہی کے حصول کی نیت کے ساتھ ہمیں اتنا کام کرنا چاہیئے جتنی ہماری استطاعت ہے اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم جسقدر کر سکتے ہیں، اس سے زائد کا کوئی مطالبہ ہمارا دین ہم سے نہیں کرتا۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا

ہم اس بلاء عظیم کو ہندوستان سے دور رکھنے میں کامیاب ہوں یا ناکام اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمارے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور ہماری ظاہری ناکامی بھی حقیقت کے لحاظ سے کامیابی ہوگی۔

کمیونسٹوں کا نقشۂ جنگ

ہم کیا کر سکتے ہیں؟ یہ اس وقت واضح ہو سکتا ہے جب ہم یہ دیکھ لیں کہ کمیونسٹ ہندوستان کو سرخ زنجیر میں اسیر کرنے کے لئے کیا تدبیر کر رہے ہیں؟

مستقبل قریب میں اسکا امکان بہت کم ہے کہ چین یا روس ہندوستان پر حملہ کر دے۔ اور سرخ نظام بزور شمشیر مسلط کر دے۔ عالمگیر جنگ کا خوف ان طاقتوں کو اس اقدام سے روک رہا ہے ورنہ

انکی خوں آشامی سے یہ بالکل بعید نہ تھا۔ اگر بالفرض یہ ہولناک واقعہ پیش ہی آجائے تو اس کا مقابلہ کرنا ہماری قدرت و استطاعت سے باہر ہے۔ اس کا مقابلہ تو صرف حکومت ہی کر سکتی ہے۔ ہم تو ایسے وقت میں صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اگر حکومت مقابلہ کرے تو ہم اسکی ہر ممکن امداد کریں۔ تنہا اپنے کردار کے عنوان سے ہمارے لئے اس کا سوچنا ہی فضول ہے۔

جو راستہ ہندوستان کے کمیونسٹ نے اپنے سرخ استادوں کے اشارے سے اختیار کیا ہے وہ ذہنی محاذ کو فتح کر کے جمہوری یا انقلابی طریقوں سے بساط جمہوریت کو الٹنا ہے۔ خاکہ یہ ہے کہ ہندوستان کے عوام کو سرخ دروغ بافیوں سے مسحور کر کے الکشن کے ذریعہ سے اقتدار پر قبضہ کیا جائے۔ یا اندرونی انقلاب کے ذریعہ سے یہ مقصد حاصل کیا جائے۔ اشتراکیوں کا یہ حربہ بارہا کا آزمودہ ہے۔ تازہ مثال عراق ہے جہاں جھوٹے اور پُر فریب دعووں نے آخر کار عوام الناس کو اس شیطانی جال میں پھانس لیا اور انھیں کے ہاتھ سے انکی آزادی کو ذبح کرا دیا۔

دوسری تدبیر جس کا عراق ہی میں نہیں بعض دوسرے ممالک میں بھی اشتراکیوں کو تجربہ ہو چکا ہے، سرکاری محکموں میں گھس کر وہاں کی فضا کو زہر آلود بنانا ہے۔ یوں تو یہ لوگ ہر سرکاری محکمہ میں پروپیگنڈے کی بارش کر کے ملازمین کو اشتراکیت کا زہر پلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن فوج، پولیس اور ریلوے کو خصوصیت کے ساتھ نشانہ بناتے ہیں۔ کیونکہ یہ محکمے حکومت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فوج کو اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسے سُرخ جنون میں مبتلا کر کے فوجی انقلاب کرا دینا بانیان اشتراکیت کی بتائی ہوئی پرانی تدبیر ہے جو بارہا آزمائی جا چکی ہے۔ ہندستانی کمیونسٹ ہندوستان میں اس تدبیر پر بھی عمل پیرا ہے اور سرکاری محکموں نیز خود حکومت کے حلقہ میں اپنے اثرات بڑھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ مکمل کامیابی تو بفضلہ نہیں ہوئی ہے اور اگر خدا نخواستہ ہو گئی تو وہ دن سرخ انقلاب کا منحوس دن ہوگا۔ مگر جزئی کامیابی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم مرض ابھی قابل علاج ہے۔ کاش ذمہ دار اس طرف توجہ کریں۔

بیرونی حملہ کی صورت کی طرح آخر الذکر دونوں تدبیروں میں سے دوسری کا مقابلہ بھی ہماری اپنی استطاعت سے بڑی حد تک باہر ہے۔ یہ تو حکومت ہی کی اہلیت و نااہلیت کا ایک امتحان ہے۔

جس کا پرچہ وہی حل کر سکتی ہے۔ تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اشتراکیت کا تسلط روکنے کے لئے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ ہم ضرور کر سکتے ہیں وہ کیا ہے آئندہ سطروں سے اسکی وضاحت ہو جائے گی۔

نظام کار مندرجہ بالا بیان سے یہ چیز تو یقیناً واضح ہو گئی ہوگی کہ ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ذہنی محاذ تک محدود ہے۔ اشتراکیت کو طاقت سے روکنا حکومت کا کام ہے اسلئے سردست اسپر غور کرنا بھی اضاعت وقت ہے۔ لیکن ذہنی محاذ پر ہم اس فتنہ کا مقابلہ اچھی طرح کر سکتے ہیں اور اس میں کامیابی کے امکانات بھی خاصے ہیں۔ یہ بھی ہماری ایک خوش نصیبی ہے کہ اس محاذ پر کام کا ہمیں خاصا تجربہ بھی ہو چکا ہے کیونکہ اس مسئلے سے مسلمان کلیتہً غافل نہیں رہے ہیں۔ بکثرت افراد اور جماعتوں نے اس سلسلہ میں کام کیا ہے۔ کم از کم اردو میں ہمارے پاس اشتراکیت کے خلاف خاصہ لٹریچر موجود ہے۔ لیکن اس تجربہ کی روشنی میں اور بدلے ہوئے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے طریق کار پر نظر ثانی کی شدید ضرورت ہے۔ اس نظر سے پہلا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمیں کام کے حدود کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔

حالات کا جو تجزیہ میں نے کیا ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے ہر سمجھدار آدمی اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ اس وقت ہمارے سامنے دو مقصد ہونا چاہئیں۔

(۱) مسلمانوں کو اشتراکیت کے گمراہ کن اور کافرانہ اعتقادات سے محفوظ رکھنا۔

(۲) اشتراکیت کو ملک میں برسر اقتدار ہونے سے روکنا۔

دوسرا مقصد ابتک اشتراکیت کے سلسلہ میں جو کام ہم نے کیا ہے وہ صرف پہلے مقصد کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے۔ دوسرے مقصد کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں کی۔ ممکن ہے کہ اس مقصد سے غفلت اسلئے ہو کہ اشتراکیت کے تسلط کا خطرہ پہلے اس قدر واضح نہ تھا جس قدر آج ہے یا اس وجہ سے ہو کہ مسلمان کا اقدام اس سلسلہ میں غیر موثر و غیر مفید سمجھا گیا، جو وجہ بھی ہو اس محاذ کی طرف سے ابتک غفلت دبے اعتنائی ہی برتی گئی ہے۔

حالات شاہد ہیں کہ اس بے اعتنائی کے لئے اب کوئی وجہ جواز نہیں باقی رہی ہے۔ اگر ہندستان سرخ اقتدار کے ماتحت آجاتا ہے تو ہمارا یہ سارا لٹریچر جو ہم نے اس آتشین فتنہ کو

فرد کرنے کے لئے تیار کیا ہے ایک دن میں خاک سیاہ ہو جائے گا۔ ہمارے دینی قلعے یعنی دینی مکاتب و مدارس زمین بوس ہو جائیں گے۔ اللہ کا نام لینا جرم قرار پائے گا۔ اور مساجد و خانقاہیں رقص گاہوں اور قہوہ خانوں میں تبدیل کر دی جائینگی۔ ان حالات میں اگر بالفرض موجودہ نسل کا ایک معتد بہ حصہ ثبات و استقامت کا اعلیٰ نمونہ بھی پیش کر دے تو بھی آئندہ نسل کی روحانی ہلاکت تو یقینی ہو خطرہ سر پر ہے اور حالات کا شدید تقاضہ ہے کہ ہم مندرجہ بالا دوسرے مقصد کے لئے بھی عزم مصمم کے ساتھ کھڑے ہو جائیں۔ اور پوری کوشش کریں کہ ہندوستان کی گردن میں اشتراکیت کا طوق لعنت نہ پڑنے پائے۔ لیکن یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ اگر اشتراکیت ملک کی اکثریت میں مقبول ہو گئی تو جمہوری طریقہ سے وہ تخت حکومت پر یقیناً قابض ہو جائے گی، اور مسلمانوں کا اس سے متنفر ہونا بالکل بے اثر ثابت ہو گا۔ اگر ہمیں سرخ بلا سے ہندوستان کو محفوظ رکھنا ہے تو ہمیں ملک کی اکثریت کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔ ہم نے مسلمانوں کو اشتراکیت کی گمراہی سے بچانے کے لئے انفرادی یا جماعتی حیثیت سے جو کوشش ابتک کی ہے اسکی دہ چند کوشش غیر مسلموں کو اس دام فریب سے بچانے کے لئے کرنا چاہیئے۔ منزل مقصود تک پہونچنے کا جو راستہ سمجھ میں آتا ہے اسکے نشانات درج ذیل ہیں:-

(۱) ہندی، ملیالم، بنگلہ، اور ہندوستان کی دوسری ایسی زبانوں میں جو ہندوؤں میں خاص طور پر رائج و مقبول ہیں۔ اشتراکیت کے خلاف لٹریچر بڑی تعداد میں شائع کیا جائے۔

(۲) اس لٹریچر کی دو قسمیں ہوں۔ برائے عوام اور برائے خواص۔

عوامی لٹریچر فلسفیانہ بحثوں سے پاک، عام فہم اور فہم کے ساتھ مذہبی و قومی جذبات کو اپیل کرنے والا ہو۔ خواص یعنی تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے جو لٹریچر ہو اس میں علمیت کی شان ضرور ہو مگر زیادہ دقیقہ رسی سے اس میں بھی کام نہ لیا جائے۔ غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ کے مذہبی جذبات کو اپیل کرنا تقریباً عبث ہے۔ اس میں یہ جذبہ تقریباً مفقود ہو چکا ہے۔ اشتراکیت کی معاشرتی و معاشی لعنتیں، اشتراکی مظالم کے واقعات سرخ ممالک میں پبلک کی حالت زار یہ اور اسی قسم کی چیزیں اس طبقہ پر زیادہ موثر ہونگی۔ دقیق فلسفیانہ بحثیں سمجھنے والے بھی شاذ و نادر ہیں۔ اور ان میں قوت تاثیر بھی کم ہوتی ہے۔

(۳) اس لٹریچر کو اکثریت میں پھیلانے کے لئے ادارے اور جماعتیں قائم کر کے مخصوص انتظامات کئے جائیں کہ وہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اسے پڑھیں اور اس پر غور کریں۔

(۴) اپنی تہذیب و ثقافت اور شعائر دینی کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں اور غیر مسلموں (خصوصاً ہندوؤں) کی مخلوط جماعتیں کمیونزم کی مخالفت اور اسے ہندوستان پر مسلط ہونے سے روکنے کے لئے قائم کی جائیں اور انھیں کے ذریعہ سے مخالف اشتراکیت لٹریچر ملازمین حکومت تک پہونچایا جائے تاکہ وہ سُرخ فریب سے محفوظ رہ سکیں۔

(۵) جنوبی ہند اور بنگال کو خاص طور پر پیش نظر رکھا جائے کیونکہ یہ علاقے آجکل اشتراکیوں کی خاص آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی ہند کے مسلمانوں کو اس طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہیئے انکے لئے وہاں کے ہندوؤں کا تعاون حاصل کر لینا بھی نسبتاً آسان ہے۔ اس سلسلہ میں سکھوں اور عیسائیوں کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔

(۶) ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے۔ اور باوجود کوشش میرے نزدیک اسکی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی کہ مستقبل قریب یہ صنعتی ملک بنجائے گا۔ آبادی میں اکثریت کاشتکار طبقہ کی جس طرح آج ہے کل بھی باقی رہے گی۔ نظام زمینداری ختم ہوچکا ہے اسکے ساتھ زمیندار کے خلاف جذبات بھی رخصت ہوچکے ہیں۔ اشتراکیت نہ سہی اسکے ہلکے نمونہ کا مزا بھی بعض مقامات پر کاشتکار کو تلخ کام بنائے ہوئے ہے۔ یہ سب حالات ہمارے مساعد ہیں اور دعوت دے رہے ہیں کہ پوری کوشش اس طبقہ کو اشتراکیت کا مخالف بنانے کی کریں اور اسے اس سُرخ بلا کی خونخواری و تباہ کاری سے اچھی طرح آگاہ کر دیں۔ امید قوی ہے کہ یہ زمین بہت زرخیز ثابت ہوگی۔ یہ طبقہ اپنی اکثریت کی وجہ سے ہندوستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر یہ اشتراکیت کے فریب سے محفوظ رہے تو کمیونسٹوں کے برسر اقتدار آنے کے امکانات بہت کم ہو جائینگے۔

(۷) کانگریس پر اگرچہ بڑھاپے کے آثار طاری ہونا شروع ہوگئے ہیں، مگر باوجود اسکے اس وقت ہندوستان میں وہی سب سے بڑی اور سب سے طاقتور جماعت ہے۔ اس میں جو عنصر کمیونزم کا سخت مخالف ہے۔ اسکی مناسب اعانت کی جائے اور کمیونزم کے مقابلہ کے لئے اسکی اعانت بھی حاصل کیجائے۔

(۸) الکشن کے موقع پر پوری کوشش اس بات کی کیجائے کہ کمیونسٹ کامیاب نہ ہونے پائیں میرے خیال میں کمیونسٹ کی کامیابی سے کسی جن سنگھی کی کامیابی بھی نسبتاً بہت بہتر ہے[1]

پہلا مقصد پہلے مقصد یعنی خود مسلمانوں کو اشتراکیت کی گمراہی سے بچانے کے لئے جو کام ہو رہا ہے اسکے طریقہ میں بھی حالات و تجربات کی روشنی میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ پہلی قابل توجہ چیز یہ ہے کہ مسلمان اشتراکیت کی طرف جاتا کیوں ہے۔ ایک شخص اللہ تعالےٰ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہو اور ایک ایسی تحریک میں شامل ہو جائے جس کی بنیاد ہی خدا کے انکار اور انبیاء کی تکذیب پر ہے، کیا یہ تعجب خیز بات نہیں ہے؟ حالات کا مشاہدہ بتاتا ہے کہ اسباب اشخاص و افراد کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر مسلمان ایک ہی طریقہ سے اس شیطانی جال میں نہیں پھنستا ہے۔ استقراء کی امداد سے میں انھیں سطور ذیل میں درج کرتا ہوں:۔

(۱) کچھ مسلمان تو صرف دین سے ناواقفیت کیوجہ سے اس ورطہ ہلاکت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ابتداءً وہ اسے صرف ایک معاشی اور رفاہی تحریک سمجھتے ہیں۔ لیکن سُرخ شیطان انھیں تدریجاً کفر و ارتداد تک لیجاتا ہے۔ عرصہ دراز تک اسلام اور اشتراکیت میں انھیں کوئی تضاد نظر نہیں آتا

---

[1] الفرقان:۔ فاضل مقالہ نگار نے دوسرے مقصد کے حصول کے لئے جو تدبیری تجاویز پیش کی ہیں ان میں سے بعض کے متعلق کچھ گزارش ہے۔

تجویز ملا محض ایک منفی بنیاد پر جماعتیں قائم کرنے کی تجویز ہے۔ ہمارے خیال میں "جماعت" بغیر کسی مثبت پروگرام کے نہیں چل سکتی اس لئے پہلے ایک مثبت پروگرام تجویز کرنے کی ضرورت ہو۔ جس کا منفی پہلو کمیونزم کی مخالفت ہو۔

تجویز ملا کی حیثیت تدبیر سے زیادہ ایک مقصدی تحریک کی ہے۔ ہندوستان کے کاشتکار طبقہ کو کمیونزم کا مخالف بنایا جائے، یہ تو اصل مقصد کی راہ کی دراصل ایک بڑی مہم ہے جسکی نشاندہی بالکل درست ہو۔ لیکن معلوم یہ ہونا چاہیے کہ یہ مہم سر کیسے کی جائے گی؟ ایک ہلکا سا اشارہ اس معاملہ میں محترم مقالہ نگار نے یہ دیا ہو کہ اس طبقہ کو سُرخ بلا کی خونخواری اور تباہ کاری سے اچھی طرح آگاہ کیا جائے۔ لیکن محض اس بات سے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اسکا توڑ کمیونسٹ عموماً اچھی طرح کر لیتے ہیں۔ اس مہم کے لئے بہت سوچ سمجھکر کوئی مؤثر پروگرام پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور پروگرام سوچتے وقت یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے کروڑہا کروڑ کے اس طبقہ میں اس پروگرام کو عملی جامہ کیونکر پہنایا جا سکے گا۔ — (ع)

کیونکہ وہ دونوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ مگر جب سُرخ شیطان کا جادو ان پر اچھی طرح اثر کرلیتا ہے تو واقفیت کے بعد بھی وہ اسکے ترک پر تیار نہیں ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے اشخاص کی تعداد اگر سب سے زیادہ نہیں تو بہت زیادہ تو یقیناً ہے۔ ان میں اکثریت مبتدیوں ہی کی ہے جو بیچارے اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ اشتراکیت سارے ملک کے لئے راحت وآسائش کا بہترین دور لے کر آئیگی اور انکی سب کلفتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گی۔

(۲) لیڈری کا شوق بھی مسلمانوں کے ایک گروہ کو اشتراکیت کی طرف لیجاتا ہے۔ انگریزی مدارس کے مسلم کمیونسٹ طلبہ اور اساتذہ میں زیادہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی ملے گی جنکی اشتراکیت پسندی کی نفسیاتی تحلیل کیجائے تو انکے امنگ رکھنے والے دل ودماغ کی تہ میں محرکہ یہی تمنائے قیادت ملے گی۔ کمیونزم کے متعلق ان لوگوں کے معلومات عموماً بہت سطحی ہوتے ہیں اور انکے اس ہلاکت انگیز اقدام کی کوئی فکری وعقلی بنیاد نہیں ہوتی۔

(۳) کسی "ازم" کی دعوت دینا اور کسی "اسٹ" کا ضمیمہ اپنے ساتھ لگانا آج کل فیشن میں بھی داخل ہوچکا ہے۔ بعض مسلمان محض فیشن کی پیروی میں کمیونسٹ بنجاتے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر یہ بھی نہیں جانتے کہ کمیونزم کس جانور کا نام ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔

(۴) ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اکثریت کے مذہبی تعصب اور اسکی تنگ نظری سے عاجز آکر کمیونزم کے سایے میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہے۔ کانگریس یا جن سنگھ وغیرہ کی تنگ نظری کا علاج اور ان سے انتقام لینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کو تقویت دیجائے۔

مجھے قوی امید ہے کہ میں نے مندرجہ بالا نفسیاتی اسباب کی تشریح کرکے مسلم کمیونسٹوں کے سب اقسام وانواع کا استقرا کرلیا ہے۔ انکے بعد انکا صرف ایک گروہ اور باقی رہجاتا ہے جو واقعی اشتراکیت اور اسکے فلسفہ کا مطالعہ کرتا ہے اور اسے اچھی طرح سمجھ کر اسکی طرف مائل ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ انکی گمراہی کا سبب اسلام سے ناواقفیت اور اس سے زیادہ دینی عواطف وجذبات سے محرومی ہے۔ سلامت فطرت کا فقدان اس قوت مقادمت سے بھی انھیں تہیدست کردیتا ہے جو اس قسم کے لٹریچر کے زہر سے محفوظ رکھنے کے لئے لازم ہے۔

مارکس و انجلز وغیرہ کے مغالطوں کے سامنے یہ بہت جلد سپر انداز ہو جاتے ہیں اس شکست میں سب سے بڑا ہاتھ خود انکے فاسقانہ رجحانات و جذبات کا ہوتا ہے جو انھیں مذہبی قیود سے آزادی اتباع نفس و ہوئی، آخرت سے غفلت اور بالآخر خدا بیزاری پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اشتراکی لٹریچر انھیں گمراہ نہیں کرتا ہے، بلکہ اس گمراہی تک پہونچا دیتا ہے جس کے یہ خود جویاں ہوتے ہیں۔

اصلاح کا طریقہ مندرجہ بالا فہرست پر نظر ڈال کر اگر اسکا خلاصہ کیجئے تو صرف تین چیزیں ایسی نکلیں گی جو مسلمانوں کو اس گرداب ہلاکت میں پھنسا رہی ہیں۔

دین سے ناواقفیت۔ کیمونزم سے ناواقفیت اور دینی جذبات و میلانات کی کمی۔

اوّل الذکر دونوں اسباب کو زائل کرنے کے لئے خاصا کام ہوا اور ہو رہا ہے۔ اسکے متعلق مجھے صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں۔ ایک تو یہ کہ کام کی رفتار اور مقدار دونوں بہت زیادہ اضافہ کی طالب ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصُولی اور فلسفیانہ لٹریچر کی افادیت تجربہ سے بہت محدود ثابت ہوئی ہے۔ اگرچہ اسکی ضرورت اور افادیت سے کلیتہً انکار کرنا بھی غلط ہو، زیادہ مفید طریقہ یہ ہے کہ آہنی پردے میں نوک قلم سے سوراخ کرکے اشتراکیت کا اصل شیطانی چہرہ دکھا دیا جائے اور اشتراکی درندوں کے بہیمانہ کردار کو نمایاں کرکے ہندوستانی پبلک کی عملی زندگی پر اسے منطبق کرکے انھیں سمجھا جائے کہ اگر سُرخ شیطان ہندوستان پر مسلط ہوگا تو تمھاری زندگی پر اسکا یہ اثر ہوگا۔

اس قسم کے لٹریچر کی سخت ضرورت اور افادیت کو بغیر ادنیٰ شک کے تسلیم کرتے ہوئے پورے اعتماد و یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ سب سے اہم ضروری اور مفید کام یہ ہے کہ گمراہی کے تیسرے سبب کو زائل کرنے کی پوری کوشش کیجائے۔ مضمون کے اس حصہ میں جو بات مجھے خاص طور سے عرض کرنا ہے وہ یہی ہے۔ شمع ایمان اگر کسی دل میں فروزاں ہے اور عمل صالح اسکے نور میں اضافہ کر رہا ہے تو ناواقفیت کے باوجود گمراہی و ضلال میں مبتلا نہیں ہو سکتا لیکن اگر اس شمع کی لَو دھیمی ہوگئی تو ہر قسم کی واقفیت و بصیرت کے باوجود اس گمراہی میں مبتلا ہو جانے کا خاصا اندیشہ ہے۔

انسانی عقل عام طور پر خواہشوں کی چاکری اور میلانات کی رہنمائی کے بجائے انکی وکالت

کرتی ہے۔ اسلئے کیسے ہی دلائل قاہرہ ہوں، اور کتنی ہی دلپذیر و خطیبانہ تقریر ہو مگر عقل کو مطمئن کر دینا آسان نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آپکے براہین کی قوت مخاطب کو ساکت و مبہوت بنا دے مگر اس سے وہ اپنے طریقہ اور ذہن کو بھی بدل دے یہ ہرگز لازم نہیں آتا۔ بلکہ غور کیجئے تو اکثر اس ساری استدلالی کد و کاوش کا نتیجہ ناکامی ہی کی صورت میں نظر آئے گا۔ کامیاب مساعی کی تعداد بہت کم ہوگی۔ بخلاف اسکے اگر دینی و ایمانی میلانات و جذبات۔ خصوصاً یقین آخرت اور اسکے لوازم جیسے خوف الٰہی، کتاب و سنت سے وابستگی کا میلان وغیرہ ابھر آئیں تو بندہ مومن ان مخلصین میں داخل ہو جاتا ہے جنہیں "شیطان" کے تسلط سے محفوظ رکھنے کا وعدہ اصدق القائلین نے اصدق الکتب میں کیا ہے۔ اگر ایسے لوگوں کا باقاعدہ شمار کیا جائے جو اشتراکیت کیطرف جا رہے تھے مگر واپس آ گئے اور گمراہی کے بعد ہدایت کی نعمت سے سرفراز ہوئے تو میں پورے وثوق و اطمینان کے ساتھ کہتا ہوں کہ ان میں کم از کم اسی فیصدی وہی لوگ ہونگے جو عقلی و استدلالی لٹریچر کے بجائے تقویت ایمان و یقین اور تبدیلی میلانات و رجحانات کے راستہ سے آئے ہونگے ——

نظام الدین کی دعوتی تحریک استدلالی لٹریچر سے تقریباً تہیدست ہے۔ البتہ جو لٹریچر اسکے پاس ہے وہ ایمان افروز اور یقین آفرین ہے۔ کلامی رنگ سے خالی اور کتاب و سنت کے رنگ میں رنگنے والا ہے۔ لیکن لٹریچر سے زیادہ زور بلکہ کہنا چاہیئے کہ اصل زور انکے یہاں دینی فضا پر دیا جاتا ہے۔ پورے اطمینان کے ساتھ یہ تحریک بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اشتراکیت کے جہنم میں گرتے ہوئے جتنے افراد کو اس نے بچایا ہے انکے چوتھائی افراد کو بچانے کا دعویٰ بھی کسی دوسری جماعت کی طرف سے نہیں کیا جا سکتا، افراد کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ کہنا یہ ہے کہ ایمان و یقین بڑھانے اور دینی زندگی کو رواج دینے کی جس قدر کوشش کی جائے گی خواہ وہ جماعتوں کی طرف سے ہو یا افراد کی طرف سے۔ اسی قدر اشتراکیت کی گمراہی سے مسلمانوں کی حفاظت کا مقصد زیادہ حاصل ہوگا اور اس کوشش کا سب سے اہم اور قابل توجہ میدان ہر شخص کا ذاتی گھرانہ اور خاندان ہے۔

تعارف و تبصرہ

[تبصرہ کے لئے کتاب بھیجنے سے پیشتر، کتاب کا موضوع، ضخامت اور مصنف کا نام لکھ کر دریافت فرمالیجئے کہ تبصرہ کے لئے قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس شرط کے بغیر موصول ہونے والی کتابوں پر تبصرہ کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی ——— ادارہ]

مقالاتِ احسانی | از، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ ناشر ادارہ مجلس علمی پوسٹ بکس ۴۸۸۳ نزد میری ویدر ٹاور، کراچی، پاکستان۔ کتابت طباعت و کاغذ بہتر، صفحات ۴۹۶ سائز کلاں، قیمت ۶/۵/-

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۵ھ) ایک مجسم دائرۃ المعارف تھے۔ جس موضوع پر قلم اٹھ گیا دور و قریب کے تمام متعلقات پر معلومات کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ خاصے طویل عرصے انکے خزانۂ معلومات سے استفادہ کا موقع لوگوں کو ملتا رہا۔ پر اب بھی عرصے تک انکی یاد سے کتنی ہی حسرتیں تشنگانِ علم میں بیدار ہوتی رہینگی۔

قلم کی پہلی ہی جنبش سے مولانا کا دریائے علم کچھ اس طرح روانی پر آتا کہ اسکے بہاؤ کو موضوع ہی کی خاص سمت میں مقید رکھنا عموماً مولانا کے بس کی بات نہ رہتی۔ بلکہ ایسا بھی ہوتا کہ اصل موضوع کے اعتبار سے دیکھئے تو کتاب انتہائی تشنہ، لیکن ذیلی اور درمیانی مباحث پر انتہائی پُر مغز اور بصیرت افروز مواد کی حامل۔

پیشِ نظر کتاب بھی ہماری نظر میں اسی نوعیت کی ہے۔ "اطلاقی تصوف" کے عنوان سے مولانا نے بعض رسائل میں ایک تحریری سلسلہ شروع فرمایا تھا، جس کی ضخامت ختم ہوتے ہوتے، ایک ضخیم کتاب کو جا پہنچی۔ اس تحریر سے مولانا کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ تصوف کا مقصد ("احسان") حاصل ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ تصوف کے لگے بندھے اشغال و اعمال ہی کی پابندی آدمی کرے۔ بلکہ اس مقصد

کے حصول کا ایک طریقہ ان بندھے ٹکے اعمال واشغال سے آزاد بھی ہے جس کا نام اطلاقی تصوف ہے۔ یہ تھا مولانا مرحوم کا اصل مقصود اس سلسلۂ تحریر سے۔ لیکن اس ذیل میں مولانا کی طبع رواں نے اور تو کئی ایک ذیلی اور ضمنی مباحث تمام کر دیئے پر اصل موضوع کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اسکا بھی حق ادا ہو گیا۔ مولانا نے اپنی اس تصنیف کی کتابی ترتیب واشاعت کی ذمہ داری اپنے جن لائق شاگرد (جناب مولوی غلام محمد صاحب بی اے (عثمانیہ) کے سپرد کی تھی، انھوں نے بھی اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کتاب کو "اطلاقی تصوف" کے بجائے "مقالاتِ احسانی" کے نام سے ایک سلسلہ کے چند مستقل اور الگ الگ مقالات کے ایک مجموعہ کے طور پر مرتب کیا ہے۔

اب یہ کتاب حسب ذیل مقالات پر مشتمل ہے۔

۱. تصوف اور اسکے دو طریقے۔
۲. طریقۂ غزالیہ
۳. اختلافِ سلاسل کی حیثیت۔
۴. طریقۂ اشغالِ مطلقہ یا "اطلاقی تصوف"
۵. ابن تیمیہ کا نظریۂ "مجذوبیت"
۶. مجالس الشیخین یا "دل کا چین"

(یہ چھٹا مقالہ اصل کتاب کا جزو نہیں تھا۔ لیکن کتاب کے نام کی تبدیلی کے بعد اس کو شامل کرنے کی نہ صرف گنجائش نکل آئی بلکہ یہ کتاب میں ایک اچھا اضافہ کہلانے کا مستحق ہے۔ تعارف آگے اپنی جگہ پر آئے گا۔)

مقالہ ۱ میں مولانا گیلانی نے تصوف کو بدعت قرار دینے کے خیال کی علمی تردید کرتے ہوئے اس پہلو کے پیش نظر کہ تصوف کے مخصوص طریقے کو اپنانا ہر شخص کے لئے مشکل ہے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا مقصودِ تصوف تک رسائی بدون اس خاص طریق کے نہیں ہو سکتی؟ اور پھر شیخ محی الدین بن عربی اور شاہ رفیع الدین دہلوی کی بعض کتابوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ یہ طریقہ لازمی نہیں ـــــ نفس واقعہ اپنی جگہ پر جو کچھ بھی ہو لیکن مولانا مرحوم کی پیش کردہ عبارات سے اُنکے خاص دعوے کی تائید ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ حتیٰ کہ مرتب کتاب بھی مولانا کے منشا کو "کم از کم شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سے

تو الگ بات" کہنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

یہ مقالہ کتاب کا سب سے مختصر یعنی ۳ صفحات کا مقالہ ہے۔

(۲) تصوّف کا مخصوص عملی قالب جس کے ضروری ہونے کی نفی مولانا نے مقالہ اوّل میں فرمائی ہے اسکی نمائندگی کے لئے مولانا نے خاص طور پر طریقۂ غزالیہ کو سامنے رکھا تھا، جو تمام رائج الوقت سلاسلِ تصوف کی اصل و اساس ہے اس دوسرے مقالہ میں مولانا نے "طریقۂ غزالیہ" کی تشریح کی ہے۔

اس مقالہ کو پڑھنے کے بعد فاضل مرتب کی یہ رائے یقیناً مبالغہ سے خالی نظر آتی ہے کہ "تصوف کے لٹریچر میں طریقۂ غزالیہ پر ایسا مبسوط مقالہ اس سے پہلے نہیں لکھا گیا" کوئی شبہ نہیں کہ یہ مقالہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے مولانا کا مدعا یقیناً بس اتنا رہا ہوگا طریقۂ غزالیہ کی تشریح کرکے مقصود تصوف کے اعتبار سے اسکے لازمی ہونے پر تنقید کریں، اور طریقۂ اشغال مطلقہ کے لئے زمین ہموار کریں، لیکن وہی بات کہ مولانا کا قلم جب حرکت میں آتا تو ان کے خزانۂ معلومات کی موجیں کچھ اس طرح مچلتیں کہ مقالہ کے کسی ابتدائی خاکہ کی پابندی مشکل ہی سے ہو پاتی۔ طریقۂ غزالیہ جیسے مقالات پڑھ کر مولانا کے اس اطلاقی طرزِ نگارش کی بڑی قدر آتی ہے، ورنہ موصوف بھی اگر پابندِ قسم کے لکھنے والے ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ آپکے ایسے گرانقدر افادات سے محرومی ہی لوگوں کو رہجاتی۔

اس مقالہ میں نہ صرف طریقۂ غزالیہ کی تشریح ہے بلکہ اسکا نہایت ہمہ گیر پس منظر اور اسکے انقلابی اثرات کا بھی مکمل نقشہ مولانا نے کھینچ دیا ہے۔ طریقۂ غزالیہ سے مراد تصوف کا وہ فکری اور عملی نظام ہے جس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم وغیرہ کتابوں میں مدوّن کیا ہے۔ امام کی ان کتابوں کا پس منظر کیا تھا؟ اس ضمن میں مولانا نے اولاً مسلمانوں کی اس دور کی سیاسی حالت کا نقشہ کھینچا ہے پھر اس سیاسی حالت کے نفسیاتی اور اخلاقی اثرات کی طرف کچھ اشارات کئے ہیں۔ سیاسی برتری کے نشہ کے علاوہ علماء کی جو پذیرائی اس دور کے اہل حکومت میں خاص طور پر نقطۂ عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ اور دنیاوی ترقی کے جو اعلیٰ ترین مواقع اس طبقہ کو حاصل ہو گئے تھے۔ مولانا نے اسکا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ دنیاوی اقبال دینی اعتبار سے اس طبقہ کو گویا اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا، اور خود امام غزالی نے ذاتی طور پر اس کا خوب خوب مزہ چکھا تھا۔ دراصل دوسروں سے بھی زیادہ اپنی ہی حالت کا یہ ردِّعمل تھا جو احیاء العلوم کی صورت میں رونما ہوا۔ اور بقول مولانا

گیلانیؒ "امام نے اصلاحِ باطن کی جو تفصیلات مدوّن کیں ان میں ذاتی تجربات کو بڑا دخل تھا" مولانا نے کیا خوب لکھا ہے:۔

"غزالی بھی اگر غزالی نہیں، بلکہ حسن طوسی جیسا دل و دماغ رکھتے تو بالکل ممکن تھا کہ سلجوقیوں یا مرابطین وغیرہ جیسی حکومتوں کے ممتاز وزراء میں سے ایک وزیر بن کر رہ جاتے۔ لیکن قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کے لئے جسے حجت بنا کر پیدا کیا تھا۔ اسکی عقابی نگاہوں پر چند ابتدائی پروازوں ہی کے بعد

ولم یرِدْ اِلّا الحیٰوۃ الدنیا — اور بجز دنیاوی زندگی کے اور کچھ نہ چاہا۔
.... ذٰلک مبلغھم من العلم — یہ ہے ان کے علم کی رسائی کا انتہائی مقام۔
(النجم)

کا راز کھل گیا۔ اور انکی ابتدائی زندگی کے ان ہی تجربات نے "دینی زندگی" کے لئے ایک ایسے نظام کے پیش کرنے کے قابل انکو بنا دیا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو اُبھرنے کا موقع امام کی زندگی میں بھی اور انکے بعد بھی سیکڑوں سال سے مل رہا ہے" (ص۹۶)

اس پس منظر کو پیش کرنے کے بعد جسے سمجھے بغیر آدمی امام کی کتابوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتا ہے، مولانا نے احیاء العلوم پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ جسے" ماقلّ و مادلّ " کا مصداق کہیے تو بجا ہے۔ مولانا نے اِن صفحات میں احیاء کے بعض پہلوؤں پر تنقید بھی کی ہے۔ اور صفائی کے ساتھ کی ہے مگر منصفانہ ذہن سے امام کے لئے معقول عذر تلاش کرنے کی بھی کوشش کی ہے، بلکہ ابتدائی تبصرہ اور تجزیہ ہی میں ان اعذار کی طرف اپنے پڑھنے والوں کو متوجہ کر دیا ہے۔ اسی انداز نظر کا نتیجہ ہے کہ تنقید کے اختتام پر امام کے صدق و اخلاص کو سامنے لاتے ہوئے مولانا ایک وجد کی سی کیفیت میں لکھتے ہیں۔

"دراصل اسی دل سے نکلی ہوئی چیخ پکار کی صدائے بازگشت ہے جو صدیوں گزر جانے کے بعد بھی اسلامی دنیا میں آجتک گونج رہی ہے اور کہنے والے خواہ کچھ ہی کہتے رہیں لیکن صادق کی صادق آواز کی لہروں اور ان کے ارتعاشی تموّجات کو کوئی روک نہیں سکتا جو قلب کی گہرائیوں سے ابھری تھیں" (ص۱۳۷)

مولانا کے انداز تنقید پر تو حرف رکھا نہیں جا سکتا۔ دراصل یہ وہ انداز تنقید ہے جسکی مخالفت نہیں کیجا سکتی۔ لیکن اسکے برعکس وہ انداز تنقید جس سے یہ محسنین امت اور علمائے اعلام ہیچ در ہیچ نظر آنے لگیں یقیناً نا قابل برداشت اور صرف ناشناسوں کا طریق ہے ــــ بہرحال مولانا کا انداز تنقید تو تنقید سے بالاتر ہے لیکن زہد جو امام کے پیش کردہ تصوف کا مرکزی جزو ہے، اس پر مولانا کی تنقید ہمیں اس زمانہ کی عام ہوا سے متاثر نظر آتی ہے۔ ایک تو زہد کی وہ تفصیلات و تدقیقات ہیں جن پر امام نے اپنی کتابوں میں زور دیا ہے اس تفصیل و تدقیق کو اگر اسلام سے باہر کا اثر قرار دیا جائے تو درست ہے۔ لیکن مولانا نے نفس زہد ہی کو اپنی تنقید کی زد میں لے لیا ہے، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکی! ــــ اگر بلا کسی غلو و التزام اور تعذیب نفس کے تصور کے بغیر بھی عام طور پر مباح لذائذ و مرغوبات کے ترک کا رویہ دائرہ اسلام سے باہر کی چیز ہے تو بعض امور میں اس ترک کا رویہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ملتا ہو بہت سی حدیثوں میں اسکی ترغیب بھی ملتی ہے۔ آپکے بعد ابوبکر و عمر کی زندگیاں بھی اس غیر التزامی ترک و زہد کی آئینہ دار نظر آتی ہیں۔ پھر یہ بات اس اطلاق کے ساتھ کیونکر صحیح ہو سکتی ہے کہ

"خدا نے جن چیزوں کے چھوڑنے اور ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے ان کا ترک ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی کی نہیں بلکہ یقیناً خود اپنے نفس کی خواہش کی پیروی ہے" (ص ۱۲۴)

اور یہ کہ ــــ

"ایسے عمل پر خدا کے پاس اجر کی توقع آخر کس بنیاد پر قائم کی جائے گی؟" (〃)

ہمارے خیال میں مولانا مرحوم کے پیش نظر یہ عموم و اطلاق تو نہ ہوگا ترک و زہد کی وہ خاص نوعیت ہی مولانا کے پیش نظر ہوگی جو امام غزالی کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے، لیکن الفاظ میں یہ بات واضح نہ ہو سکی۔

اس تنقید و تبصرہ کے بعد مولانا نے امام کی کتابوں کے انقلابی اثرات پر روشنی ڈالی ہو۔ جو مولانا کے اس تاثر کی گویا ایک گونہ تاریخی تفصیل ہے کہ امام کی ان کتابوں سے

"خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو ابھرنے کا موقع امام کی زندگی میں بھی اور اُن کے بعد بھی سیکڑوں سال سے مل رہا ہے"

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے صادق دل سے نکلی ہوئی چیخ و پکار نے گویا زمانہ کی رفتار

بدل دی۔ اور اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دَور اِن کتابوں کے بعد شروع ہوا۔ امام غزالی اور انکے تجدیدی کام کی عظمت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن شاید ہی اس عظمت کو اُجاگر کرنے میں کوئی اتنا کامیاب ہوسکا ہو جتنی کامیابی مولانا گیلانی کو اپنے مقالہ کے اِن اوراق میں حاصل ہوئی ہے۔

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

۳۔ تیسرے مقالہ میں مولانا نے اس حقیقت کی وضاحت فرمائی ہے کہ تصوف کے جو مختلف سلسلے ہیں وہ کسی اساسی اختلاف پر مبنی نہیں ہیں بلکہ سلاسل کے اختلاف کا تعلق بانیانِ سلسلہ کے شخصی مزاج اور اُنکے تربیتی ماحول کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ مولانا کا مقصد اس مقالہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علوم باطنی کے سلسلے ہوں یا علوم ظاہری کے، ان میں اختلاف کی بابت اس حقیقت پر نظر رکھنی چاہیئے کہ عموماً اختلاف صرف صاحبِ سلسلہ کے شخصی مزاج اور اسکے خاص تربیتی ماحول کے زیر اثر ہوتا ہے۔ اس لئے اس اختلاف کو باعثِ بُعد و افتراق نہ بنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے مولانا نے سلف میں سے دو عظیم المرتبت بزرگوں کی مثال پیش کی ہے کہ ایک ہی عہد اور ایک ہی شہر میں تھے۔ دونوں کا رنگ بالکل جدا جدا تھا، لیکن تمام شہر بھی دونوں سے یکساں عقیدت رکھتا تھا اور دونوں خود باہم کوئی بعد نہ رکھتے تھے۔ یہ دو بزرگ تھے، خواجہ حسن بصری، اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہما۔

۴۔ چوتھا مقالہ ہے "طریقہ اشغالِ مطلقہ یا اطلاقی تصوف" یہ وہ مقالہ ہے جو مولانا کے اصل موضوع سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں سچی بات یہ ہے کہ اس مقالہ کا تعلق بھی موضوع سے بس نام ہی کا ہے، ورنہ سارا مقالہ آٹھویں صدی ہجری کے شیخ عبداللہ محمد بن عبداللہ بن الحجاج المرشدی کے تعارف اور اُن کی زندگی پر ایک خاص زاویہ سے بحث کی نذر ہو گیا ہے۔ جن سے مولانا نے اطلاقی تصوف کا تخیل لیا ہے اور جنھیں اس اطلاقی تصوف کا ایک نمائندہ سمجھا ہے۔ آخر کے چند صفحات میں اس تخیل کی تشریح شیخ ابن عربی کی کم و بیش انھیں عبارتوں کی مدد سے کی گئی ہے جن سے مولانا نے پہلے مقالے میں بھی استفادہ کیا تھا۔ ہمارا خیال اِن عبارتوں کے بارے میں یہاں بھی وہی ہے جو پہلے مقالہ کے ذیل میں عرض کیا جا چکا ہے۔ البتہ اتنا اضافہ یہاں اور کیا جا سکتا ہے کہ اس تشریح کی رو سے اطلاقی تصوف کی جو شکل سامنے آتی ہے اس شکل کی رو سے

المرشدی کو اطلاقی تصوف کا نمائندہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

۵۔ امام ابن تیمیہؒ بہت سے اہل تصوف کی کرامات کو جنّی خدمات کا رہین منت ٹھیرا دیتے ہیں۔ المرشدیؒ کے متعلق بھی اُن کا یہی قول تھا۔ مولانا گیلانیؒ نے یہ پانچواں مقالہ "ابن تیمیہ کا نظریۂ مخدومیت" لکھ کر ابن تیمیہ کے اسی نظریہ پر تنقید کی ہے۔

۶۔ چھٹا مقالہ ہے "مجالس الشیخین یا دل کا چین" یہ خاص حال کی چیز ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ شیخ اکبر کی فتوحات اور مولانا رومی کی مثنوی مولاناؒ تسکین خاطر کے لئے اکثر دیکھا کرتے تھے۔ ان ہر دو بزرگوں کے جن افادات سے دل خاص طور پر متاثر ہوتا اُسکو اس انداز میں قلمبند فرمالیتے جیسے حاضر صحبت ہوں اور کتاب سے نہیں زبان سے ارشادات سُن رہے ہوں۔ یہ حصہ بھی اس کتاب کا بڑا کارآمد حصہ ہے۔

کتاب کا تعارف اور اُس پر تبصرہ تو جانئیے ختم ہوگیا۔ اب چند باتیں مرتب کے کام سے متعلق کہنا ہیں۔

۱۔ پہلے مقالہ میں کم از کم تین مقامات اس وقت نظر میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ مولانا کی ترتیب میں یہ مقالہ پہلا مقالہ نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو ص۲۳ پیراگراف ۲۔ ص۲۹ پ۱۔ و ص۳۲ پ۲۔ اب اس مقالہ کو پہلا مقالہ بنا دینے پر جو کھٹا ہوا انکھول ترتیب میں پیدا ہوگیا ہے، فاضل مرتب نے اسکو دور کرنے اور قارئین کے خلجان کو رفع کرنے کی طرف کوئی توجہ خدا جانے کیوں نہیں فرمائی۔

۲۔ مقالہ ۲ میں ص۲۲۴ پر جو آخری عنوان قائم کیا گیا ہے "طریقۂ غزالیہ پر مولانا گیلانیؒ کی تنقید" یہ عنوان کچھ موزوں نظر نہیں آیا۔ اِن صفحات میں مولانا نے طریقۂ غزالیہ پر کوئی تنقید تو فرمائی نہیں ہے بلکہ صوفیانہ نصب العین کے لئے اس طریق کے لازم ہونے کی محض نفی فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اِن دونوں باتوں میں فرق ہے۔

دو منی آرڈر لاپتہ } [illegible] میں دو منی آرڈر ایسے وصول ہوئے ہیں جن کے کوپن پر پتہ تحریر نہیں ہے۔ بھیجنے والوں کے نام بشیر محمد اور عبد[illegible] ہیں۔ [illegible] آرڈر کے [illegible] یہ حضرات اپنے پتے ارسال فرمائیں۔
[illegible]

انجمن خدام الدین ضلع سورت (گجرات)

ایک معاینہ اور تاثر

[گزشتہ شوال ۱۳۷۹ھ (اپریل ۱۹۶۰ء) میں اس ناچیز اور رفیق مکرم جناب مولانا ابو الحسن علی ندوی کو انجمن خدام الدین کی دعوت پر ضلع سورت کا سفر پیش آیا، انجمن کے سالانہ اجتماع عام میں جو نوساری کے مقام پر منعقد ہوا تھا شرکت کا اتفاق ہوا اور سملک میں انجمن کے صدر دفتر کے معاینہ اور اسکے طریق کار اور اسکی تفصیلات سے واقف ہونے کا موقع ملا، چونکہ اس انجمن کا کام اور اسکے مقاصد ہماری موجودہ مہم (دینی تعلیمی کام) کے مقاصد اور محرکات سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔ اسلئے ہم نے اہم مشغولیتوں اور ذمہ داریوں کے باوجود انجمن کی دعوت سفر بھی قبول کی اور پوری دلچسپی اور شغف کے ساتھ اسکے کاموں سے آگاہی حاصل کی، اس سلسلہ میں ہمارے رفیق محترم مولانا ابو الحسن علی نے جو معاینہ لکھا وہ اس مقصد کے لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ کام کرنے والوں کی ہمت افزائی اور دوسرے دینی کارکنوں کے لئے تشویق و ترغیب کا باعث ہو۔

(محمد منظور نعمانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــ اما بعد،

۲۴ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ کو رفیق مخدوم مولانا محمد منظور صاحب کی معیت میں مجلس خدام الدین (جسکی دعوت پر یہ سفر اختیار کیا گیا تھا) کے صدر دفتر کے معاینہ اور اسکے نظام کار اور سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا، یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ہم لوگ کچھ عرصہ سے اپنے صوبہ (یوپی)

میں مکاتب کے اجراء اور مسلمان بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے مسئلہ پر غور کر رہے ہیں اور اسکو ایک مہم کی طرح چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے عقیدہ اور خیال میں اس وقت یہ مسئلہ مسلمانوں کی موت و زندگی کا مسئلہ ہو مسلمان اسوقت ایک عام دینی و تہذیبی ارتداد کے خطرہ سے دوچار ہیں، اگر اس سلسلہ میں انھوں نے خاص عزم و نظم کے ساتھ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کیا اور اس کا ایک وسیع اور مستحکم نظام قائم نہ کیا تو صاف نظر آرہا ہے کہ (اگر قدرت الٰہی نے خارق عادت طریقہ پر مداخلت نہ کی اور کوئی معجزہ ظاہر نہ ہوا) مسلمان من حیث القوم اکثریت کے مذہب و تہذیب میں تحلیل ہو جائیں گے۔ (لا قدر اللہ ذلک) اللہ تعالیٰ نے جا بجا ایسے دردمند اور ہوشمند مسلمانوں کو کھڑا کر دیا ہے جو اپنے وسائل اور صلاحیتوں کے مطابق اس خطرہ کا مقابلہ کر رہے ہیں، اور انھوں نے مکاتب و مدارس کا اپنے اپنے حلقہ میں جال بچھا دیا ہے۔ ضلع سورت کی مجلس خدام الدین اسی مبارک سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے۔ مولانا عبدالحق میانصاحب اور انکے مخلص رفقاء نے ضلع سورت میں اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لیا ہو اس وقت ۶۵ مکاتب انکے اس تعلیمی مرکز سے منسلک ہیں اور بہت سے گاؤں اور قصبات کے مکاتب اسکے خواہشمند ہیں کہ انکا الحاق قبول کیا جائے، ان ملحقہ مکاتب کی تعلیمی نگرانی، تعلیمی ترقی اور انتظامی امور کے لئے مرکز نے بڑے معقول و محکم اصول و ضوابط مقرر کئے ہیں۔ پورے معلومات کے لئے مجلس کے پاس مختلف رجسٹر ہیں جن کے دیکھنے سے بیک نظر سارے مکاتب کی کارکردگی تعلیمی سطح، معلمین کی کارگزاری اور طلبہ کی استعداد آئینہ کی طرح سامنے آجاتی ہے، مولٰنا عبدالحق میانصاحب کی اس انتظامی صلاحیت و مناسبت کا ہم کو پہلے سے اندازہ نہ تھا، انکے یہ ضوابط اس قابل ہیں کہ ان سے مختلف تعلیمی مرکز استفادہ کریں، یہ دیکھ کر بڑی مسرت اور اطمینان ہوا کہ انکو بے لوث رفیقوں کی ایک جماعت بھی میسر آگئی ہے جو اخلاص و اعتماد کے ساتھ انکے ساتھ تعاون کر رہی ہے، نوساری کے سالانہ اجتماع کو دیکھ کر جس میں ہم نے شرکت کی، اسکی امید ہوتی ہے کہ یہ کام انشاء اللہ پھیلے گا اور ترقی کریگا، خدا کرے جلد دوسرے اضلاع میں اسکی شاخیں اور اس نمونہ کے تعلیمی مرکز قائم ہوں، اللہ تعالیٰ اس کام کو نظر بد سے بچائے اور داخلی فتنوں سے محفوظ رکھے۔

ابو الحسن علی ندوی معتمد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۲۵ شوال ۱۳۷۹ھ)

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

ہماری دعوت

محمد منظور نعمانی

عتیق الرحمن سنبھلی

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

اسلام کیا ہے؟

آپ حج کیسے کریں

ماہنامہ

(فی کاپی آٹھ آنے)

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بلکہ ہندوستان) صہ
سالانہ چندہ (بلکہ پاکستان) سے

جلد (۲۸)	بابتہ ماہ ربیع الاول ۸۰ھ مطابق ماہ ستمبر ۶۰ء	شمارہ (۳)

اگر اس دائرے میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ ستمبر تک دفتر میں آجانی چاہیئے ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔ **نمبر خریداری:**۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولیے۔

تاریخ اشاعت: رسالہ انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں انکی اطلاع ۳۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہیئے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقامِ اشاعت:۔ **دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ**

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

بارہ سال کے مسلسل تجربہ اور متفرق واقعات نے مسلمانانِ ہند کے سامنے یہ بات سورج کی طرح روشن کرکے رکھدی ہے کہ انھیں اپنے ہر مسئلہ کا حل اپنی فہم و دانش اور اپنی قوت بازو سے کرنا ہے۔ نظر بظاہر انھیں جس چیز کا سب سے زیادہ سہارا تھا وہ ملک کے دستور کی نامذہبیت تھی، لیکن واقعات نے پورے تسلسل کے ساتھ ثابت کرکے رکھدیا ہے کہ حالات کے گرداب میں اس سہارے کی حیثیت اس تنکے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے جسے ڈوبنے والا اپنی خوش فہمی سے سہارا بنانے کی کوشش کرتا ہے مگر اسکی یہ کوشش فریب خوردگی کے ایک مظاہرہ سے زیادہ کچھ نہیں ثابت ہوتی۔

دستور کی نامذہبیت اور سیکولرزم کا اولین تقاضا یہ تھا کہ حکومت ہندوستان کے تمام شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور ان کے مذہبی جذبات و احساسات کی رعایت کو یکساں اہمیت دیتی۔ لیکن یہ بات کسی دلیل اور مثال کی محتاج نہیں ہے کہ مسلمان اِن معاملات میں حکومت کی یک گونہ امتیازی پالیسی یا اُسکے عُمّال کے غیر منصفانہ رویّہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ ہندو جہاں اور جس جگہ چاہتے ہیں ــــ حتیٰ کہ پبلک پارک ہو یا شارع عام ــــ ایک نیا مندر بنا کر کھڑا کر لیتے ہیں اور کوئی اُن سے پوچھنے والا نہیں ہوتا، لیکن مسلمان اپنی تعمیر شدہ مساجد میں بھی کسی ضروری ترمیم یا اضافہ کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک قیامت برپا ہو جاتی ہے اور نہ صرف اس کام میں رکاوٹ پڑتی ہے، بلکہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر بن آتی ہے۔ مسلمان اپنے گھر میں چھپا کر بھی گائے کی قربانی نہیں کرسکتا، اسلئے کہ ہندو کے مذہبی احساسات اس کے روادار نہیں ہیں۔ لیکن مسلمان اگر ہولی کے دنوں میں اپنے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اُسے اپنی تمام تر ناگواریوں کے

کے باوجود ہولی کی تمام گندگیاں اپنے اوپر اچھلوا لینی چاہئیں ورنہ خون میں نہانے کے لئے تیار ہونا چاہیئے اور کسی دادرسی کی توقع اُن لوگوں سے نہ کرنی چاہیئے جو اُسے خفیہ طور پر گائے کاٹنے کی صورت میں بھی جیل میں سڑانا اپنی قانونی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

دوسرا اہم تقاضا دستور کی نامذہبیت اور سیکولرزم کا یہ تھا کہ سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے دروازے علاً سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہوتے، مگر مسلمان اس معاملہ میں بھی کھلی امتیازی پالیسی کا شکار ہیں۔ اور کسی معقول ملازمت کے سلسلہ میں تقرریوں کی جو لسٹ شائع ہوتی ہے اس میں مسلمان کا وجود آٹے میں نمک کی نسبت سے بھی بہ مشکل نظر آتا ہے۔

ایسا ہی تیسرا اہم تقاضہ سکولرزم کا یہ تھا کہ تعلیم کا سرکاری نظام کسی خاص مذہب کی سرپرستی اور اسکی تبلیغ و تلقین کے روّیہ سے پاک ہوتا۔ لیکن ملک کی ہر ریاست کا محکمہ تعلیم سیکولرزم کے اس بنیادی تقاضے کو تعلیم کی پہلی ہی سیڑھیوں پر کھُلے بندوں پامال کر رہا ہے۔ پرائمری درجات کی کتابوں میں خصوصاً، اور میٹرک تک کے درجات کی کتابوں میں عموماً ہندو مذہب کے رسوم و عقائد کی تبلیغ و تلقین کو اس طرح سمویا گیا ہے کہ اپنے مذہب کا شعور رکھنے والا کوئی مسلمان اپنے بچوں کو اپنے ضمیر اور اپنے خدا سے شرمندہ ہوئے بغیر، سرکاری اسکولوں میں داخل نہیں کر سکتا۔ ریاستی تعلیمی محکموں کا یہ روّیہ مسلمانوں کے تمام احتجاجوں کے باوجود جاری ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو اصلاحی کارروائی کبھی ہوتی ہے تو وہ ان اسباق سے متعلق ہوتی ہے جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی غلط پروپگنڈہ کا پہلو ہوتا ہے۔ باقی ہندو مذہب اور ہندو کلچر کی سرپرستی اور اسکی تبلیغ و تلقین کا جو رنگ کتابوں پر چھایا ہوا ہے اس میں شمہ بھر اصلاح کا بھی سوال آج تک پیدا نہیں ہوا۔

ایک طرف تو یہ صورت حال ہے جو حکومت چلانے والے افراد کی ذہنیت کا آئینہ ہے۔ دوسری طرف ہم یہ حال دیکھ رہے ہیں کہ حکومت چلانے والے یہ افراد جس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسری تمام سیاسی پارٹیاں جو سکولرزم اور نامذہبی جمہوریت پر اپنے عقیدے کا اظہار کرتی ہیں، ان میں سے کسی پارٹی میں بھی کوئی شخص نہیں کھڑا ہوتا جو سیکولرزم کی اس پامالی کے خلاف اعلان جنگ کرے، اور مسلمانوں کے حق میں حکومت یا اُس کے عمّال کے امتیازی طرزِ عمل کو برداشت کرنے سے انکار کر دے۔

صرف ۱۹۴۷ء کے قتل عام میں دہلی کے مسلمانوں کے مسئلہ پر گاندھی جی نے ضرور ایک جرأتمندانہ قدم اٹھایا تھا اور اس کا فوری اثر ہوا۔ اسکے بعد سے آج تک ۲۰ سال ہو رہے ہیں جرأت نمائی کا یہ میدان ویران پڑا ہوا ہے۔ گاندھی جی کے بعد جواہر لال جی اس میدان کے مرد دکھائی دیتے تھے۔ وہ کبھی کبھی اس میدان میں آتے ہوئے دکھائی بھی دیئے۔ مگر ان کا کردار زبانی زور آزمائی سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اور اب بہت دن سے یہ نظر آرہا ہے کہ اس معاملہ میں تنہائی کے احساس نے غالباً انھیں ماحول سے صلح کر لینے کی طرف مائل کر دیا ہے۔ وہ صرف سیکولر ذہن کے نہیں بلکہ دراصل مذہب بیزار آدمی ہیں۔ انھیں کسی مذہب کے عقائد سے دلچسپی نہیں، بلکہ وہ ہرگز نہیں چاہتے ہوں گے کہ ہندوستان کی نئی نسل مذہبیات کے چکر میں گرفتار ہو۔ وہ جس "مذہب" کے قائل ہیں اور جسے چاہتے ہیں کہ نئے ہندوستان کا مذہب بنے وہ وہ ہے جس میں بھاری صنعتوں کے کارخانوں کو عبادت گاہوں کا درجہ حاصل ہو۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ذہن کے وزیر اعظم کے دورِ وزارت میں ملک کا ہر سرکاری اور نیم سرکاری اسکول ملک کی نئی نسل کو کسی عقلیت پسند مذہب کی نہیں بلکہ دورِ جاہلیت کے اوہام کی تعلیم دے رہا ہے، مگر معزز وزیر اعظم کے منہ سے کبھی ایک لفظ بھی اسکے خلاف نہیں سنا جاتا — خدارا کوئی بتائے کہ یہ ماحول سے مصالحت کے سوا اور کیا ہے؟

آزادی کے احساس نے اکثریت کے دل و دماغ کو تہذیبی احیاء کی قومی امنگوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ انھیں قومی امنگوں کا ایک مظہر تعلیمی نظام کے ذریعہ ہندو کلچر اور دیومالا کی تبلیغ و اشاعت ہے۔ اس صورت حال میں ظاہر ہے کہ نہرو جی اسکے خلاف بولنے کو مصلحت نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح مسلمانوں کے دستوری حقوق کا مسئلہ بھی ہے کہ اُن کے پورے پورے تحفظ کی وکالت ہندو قوم کے اُس اجتماعی جذبہ سے ٹکراتی ہے جسے مسلمانوں کے مقابلہ میں اوّلیت اور برتری کا جذبہ کہا جا سکتا ہے۔ اسلئے اس جذبہ کے انتہائی رسواکن مظاہروں پر تو روک ٹوک کی جرأت کی جا سکتی ہے لیکن ہر ہر مظاہرے کو چیلنج کیا جائے یہ بات اکثریت کے ایک اجتماعی جذبہ سے ٹکرانے کے مترادف ہوگی، اور ظاہر ہے کہ کوئی ایسا شخص جس کے سامنے ملک کے اور بھی بڑے بڑے مسائل اور ان کی مصالح کے کچھ اور تقاضے ہوں وہ اس حد تک جانے میں مصلحت نہیں دیکھ سکتا۔

پس یہ بات صاف طور سے سمجھ لینی چاہیئے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں ضمیر کے تقاضوں پر

لبیک کہنے والوں کا ملک میں مکمل قحط ہے۔ سارے ملک میں ایک آدمی نظر آتا تھا جو حکومت کی سب سے اونچی کرسی پر ہے، لیکن اس نے ملک کے دوسرے اہم تر مسائل کی مصلحت میں، سمجھ لینا چاہیئے کہ، اپنے ماحول سے مصالحت اختیار کر لی ہے۔

ایسی صورت میں دستور کی حسین دفعات مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ اور محض اُن کے سہارے ہندوستان میں زندگی بسر کرنے کے ذہن کو کوئی معقول ذہن نہیں کہا جا سکتا۔ اکثریت کی پوری آبادی جس پر دستور کی دفعات کا عملی اطلاق موقوف ہے دو طبقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کچھ وہ ہیں جو اِن دفعات کو پامال کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ باقی سب خاموش تماشائی۔ اس ماحول میں عزّت کے ساتھ جینا اور رہنا ہے تو کچھ کرنا ہوگا۔ آئیے سنجیدگی سے سوچئے کہ کیا حسب ذیل باتیں ہمارے مسئلہ کے حل میں خاطر خواہ مدد دے سکتی ہیں۔

۱۔ ہماری باعزّت زندگی اور دستوری حقوق کے پورے پورے حصول کا مسئلہ دراصل ہمارے اندر اجتماعی ذہن کے پیدا ہونے پر موقوف ہے۔ چار کروڑ تعداد کی کوئی آبادی جو ملک کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی ہو اگر اپنے آئینی اور واجبی حقوق کے حصول پر اجتماعیت کے پورے مظاہرہ کے ساتھ کمربستہ ہو جائے تو کسی دستوری حکومت کی مجال نہیں ہے کہ اس جائز مطالبہ سے زیادہ دن تک صرف نظر کر سکے۔ لیکن بدقسمتی سے آج ہم عام طور پر اپنے اپنے مفادات کے چکّر میں پڑے ہوئے ہیں۔ زبان کی حد تک اپنے شخصی مفادات اور ذاتی مصالح کو پس پشت ڈالدینے کی باتیں تو ہم خوب بڑھ بڑھ کر لیتے ہیں، لیکن عمل کے وقت ہم انھیں شخصی مفادات و مصالح کی پوجا کرتے اور اس راہِ عمل سے کتراتے نظر آتے ہیں جو ان مفادات و مصالح سے بلند ہو کر گزرتی ہے۔ اس ذہن کے ساتھ اجتماعی فلاح و بہبود کی کوئی شکل بھی درحقیقت ناممکن ہے۔ اگر ہندوستان میں عزّت کے ساتھ جینا ہے اور اپنے پورے پورے دستوری حقوق کے حصول کا کٹھن معرکہ سر کرنا ہے تو اسکے لئے شرط اوّل یہ ہے کہ ہم اجتماعی ذہن سے سوچنا سیکھیں۔ اور ملّت کی اجتماعی بہبود کی خاطر ہر ہر شخصی مفاد و مصلحت کو قربان کرنے کا حوصلہ دکھائیں۔

۲۔ کسی چھو منتر یا محض کہنے سننے سے ذہن کی یہ عظیم تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ انفرادی مفاد

پرستی کی عادت بہت پرانی ہو چکی ہے۔ اور اب ہم اس عادت کے آگے ایک طرح مجبور سے ہو گئے ہیں۔ اس عادت کو بدلنے اور ذہن کو ایک نئی روش پر لانے کے لئے ہمیں تدریجی راہ عمل اختیار کرنی پڑے گی۔ وہ تدریجی راہ عمل یہ ہو سکتی ہے کہ ہم کسی ایسے اجتماعی مسئلہ پر جدوجہد کا سوال ملت کے عوام وخواص کے سامنے لائیں جس میں شخصی مفادات کی قربانی کا کوئی سوال نہ پیدا ہوتا ہو۔ اس مسئلہ پر کچھ دنوں جدوجہد سے لوگوں میں قدرتی طور پر ایک اجتماعی شعور پیدا ہو گا۔ اور ذہن اجتماعیت کے سانچے میں ڈھلنے لگے گا۔ ایسے دو ایک مسئلوں پر اگر کام ہو گیا تو بلا ادنیٰ شائبہ ریب کے کہا جا سکتا ہے کہ ذہنوں میں اجتماعی مفادات پر قربانی دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس جدوجہد میں کچھ نہ کچھ ایثار (خواہ وقت کا ہو، محنت کا ہو یا مال کا ہو) لوگوں کو کرنا ہی پڑے گا۔ اور یہ چھوٹا ایثار ہی فطرت کے اصول کے مطابق اس بڑے ایثار کی خود بخود صلاحیت پیدا کر دے گا جس کا نام مفادات ومصالح کی قربانی ہے۔

۳۔ جس طرح ہم میں شخصی مصلحت بینی کا مرض ہے۔ اور اجتماعی فلاح وبہبود کے لئے ناگزیر ہے کہ ذہن کو اجتماعیت کے سانچہ میں ڈھالا جائے۔ اسی طرح ہم میں ایک عمومی رجحان ہنگامہ وخروش پسندی اور جوش وجذبات نمائی کا بھی ہے۔ اور ہندوستان کے حالات میں مسلمانوں کے لئے بعض ایسی نزاکتیں ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اجتماعیت کا مظاہرہ بھی، ہنگامہ آرائی وجذبات نمائی کے ساتھ، بجائے نفع کے انھیں نقصان زیادہ پہنچا سکتا ہے، اس لئے یہ بھی ناگزیر ہے کہ طبیعتوں کے اس رنگ کی بھی اصلاح ہو۔

۴۔ یہ اصلاح بھی حالی وعظ وتقریر سے عمومی پیمانہ پر نہیں ہو سکتی ہے۔ طبیعتیں جوش وخروش کے اظہار اور جذبات میں بہنے کی عادی ہو چکی ہیں۔ مجلس تقریر میں عقلیں اس عادت کی مضرتوں کو تسلیم کر سکتی ہیں، لیکن جب کوئی موقع طبیعتوں کے اس رجحان کو چھیڑے گا اس وقت باگ ڈور عقل کے ہاتھوں سے چھوٹی ہوئی نظر آئے گی اور بے ساختہ طبیعت کے اسی رنگ کا اظہار ہو گا جس کی عادت پڑ چکی ہے، لیکن اس پختگی کے باوجود یہ مرض لاعلاج نہیں بلکہ اگر غور وفکر سے کام لے کر دیکھا جائے تو پہلی اصلاح کے ضمن ہی میں یہ دوسری ضروری اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ ہم جو اجتماعی مسائل ملت کے عوام وخواص کے سامنے جدوجہد کے لئے رکھیں اسکے انتخاب میں اگر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ

وہ مسئلہ ایسا ہونا چاہیئے جو کسی ٹھوس تعمیری جدوجہد کا طالب ہو بلکہ جس پر جدوجہد کے معنیٰ ہی کسی تعمیری جدوجہد کے ہوں، تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ جدوجہد جہاں ذہن کو اجتماعیت کے سانچے میں ڈھالے گی وہاں طبیعتوں میں قابو یافتگی اور ہنگامہ آرائی سے کنارہ کشی کا رجحان بھی پیدا کرے گی۔ ہماری طبیعتوں کا یہ موجودہ قابلِ اصلاح رجحان کوئی فطری رجحان نہیں ہے، بلکہ جب قوموں پر کوئی ایسا عرصہ گزرتا ہے کہ اُن کے سامنے کوئی تعمیری دلچسپی نہیں ہوتی، اور پھر اتفاق سے نعرے بازی اور جلسے جلوس کا کوئی لمبا دور بھی اُن میں چل جاتا ہے تو یہ غیر صحتمندانہ رجحان ان میں پیدا ہوجاتا ہے۔ ہمارے اس رجحان کی تاریخ بھی کچھ اسی طرح کی ہے۔ اس لئے اسکا واحد علاج قوم کو تعمیری کاموں میں لگا دینا ہے۔ جہاں جوش اور جذبات کو نکاس کی ایک نئی راہ ملتی ہے اور اس راہ پر لگ جانے کے بعد اس میں عقلِ دوراندیش کے تقاضوں سے سرکشی کی خو نہیں باقی رہتی ——— اور ضرورت بھی اسی قدر ہے۔ جوش اور جذبہ کو بالکلیہ فنا کردینا نہ مقصود ہے نہ ممکن۔

۵۔ جو قوم تعمیری کاموں کی عادت سے دور ہوچکی ہو، سوال یہ پیدا ہوگا کہ تعمیری کاموں کی مشغولیت کا نسخہ اسے پلایا کیسے جائے؟ سوال بہت معقول اور برمحل ہے، لیکن ایک معقول جواب کی گنجائش بھی نظر آتی ہے، اور وہ یہ کہ اگر ہم تعمیری جدوجہد کے لئے پہلے نمبر پر کوئی ایسا مسئلہ منتخب کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں جس کی اجتماعی اہمیت صرف من حیث المجموع نہ ہو بلکہ وہ گویا ہر ہر فرد کا ذاتی مسئلہ بھی ہو، تو تعمیری سرگرمیوں سے ساری بیگانگی کے باوجود اس مسئلہ پر جدوجہد میں قوم کے ایک بڑے حصہ کو لگا دیا جانا عین ممکن ہے ——— مثال کے طور پر اس وقت ہم بچوں کی تعلیم کے مسئلہ کا نام لے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس نوعیت کا اجتماعی مسئلہ ہے کہ ایک ایک مسلمان کی ذات سے اس کا براہ راست تعلق ہے، اور مزید برآں اس مسئلہ کا اس وقت ایک جذباتی پہلو بھی ہے جو مسلمان کے بڑے نازک جذبات سے تعلق رکھتا ہے، اسلیئے ہمارا خیال ہے کہ اس کام کے لئے پہلے نمبر پر انتخاب کے لئے اس وقت یہ موزوں ترین مسئلہ ہے ——— بہرحال یہ ایک مثال اور ایک خیال ہے جسے مزید غور و فکر کی تمہید بنایا جاسکتا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک باعزّت زندگی اور اپنے دستوری حقوق کے پورے پورے حصول کا جو مسئلہ ہے، ہمارے خیال میں یہ لائحہ عمل اسکے حل کے لئے مناسب زمین تیار کر سکتا ہو ملت کے تمام باشعور حلقے اس نتیجہ پر پہنچے ہوئے ہیں کہ اس وقت ہم اپنے اس مسئلہ کے فوری حل کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ہمیں اس پوزیشن میں آنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔ اسکے بعد مسئلہ کے حل کی طرف براہ راست قدم اٹھ سکے گا۔ ہمارے خیال میں مذکورہ لائحہ عمل ہمیں اس پوزیشن میں لانے کا ایک کامیاب ذریعہ بن سکتا ہے۔

یہ باتیں تو اسبابی نقطۂ نظر کی ہیں، لیکن ہم میں سے ہر شخص بلا پس و پیش اپنے اس عقیدے کی دن رات شہادت دیتا ہے کہ اصل کارسازی اسباب کے ہاتھ میں نہیں ہو۔ کارساز درحقیقت خدا کی ہستی ہے اسی کے فیصلے سے اسبابی کوششیں تکمیل کو پہنچتی ہیں اور پھر وہی جب اذن دیتا ہے تو یہ کوششیں نتیجہ خیز ہوتی ہیں ورنہ ہوسکتا ہے کہ اسباب کا سلسلہ مکمل ہی نہ ہو پائے۔ یا اگر مکمل ہوجائے تو حالات میں کوئی ایسی تبدیلی ہو جائے کہ ہمارا تیار کردہ سلسلۂ اسباب ان حالات میں کارگر نہ ہوسکتا ہو۔ اسلئے ہم محتاج ہیں اور ہمارے عقیدے کی رو سے عین عقل کا تقاضہ ہے کہ ہم اس قادر مطلق کی عنایات کو شامل حال رکھنے کی کوشش کریں اسکی قدرت کا یہ عالم ہے کہ وہ مکڑی کے جالے سے انسانوں کی حفاظت کا کام لے لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہو۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	اگر تم اسکی (حضرت محمد کی) مدد نہیں کرتے
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	تو اللہ ہی نے اسکی مدد کی تھی جب نکالا تھا
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	اسکو کافروں نے (وطن سے) جس وقت کہ
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	آپ کل دو میں سے ایک تھے۔ اور غار میں
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔	(پناہ لئے ہوئے) تھے۔ اور اپنے ساتھی سے
(التوبہ)	فرما رہے تھے کہ ڈرو نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہو۔

حفاظت کے اسباب سراسر مفقود تھے۔ لیکن اللہ کی ذات مدد پر موجود تھی۔ اس نے محمدؐ اور

ان کے ساتھی کی تمام اسبابی کمزوری کے باوجود اپنی قدرت کے ادنیٰ کرشمہ سے ساری مخالفانہ تگ ودو کی کاٹ کر کے رکھدی ــــــ دوسری طرف قرآن ایک اور واقعہ کا ذکر کر کے بتاتا ہے کہ اگر اللہ کا فیصلہ تھوڑی دیر کیلئے خلاف ہو جائے تو عظیم اسبابی قوت مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہو جاتی ہیں، اور بات اللہ ہی کے سنبھالے سنبھلتی ہیں۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	اور اللہ نے معرکۂ حنین میں تمھاری مدد کی۔
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ	جب کہ تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ تمھارے
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	ذرا بھی کام نہ آئی اور زمین ساری وسعتوں
وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ	کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم بھاگ
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ	کھڑے ہوئے، لیکن پھر اللہ نے اتاری اپنی
وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ	خاص سکینت اپنے رسول اور ایمان والوں پر۔
الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ	اور اتارے وہ لشکر جن کو تم نے نہیں دیکھا

اور مار دی کافروں کو۔ یہی کافروں کی جزا ہے۔

یہ دونوں واقعات بتاتے ہیں کہ اللہ کی مدد کا یقین ہونا اللہ کی معیت کے احساس کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اللہ کی معیت کا احساس کسی آڑے وقت میں اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب اللہ پر ایمان مضبوط ہو، پس ضرورت ہے کہ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیا جائے اور انھیں اتنا مستحکم بنایا جائے کہ سخت سے سخت وقت میں بھی دل اللہ کی معیت کے احساس سے خالی نہ ہونے پائے۔ جس دن بھی یہ بات حاصل ہو جائے گی۔ ہماری ہر کوشش کو اللہ کی معیت حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ ہمارے عقیدے کی رو سے کسی کوشش کی کامیابی کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

ایمان کی مضبوطی کی راہ بہت صاف اور واضح ہے۔ یہ چیز احکام الٰہی کی کامل اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم اگر دن میں دس کام کرتے ہیں اور ہر کام میں حکم الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہیں تو ہم گویا دس بار اپنے ایمان کی تجدید کرتے ہیں۔ اسکے برعکس اگر ہم اپنے شب و روز اللہ کی اطاعت سے بے نیاز ہو کر گزارتے ہیں تو گویا ہم ایمان کے اس پودے کو جو ہم نے از خود اپنے دل کی زمین میں نصب کیا تھا یا وراثتہً وہ ہمارے نصیب میں آیا تھا، اس کی

آبیاری سے بے نیازی برت کر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ سوکھتا رہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس کو کیا استحکام نصیب ہو سکتا ہو۔ اور کیا یہ مضمحل ایمان ہمیں اللہ کی معیت کے احساس سے سرفراز کر سکتا ہے؟ اطاعت کا مسئلہ یقیناً آجکل کے ماحول میں خود ایک مشکل مسئلہ ہے اور "پر طبیعت ادہر نہیں آتی" کی مشکل یقیناً ایک بڑی مشکل ہے، لیکن ارادہ کر لیا جائے تو اس مشکل کو آسان کرنے کے بھی طریقے ہیں اور طبیعت اس ڈھب پر لائی جا سکتی ہے کہ اطاعت سے منحرف نہ رہے۔

اب ایک سوال مسئلہ کے سلسلہ میں اور باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب تک ہم اوپر کے پیش کردہ لائحہ عمل کو اختیار کر کے مسئلہ کو حل کرنے کی پوزیشن میں آنے کے لائق ہوں، اس وقت تک اِن روزمرہ کے واقعات کے سلسلہ میں ہمارا کیا طرزِ عمل رہنا چاہیئے جو ہماری عزت اور جان و مال کے تحفظ کو چیلنج کرتے رہتے ہیں؟ ــــــ اس سوال کا مختصراً صرف ایک جواب ہے کہ وقت شناسی صبر و برداشت اور خودداری سے کام لیا جائے۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ہم اس وقت کی اپنی واقعی پوزیشن کو حقیقت پسندانہ طور پر نظر میں رکھیں اور دستور کی دی ہوئی کاغذی پوزیشن سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم کام لیں گے تو اس قسم کے واقعات پچاس فیصدی تک تو انشاء اللہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ بہت سے جائز کام جو کسی غیر معمولی ضرورت کے تحت نہیں آتے اور اکثریت کے شر پسندوں کے لئے شر انگیزی کا بہانہ بن جاتے ہیں۔ ہم اس زعم میں کر گزرتے ہیں کہ یہ ہمارا دستوری حق ہے اور ملک کی انتظامیہ پر اس حق کے تحفظ کی ذمہ داری ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شر پسند اگر کوئی فتنہ کھڑا کر دیتے ہیں تو انتظامیہ کی مداخلت عام طور پر اُلٹا رنگ دکھاتی ہے۔ اور ایک حق کی جگہ پر ہمارے چار حق مجروح ہوتے ہیں۔ اس لئے دانشمندی کا تقاضہ ہے کہ جب تک ہم اس پوزیشن میں ہیں پھونک پھونک کر قدم رکھیں اور اپنے گرد و پیش کا جائزہ لئے بغیر محض حق اور جواز کی بنیاد پر کوئی کام کرنے کھڑے نہ ہو جائیں۔ مثال کے طور پر ٹھیک ہے کہ آپ کو اپنی مساجد میں تغیر و تبدل کا حق ہے۔ لیکن اس حق کے استعمال میں کیا بھلائی ہو سکتی ہے جب کہ آپ دیکھ رہے ہوں کہ محض اس "خطا" پر مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو پر بھی بن آتی ہے۔ پس دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسے کسی بھی حق کے استعمال سے

پہلے گرد و پیش کا اچھی طرح جائزہ لے لیجئے۔ بے دھڑک ہر قدم اٹھانے کی کوشش نہ کیجئے۔
لیکن آپ کی ہر طرح سے محتاط روش کے باوجود وہ لوگ جن کا مستقل پلان ہے کہ آپ کو خوفزدہ کرکرکے احساس کمتری کے اس غار میں ڈھکیل دیں جس کے بعد آپ اُن کے بالکل غلام ہو کر رہیں اور کوئی آواز انکی مرضی کے خلاف کبھی نہ نکالیں وہ ایسے واقعات کسی نہ کسی بہانہ سے کرتے رہیں گے جن میں آپ کو جان و مال اور عزت و آبرو کا امتحان پیش آئے۔ اس صورت میں آپ کا شعار صبر و برداشت ہونا چاہیئے۔ صبر و برداشت کا مطلب ہماری زبان میں یہ نہیں ہے کہ آپ ظلم کے آگے جھک جائیں اور اپنے بس بھر مدافعت سے باز رہیں، بلکہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اِن واقعات کے نتائج کو پوری بلند ہمتی کے ساتھ جھیلئے۔ اور چند جانیں ضائع ہو جانے، چند دکانیں لُٹ جانے اور سو پچاس آدمیوں کے پکڑے جانے سے ہراساں ہو کر اپنے مستقبل کو تاریک نہ سمجھنے لگیئے۔ قوموں کی زندگی میں یہ لمحات آتے ہی ہیں اور اِن سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ مستقبل میں مقام پانے والی قومیں اور جماعتیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے تاریک دنوں کو ہمت کے ساتھ گزار جاتی ہیں۔ نقصان پر نقصان اٹھایئے اور ہر طرح کے تیر کلیجے پر کھایئے لیکن ہراس اور شکست کے آثار اپنے چہرہ پر اور اپنی رفتار و گفتار پہ نہ آنے دیجئے۔ یہی دراصل وہ صبر و برداشت ہے جس کی قرآن میں تعلیم دی گئی ہے اور جس سے ناسازگار حالات میں "استعانت" کی تلقین کی گئی ہے۔ اور یہی وہ ڈھال ہے جس کی مضبوطی کے آگے بڑی سے بڑی طاقت کو بھی ہار مان لینی پڑتی ہے۔ افسوس ہو کہ ہم مسلمانوں نے یہ سبق کبھی بھلا دیا۔ اور عام طور پر صبر و برداشت کا اُسکے صحیح معنیٰ میں مظاہرہ نہیں کیا، ورنہ مشق ستم کا یہ باب جو تیرہ برس پہلے کُھلا تھا شاید اب تک بند بھی ہو گیا تھا۔
ہمارے جواب کا تیسرا جزو "خودداری" تھا۔ اسکی تشریح یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات سے متاثر ہو کر ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جو قومی خودداری کے خلاف ہو۔ خودداری زندگی کے بازار کا بڑا قیمتی جوہر ہے اور یہ جوہر آزمائش کی گھڑیوں ہی میں چمکتا ہے۔ اس قسم کے واقعات پر اربابِ حکومت کو توجہ دلانا ایک مناسب اور صحیح بات ہے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہوں کہ ان لوگوں کا رویہ انصاف کے اصل تقاضوں سے پہلو تہی اور ہماری شکایات سے عملاً بے اعتنائی کا ہے تو ہمارا توجہ دلانا بس ضابطے اور اتمامِ حجت کی حد تک ہونا چاہیئے۔ اپنی خودداری کو انکے

حضور ذلیل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ چیز درحقیقت ایسے لوگوں کی بے اعتنائی کو اور زیادہ بڑھانے والی ہو
ہم کو اپنے خود دارانہ طرز عمل سے ان پر ثابت کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی کسی کی فریاد رسی پر موقوف
نہیں سمجھتے ہیں اور کسی کا رحم وکرم ہمارا آخری سہارا نہیں ہے۔ ہم میں اگر زندگی کی صلاحیت ہے تو
بہرحال زندہ رہیں گے اور یہ حالات ایک گزری ہوئی بات ثابت ہوں گے ـــــــ ہمارے
نمائندہ لوگوں کے اس طرز عمل سے ہمارے عوام میں خود اعتمادی پیدا ہوگی، اور یہ یاس انگیز
غم نہیں ستائے گا کہ حکومت تو کچھ کرتی نہیں اب کیا کریں اور کہاں جائیں! یہ غم ایک بڑی مصیبت
ہے اور بارہ برس سے ہماری قوت حیات کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جارہا ہے۔ اس غم
کی جڑ کاٹنی چاہیئے۔ اور اس کا کوئی تسمہ لگا نہیں رہنے دینا چاہیئے۔

آخر میں ایک ضروری بات اور بھی سن لیجئے۔ اکثریت کے تمام افراد شرپسند اور آپ کی
ایذا رسانی پر کمربستہ نہیں ہیں۔ یہ ایک مخصوص مگر منظم گروہ ہے جو فتنے اٹھاتا رہتا ہے، لیکن اپنے مقاصد
میں اسکے آسانی سے کامیاب ہوجانے کا راز یہ ہے کہ ہندو قوم میں اور آپ میں من حیث القوم
ایک اجنبیت سی پائی جاتی ہے، اور وہ عجیب طرح کی اجنبیت ہے کہ اسکولوں، کالجوں دفتروں
اور بازاروں، ریل گاڑیوں اور مسافر خانوں میں اختلاط کے باوجود ہر قوم کے افراد گویا الگ
الگ دائرہ میں رہتے ہیں بایں معنیٰ کہ اس اختلاط کے باوجود ان کے درمیان خالص انسانی تعلقات نہیں
پیدا ہوتے۔ انتہا یہ ہو کہ متعارفین کے غم میں شرکت جو انسانیت کا ایک بہت بنیادی تقاضہ ہے یہ
تقاضہ بھی عام طور پر مسلمان ہندو متعارفین کے حق میں پورا نہیں کرتے اور علیٰ ہذا ہندو مسلمانوں کے حق
میں اسکی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور نہ کوئی ایک دوسرے سے اس کا متوقع ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ قدم قدم
پر اختلاط کے باوجود انتہا درجہ کی اجنبیت کا ذہن جو تقریباً تیس پینتیس سال سے دونوں قوموں میں پیدا
ہوگیا ہے۔ اجنبیت کے اس اندھیرے میں فتنہ پردازوں کی جو کچھ بھی نہ بن آئے درحقیقت اسے کم ہی سمجھنا
چاہیئے ـــــــ پس ایک بڑی ضروری بات یہ ہو کہ اجنبیت اور بیگانگی کی یہ دیواریں ٹوٹنی چاہئیں اور
مسلمانوں کو اپنے ہموطنوں سے خالص انسانی نوعیت کے تعلقات قائم کرنے میں پہل کرنی چاہیئے۔ اس طرح
کے شریفانہ تعلقات قائم ہونے کے بعد کسی قوم کے فتنہ پرداز بھی دوسروں کے خلاف آسانی کے ساتھ فتنے نہیں اٹھا سکتے۔

درسی کتابوں کی اصلاح

گذشتہ مہینے حکومت یو، پی نے ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی کے تقرر کا اعلان کیا ہے جو یو، پی کے اسکولوں، کالجوں میں پڑھائی جانے والی کتابوں پر نظر ثانی کرے گی، اور کتابوں میں جو خرابیاں اور خامیاں مختلف حلقوں کی طرف سے حکومت کے علم میں لائی جاتی رہی ہیں انکا مکمل ازالہ کرے گی۔

یو، پی دینی تعلیمی کاؤنسل کے صدر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے حکومت کے اس اعلان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس ضروری اقدام پر مبارک باد دی ہے ـــــ خدا کرے کہ حکومت کے اس اعلان کا منشاء مولانا کی توقعات کے مطابق ہو، اور اس اقدام میں اس مقصد کو بھی اہمیت کے ساتھ پیش نظر رکھا گیا ہو کہ درسی کتابوں سے وہ تمام ہی عناصر چھانٹے جائیں جو سیکولرزم کے منافی ہیں ـــــ جن میں ہندو مذہب کی خصوصی اور تبلیغی ڈھنگ کی نمائندگی کا عنصر سب سے بڑا ہے ـــــ لیکن کمیٹی جن ممبروں پر مشتمل ہے اُن کو دیکھتے ہوئے یہ توقع کچھ بعید سی نظر آتی ہے کہ اس خاص عنصر کی چھنٹائی کا کام بھی اطمینان بخش پیمانہ پر ہو سکے گا۔ ہمیشہ اندیشہ ہے کہ کمیٹی کا کام اِن عناصر میں سے کہیں صرف اُسی عنصر تک محدود ہو کر نہ رہ جائے جس کا حکومت کے پریس نوٹ میں صراحت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ یعنی "وہ مواد جو کسی خاص فرقہ کے جذبات کو مجروح کرتا ہو" ـــــ اس بارے میں بے اطمینانی کا اصل علاج وہی ہو سکتا ہو جس کا صدر دینی تعلیمی کاؤنسل نے مطالبہ کیا ہے کہ اس کمیٹی میں مسلمانوں کے معتمد علیہ ایک یا دو ایسے افراد کا اضافہ کیا جائے جو خاص قسم کے دلآزارانہ مواد کے علاوہ "اس مواد کی بھی نشاندہی کر سکیں جو مسلمان بچوں کے مذہبی وجود کے لئے سنگین خطرہ ہے۔

یہ کام درحقیقت وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اسلام کے مثبت اور منفی حدود کو جانتے ہوں۔ اور سمجھ سکتے ہوں کہ کیا چیز اسلامی اصول وعقائد سے ٹکراتی ہے۔ اس لئے کمیٹی میں ایسے لوگوں کی شمولیت ہی وہ کسوٹی ہے جو حکومت کے خلوصِ نیت کو ثابت کر سکتی ہے۔
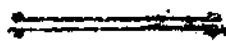
معذرت

بعض غیر متوقع اسباب کی بنا پر اس شمارہ کے صفحات میں ۸ صفحات کی کمی رہ گئی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اس کی تلافی ہو جائے گی۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

مسنون یا مستحب غسل :-

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی درج کئے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہے لیکن یہ حکم بطور فرضیت اور وجوب کے نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

(۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کو (یعنی جمعہ کی نماز کے لئے) آئے تو اس کو چاہیئے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے اس کو غسل کرکے آنا چاہیئے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيهِ رَأْسَهُ وَجَسَدَهُ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر

مسلمان پر حق ہے (یعنی اسکے لئے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لئے " واجب " کا لفظ بھی آیا ہو لیکن امت کے اکثر ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انھوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباس رضؓ کے مشہور شاگرد عکرمہ سے اس سوال وجواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ :۔

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ انھوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت وپاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اسکے لئے جو اس دن غسل کرے، اور جو (کسی وجہ سے اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے ____ اسکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا) میں تمھیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے بہت موٹے کپڑے) پہنے تھے، اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے، اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اسکی چھت بہت نیچی تھی) اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جمعہ کو جبکہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کا حال یہ تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملاکر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کردی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ هٰذَا	اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ
الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ	غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبودار تیل اور
اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ	جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگایا کرے۔

(حضرت ابن عباس فرماتے ہیں) اسکے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہوگیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہوگئی اور اسکو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہوجاتی تھی وہ بات نہیں رہی"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اُس خاص حالت کی وجہ سے جسکی انکے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا، اسکے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہرحال اُس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے، ——— یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

(۶۸) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ ——— رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی۔

(ترجمہ) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لیے) وضو کرلے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے ———

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

(۶۹) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَنْ غَسَّلَ مَيِّتاً فَلْيَغْتَسِلْ ـــــ رواہ ابْنُ مَاجَةَ وزاد احمد والترمذی وابوداؤد "وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ"

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے، (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اسی قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اسکے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اسکو چاہیے کہ وضو کرلے"

(تشریح) امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اسلئے اُن کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کرلے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسالہ میت کی چھینٹیں اسکے جسم کے کسی حصہ پر پڑگئی ہوں ـــــ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد ہوئی ہے، اسلئے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے۔ اسی طرح حدیث کے دوسرے جز میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالباً یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کرکے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار رہیں، واللہ اعلم۔

(۷۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى ـــــ

(رواہ ابن ماجۃ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔　　(سنن ابن ماجہ)

(ف) عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل کرنا، اور حسب توفیق اچھا، صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، اُمت کے اُن متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آرہا ہے اسلئے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ امت کو اس کی تعلیم وہدایت رسول اللہ صلی اللہ

(باقی صفحہ ۳ پر)

تجلیاتِ مجددِ الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

ترجمہ و تلخیص ـــــــــ از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۲۰۹) میر محمد نعمان بدخشی ثم اکبرآبادی کے نام ـــــــــ

(آخری چند سطریں)

...... تم نے اپنے مکتوب کے آخر میں لکھا تھا کہ میں نے سرائے فرخ میں دریافت کیا تھا کہ میرے لئے طالبین کو تعلیم طریقت دینا درست ہے یا نہیں، آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ نہیں۔ فقیر کو مطلق نفی یاد نہیں ـــــ بلکہ یہ کہا تھا کہ (تعلیم طریقت) شرائط کے ساتھ مشروط ہے مطلقاً پسندیدہ نہیں ـــــ اب اسی طرح جانو ـــــ شرائط کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہیئے اس بارے میں نرمی نہ برتیں ـــ جب تک استخارے کے ذریعے یقین نہ ہو جائے تعلیم نہ کی جائے ـــ اخوی مولانا یار محمد قدیم کو بھی اس بات سے آگاہ کر دیں اور بتاکید کہدیں کہ تعلیم طریقت میں جلدی نہ کیا کریں۔ مقصود، پیری مریدی کی دُکان چلانا نہیں ہے ـــ مرضی حق سبحانہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ خیر شرط ہے ـــــ تم نے اپنے مریدوں کی شکایت تھی۔ تم کو اُنکی شکایت کے بجائے اپنے طرز عمل کی شکایت کرنا چاہیئے ـــــ کہ جماعت مریدین کے ساتھ اس طرح (بے تکلفانہ) زندگی بسر کرتے ہو کہ اس کا انجام لامحالہ تکلیف اور دُکھ پہونچتا ہے ـــــ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ پیر کو چاہیئے کہ مرید کی نظر میں خود کو باتجمل و باوقار رکھے نہ یہ کہ دروازۂ اختلاط کھولدے اور مصاحبانہ سلوک کرے اور ان سے خوب گفتگو کرے ـــــ والسّلام

مکتوب (۲۱۰) مُلّا شکیبی اصفہانی کے نام

(آخری حصّہ)

...... تم نے نصائح طلب کئے تھے ___ مخدوما! شرم آتی ہے کہ اس خرابی و گرفتاری اور "کم بضاعتی و بیحاصلی" کے ہوتے باب نصائح سے کچھ لکھوں اور صراحۃً یا اشارۃً اس قسم کی گفتگو کروں لیکن اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ اگر قول معروف کہنے سے خود کو معاف رکھوں تو ایسا نہ ہو کہ کام خسّت و دنائت تک پہونچ جائے اور بخل پر اس کا انجام ہو ___ مخدوما! عمرِ دُنیا کی مدّت بہت ہی قلیل ہے اور اس قلیل میں سے بھی بہت کچھ تلف ہو چکی ہے کم سے کم حصّہ باقی رہ گیا ہے ___ بقائے آخرت کی مدّت ابدی و دائمی ہے۔ دار آخرت کے خُلود (دوام) کا معاملہ اس چند روزہ زندگی سے وابستہ کر دیا گیا ہے ___ اسکے بعد یا نعمت دائمی ہے یا عذابِ سرمدی مُخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی ہے اس خبر میں احتمالِ تخلّف نہیں ہے ___ عقلِ دور اندیش کو کام میں لانا چاہئیے ___ مخدوما! اشرفِ عمر تو ہوا وہوس میں گذر گئی، اور دشمنانِ خدا (نفس و شیطان) کی مرضیات میں صرف ہو گئی ___ خراب ترین حصّہ عمر باقی رہ گیا ہے اگر آج اسکو بھی ہم مرضیات حق جل سلطانہٗ میں صرف نہ کریں اور اشرف کی تلافی ارذل سے بھی نہ کریں، نیز محنتِ اقل کو راحتِ ابدی کا وسیلہ نہ بنائیں اور حسناتِ قلیلہ کے ذریعے بھی "سیّئات کثیرہ" کا کفارہ نہ کریں تو کل کو کس منھ سے اللہ کے سامنے جائیں گے اور کس حیلے کو پیش کر سکیں گے۔ خوابِ خر گوش کب تک؟ اور کان میں غفلت کی ڈاٹ کہاں تک؟ ___ آخر کار نظروں سے پردہ اُٹھا دیا جائے گا اور پنبہ غفلت کو کانوں سے دور کر دیا جائے گا ___ مگر اس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ نقد وقت نہ ملے گا۔ موت سے پہلے اپنا کام کرنا اور "واشوقاہ!" کا نعرہ لگاتے ہوئے مرنا چاہئیے ___ اولاً درستیٔ اعتقاد کے بغیر چارہ نہیں، جو کچھ دین سے بطور یقین و تواتر معلوم ہوا ہے اُسکی تصدیق لابدی ہے ___ ثانیاً اس علم پر جس کا علمِ فقہ متکفل ہے۔ عمل ضروری ہے ___ ثالثاً سلوکِ طریقِ صوفیا بھی درکار ہے اور یہ سلوک اس لئے نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور "انوار والوان" کا معائنہ کیا کریں ___ یہ بات تو خود داخلِ لہو ولعب ہے ___ ارے میاں! یہ دُنیا کی حسّی صورتیں اور

یہاں کی (مختلف قسم کی) روشنیاں ہی کیا کم ہیں کہ اِن کو چھوڑ کر کوئی ریاضات و مجاہدات کے ذریعے غیبی صُوَر و انوار کی ہوس و آرزو کرے ـــــ علاوہ ازیں یہ حسّی صوَر و انوار، مخلوق خدا ہیں اور اُسکی صانعیت و خالقیت پر دلالت کرنے والی (مستقل) نشانیاں ہیں ـــ آفتاب و ماہتاب کی روشنی کو لے لو جو کہ عالم شہادت سے ہے یہ روشنی ان انوار پر بدرجہا فضیلت رکھتی ہے جن کو عالم مثال میں دیکھتے ہیں ـــ مگر چونکہ آفتاب و ماہتاب کو برابر دیکھتے رہتے ہیں اور خواص و عوام اسکے دیکھنے میں شریک ہیں لہٰذا اُنکو نظرِ اعتبار سے ساقط کرکے انوارِ غیبی کی ہوس کیجاتی ہے۔

ع:- آبیکہ رود پیشِ درت تیرہ نماید

(آمدم برسرِ مطلب) سلوکِ طریق صوفیا سے مقصود، معتقدات شرعیہ میں زیادت یقین کی تحصیل ہے تاکہ استدلال کی تنگنائے سے نکل کر فضائے کشف میں آئیں اور اجمال سے تفصیل کی طرف متوجہ ہوں ــــ مثلاً وجوب واجب الوجود اور اُسکی وحدت، اوّل استدلال سے یا تقلید سے معلوم ہوئی تھی اور اُس کے مطابق یقین بہم پہونچا یا تھا ـــــ جب سلوک طریق صوفیاء میسّر ہوا تو وہی استدلال و تقلید کشف وشہود کے ساتھ مبدّل ہو جاتے ہیں اور یقینِ اکمل حاصل ہو جاتا ہے ـــ اسی پر تمام اعتقادیات کو قیاس کرلو ـــــ نیز مقصودِ سلوک، احکامِ فقہیہ کی ادائیگی میں آسانی حاصل ہونا اور نفسِ امّارہ کی شرارت سے جو دشواری محسوس ہوتی ہے اُس کو دور کرنا ہے ـــ اور اس فقیر کا یقین تو یہ ہے کہ طریقِ صوفیا درحقیقت، خادمِ علومِ شرعیہ ہے خلافِ شریعت کوئی امر، طریق صوفیا، نہیں ہے ـــ فقیر نے اس بات کو اپنے کتب و رسائل میں تحقیق کیا ہے ـــ..... صحبت نبویؐ کی فضیلت، جمیع فضائل و کمالات سے اونچی ہے ـ صحابۂ کرامؓ کا ایمان، شہودی ہے دوسروں کو یہ دولت ہرگز میسّر نہیں۔

ع:- شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

اسی بنا پر صحابہؓ کی ایک سیر جَو کی خیرات، دوسروں کے پہاڑ برابر سونا خیرات کرنے سے بہتر قرار دی گئی ہے ـ ..... تمام صحابہؓ نفسِ فضیلت صحبت میں برابر ہیں، پس سب کو بزرگ سمجھنا چاہیئے اور اچھائی سے یاد کرنا چاہیئے اسلئے کہ صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں اور روایت و تبلیغ احکام میں مساوی ہیں ـــــ ایک کی روایت کو دوسرے کی روایت پر نفسِ قبول میں ترجیح نہیں ہے۔

یہی صحابہؓ حاملین قرآن رہے ہیں ــــ انکی عدالت کے اعتماد پر ایک ایک دو دو تین تین آیتیں اخذ کرکے آیات متفرقہ کو جمع کیا ہے ــــ اگر کوئی شخص کسی صحابی پر جرح کرتا ہے تو وہ جرح قرآن مجید تک پہنچتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ آیات قرانیہ کا حامل وہی صحابی ہو (جس سے وہ آیات اخذ کی گئی ہوں) ــــ صحابہؓ کے درمیان جو منازعات ہوئے انکو اچھے محل پر رکھا جائے اور "ہوا و تعصب" سے اپنے کو دور کرنا چاہیے ــــ حضرت امام شافعیؒ نے جو حالات صحابہؓ سے بہت زیادہ واقف تھے ــــ فرمایا ہے منازعات صحابہؓ میں جو خون بہے یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا یعنی ہم اس میں شریک نہ ہوئے پس ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان خونوں سے پاک رکھیں یعنی مشاجرات ومنازعات صحابہؓ میں بحث نہ کریں اور کسی صحابیؓ پر طعن نہ کریں" اور اسی مقولے کی مثل امام اجل حضرت جعفر صادقؒ سے بھی منقول ہے ــــ والسلام اولاً وآخراً

مکتوب (۲۱۳) سیادت پناہ شیخ فرید بخاری کے نام

(مواعظ ونصائح)

اللہ تعالیٰ آپ کو ان امور سے محفوظ رکھے جو آپکے شایان شان نہیں ــــ بحرمۃ جدکم صلی اللہ علیہ وسلم ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (احسان کا بدلہ سوائے احسان کے نہیں) فقیر نہیں سمجھتا کہ آپکے احسان کا بدلہ کس احسان سے ادا کرے ــــ سوائے اسکے کہ اوقات نیک میں "دعائے سلامتی دارین" سے رطب اللسان اور تر زبان رہے ــــ الحمد للہ یہ بات (دعاگوئی) خود بخود میسر ہے ــــ دوسرا احسان جو بدلے میں پیش کرنے کے لائق ہے وہ وعظ و تذکیر ہے ــــ اگر یہ مقام قبولیت تک پہنچ جائے تو عجیب نعمت ہے۔

نقابت پناہا و نجابت دستگاہا! تمام وعظوں کا نچوڑ اور تمام نصیحتوں کا لب لباب یہ ہے کہ ارباب تدین اور اصحاب تشرع سے تعلق اور جوڑ پیدا کیا جائے ــــ "تدین و تشرع" اہل سنت وجماعت کے طریقے پر چلنے کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی اہل سنت وجماعت تمام فرقہ ہائے اسلامیہ کے درمیان فرقۂ ناجیہ کی حیثیت سے ہیں ــــ ان بزرگوں کی پیروی اور اتباع کے بغیر نجات و فلاح محال ہے۔ عقلی، نقلی اور کشفی دلائل اس مذکورہ حقیقت پر شاہد ہیں اسکے خلاف کا احتمال نہیں ــــ اگر معلوم

ہو جائے کہ کوئی شخص رائی کے دانے برابر بھی ان بزرگوں کی صراطِ مستقیم سے جُدا ہو گیا ہے تو اُسکی صحبت کو سمِّ قاتل اور اُسکی مجالست کو سانپ کا زہر سمجھنا چاہیئے ــــــ آخرت سے بے خوف، اور نڈر اہلِ علم، جس فرقے کے بھی ہوں وہ دُزدانِ دین ہیں اُنکی صحبت سے بھی پرہیز ضروریات سے ہو ــــــ یہ جو کچھ دین میں فتنہ و فساد پیدا ہوا انھیں علماءِ سوء کی نحوست سے ہوا کہ انھوں نے دنیاوی منفعت کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ــــــ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے عوض میں ضلالت کو خرید لیا اُنکی اس تجارت نے انکو کچھ نفع نہیں دیا اور نہ یہ ہدایت یافتہ ہیں)۔

...... وہاں کے (غالباً لاہور کے) اہلِ علم میں مولانا عمر نیک طبیعت آدمی ہیں بشرطیکہ انکی دلدہی کریں اور اظہارِ حق پر دلیر کر دیں اور حافظ امام بھی "جنونِ اسلام" رکھتے ہیں اور اسلام میں جنون کے بغیر چارہ بھی نہیں ــــــ آپ کو معلوم ہے کہ اس فقیر نے، تقریراً و تحریراً صحبتِ نیک اختیار کرنے کی ترغیب میں اور مصاحبِ سُوء سے بچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے ــــ فقیر ان دونوں باتوں کو "اصلِ عظیم" جانتا ہے ــــ قبول کرنا آپ کا کام اور قبول کرنے کی سعادت دینا اللہ کی طرف سے ہے ــــــ خوشا حال اسکا جس کو اللہ تعالیٰ مظہرِ خیر بنائے ــــ آپکے احسانات کی یادداشت اس قسم کی گفتگو پر آمادہ کرتی ہے اور اس بات کا خیال بھی برطرف کر دیتی ہے کہ آپکے دردِ سر اور ملال کا باعث، یہ گفتگو نہ بن جائے ــــــ والسّلام

مکتوب (۲۱۴) مرزا عبدالرحیم خانخاناں کے نام ــــــ

(دُنیا مزرعۂ آخرت ہے)

مبارک ہو اسے جس کو اللہ تعالیٰ مظہرِ خیر بنائے ــــــ حضرت حق سبحانہٗ نے دُنیا کو مزرعۂ آخرت بنایا ہے ــ کم نصیب ہے وہ جو تخم کو کھا جائے اور زمین استعداد میں نہ ڈالے اور ایک دانے سے سات سو دانے نہ بنائے اور اس دن کے لئے جس دن بھائی بھائی سے بھاگے گا اور ماں اپنے بیٹے سے گریزاں ہوگی ــــ ذخیرہ نہ کرے ــــــ خسارتِ دنیا و آخرت اسکے لئے نقد وقت ہے اور حسرت و ندامتِ دارین اُسکے "کفِ دست" پر ہے ــــ خوش قسمت

لوگ فرصتِ دنیا کو غنیمت شمار کرتے ہیں۔ اسلئے نہیں کہ اِس فرصت میں "تنعمات وتلذذات" کو بروئے کار لائیں کیونکہ یہ تنعمات وتلذذات بے ثبات ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دشواریوں اور تکلیفوں کے بھی موجب ہوتے ہیں ــــ بلکہ ــــ اسلئے کہ ان اوقاتِ فرصت میں آخرت کی کاشتکاری کرلیں اور ایک دانہ عملِ خیر سے، آیۂ ــ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَشَاءُ ــ (اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اجر کو چند در چند کر دیتا ہے) کی رو سے ثمراتِ بے نہایت حاصل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے چند روزہ اعمالِ صالحہ کی جزاء تنعمات ابدی رکھی گئی ہے ــ واللّٰہ ذو الفضل العظیم

اگر سوال کریں کہ حسنات میں اجر کا چند در چند دینا ہے اور سیّات میں مِثل کے ساتھ جزا ہے پھر کفّار کو انکے محدود و متناہی گناہوں کی پاداش میں عذابِ غیر متناہی کیوں ہوگا؟ اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ (بُرے) عمل کے لئے، مماثلتِ جزا (کا راز) علم واجب تعالےٰ وتقدس کے حوالے ہے ــ علم ممکن اسکے ادراک سے قاصر ہے ــ مثلاً پاکدامن عورتوں پر تہمت دھرنے کی جزا اسکے مماثل، اسّی تازیانے مقرر فرمائی اور چوری کی حد میں چور کے داہنے ہاتھ کا کاٹنا جزا رکھی اور حدِ زنا میں اگر کنوارا اور کنواری ہوں تو سَو سَو کوڑے ایک سال کی جلا وطنی کے ساتھ مقرر کئے گئے اور شادی شدہ ہوں تو سنگساری کا حکم فرمایا ــ اِن "حدود وتقدیرات" کے بھیدوں کا علم انسانی طاقت سے باہر ہے ــ ذَالِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ــ (یہ ہے اندازہ، خدائے غالب و دانا کا) پس کفار کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے انکے وقتی کفر کی سزا، عذابِ دائمی کو رکھا اور اسی کو ان کے حق میں جزائے موافق قرار دیا ــ معلوم ہوا کہ کفرِ وقتی کی جزاء مماثل یہی عذابِ مُخلّد ہے...... والسّلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۲۱۵) میرزا داراب[۱] کے نام ــــ
(مذمتِ دُنیا میں)

مکتوب گرامی جو اپنی حسنِ استعداد فطری کی بنا پر، نیاز مندی کے ساتھ "فقراء بے بضاعت"

---

[۱] داراب خاں ابن عبدالرحیم خانخاناں ــ جہانگیر کے عہد کے بڑے امراء میں تھے۔ شاہجہاں نے (باقی صفحہ پر)

کو بھیجا تھا۔ وصول ہو گیا ـــــ جزاکم اللہ خیر الجزاء بصدقہ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ـــــ اے فرزند! ارباب دنیا اور اصحاب دولت، بلائے عظیم میں گرفتار ہیں.... اسلئے کہ اس دنیا کو جو اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اور تمام نجاسات میں نجس ترین ہے ـــــ ان دنیا والوں کی نظروں میں آراستہ کر دیا گیا ہے۔ جیسے کسی نجاست پر سونے کے ورق لگا دیں یا کسی زہر کو شکر آلود کر دیں ـــــ ساتھ ہی ساتھ عقل دوراندیش کو اس کمینی دنیا کی برائی پر رہنمائی بھی فرما دی ہے ـــــ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص وصیت کرے کہ "میرے مال کو زمانے بھر میں جو سب سے زیادہ عاقل ہو اُس کو دیں" تو کسی ایسے شخص کو وہ مال دینا چاہیے جو دنیا سے بے رغبت ہو ـــ اسکی دنیا سے بے رغبتی اسکے کمالِ عقل کی دلیل ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ رحمت سے ایک گواہ یعنی عقل دوراندیش پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسکے ساتھ ایک دوسرے گواہ نقل کو بھی ملا دیا اور انبیاء علیہم السلام جو کہ "رحمتِ عالمیاں" ہیں ـــــ کی زبان سے اس متاعِ بے رواج (دُنیا) کی حقیقت سے آگاہی بخشی ـــــ نیز اس قحبۂ مکار کی محبت و گرفتاری سے انتہائی تاکید سے منع فرمایا ـــــ ان دو عادل گواہوں کی گواہی کے باوجود اگر کوئی "شکرِ موہوم" کی طمع میں زہر کھالے اور نقلی سونے کی امید میں نجاست کو اختیار کرے ـــــ تو وہ محض بے وقوف ہے اور بالطبع، کُند ذہن ہے ـــــ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ منکرِ اخبارِ انبیاء علیہم السلام ہے اور حکمِ منافق رکھتا ہے ـــــ اسکی صورتِ ایمان، آخرت میں کارآمد نہیں ہوگی ـــــ اس صورتِ ایمان کا فائدہ زیادہ سے زیادہ دنیا میں عصمتِ خون اور عصمتِ اموال کی صورت میں ہوگا اور بس ـــــ آج پنبۂ غفلت کو گوشِ ہوش سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳) ایامِ شاہزادگی میں جو بغاوت کی تھی اس میں داراب خاں کی شرکت تھی بنابریں مزاج جہانگیر ان کی طرف سے برہم ہو گیا اور سنہ ۱۰۳۴ھ میں جبکہ ان کی عمر ۳۹ سال تھی ان کو جہانگیر نے قتل کر دیا ـــــ تاریخ محمدی میں سنہ ۱۰۳۴ھ کے تحت ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں:۔ از اعاظم امرائے جہانگیر شاہی چندے با شاہزادہ شاہجہاں در ایامِ بغی، رفاقت نمود و بعد از انکہ از ایشاں جدا شدہ بلشکر بادشاہ ملحق شد بفرمانِ جہانگیر بادشاہ بدست مہابت خاں بقتل رسید۔ عمرش ۳۹ سال ـــ (تاریخ محمدی قلمی رضا لائبریری رام پور)

نکال دینا چاہیئے ــــ کل کو سوائے حسرت و ندامت کے کوئی سرمایہ نہ ہوگا ــ خبر شرط ہے۔

ہمہ اندر زمن بتو این است
که تو طفلی و خانہ رنگیں است

ــــــــــــ والسّلام

مکتوب (۲۱۶) مرزا حسام الدین احمد دہلوی کے نام ــــــ
(آخری حصہ)

...... اس مقام پر ایک نکتہ ذہن نشین کرنا چاہیئے، وہ یہ کہ جس طرح حصول نفسِ ولایت میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے ــــ اسی طرح اپنے خوارق و کرامات کا علم بھی ضروری نہیں ہے ــــ بلکہ بسا اوقات لوگ بزرگوں کی کرامات کا خود ان سے تذکرہ کرتے ہیں اور انکو اپنی کرامات پر اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو "صاحبِ علم و کشف" ہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ بھی اپنے بعض خوارق پر مطلع نہ ہوں بلکہ انکی "صُوَرِ مثالیہ" متعدد مقامات پر ظاہر ہوجائیں اور مسافت بعیدہ میں کارہائے عجیبہ و غریب ان صورتوں سے ظاہر ہوں اور ان اولیاء کو اسکی بالکل اطلاع نہ ہو...

ع از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند

حضرتِ مخدومی قبلہ گاہی (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک درویش بیان کرتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے لوگ اطراف و جوانب سے میرے پاس آتے ہیں ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے وہاں موسم حج میں موجود تھے اور ہمارے ساتھ تم نے حج کیا ہے ــ بعض کہتے ہیں کہ ہم نے تم کو بغداد میں دیکھا تھا اور مجھ سے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ میں ہرگز اپنے گھر سے باہر نکل کر وہاں نہیں گیا اور نہ میں نے ان لوگوں کو کبھی دیکھا"....

مکتوب (۲۱۸) مُلّا داؤد کے نام ــــــ

(رعایتِ آدابِ پیرِ طریقت کے بیان میں)

مکتوب اخوی اعزّی مولانا داؤد، پہونچا ــ موجب مسرّت ہوا ــــ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو اپنی مرضیات سے آراستہ و مزیّن رکھے ــــ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ــــــ سبق باطن کی

تکرار میں اور طریقہ اکابر پر استقامت میں، توجہ کی پراگندگی کے باعث کوئی فتور واقع نہ ہونے پائے ـــ اگر بالفرض کوئی ظلمت یا کدورت، دل پر طاری ہو تو اس کا علاج ـــ جناب قدسِ خداوندی جلّ سلطانہ میں تضرع کرنا اور نیازمندی و شکستگی (کا اظہار کرنا) ہے ـ نیز اس کا علاج، توجہ تام ہے اپنے مُربّی (پیر طریقت) کی طرف ـــ کیونکہ وہی اس دولت (جمعیت قلب) کے حصول کا ذریعہ ہیں ـــ حضور و غیبت میں ان آداب کی رعایت خوب اچھی طرح کی جائے جو کہ اس دولتِ عظمیٰ کے وسائل ہیں ـــ ان بزرگوں کی رضا کو وسیلۂ رضائے حق بنائیں ـــ طریق نجات و فلاح یہی ہے ـــ والسلام

مکتوب (۲۱۹) مرزا ایرج کے نام ـــ

[آدمی ظاہری بیماری کے ازالے کی فکر میں رہتا ہو
لیکن مرض باطن کی طرف سے غافل ہو]

اللہ تعالیٰ تم کو ہر عیب لگانے والی چیز سے محفوظ و مصئون رکھے. بحرمۃ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم ـــ سعادت آثار! آدمی کو امراض ظاہری میں سے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے یا اسکے کسی عضو کو کوئی آفت و تکلیف پہونچتی ہے تو اُس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک وہ مرض دفع نہ ہو جائے اور مرض قلبی جس سے مراد ماسوائے خدا میں گرفتاری و مشغولیت ہے ـــ یہ مرض اس طور پر اس پر غالب آچکا ہے کہ قریب ہے اسکو موتِ ابدی تک پہونچا دے اور عذاب سرمدی میں مبتلا کر دے ـــ اس مرض کے ازالے کی کوئی فکر نہیں کرتا ہے اور نہ اسکے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے (ایسا آدمی دو حال سے خالی نہیں) اگر اس گرفتاریٔ دنیا کو مرض نہیں سمجھتا تو احمق محض ہے اور مرض سمجھتا ہے اور پھر خوف نہیں کرتا تو ناپاک محض ہے ـــ یقینی طور پر اس مرضِ باطن کو پہچاننے کے لئے عقلِ معاد، درکار ہے ـــ عقلِ معاش (بیچاری) اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے (فقط) ظاہر بینی تک محدود ہے ـــ جس طرح عقلِ معاش اپنے "تلذذات فانیہ" کی بنا پر آفاتِ معنویہ کو مرض نہیں سمجھتی اسی طرح عقلِ معاد بھی اخروی ثوابوں کے پیش نظر، امراضِ ظاہری کو مرض نہیں تصور کرتی ـــ عقلِ معاش، کوتاہ بیں ہے اور عقلِ معاد، تیز نظر (دور بیں) ہے ـــ عقلِ معاد، "نصیب انبیاء و اولیاء" ہے اور عقلِ معاش، "مرغوب اغنیاء و ارباب دنیا" ـــ دونوں

عقلوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ــــ جو اسبابِ عقلِ معاد کو حاصل کرنے والے ہیں اُن میں سے ایک ذکر موت ہے ایک تذکرہ احوالِ آخرت ہے اور ایک مجالست ہے ایسی جماعت کے ساتھ جو یادِ آخرت کی دولت سے مشرف ہو۔

داد یم ترا ز گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

جاننا چاہیئے کہ جس طرح، مرضِ ظاہر، ادائیگی احکام شرعیہ میں دشواری کا سبب ہوتا ہے اسی طرح مرضِ باطن بھی موجب دشواری ہوتا ہے ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْن مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ (جس چیز کی طرف آپ مشرکین کو دعوت دے رہے ہیں یعنی توحید ــــ وہ ان مشرکین پر بہت بھاری ہے) ایک جگہ ارشاد ہے ــــ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْن (بے شک نماز، دشوار ہے گران پر دشوار نہیں جو فروتنی کرنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں) ظاہر میں تو ضعفِ قویٰ اور ضعفِ جوارح دشواری کو لازم کرتا ہے اور باطن میں ضعفِ یقین اور نقصِ ایمان، موجب دشواری ہوتا ہے ــــ ورنہ تکالیف شرعیہ میں تو تخفیف اور پوری سہولت موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ لئے آسانی چاہتا ہے، دشواری نہیں چاہتا۔ (ایک جگہ قرآن میں ارشاد ہے) یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (اللہ چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کرے ــــ اور انسان (درحقیقت) ضعیف پیدا کیا گیا ہے) یہ دونوں آیتیں اس حقیقت کو ثابت کر رہی ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

پس فکرِ ازالۂ مرض قلبی لازم اور (روحانی) اطبا سے رجوع کرنا فرضِ عین ہوا۔

(والسّلام)

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

(از، افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)

[حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مقالات احسانی" کے چند اوراق کی تلخیص گذشتہ شمارہ میں دی گئی تھی، جو حسب توقع بہت افادیت کی حامل سمجھی گئی اور بڑی دلچسپی سے پڑھی گئی۔ آج اسی سلسلہ کے چند اوراق اور ہدیۂ ناظرین ہیں۔]

(ادارہ)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم وغیرہ کی تصنیف سے آخرت طلبی کا جو صور پھونکا تھا، اور جس بری طرح عالم اسلامی کو اسکے اندرونی اضمحلال کے خلاف جھنجھوڑا تھا، اسکے کیا اثرات ہوئے؟ مولانا گیلانیؒ نے تاریخ کی روشنی میں ان اثرات کی جستجو کی ہے۔ اور سب سے پہلے ایوان خلافت و وزارت پر نگاہ ڈالی ہے کہ یہاں کے نقشے میں بھی امام کی اس چیخ پکار کے بعد کوئی تغیر نظر آتا ہے یا نہیں؟

مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو سنہ ۴۵۰ھ جو امام کا سنہ ولادت اور خلیفہ مقتدر باللہ العباسی کا دورِ خلافت ہے اس میں شاہانہ کرّوفر اور اظہار شان و ثروت کا یہ عالم تھا کہ قسطنطنیہ سے رومیوں کی جو سفارت قیدیوں کے تبادلے اور صلح کی گفتگو کے لئے بغداد آئی تھی، مقتدر باللہ سے ملنے کے لئے جب اسکے ارکان دار الخلافہ کی طرف روانہ ہوئے تو

> ...... پہلے اس حاجب (عرض بیگی) کے محل کے سامنے پہنچے جس کا نام نصر القشوری تھا، حاجب کے محل کی شان و شوکت دیکھ کر سفراء کچھ اس درجہ مبہوت ہوئے کہ اسی محل کو انھوں نے سمجھا کہ خلیفہ کا مکان ہے، انکی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا، وہ آگے بڑھے سامنے وزیر کا قصر نظر آیا۔ اُن کو پھر یہی خیال

ہوا کہ وہ نہیں تو ضرور یہی خلیفہ کا مستقر ہے، مگر کہا گیا کہ یہ وزیر کا گھر ہے، وہ آگے روانہ ہوئے ان لوگوں کو اس طریقے سے دارالخلافہ میں داخل کیا گیا کہ چاروں طرف پہلے وہ گھوم لیں۔ حالت یہ تھی کہ دارالخلافہ کے اطراف وجوانب اسکے مختلف ابواب اور مقامات پر ۳۸ ہزار پردے پڑے ہوئے تھے، جن میں بارہ ہزار پانچ سو پردے تو خالص مزاکش دیبا اور حریر کے تھے۔ درمیان میں جو فرش فروش بچھائے گئے تھے انکی تعداد بائیس ہزار تھی۔ دارالخلافہ کے احاطہ میں (جو خود ایک مستقل دنیا کی حیثیت رکھتا تھا) مختلف مقامات میں جنگلی جانوروں کی قطاریں بکھری ہوئی تھیں جو لوگوں سے مانوس تھے .... مختلف قسم کے درندے (شیر بھیڑیا وغیرہ) بھی زنجیروں میں بندھے ہوئے اپنے نگہبانوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

سفارت والوں کو پھر اس کوٹھی میں لے جایا گیا جس کا نام "دارالشجرہ" (درخت والا محل) تھا۔ اسکے احاطہ میں ایک طویل وعریض تالاب تھا جس میں صاف وشفاف پانی ہر وقت چھلکتا رہتا تھا، تالاب کے وسط میں ایک چبوترے پر ایک درخت تھا۔ یہ مصنوعی درخت تھا جس میں بڑی بڑی بارہ ڈالیاں اور ہر ڈالی میں بے شمار شاخیں اور ٹہنیاں تھیں۔ ان شاخوں پر مختلف قسم کے پرندے اور چڑیاں طلائی اور نقرئی اور سونے چاندی سے ڈھال ڈھال کر بنائی گئی تھیں، اور یہی حال اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں کا تھا یعنی ان میں بعض سونے سے بنائی گئی تھیں اور بعض چاندی سے ....

"دارالشجرہ" کے بعد سفیروں کو اس محل میں لوگوں نے پہنچایا جس کا نام "الفردوس" تھا۔ اس قصر میں فرش وفروش اور ظروف وآلات کی جو کثرت تھی ان کا شمار مشکل ہے، صرف اسکی دہلیزوں پر طلائی کڑیوں سے بنی ہوئی دس ہزار زرہیں لٹک رہی تھیں، اسکے بعد آبنوسی جڑاؤ تخت پر سفراء نے مقتدر باللہ کو جلوہ افروز پایا جس پر زریں جھالروں کی کارچوبی مخملی مسند پڑی ہوئی تھی۔ تخت کے داہنی جانب اور بائیں جانب بھی خاص سلیقہ سے مختلف جواہر کے بنے ہوئے جالے کے نو عدد لٹکے ہوئے تھے جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، دن کی روشنی کو بھی ان کی روشنی مات کر رہی تھی۔"

انقلاب لیکن اسی مسندِ خلافت پر امام غزالی کی وفات کے پچیسویں سال المقتفی باللہ کا لقب اختیار

کرکے جو شخص آتا ہے اسکے متعلق تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے آتے ہی دارالخلافہ کا نقشہ یوں بدل دیا کہ

" دارالخلافہ بغداد اپنے سارے فرش و فروش، خیمہ و خرگاہ، پردے دمراپردے دواب چوپائے اور دوسرے جانوروں سے بالکلیہ تخلیہ ہوگیا صرف چار گھوڑے اور دارالخلافت میں پانی پہنچانے کے لئے کل آٹھ خچر اصطبل میں باقی تھے "

خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے اس کا زیادہ وقت دینی مشاغل میں صرف ہوتا تھا۔ دینی علوم کی کتابیں لکھتا رہتا تھا، یا قرآن کی تلاوت کرتا رہتا تھا، پھر جب خلیفہ منتخب ہوا تو زہد وعبادت وتقویٰ وطہارت کی خصوصیتوں میں اسکے کسی قسم کی کمی نہ ہوئی ...... عدل وانصاف کے چمن میں پھر بہار اسکے عہد میں آئی، نیکی کے ابواب پھر کھل پڑے۔

اسی کے ساتھ ساتھ

مقتفی کے زمانہ میں بغداد اور عراق پھر خلیفہ کے قبضۂ اقتدار میں واپس ہوا۔ ورنہ مقتدر باللہ کے زمانہ سے صورت حال یہ ہوگئی تھی کہ خلیفہ کا صرف نام تھا اور حکومت ان سلاطین اور ملوک کی قائم تھی جنھوں نے جبراً خلیفہ کو اپنا تابع فرمان بنا لیا تھا "

مولانا گیلانی فرماتے ہیں ..... " اور بات صرف مقتفی ہی کی حد تک اگر محدود ہوتی تو استغناء اور شذوذ کے دعوے کی گنجائش بھی پیدا ہوسکتی تھی (مگر) واقعہ یہ ہے کہ امام غزالی کے بعد پے درپے پچاس ساٹھ برس کا زمانہ بغداد کی خلافت پر ایسا گزرا ہے کہ اسی خلافت کی گدی پر بیٹھنے والوں کے پہلوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کچھلوں میں غیر معمولی انقلابی رنگ کیسے پیدا ہوگیا تھا، مقتفی کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں، مقتفی کے بعد اسی کا بیٹا یوسف، مستنجد باللہ کے نام سے تخت خلافت پر امام غزالی کی وفات کے ٹھیک پچاس سال بعد متمکن ہوا۔ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے:-

مستنجد عدل اور نرم مزاجی کی خصوصیتوں سے موصوف تھا۔ سارے عراق سے ناجائز محصولوں کو اس نے اٹھا دیا تھا۔

(اور) ابن اثیر کا فیصلہ تو اسی مستنجد کے متعلق یہ ہے کہ

كان أحسن الخلفاء سيرة عباسی خلفاء میں رعیت کے ساتھ بہترین سلوک

مع الرعیۃ۔ (صفحہ ۱۳۵ ج ۱۱) کرنے میں مستنجد بہت اچھا خلیفہ تھا۔

مستنجد کے بعد اُس کا بیٹا حسن المستضیٔ باللہ کے نام سے سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس سے بڑھ کر المستضیٔ کے متعلق شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ابن جوزی جیسے بگڑے دل آدمی جو دوسروں پر جرح وتنقید کرنے میں تاریخی شہرت کے مالک ہیں، بخاری تک کے رواۃ پر نکتہ چینی سے ابن جوزی نہیں چوکتے۔ مستضی کو انھوں نے خود دیکھا تھا اور بہت قریب سے دیکھا تھا، انکی مجلس وعظ میں اکثر شریک بھی ہوتا تھا، بہرحال منتظم میں اپنی چشم دید گواہی ابن جوزی ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:۔

اظہر من العدل و الکرم۔ عدل وکرم کا اظہار المستضی نے جس پیمانے

مالم نرہ فی اعمارنا۔ پر کیا ہم لوگوں نے ساری زندگی میں اسکی

(صفحہ ۲۵ ج ۴) نظیر نہیں دیکھی۔

ابن اثیر نے (اُسی کا حال لکھتے ہوئے) آخر میں مشہور عربی فقرہ (لکھا ہے)

فعاش حمیداً ومات سعیداً پس بڑی ہردلعزیزی کے ساتھ اس نے زندگی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی گزاری اور وفات بھی اسکی سعادت کے

(صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱) حالات کے ساتھ ہوئی۔

ایک عربی شعر بھی ابن اثیر نے مستضی کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے درج کیا ہے:۔

کان ایامہ من حسن سیرتہ مواسم الحج والاعیاد والجمع

یعنی اپنی سیرت وکردار سے مستضی نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا تھا کہ اسکی حکومت کا زمانہ گویا حج، عید اور جمعہ کے دن تھے، یعنی ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کی کیفیت تھی۔

حالانکہ یہی بغداد تھا، مگر غزالی سے پہلے بلکہ خود ان کے عہد کے حالات کتابوں میں پڑھیئے عیاروں اور طراروں، لصوص یعنی چوروں اور بٹ ماروں کے دھاوے صبح وشام ہوتے رہتے تھے۔ دینی اور آئینی زندگی سے گریز کا رجحان روز بروز عباسی خلفاء میں بڑھتا چلا جا رہا تھا یہ اسکا لازمی نتیجہ تھا، جیسا میں نے لکھا بھی ہے اور لوگوں کو معلوم بھی ہے کہ ممالک عباسیہ کے مختلف جہات واقطار میں ملوک وسلاطین زور آور بننے میں خلفاء کی ان ہی کمزوریوں نے امداد بہم پہنچائی تھی۔

کیا یہ انقلاب بے سبب تھا؟ لیکن اچانک غزالی کے بعد ذمہ داری کا یہ احساس ان ہی خلفاء

میں کیسے بیدار ہوگی۔ اور امن وامان کا جو قصہ بغداد کی سرزمین کے لئے افسانہ بن چکا تھا۔ اسی بغداد کو عید کے ان دنوں اور شب برات کی ان راتوں میں سانس لینے کا موقع جو ملا تو لوگوں نے اس انقلاب کے سبب کو کیوں نہ تلاش کیا؟

پھر بات تو یہ ہے کہ یہی ملوک وسلاطین جن کو عباسی خلفاء کی کمزوریوں نے زور حاصل کرنے کا موقع عطا کیا تھا خود اُن کی حالت بھی غزالی کے بعد اور غزالی سے پہلے اتنی مختلف ہوگئی ہے کہ اسی اختلاف کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔"

ان ملوک وسلاطین کی حالت پہلے سے کس درجہ مختلف ہوگئی تھی۔ اس کا اندازہ کرانے کے لئے مولانا نے پچھلی تاریخ کے کچھ ورق اُلٹے ہیں۔ جن میں اسراف وفضول خرچی اور عشرت پسندی کے وہ نمونے نظر آتے ہیں کہ شاید تخیل کی رسائی بھی ان واقعات سے آگے ہونی مشکل ہے۔ اسکے مقابلہ میں مولانا کہتے ہیں کہ ذرا غزالی کے ۳۶ سال بعد دیکھو اسی بغدادی خلافت کا ایک متوسل سلطان نورالدین زنگی کے نام سے نظر آتا ہے۔ طویل وعریض زرخیز علاقے اسکے زیرنگیں ہیں۔ شوکت کا یہ عالم ہے کہ حرمین اور یمن تک میں اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ خطبوں میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن زندگی کا ڈھنگ یہ ہے کہ

> شام کے شہر حمص میں تین دوکانیں تھیں (جنھیں نورالدین زنگی نے مال غنیمت کے حصہ سے خریدا تھا) ان ہی تینوں دوکانوں کے کرایہ کی آمدنی ملکہ کے لئے نورالدین نے مختص کردی تھی۔ سالانہ کُل بیس دینار اسی ذریعہ سے ملکہ کو ملتے تھے۔"
>
> (ابن اثیر)

ملکہ نے نورالدین سے تنگی کی شکایت کرتے ہوئے اس مشاہرہ میں اضافہ چاہا۔ جواب میں نورالدین نے کہا:۔

> "میرے پاس اسکے سوا کچھ نہیں ہے۔ باقی میرے قبضہ میں حکومت کی جو آمدنی ہے، سو اسمیں مسلمانوں کا میں صرف خزانچی ہوں۔ میں اس مال میں خیانت کرنے جہنم کی آگ میں تمھارے لئے گھس نہیں سکتا۔"

اس وسیع وعریض سلطنت کے مالک سلطان نے اپنی پوری آخری بیماری اس چھوٹی سی کوٹھری میں گزاری جس میں وہ عبادت کے لئے خلوت اختیار کیا کرتا تھا۔ اور بالآخر اسی میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

مولانا فرماتے ہیں:۔

"اور ایک نورالدین ہی کیا، اسی کا شاہزادہ اسماعیل جو باپ کے بعد حلب کا حکمراں تھا۔ کُل (۱۹) سال کی عمر میں اس بے چارہ کی تولنج کے مرض سے وفات ہوئی۔ میں تو دنگ ہو کر رہ گیا، جب مورخین کی کتابوں میں یہ واقعہ پڑھا کہ عین ریعانِ شباب میں حکومت کی باگ حالانکہ اسکے ہاتھ میں آئی تھی، لیکن وہی شراب جس سے ملوک وسلاطین امراء واعیان تو خیر، سچی بات تو یہ ہے کہ متوکل جیسے متعصب دیندار بادشاہوں تک کی مجلس نشاط جس کے دور سے خالی نہ ہوتی تھی لیکن شاہزادہ اسماعیل جب قولنج میں مبتلا ہوا تو اطبا نے یہ طبّی تجویز پیش کی کہ تھوڑی سی شراب استعمال کیجئے۔ مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ اطبّاء اصرار کر رہے تھے، مگر نوجوان شاہزادہ نے کہا:۔

لا افعل حتّیٰ أسئل الفقہاء میں فقہا سے جب تک نہ پوچھ لوں گا یہ نہ کروں گا۔

آخر فقہاء بلائے گئے۔ شافعی مذہب کے علماء نے بالاتفاق جواز کا فتویٰ دیا۔ اس نے حنفی فقہاء کو خطاب کیا، آپ لوگ کیا فرماتے ہیں۔ لکھا ہے کہ صاحب بدائع علامہ ابوبکر کاسانی مشہور حنفی امام نے بھی کہا کہ جس حال میں آپ ہیں شرعاً شراب کا استعمال آپکے لئے جائز ہے[۱]۔ مگر اس پوچھ گچھ کے بعد جو بجائے خود اس عہد کے ایک شہزادے اور وہ بھی نوجوان شہزادے سے کچھ کم اعجوبہ خیز نہیں ہے، سُننے کی بات یہ ہے کہ شافعی وحنفی علماء کے ان فتووں کے باوجود شاہزادے نے پوچھا کہ

"میری موت کی مقررہ مدّت اگر آچکی ہے تو شراب پینے سے کیا وہ ٹل جائے گی؟"

اس کا جواب جو ہو سکتا ہے وہی دیا گیا، یعنی قرآن جس چیز کو مؤجل قرار دے چکا ہے، جس میں

---

[۱] اصل یہ ہے کہ جب تک بدل مل سکتا ہو امام ابوحنیفہ شرعی محرمات کا دوائی استعمال بھی جائز نہیں سمجھتے۔ مگر ان کے سوا عام ائمہ فقہاء حتیٰ کہ خود امام صاحب کے تلامذہ بھی دوائی استعمال کی اجازت دیتے ہیں۔ خواہ بدل سے علاج ممکن ہو یا نہ ہو۔ (منہ)

گھڑی بھر کے لئے بھی تقدیم و تاخیر کا کسی کو اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ بھلا دوا اور علاج سے اس کو کون ٹال سکتا ہے۔

شاہزادے نے اس جواب کو سن کر جو کہا حوصلہ کی بلندی، ایمانی برد و سکینت کی یہ کتنی اثر انگیز و عجیب و غریب مثال ہے، اس نے علماء کو خطاب کرتے ہوئے اپنے دل کی بات کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

ایسی چیز جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے استعمال کر کے خدا کی قسم میں اللہ سے ملاقات نہیں کروں گا۔ (شذرات ص۲۵ ج ۴)

مؤرخین نے لکھا ہے:۔

مات ولم يشربه رحمه الله تعالیٰ — شاہزادہ اسماعیل مرگیا اور شراب نہیں استعمال کی۔ خدا کی رحمت ان پر نازل ہو۔

(باقی آئندہ)

معارف الحدیث

(بقیہ صفحہ ۱۷)

علیہ وسلم کے ارشاد یا عمل سے ہی ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول تنقید کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد اور قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ "صحیح حدیث" ہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہوگی۔

اشتراکی فتنے کا مقابلہ

(از، جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال، مدرسہ خدام القرآن میر شاہ، بھاولپور)

صفر کے الفرقان میں اشتراکیت کے خطرات پر مولانا محمد اسحٰق صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے وہ وقت کے ایک ایسے اہم مسئلہ سے متعلق ہے جس کی خطرناکیاں بہت دور دور تک سرایت کئے ہوئے ہیں الفرقان جو ایک خالص دینی دعوت کا پرچہ ہے یقیناً اُس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ دنیا کے اس سب سے بڑے کفر و الحاد کے بارے میں مسلمانوں کو پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرے اور اُس سے دفاع و تحفظ کی صحیح راہ بتائے، لیکن یہ مسئلہ جس گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرنے کا مستحق ہے مذکورہ مضمون میں اُس کا حق ادا نہیں ہو سکا ہے۔ یہ مسئلہ جو اب فکر و نظر کے میدانوں کا ہی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے بلکہ عملی زندگی کے قریب و بعید گوشوں میں دور دور تک سرایت کر چکا ہے اور جس کی زد میں پورا عالم انسانیت ہے اُس کا تجزیہ جذبات سے بلند ہو کر نہایت تحمل و سکون سے کیا جانا چاہیئے اور اس سے تحفظ و دفاع کے لئے جو منصوبہ بھی تیار کیا جائے وہ نظریت سے زیادہ عملیت کا حامل ہونا چاہیئے۔

تاریخ کا طالب علم یہ بات ماننے سے معذور ہے کہ اشتراکیت کا موجودہ فروغ و بقا محض جبر و تسلط کا رہین منت ہے۔ جبر و تسلط اسکے بقا و قیام کا ایک بڑا ذریعہ ضرور ہے، لیکن اسکے بڑھنے اور پھیلنے کے عوامل اس سے کہیں زیادہ گہرے اور گذشتہ صدیوں کے تاریخی و علمی تغیرات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یورپ میں علوم جدیدہ اور تہذیب نو کا آغاز جن اندوہناک حالات میں ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ وہاں جس جس نوع کے سیاسی تغیرات یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے اس کا لازمی نتیجہ فکر و نظر کا وہ سرکشانہ اور ملحدانہ زاویہ تھا جس پر آئندہ کے تمام تمدنی اور علمی افکار کی بنیاد پڑی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران جب انسانی زندگی کے مسائل ایک نیا موڑ مڑ رہے تھے،

افسوس ہے کہ اُس موقعہ پر اُنکی روحانی اور اخلاقی رہنمائی کا کوئی موثر ذریعہ موجود نہیں تھا حالانکہ اُس زمانہ میں فیصلہ کن طاقت مذہب کے ہاتھوں میں ہی تھی۔ اشتراکی محاذ کے مقابلے میں آج جس متحدہ مذہبی محاذ کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اگر ایک سو سال پیشتر ایسا محسوس کر لیا جاتا جبکہ فکر کے نئے زاویے تعمیر ہو رہے تھے تو شاید کامیاب قدم ہوتا۔ لیکن اب جبکہ نئے افکار کا ہر سانچہ اپنی مستقل حیثیت اختیار کر چکا ہے اور زندگی کا کوئی شعبہ انکی گرفت سے بچا ہوا نہیں ہے تو یہ متضاد مذہبی عناصر کا متحدہ محاذ کتنی دیر تک موثر ثابت ہو سکتا ہے؟ ہاں اشتراکیت اگر کسی خاص ملک کی کوئی مقامی تحریک ہوتی تو دوسرے ملکوں کی طرف سے اُس کا اس طرح کا مقابلہ کامیاب ہو سکتا تھا، لیکن وہ تو یورپ کے تمام باطل افکار کا ایک ایسا مرتب مجموعہ ہے جس کی تصنیف و تالیف میں سارے مغرب نے مدتوں حصّہ لیا ہے اور اسکے تہذیبی، مجلسی اور معاشرتی دائروں میں خود تمام مغرب گھرا ہوا ہے ایسی حالت میں صرف سیاست و اقتصادیات کی حد تک اُس کا ازالہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ ان تدابیر سے یہ تو ممکن ہے کہ روس و چین کے بڑھتے ہوئے اثرات روکنے کی حد تک کامیابی حاصل ہو جائے لیکن وہ افکار جن کے بطن سے اشتراکیت کا ظہور ہوا انکے قلع قمع کرنے کی جب تک کوئی موثر تدبیر اختیار نہیں کی جاتی اُس وقت تک آخری اور کامل فتح یابی کی توقع غلط ہے۔

اشتراکیت کے خلاف جو داعیہ غیر اشتراکی ملکوں میں رونما ہو رہا ہے اس کا مقصد مذہب انسانیت کے دفاع سے زیادہ ان خطرات سے تحفظ ہے جو وہاں کی تہذیب اور سربرآوردہ گروہ کے اثرات کو درپیش ہیں، مذہب کا ایسا استعمال جو صرف اپنی غرض پوری کرنے کی حد تک ہو فائدہ سے زیادہ مضرت کا حامل ہوتا ہے۔

اشتراکیت کا ابتدائی ظہور اُن مخصوص مفادات کے خلاف ایک چیلنج کی حیثیت سے ہوا تھا جو ایک خاص اور مختصر سے گروہ نے عام انسانوں کے مقابلے میں اپنے لئے قائم کر لئے تھے۔ اس وقت کی بیشتر مذہبی، اخلاقی و تمدنی تعلیمات ایک خاص گروہ کی پشت پناہ بن کر رہ گئی تھیں، صدیوں ہر ایسی چیز کی مخالفت مذہب و اخلاق کے نام پر کی جاتی رہی جو کسی نہ کسی طرح عام انسانوں کے کام آنے والی تھی۔ اس صورت حال نے عام انسان کو جس بغاوت پر مجبور کیا اس کا ایک نمونہ منجملہ اور چیزوں کے یہ اشتراکیت بھی ہے۔ اوّل اوّل ذہنی بغاوت شروع ہوئی۔ علم و فن کے دائروں میں نئے نئے

اصول ونظریات قائم کئے جانے لگے، مسلّمہ علمی واخلاقی اقدار کو تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی، تمام حیاتیاتی اور تمدنی علوم وافکار کی بنیاد مادی تعبیرات پر رکھی جانے لگی حتیٰ کہ مذہب ہی نہیں، بلکہ خدا کی ذات بھی قابل بحث بنالی گئی۔ انسانی علو و برتری کا کھوج اُسکے یقین وعمل کی بلندیوں کے بجائے، مصر کے اہرام، اجنتا و ایلورے کے غار اور تاج محل جیسی عمارات میں لگایا جانے لگا، آج بھی تمام علوم جدیدہ کی الف، بے ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے شروع ہوکر مارکس کی مادیت پر ختم ہوتی ہے، اور یہ تمام باتیں اشتراکی ملکوں اور غیر اشتراکی ملکوں سب ہی میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ آخر وہ کون سے تمدنی، اخلاقی اور سیاسی نظریات ہیں جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے اشتراکی اور غیر اشتراکی حلقوں میں مختلف فیہ ہیں، لے دے کر عقائد کی ایک نازک سی دنیا ہے جس کی پشت پر عمل کی کوئی بے داغ طاقت موجود نہیں ہے۔ ہاں صرف عالمی اقتدار کی ایک جنگ ہے جسے ہر فریق اپنی اپنی آرزوؤں کے مطابق جیتنا چاہتا ہے۔ اس جنگ میں اگر ایک فریق مذہب کا قطعاً انکاری ہے تو دوسرا فریق بھی اپنے مقاصد کے حصول تک ہی مذہب کو زندہ رہنے کا حق دیتا ہے اس طرح ہمیں سوچنا ہوگا کہ کفر ونفاق کی اس آویزش میں اسلام کا کیا مقام ہے؟

اشتراکیت نظریہ وعمل کے اعتبار سے ایک وحدت ہے۔ مشرق ومغرب اور قوم وملت کا کوئی امتیاز اس میں موجود نہیں ہے۔ اب اگر دنیا اُسے ایک خطرہ محسوس کرتی ہے تو اس سے بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس خطرہ کے دفعیہ کے لئے وہ خود بھی نظریہ وعمل کی وحدت اختیار کرنے اور قوم وملت، مشرق ومغرب کے امتیازات ختم کرنے کے لئے بے رضامند ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اسلام کے لئے اسے کشادہ ظرف ہونا ہوگا۔ آخر بتایا جائے کہ اشتراکیت کے مقابلہ میں، اسلام کے ماسوا نظریہ وعمل کی یہ وحدت اور رنگ ونسل وقوم وملت کا یہ عدم امتیاز کس جگہ موجود ہے؟ پھر اُن لوگوں کے پاس اپنے اس رویہ کا کیا جواب ہے جو ایک طرف اشتراکیت سے بھی خوف کھارہے ہیں اور دوسری طرف اسلام کو سمجھنے سے بھی گریز کر رہے ہیں۔

اشتراکیت کے خلاف ایک ہمہ گیر محاذ قائم کرنے کے لئے دنیا کی تمام غیر اشتراکی اقوام وملل کے درمیان جس پرخلوص تعاون کی ضرورت ہے وہ قطعاً نہیں پایا جاتا ہے۔ بڑی قومیں اپنی کبریائی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں اور چھوٹی اقوام میں روز بروز اضطراب بڑھ رہا ہے ـــــ

علاوہ ازیں تمام چھوٹے بڑے ممالک میں جو ایک خاص قسم کی لیڈرشپ قائم ہوگئی ہے وہ رفتہ رفتہ جزوکل کی مختار بنتی جارہی ہے درانحالیکہ وہ ہر قسم کے داخلی وخارجی مسائل کے حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ مذہب واخلاق کو علوم وفنون سے اس طرح جدا کرلیا گیا ہے کہ اب وہ ایک غیر ضروری سی چیز معلوم ہونے لگے ہیں۔ ان حالات میں یہ توقع محض خوش فہمی ہی ہے کہ ایک قسم کا مذہبی وسیاسی محاذ اشتراکیت کو عالمی مسائل سے بے دخل کرسکتا ہے۔

محض سیاسی اور ملکی گروہ بندیاں اور اقتصادی ومعاشی منصوبہ بندیاں اخلاق وروحانیت کی وہ قوت کہاں سے مہیا کرسکتی ہیں جن کے بل پر افراد واقوام زندگی اور موت سے بے نیاز ہوکر اپنے مقصد کے حصول میں جسم وجان کی بازی لگادیتے ہیں۔ اشتراکیت ایک جنون ہے اور جنون کا مقابلہ وہ خرد کس طرح کرسکتی ہے جس کی تہ میں یقین کی قوت کام نہ کررہی ہو۔ ایک ایسا محاذ جو اپنی داخلی کمزوریوں کی زد میں ہو اگر جزوی طور پر برائے نام اس میں اسلام کو بھی شامل کرلیا گیا تو اس سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اشتراکیت کے خلاف اسلام کی مکمل حمایت حاصل کرنے کے لئے غیر مسلم اقوام وممالک کو وسعت نظر سے کام لے کر فیصلہ کرنا ہوگا اسکے بعد ہی وہ اشتراکیت کے مقابلہ میں اپنا تحفظ کرسکتے ہیں، لیکن اس وقت تک جب تک یہ فیصلہ کیا جائے مسلمانوں کو تنہا اس نازک صورت حال پر غور کرنا ہوگا۔ اپنے تحفظ اور عالم انسانیت کے تحفظ کے لئے اسلام کی حقیقی روشنی میں ایک واضح راہ عمل متعین کرنا ہوگی اسکے لئے اپنے موجودہ حالات، دنیا کے حالات اور ان حالات میں اسلام کو کیا حیثیت ومقام حاصل ہے، اس پر پوری طرح غور کرنا ضروری ہے۔

اسلام کی تیرہ صدیوں کی تاریخ کو اگرچہ بہت سے مدوجزر کا سامنا کرنا پڑا اور بے شمار داخلی وخارجی فتنوں سے عہدہ برآ ہونا پڑا، لیکن اسکے اندر کسی گروہ یا فرد کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ اسلام کے خلاف علانیہ بغاوت کا مرتکب ہوتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے صریحاً انکار کردیتا۔ آج بھی اگر کچھ افراد اشتراکیت وغیرہ کی طرف مائل ہوگئے ہیں تو وہ بھی اپنی مسلمانیت سے علانیہ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ گذشتہ صدیوں میں ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ جب کبھی دین ومذہب کے بارے میں بعض خود غلط عقلاء ومفکرین نے کوئی غلط بات کہی تو

بروقت اسلام کے داناؤں نے اس کا مکمل رد کیا اور نظریۃً وعملاً اسلام کی حقیقت صحیح ثابت کر دکھائی، چنانچہ ایسی بروقت تردیدوں اور فکر وعمل کی ہم آہنگیوں نے بارہا ان فتنوں کا منھ پھیر دیا جن سے اسلام کو کسی قسم کا بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ چودھویں صدی کے دور انحطاط میں پہلی بار یہ سب سے بڑی کمزوری نمودار ہوئی کہ جدید اعتراضات و شبہات کا رد نسبتاً ناپختہ افراد کے ذریعہ شروع ہوا اور فکر وعمل کی ہم آہنگی سے خالی رہا۔ دوسرے یہ کہ تعلیمی میدانوں میں فکری تبدیلیوں کی تاریخ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ آج کا تعلیم یافتہ مسلمان خواہ وہ قدیم گروہ سے تعلق رکھتا ہو یا جدید گروہ سے نہ اس بات سے باخبر ہے کہ خود اسکے مذہب میں جو فکری وعلمی ارتقاء ہوا ہے اسکی سابقہ رفتار کیا تھی اور موجودہ رفتار کیا ہے اور اس سے مسلمانوں کے ذہن و فکر پر کیا کیا اثرات مرتب ہوئے اور نہ اسے یہ علم ہے کہ وہ کیا کیا علمی و فکری تبدیلیاں اور ذہنی کش مکش مشرق و مغرب میں برپا رہی ہیں جن کے نتیجہ میں دنیا بھر میں بڑے بڑے سیاسی تغیرات ہوئے، اشتراکیت وغیرہ قسم کے نظام وجود میں آئے اور انسانی تاریخ خطرات کے اس دور میں داخل ہوئی۔ علم و فکر کی بنیادوں میں وہ کیا حد فاصل ہے ..... جو اُسے روحانیت سے ہٹا کر خالص مادی بنا دیتی ہے۔ چنانچہ ہمارے شعور کی [illegible] خامیاں ہی ہیں جن کی وجہ سے ایک پڑھے لکھے مسلمان کے واسطے آج رد و قبول کا کوئی واضح معیار باقی نہیں رہا، اُسکی مذہبی تعلیم چند مسائل کے اندر ہی محدود ہو کر رہ گئی اور اسکی دنیاوی تعلیم اس پس منظر سے خالی ہو گئی جس کے نتیجہ میں کش مکش افکار کا یہ ہنگامہ برپا ہے۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کو اشتراکیت کے مفاسد و خطرات کا احساس ہے۔ انھیں خالص مثبت اور ٹھوس بنیادوں پر کام کرنا چاہیئے۔ جذباتی پکار جو خطرات کی نشاندہی سے تو بھرپور ہو لیکن ان خطرات کے ازالہ کے لئے کوئی موثر اور واضح پروگرام اسکے ساتھ پیش نہ کیا گیا ہو اُس سے تھوڑی دیر کے لئے ہل چل تو مچ سکتی ہے لیکن انجام کار وہ مایوسی پیدا کرنے کا باعث بن جاتی ہے، پھر کسی خطرہ پر غالب آنا تو کجا خود اُس سے تحفظ و دفاع محال ہو جاتا ہے۔ اس احساس کے پیش نظر یہ منتشر اور غیر مربوط سطریں لکھنے پر مجبور ہوا ہوں اور ذیل میں عام اہل الرائے مسلمانوں کے غور و توجہ کے لئے کچھ گذارشات رقم کر رہا ہوں شاید اس باب میں مفید ثابت ہوں۔

میرے نزدیک اس سلسلہ میں کرنے کے کام یہ ہیں۔

اولاً وہ تمام اہل علم جو مختلف علوم و فنون میں اچھی دستگاہ رکھتے ہوں وہ آگے آئیں اور ان دو صدیوں کے تمام جدید افکار و آراء کا بالتفصیل گہرا تنقیدی جائزہ لیں اور جہاں جہاں ان میں الحاد و ضلالت کے جراثیم چھپے نظر آئیں ان کی بالوضاحت نشاندہی کریں۔ اسکے پہلو بہ پہلو اسلام کے مثبت افکار کو پر زور طریقے پر نمایاں کرتے چلے جائیں۔

ثانیاً دینی افکار پر از سر نو علوم و فنون ضروریہ کی بنیاد رکھیں اور ایسی تعبیرات اختیار کریں جن کا رخ ہر حال میں ایمان کی طرف ہو۔

ثالثاً یہ کہ بعض باتیں خالصاً دینی ہیں اور بعض باتیں خالصاً دنیاوی ہیں۔ ان کی یہ علٰحدگی قطعاً دین و دنیا کی تفریق کے مترادف نہیں، یہ نرا تکلف ہے کہ ایسی دو جدا جدا چیزوں میں اسلام کے نام پر یکجائی پیدا کرنے کا تصنع پیدا کیا جائے، اس قسم کا التباس نکتہ آفرینی تو ہوسکتا ہے لیکن کوئی مفید چیز نہیں ہوسکتی بلکہ بہت سے فتنوں کا موجب بن سکتی ہے اور بن چکی ہے ان حدود کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

رابعاً یہ خیال قطعی طور پر دل سے نکال پھینکیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو کسی دوسری طاقت کا (camp Follower) تابع مہمل بنا کر اشتراکیت پر غالب کیا جاسکتا ہے اسکے لئے مسلمانوں کو خود مرکزی نقطہ بننے کی کوشش کرنا ہوگی، اگر دوسری قومیں اشتراکیت کی دستبرد سے محفوظ رہنے کے لئے اس مرکز کے ساتھ الحاق کرنا چاہیں تو انھیں اسلام کا تعاون پیش کیا جاسکتا ہے۔

خامساً یہ کہ اشتراکیت کا اسلام کے ساتھ ابھی براہ راست تصادم شروع نہیں ہوا ہے اگر دعوت کا کام کسی احسن طریق پر وہاں تک پھیلایا جاسکتا ہے تو اس سے غفلت ہرگز نہیں کرنی چاہیئے اور ان پہلوؤں کو تلاش کرنا چاہیئے جہاں ٹکراؤ کے مواقع نہ ہوں اور وہاں سے اپنی دعوت کے کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہو۔

سادساً یہ کہ آج سماج اور فرد کا باہمی تعلق نہ صرف نازک ترین ہوگیا ہے بلکہ اکثر و بیشتر مواقع پر ان دونوں کے درمیان تصادم برپا ہے اسکے اسباب و علل کا گہرا تجزیہ کیا جانا ضروری ہے

آئندہ کی تمام کامیابیوں کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ فرد اور سماج کے درمیان اعتماد بحال ہو یہ بھی ایک ایسا خطرناک شگاف ہے جس کی راہ سے اشتراکیت بآسانی نفوذ کر رہی ہے۔

حتّٰی بعاً یہ کہ کسی محدود نظریہ رکھنے والی جماعت یا کمزور سی مذہبیت کی اوٹ میں بیٹھ کر اشتراکیت کا مقابلہ درست نہیں ہوگا۔ جائز حدود میں جتنی بھی وسعت و آفاقیت اپنے کاموں میں دینا ممکن ہو دیدی جائے تاکہ کسی فرد کے لئے یہ ممکن نہ رہے کہ وہ اشتراکیت کی وسعت فریبیوں میں مبتلا ہو سکے۔

انسانی نفسیات کا آج یہ عالم ہے کہ کسی کام میں ذرا سی شدت و تنگی بھی اختیار کی گئی تو وہ اسکو کھٹکنا شروع ہو جاتی ہے اور جہاں ضرورت سے زیادہ کچھ وسعت حاصل ہوئی تو اس کے ذہن و فکر کی باگ یکسر اسکے ہاتھ سے چھوٹ کر رہ جاتی ہے یہ دونوں حالتیں ہی نہایت درجہ خطرناک اور ضلالت کے لئے معاون ہیں اعتدال کی راہ تلاش کرنا ہی سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

انتخاب

عبرت کا ایک سبق

مغربی دنیا نے عیسائیت کے اس نقطۂ نگاہ پر اپنے ازدواجی نظام کی بنیاد رکھی کہ میاں بیوی کا رشتہ ناقابلِ فسخ ہے اور طلاق ناجائز۔ لیکن جب کھلی چند صدیوں کے واقعات سے اس پر منکشف ہوا کہ اس اصول کی بنا پر ازدواجی زندگی جہنم بن کر رہ گئی ہے تو اس نے اصلاح کے لئے دوسری انتہا اختیار کی۔ اس نے طلاق کی اجازت دی اور اس کے لئے معمولی سے معمولی عذر کو طلاق کا باعث تسلیم کر لیا اس قید کے ساتھ کہ طلاق کا فیصلہ عدالت میں ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ازدواجی زندگی ایک کھیل بن کر رہ گئی خصوصاً جب کہ عورت اور مرد کو طلاق حاصل کرنے کا یکساں حقدار قرار دیا گیا۔ یورپ اور امریکہ میں عورتوں نے رشتۂ ازدواج کو کچے سوت کا ڈورا بنا کر رکھ دیا۔ مثلاً اگر میاں اپنی بیوی کے کتے کو پیار نہیں کرتا تو طلاق حاصل کرنے کی یہ بھی ایک قانونی وجہ جواز ہے۔

لیکن روس نے اشتراکیت کے آغوش میں جانے کے بعد مسیحی دنیا کے اس طرز عمل کو ترک کر دیا۔ اس نے قانون طلاق میں ایک اور پیچ لگائی۔ اس نے طلاق کو سماجی انحطاط کی علامت قرار دیا اور عدالتوں کے ذمہ یہ فرض بھی لگایا کہ وہ کرید کرید کر عورتوں اور مردوں سے وجوہ طلاق معلوم کریں اور حتی الوسع اسکی اجازت نہ دیں۔ میاں بیوی کو طلاق کے ذریعے الگ کرنے کے بجائے ان کو ایک دوسرے سے دور پھینک دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ میاں کو ایک شہر میں سے اٹھا کر کسی دوسرے شہر کے کارخانے میں منتقل کرتا گویا ان کو طلاق سے لطف اندوز کرنا ہے۔ اشتراکیت نے یہ بھی کہا کہ جسمانی عدم مناسبت یا کراہت کوئی وجہ طلاق نہیں۔ اسکے بجائے کوئی سیاسی اور سماجی وجہ ہونی چاہیئے۔

ایک اشتراکی لکھتا ہے:۔

"ہمارے نظام زندگی میں خاندان سوشلسٹ معاشرے کا ایک بنیادی یونٹ ہے جس کی خصوصیات میں باہمی محبت، مرد وعورت میں مساوات، فرد اور معاشرے کے مفادات کی یکسانیت، ولادت کے فرائض انجام دینا اچھے کمیونسٹوں کی پرورش کرنے میں باہمی امداد شامل ہیں۔ ایسے میل جول میں آپ کو غیر اہم جسمانی سائنس کے لئے کہاں جگہ مل سکتی ہے۔" روسی کوئی جانور نہیں میرے دوست"

لیکن ان خوبصورت الفاظ اور دلکش نظریات کا عملی نتیجہ یہ نکلا، کہ اسی شخص کے بقول:۔

ہمارے جو شادی شدہ جوڑے الگ ہونا چاہتے ہیں، وہ طلاق کی خواہش میں ایسے دلائل پیش کرتے ہیں جو ان کے لئے بے ضرر ہوں اور جن سے ان کی شہرت میں اضافہ ہو۔ وہ سیاسی نظریاتی، سماجی اور پیشہ کے بہانے تلاش کرتے ہیں اور تجربہ کار لوگوں کی طرح جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک جج کے سامنے ایک مقدمۂ طلاق پیش ہوا۔ ۲۷ سالہ خاوند نے بیوی پر الزام لگایا کہ اس نے یونین کے زیر اہتمام ایک نظریاتی کورس میں شرکت کرکے اپنے ذہنی اور سیاسی معیار کو بلند نہیں کیا۔ لہٰذا وہ ایک اچھی کمیونسٹ اور اچھی بیوی نہیں ہے۔ جج نے تحقیقات کے لئے فائل اسکے دفتر اور پارٹی کو بھیجی، تو پتہ چلا کہ یہ حضرت اس بیوی سے اسلئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے ایک اور مطلقہ لڑکی سے یارانہ گانٹھ رکھا ہے اور طلاق کے لئے بیوی پر سیاسی پسماندگی اور سماجی پستی کا الزام لگا رہا ہے۔

یورپ و امریکہ اور ان کے مقلد ملکوں میں اسقاط حمل کو قانونی جواز حاصل ہے۔ ایک لڑکی اپنے گناہ کی پاداش کو بلا تکلف اسپتال جاکر نرسوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ اس پر نہ حکومت معترض ہوتی ہے اور نہ معاشرہ چیں بجبیں۔ اسلئے کہ جب تم نے اختلاط مرد و زن کی کھلی چھٹی دی اور زنا اور بدکاری کے لئے عام سہولتیں مہیا کر دیں تو پھر یہ کہاں کی معقولیت ہے کہ اس سے جو نتائج نکلیں، ان کو وجہ تعزیر قرار دیا جائے۔ یہ طرز عمل مغربی دنیا کے معاشرتی نظام کا ایک بالکل منطقی نتیجہ ہے۔

روس میں بھی اشتراکیت کے فلسفیوں نے سرکاری خرچ پر اسقاط حمل کی قانوناً اجازت دی۔ لیکن انھوں نے مغربی سرمایہ دار معاشرے کے طرز عمل میں اصلاح کی بھی کچھ لگانی ضروری تھی، انھوں نے ایک طرف اسقاط کی اجازت دی، دوسری طرف قانونی اور اخلاقی دیواریں کھڑی کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اگر کوئی نوجوان عورت اسقاط حمل کی خواہشمند ہو تو اسے لامحدود انٹرویو، سوالات، جوابات انتظار اور ذلت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور پھر بھی ضروری نہیں کہ اسے اجازت مل جائے۔

مثال کے طور پر ایک مزدور لڑکی سونیا کی داستان سنیئے۔ وہ چند دن کی رخصت گزارنے کے لئے ایک صحت افزا مقام پر گئی تھی۔ وہاں اس کی ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی جس پر وہ فریفتہ ہو گئی اور اپنا سب کچھ اسکے حوالے کر دیا۔ اسکے معاوضے میں اس نے رسوائی کا بوجھ حاصل کر لیا اور نوجوان جس نے شادی کا وعدہ کیا تھا، چند روز کے بعد غائب ہو گیا اور مزدور لڑکی کے لئے اسقاط کی مجبوری چھوڑ گیا۔ اس نے جب اس کی اجازت لینی چاہی تو اسے اپنی مزدور یونین سے رجوع کرنا پڑا۔ وہاں سے اجازت کے بعد اسے کارخانے کی انتظامیہ کے سامنے حاضری دینی پڑی۔ وہاں اس سے بے شمار سوالات پوچھے گئے اور تب کہیں جا کر اسے اپنی حماقت کی پاداش سے نجات ملی۔

ایک شخص لکھتا ہے :-

> میں نے بہت سے ایسے واقعات سنے جن میں نوجوان اور بدقسمت لڑکیوں کو ایسی اجازت طلب کرنے کے لئے دربدر ذلیل وخوار ہونا پڑا تھا۔ انکی توہین کی جاتی اور ان سے بے تکلفانہ سوال کیے جاتے، حتیٰ کہ گواہ بھی پیش کرنے کے لئے کہا جاتا۔ انکی درخواست کی سماعت عام جلسوں، سکولوں، یونیورسٹی یا کارخانے میں عمومی محفل میں کی جاتی۔

یہ ہے مآل تہذیب فرنگ کا خواہ وہ بورژوا ہو یا پرولتاری۔ اس کا حل مانع حمل اور ضبط ولادت کی تدبیروں کے ذریعے بھی کیا گیا ہے لیکن فطرت کی تعزیریں بڑی سخت ہیں، اسکے سامنے کوئی تدبیر نہیں چلتی، اور بدقسمت لڑکیاں اس کا نشانہ بن کر عبرت کا سامان بن جاتی ہیں۔

ان واقعات میں دوسری قوموں کے لئے بڑی عبرت ہے جو "اختلاط مرد و زن" کی بنیادی حماقت کے ارتکاب کی طرف تیزی سے جا رہی ہیں خصوصاً مسلمان قوموں کے لئے جن کا اخلاقی نظام خدا کی ہدایات پر مبنی ہے جس میں بدکاری کو صرف ایک قانونی جرم ہی نہیں کہا گیا جس کی قانونی پاداش بڑی سخت ہو بلکہ جو عذاب آخرت کا بھی موجب ہے جس کی سزا جہنم ہے ـــ اعاذنا اللہ منہ

(ایشیا لاہور)

صحبتے با اولیاء

[حدیث کے درس و مطالعہ کے سلسلہ میں اصحاب حال، ارباب دل کے بعض ایسے واقعات نظر سے گزرتے ہیں جن میں دلوں کی زندگی کا بڑا سامان ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فیض صحبت میں ناظرین الفرقان کو بھی شریک کر لیا جائے۔ اس امت کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ کسی اچھی بات کے پہنچانے والے سے زیادہ نفع اُن بندوں نے اُٹھایا جن کو پہنچانے والے نے وہ بات پہنچائی اور سنائی۔]

(محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

(۱)

امام ترمذی نے رات کے نوافل یعنی تہجد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بیان کرتے ہوئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اپنی سند سے روایت کی ہے کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی نیند کے غلبہ کی وجہ سے (یا درد کسی ایسے ہی سبب سے) رات کو تہجد نہیں پڑھ سکتے تھے تو اس روز اُسکے عوض دن میں بارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔"[1]

---

[1] دراصل یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد ہی کے بیان میں مروی ہے، نیز صحیح مسلم ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت صدیقہؓ سے اسکے روایت کرنے والے سعد بن ہشام ہیں اور اُن سے روایت کرنے والے زُرارہ بن اُوفیٰ تابعی ہیں۔ امام ترمذی کا دستور ہے کہ حسب موقع وہ راویان حدیث کا کچھ تعارف بھی کراتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر زرارہ بن اوفی کے متعلق امام ترمذی نے اپنی سند سے بَہز بن حکیم کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

"یہ زرارہ بن اوفی بصرہ کے قاضی تھے، وہاں بنو قشیر کی مسجد میں نماز بھی پڑھایا کرتے تھے، ایک دن فجر کی نماز میں (سورۂ مدثر پڑھتے ہوئے) یہ آیت پڑھی "فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا ہی سخت اور کٹھن دن ہوگا) اس آیت کے پڑھتے ہی روح جسم سے پرواز کرگئی اور بے جان ہوکر محراب ہی میں گر پڑے" ______ (واقعہ کے راوی بہز بن حکیم فرماتے ہیں کہ) جن لوگوں نے اُن کی میت کو مسجد سے اٹھا کر ان کے گھر پہنچایا تھا ان میں میں بھی تھا۔

یہ واقعہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا امام ترمذی نے اپنی پوری سند کے ساتھ بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے۔

(۲)

حافظ حدیث شیخ الاسلام ابو نصر مروزی نے بھی "قیام اللیل" میں اس طرح کے متعدد واقعات نقل کئے ہیں ______ فرماتے ہیں کہ

"اللہ کا کوئی بندہ قرآن مجید پڑھ رہا تھا کوئی صاحب دل سن رہے تھے، پڑھنے والے نے یہ آیت پڑھی" ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ" (جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے حقیقی مالک کے حضور میں) تو سننے والے بزرگ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس بارہ میں مروی ہے کہ رات کو سوتے رہ جانے کی وجہ سے جس شخص کا رات کا معمول کلاً یا جزءً فوت ہو جائے وہ اگر صبح کو فجر اور ظہر کے درمیان اس کو پڑھ لے تو اسکو وہی ثواب ملے گا جو رات کو پڑھنے کا ملتا۔ ۱۲

ایک چیخ نکلی اور زمین پر گر کے تڑپنے لگے اور روح اپنے قالب کو وہیں چھوڑ کے اُسی دم اپنے حقیقی مالک کے حضور میں پہنچ گئی۔"

(۳)

" اسی طرح کسی صاحبِ دل نے سُنا کہ اللہ کا کوئی بندہ یہ آیت پڑھ رہا ہے ــــ
"یا ایّھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم ناراً وقودھا النّاس والحجارۃ"
(اے ایمان والو خود اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی اس آگ سے بچانے کی فکر کرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) تو ان کا پتّہ پھٹ گیا اور وہیں جاں بحق ہو گئے۔"

(۴)

" عمرو بن عتبہ تابعیؒ نے رات کو اپنے گھر میں نماز پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے " وانذرھم یوم الآزفۃ اذ القلوب لدی الحناجر کاظمین" (آپ ان کو عنقریب آنے والی قیامت کے دن سے ڈرائیے جبکہ کلیجے منہ کو آئیں گے اور (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے) تو روتے روتے گر پڑے اور دیر تک نماز پڑھنے کے قابل نہ ہو سکے، جب حالت کچھ درست ہوئی تو پھر نماز شروع کی پھر وہی آیت پڑھی اور پھر گر پڑے ــــ راوی کا بیان ہے کہ صبح تک انکی یہی کیفیت رہی نماز نہیں پڑھ سکے بلکہ رکوع تک بھی نہیں پہنچ سکے۔"

(۵)

ایک دوسرے مشہور تابعی ثابت بنانیؒ کے متعلق بھی شیخ الاسلام ابو نصر مروزیؒ نقل فرماتے ہیں کہ
" اُن کی آنکھوں میں تکلیف تھی معالج نے کہا کہ آپ ایک بات کی ذمہ داری لے لیں آپ کی آنکھ بالکل اچھی ہو جائے گی۔ انھوں نے پوچھا کس بات کی ذمہ داری لے لوں؟ معالج نے کہا بس یہ کہ آپ روئیں نہیں! انھوں نے فرمایا کہ آنکھ اگر روئے نہیں تو اُس سے کیا فائدہ۔"

(قیام اللیل)

سرودِ عجم

(ڈاکٹر خلیل الدین عنبر مجددی)

بُلبُل بہ چمن شائقِ گفتارِ محمدؐ
گُل عاشقِ رعنائیٔ رخسارِ محمدؐ

در ہجرِ اد خوں کردہ جگر لالۂ صحرا
نرگس بہ گلستاں شدہ بیمارِ محمدؐ

بر طوقِ غلامیٔ اد قمری شدہ نازاں
طاؤس شدہ مست زرفتارِ محمدؐ

از بہر چہ خواہم بہ سرم ظلِ ہُمارا
کافی ست مرا سایۂ دیوارِ محمدؐ

اے شیخ! ترا ماہِ نوِ عید مبارک
من می نگرم ابروئے خمدارِ محمدؐ

ظلمت ز جہاں دفع شد از فیضِ وجودش
اے صلِّ علیٰ مطلعِ انوارِ محمدؐ

فقرا نیکہ بے فاقہا بر فاقہ کشیدہ
شانِ اینکہ شہانند نمک خوارِ محمدؐ

ہستیم گنہگار ولے نیک نصیبیم
داریم سروکار بہ سرکارِ محمدؐ

چوں خواہی کہ محبوبِ الٰہی شوی عنبرؔ
شو تابعِ احکام و رضا کارِ محمدؐ

(بشکریہ دعوت)

فہرست کتب

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

پہلے یہ چند باتیں ملاحظہ فرما لیجئے:-

(۱) اپنا پتہ ہمیشہ صاف اردو میں لکھیے، اور اگر ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھ دیجئے۔

(۲) اگر آپ ایک دو روپے کی کتابیں منگوائیں گے تو محصول ڈاک کا بار بہت زیادہ پڑ جائے گا۔ اور اگر زیادہ منگوائیں گے یا اگر چند ساتھی مل کر اور زیادہ منگوائیں گے تو محصول کا بوجھ اسی حساب سے کم ہو جائے گا۔ اور آپ نفع میں رہیں گے

(۳) اگر کتابیں زیادہ ہوں گی تو ہم آپ کی مزید کفایت کے خیال سے ریلوے کے ذریعہ بھیجنا پسند کریں گے۔ اسلیے آپ زیادہ کتابوں کا آرڈر دیتے وقت اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیے اور اردو کے ساتھ انگریزی حروف میں بھی لکھیے۔

(۴) پہلی مرتبہ آرڈر دینے کی صورت میں کم از کم پانچ روپے کے آرڈر پر پیشگی رقم ضرور بھیجئے۔

(۵) پارسل کھول کر اگر آپ کو کوئی بات قابل شکایت نظر آئے تو براہ کرم بدگمانی نہ کیجئے ہمیں لکھیے ہم آپ کی شکایت کی مناسب تلافی کرنا اپنا فرض سمجھیں گے اور اگر کوئی کتاب بدل جائے یا کم ہو تو ہمیں مطلع کرنا اپنا فرض سمجھئے۔

پاکستانی احباب کے لئے مخصوص ہدایات:-

(۱) اگر آپ کو ہماری مطبوعات منگوانی ہوں تو ان کی قیمت اس فہرست میں دیکھ لیجئے، پھر اس قیمت پر فی روپیہ دو آنے کے حساب سے محصول بک پوسٹ اور ۸ رجسٹری فیس فی پیکٹ کا اضافہ کر کے کل رقم بذریعہ منی آرڈر "ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کے نام روانہ کر دیجئے اور ڈاکخانہ کی ابتدائی رسید تفصیلی فرمائش کے ساتھ ہم کو بھیج دیجئے، یہاں سے کتابیں رجسٹرڈ آپ کو فوراً روانہ کرا دی جائیں گی۔

(۲) دوسروں کی مطبوعات ہم سے طلب کرنا ہوں تو رقم بھیجنے سے پہلے ہم سے رجوع کیجئے۔

(۳) یاد رکھیے کہ ایک بنڈل میں مختلف کتابوں کے چند نسخے تو ہندوستان سے پاکستان جا سکتے ہیں لیکن ایک کتاب کے زیادہ نسخے نہیں جا سکتے۔

کُتب خانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

اسلام کیا ہے؟ اردو ۲/۸ ہندی ۳/-	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے محلد -/۴	معارف الحدیث اول مجلد ۵/- غیر مجلد ۴/-	معارف الحدیث دوم مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۸
دین و شریعت مجلد ۳/-	حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ۲/۸ مجلد ۳/-	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۱/۸	تذکرہ مجدد الف ثانیؒ مجلد ۴/-
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ زیر طبع	آپ حج کیسے کریں؟ مجلد ۲/-	آسان حج -/۸/-	کلمۂ طیبہ کی حقیقت -/۹/-
نماز کی حقیقت -/۱۲/-	برکات رمضان -/۱۲/-	انیس نسواں -/۱۰/-	دجّالی فتنہ اور سورہ کہف ۱/۸
نظام سرمایہ داری -/۸/-	فیصلہ کن مناظرہ ۱/-	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اہل بدعت کے الزامات ۱/۸/-	قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ -/۹/-

دیگر اداروں کی خاص خاص مطبوعات

تفسیریں اور قرآن مجید سے متعلق دوسری کتابیں، اردو میں

تفسیر ابن کثیر اردو حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی تفسیر جو عربی تفسیروں میں بھی مستند ترین تفسیر سمجھی جاتی ہے اور جس میں یہ التزام ہے کہ آیات کی تفسیر وہ پہلے دوسری آیتوں سے کرتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پھر صحابۂ کرام، تابعین اور بعد کے ائمہ تفسیر کے ارشادات سے۔ یہ اس کا مکمل اردو ترجمہ ہے۔ پانچ ضخیم جلدیں ہیں
قیمت مجلد، مکمل سٹ ۵۵/-

درس قرآن قرآن کی پہلی منزل یعنی ۵½ پارے کی عام فہم تفسیر، چھوٹے چھوٹے اسباق کی صورت میں۔
ہدیہ مجلد ۱۰/-

قصص القرآن قرآن مجید میں جو بصیرت افروز اور عبرت آموز واقعات و قصص بیان ہوئے ہیں ان کا مکمل مجموعہ ضروری تشریحات و مباحث کے ساتھ چار جلدوں میں۔ از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مجموعی صفحات ۱۴۴۴۔ جلد اول -/۸ جلد دوم -/۴ جلد سوم ۴/- جلد چہارم -/۸ (مجلد کی قیمت میں ایک روپیہ فی جلد کا اضافہ)

قصص و مسائل از مولانا دریابادی ۲/-

قرآنی شخصیتیں " " " ۲/۴

جغرافیہ قرآنی " " " ۱/۴

حیوانات قرآنی " " " ۲/-

فہم قرآن از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی جس میں قرآن فہمی کے اصولوں پر مدلل اور دلنشین بحث کی گئی ہے۔ صفحات ۲۰۰
قیمت غیر مجلد ۲/۴

رہنمائے قرآن
اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کو سمجھنے کے لیے اپنے انداز کی بالکل نئی کتاب .... -/۱

تدوین قرآن
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جس میں قرآن کریم کے تحفظ کو تاریخی طور پر اس طرح بے غبار کر دیا ہو کہ اس کے بعد کوئی مغالطہ اور شک دا فریبی آپ کو خلجان میں نہیں ڈال سکتی

قیمت مجلد -/۸/۱

قرآن اور تعمیر سیرت
ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کے ۲۰ نہایت مفید مقالات کا مجموعہ۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے پڑھنے کی چیز ہو۔ صفحات ۲۲۰

قیمت غیر مجلد -/۵

لغات القرآن (کامل)
اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ لغات کی نہایت مفصل اور مبسوط تشریح، چھ جلدوں میں

جلد اول ۸/۴ جلد دوم -/۵ جلد سوم ۸/۴ جلد چہارم -/۶ جلد پنجم ۸/۶ جلد ششم ۸/۴ (مجلد کی قیمت میں فی جلد ایک روپیہ کا اضافہ)

صحیح لغات القرآن
از مولوی رشید الدین صاحب چھوٹے کتابی سائز کے ۴۱۲ صفحے۔ قیمت مجلد ۸/

کتب حدیث مترجم اور شروح احادیث اردو میں

بخاری شریف اردو
تین جلدوں میں، مجلد قیمت مکمل -/۲۵

موطا امام مالک مترجم
بخاری شریف سے بھی پہلا مستند مجموعہ حدیث ... ... قیمت -/۱۲

شمائل ترمذی مع خصائل نبوی
شمائل ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور آپ کے عادات و اطوار کا ایک روایتی مرقع ہو۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی شرح خصائل نبوی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے ... ... قیمت -/۶

مشکوٰۃ شریف اردو
مشکوٰۃ شریف کو بجا طور پر حدیث کے کتب خانہ کا انتخاب کہا جا سکتا ہو۔ اس کا ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں، قیمت مکمل مجلد -/۱۶

نور المصابیح ترجمہ زجاجۃ المصابیح
حیدرآباد کے مولانا ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ صاحب کے حنفی نقطۂ نظر سے مشکوٰۃ المصابیح کے طرز پر مرتب کردہ مجموعۂ حدیث (زجاجۃ المصابیح) کی جلد اول کا اردو ترجمہ۔ قیمت -/۴

مشارق الانوار مترجم
بخاری اور مسلم کی ۲۲۷۲ قولی احادیث کا گرانقدر اور مقبول و معروف مجموعہ مجلد -/۱۵

حصن حصین
رسول پاکؐ سے منقول دعاؤں کا مستند اور مقبول مجموعہ مجلد -/۵

مختصر شعب الایمان اردو
از امام بیہقی قیمت -/۱

مختصر خصائل نبوی
قیمت ایک روپیہ

لغات الحدیث اردو
مشہور خادم حدیث مولانا وحید الزماں صاحب کی مرتب کردہ لغات حدیث (عربی سے اردو) چھ جلدوں میں سے چار جلدیں قیمت فی جلد مجلد -/۱۲

صحیفۂ ہمام بن منبہ
حضرت ہمام بن منبہؒ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنی ہوئی حدیثوں کو ایک کتابی شکل میں جمع کر لیا تھا لیکن یہ کتاب ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی تھی ہمارے زمانے کے مشہور اسلامی محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کتاب کا ایک نسخہ کسی طرح ڈھونڈ نکالا اور پھر اس کو مع ترجمہ

اپنے ایک فاضلانہ مقدمہ اور تشریحی نوٹوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اول تحفہ۔ قیمت ۳/۸

ترجمان السنہ — از حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، مقیم مدینہ طیبہ

یہ احادیث کا ایک جدید مجموعہ ہے جسے حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے ایک خاص ترتیب پر مرتب کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک پورا اسلامی کتب خانہ ہے اور کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو خواہ وہ جدید تعلیم کا حامل ہو یا قدیم تعلیم کا اس کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔ اب تک تین جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ جلد اول -/۱۰ دوم -/۹ سوم -/۱۰ (مجلد کی قیمت میں فی جلد دو روپے کا اضافہ)

علم الحدیث — از مولانا عبد اللہ العمادی۔ باوجود مختصر ہونے کے اپنے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے جس میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ قیمت ۱/۴

تدوین حدیث — از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقہ پر پہنچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں۔ قیمت مجلد ۶/۸

تاریخ و سیرت

اصح السیر — مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی نہایت مستند سیرت نبوی مجلد -/۱۰

مقالات سیرت — از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی یہ سیرت محمدی پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ ہے، جنکو مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھولکر داد تحسین پیش کی۔ مجلد قیمت ۴/۸

اسوۂ حسنہ جلد اول — از مولانا ظفر الدین صاحب مصائب سرور کونین کا مفصل بیان۔ -/۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات — یعنی شاہان عالم عرب کے حکمرانوں اور قبائلی سرداروں سے آپ کی سیاسی خط و کتابت اور معاہدات ——— از

سید محبوب رضوی .... قیمت ۲/۴

عہد نبوی کے میدان جنگ — جس میں غزوات نبوی پر فن حرب (جنگی سائنس) کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ متعدد جنگی میدانوں کے نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ ۱/۸

سیرت پاک — از مولانا بشیر محمد شارق دہلوی مصنف گو مشہور و معروف نہیں ہیں مگر کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے سیرت پر اس سے زیادہ کارآمد کتاب شاید ہی اس وقت کوئی اور ہو۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت ۱/۴

صدیق اکبرؓ — از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مولانا شبلی کی الفاروق کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبرؓ کا جو خلا محسوس ہوتا تھا مولانا اکبرآبادی کی اس کتاب نے اسکو کما حقہ پر کردیا ہے۔ قیمت -/۷

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط — اسلامی تاریخ کا ایک نادر و نایاب اور ایک بیش بہا دستاویز جسے ایک ریسرچ اسکالر نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے۔ ... ہم سے اوپر خطوط ایک حصہ میں خالص اردو اور دوسرے حصہ میں عربی متن، ہر قیمت پر خریدنے کے لائق۔ مجلد -/۱۲، غیر مجلد -/۱۱

معاویہؓ — مصری مصنف عمر ابو النصر کی تالیف کا ترجمہ۔ قیمت -/۳

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی — از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ مجلد -/۱۲

تاریخ ملت — شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ عہد رسالت سے سلاطین ہند تک۔ قیمت مکمل سٹ (گیارہ حصوں میں) غیر مجلد ۳۳/۸ مجلد -/۴۴

تاریخ دعوت و عزیمت — از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی حقیقی دعوت اور اس کی نصرت و حمایت کے لیے کون کون سی اہم شخصیتیں کس کس وقت میدان میں آئیں اور انھوں نے کیا کیا کارنامے کس کس نہج سے انجام دیے۔ یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ جلد اول پہلی

صدی ہجری سے ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات کے بیان میں۔

قیمت علی الترتیب -/۶ - ۶/۸

مقدمہ ابن خلدون
فلسفۂ تاریخ کے موسس اور عظیم اسلامی مورخ

علامہ ابن خلدون کی تاریخ کا شہرۂ آفاق مقدمہ جسکی عظمت آج تک کم نہیں ہوسکی۔ اردو زبان میں متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے مزین۔ قیمت صرف -/۱۵

بستان المحدثین اردو
کتب حدیث کا تعارف اور محدثین کرام کا تذکرہ

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے۔ مجلد -/۵

تاریخ مشائخ چشت
از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی سلسلۂ

چشتیہ کی نظامی شاخ کی چند اہم شخصیتوں کا مفصل اور محققانہ تذکرہ نیز تصوف اور خاص کر چشتی سلسلہ کے متعلق نہایت اہم اصولی بحثیں۔ قیمت غیر مجلد -/۱۲ مجلد -/۱۳

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنی
ہندستان کے جلیل القدر محدث کا تذکرہ۔ قیمت مجلد ۱/۸

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی
شیخ موصوف ہندستان کی نہایت اہم علمی و دینی شخصیتوں میں سے ایک ہیں ان کی سوانح حیات کی کمی کو اس تحقیقی کتاب نے پورا کردیا ہے (ایضاً از پروفیسر نظامی) قیمت مجلد -/۷

ہندستان کی پہلی اسلامی تحریک
جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی مشہور و معروف تحریک اور اس کے خصوصاً اس دور کے حالات و واقعات پیش کیے گئے ہیں، جو متعدد بالاکوٹ کے بعد سے تعلق رکھتا ہے۔ مؤلفہ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم۔ قیمت ۲/۸

تذکرۂ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے عجیب دلچسپ حالات۔ دل میں اتر جانے والا انداز بیان اور دیکھنے کے قابل کتابت و طباعت۔ غرض ہر لحاظ سے ایک پسندیدہ

کتاب۔ قیمت مع جلد صرف ۲/۸

حیات انور
یعنی حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ کی حیات مبارکہ پر ان کے نامور تلامذہ کے گرانقدر مقالات کا مجموعہ۔ -/۴

تاریخ دیوبند
قصبۂ دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ از سید محبوب رضوی

قیمت مجلد -/۲

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
ایک مفید تاریخی مطالعہ، از خلیق احمد نظامی

قیمت غیر مجلد -/۸ مجلد -/۹

سفرنامۂ ابن بطوطہ
آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مسلمان سیاح شیخ ابن بطوطہ کے تاریخی سفرنامہ کا ملخص اردو ترجمہ

قیمت مجلد ۲/۸

دہلی اور اس کے اطراف
از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

یہ فاضل مؤلف کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جس سے دہلی اور اس کے آس پاس کے شہروں کے بارے میں آج سے ۶۵ سال پہلے کے نہایت مفید علمی و دینی اور ثقافتی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ قیمت -/۲

مختلف موضوعات پر قابل مطالعہ کتابیں

حجۃ اللہ البالغہ مترجم
شاہ ولی اللہؒ کی وہ لاثانی تصنیف جو اسلام کے پورے نظام کی گہری حکمتوں سے باخبر کرتی ہے۔ عربی متن مع ترجمہ دو جلدیں مجلد -/۲۰

التکشف عن مہمات التصوف
تصوف کی گہرائیاں جن پر سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے پردہ اٹھایا ہے۔

قیمت مجلد -/۱۲/۱۰

تحفہ اثنا عشریہ

شیعہ مذہب پر حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی لاجواب کتاب —— قیمت مجلد -/۱۲

نصیحۃ الشیعہ کامل

مولانا احتشام الدین مراد آبادی کی مشہور کتاب —— مجلد ۵/۸

مقالات احسانی

تصوف اور مشائخ تصوف سے متعلق مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قابل دید مقالات و مضامین کا مجموعہ

—— قیمت مجلد ۶/۸ ——

مکتوبات شیخ الاسلام

یعنی حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے گرانقدر مکتوبات۔ جلد اول -/۶ ، سوم ۴/۸ ، دوم آجکل نایاب ہے۔

ارشادات

یعنی حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین، خطبات اور تقریروں کا ایک مجموعہ —— مجلد قیمت ۳/۸

اسلام کا نظام حکومت

اس میں اسلام کی ریاست عامہ کا مکمل دستور اساسی اور مستند ضابطۂ حکومت پیش کیا گیا ہے۔ طرز تحریر زمانۂ حال کی قانونی زبان سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ قیمت غیر مجلد -/۶ مجلد -/۷

مسلمانوں کا نظم مملکت

یہ دراصل ایک مصری فاضل کی کتاب "النظم الاسلامیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔

اسلام کا زرعی نظام

اپنے موضوع پر جامع اور اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔

—— قیمت غیر مجلد -/۴ ، مجلد -/۵ ——

اسلام کا نظام عفت و عصمت

اسلام نے پاک دامنی اور عصمت کی حفاظت کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کی تفصیل اور ان کی حکمت اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

قیمت .... -/۴

اسلام کا نظام مساجد

اسلام کے نظام میں مساجد کا کیا مقام ہے اور اس سے کتنے اہم مقاصد وابستہ ہیں اور اس کے بارے میں اسلام کے احکام کیا ہیں؟۔ قیمت -/۳/۸

غلامان اسلام

از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ یہ کتاب غلاموں پر اسلام کے احسانات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ قیمت مجلد ۶/۸

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

از جناب مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دو جلدیں۔ قیمت مکمل، ۵/۱۲

امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی

اپنے موضوع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا قابل دید مقالہ -/۱۴

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

مسلمانوں میں نام نہاد سینکڑوں فرقوں کے وجود کی محققانہ تردید اور اس افسانہ تراشی کا سایہ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ مجلد قیمت ۱/۸

تاریخ علم فقہ

از مفتی عمیم الاحسان صاحب (ڈھاکہ یونیورسٹی) قیمت مجلد ۱/۸

بدعت کیا ہے

چند نہایت مفید مقالات کا مجموعہ۔ قیمت -/۳

اخلاق اور فلسفہ اخلاق

از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

مجلد ۷/۸ ، غیر مجلد ۶/۸

مسلمانوں کا عروج و زوال

از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ مجلد -/۵ غیر مجلد -/۴

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف

مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے قلم سے

تجدید دین کامل ۵/-
تجدید تصوف و سلوک ۵/-
تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-
تجدید معاشیات ۵/-

حضرت تھانویؒ کی چند تالیفات

بہشتی زیور مکمل مدلل اختری ۱۳/۸
اصلاح الرسوم مع صفائی معاملات ۱/۱۲
حیات المسلمین ۱/۱۲
تعلیم الدین ۱/۱۲

اہل تبلیغ کی پسندیدہ کتابیں

مجموعہ تبلیغی نصاب مجلد ۸/-
حکایات صحابہ ۲/-
فضائل صدقات ۲ جلد ۸/-
فضائل رمضان -/۱۰/-
فضائل نماز -/۱۳/-
چھ باتیں -/۶/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا (کامل) ۲/۱۲
امت مسلمہ کی مائیں ۱/۸
اہل اللہ کی صاحبزادیاں ۱/-
چالیس سبق -/۴/-
فضائل ذکر ۲/۱۰
فضائل قرآن -/۱۲/-
فضائل تبلیغ -/۵/-
فضائل حج ۲/۸
ارکان اسلام ۱/۸
رفیق حج ۱/۸
مسنون اور مقبول دعائیں -/۴/-
ارشادات مولانا محمد الیاسؒ -/۴/-
دعوت علم و عمل -/۱۲/-
اسلامی نام -/۳/-
نظام عمل ۵/-

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تصانیف

مطبوعہ مکتبہ اسلام و مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۴/۸
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن ۲/۸
قادیانیت (اردو) ۴/-
" (عربی) ۳/-
دو ہفتے ترکی میں ۱/۸
شرق اوسط میں کیا دیکھا ۱/۸
نیا طوفان -/۶/-
ایک اہم دینی دعوت -/۶/-
مسلمانوں پر ایک نظر -/۲/-
مذہب یا تہذیب -/۲/-
مرد خدا کا یقین -/۲/-
اخلاقی گراوٹ کیوں -/۲/۶
آنکھوں کی سوئیاں -/۳/-
مقام انسانیت -/۱۰/-
طالبان علوم نبوت کا مقام -/۲/-
ہندوستانی سماج -/۲/۶
روشنی کا مینار -/۲/-
صورت و حقیقت -/۲/۶
دنیا کی سالگرہ -/۱/-
نیا خون -/۲/۶
انسان کی تلاش -/۲/-

عربی ادب

قصص النبیین ۳ حصے ۳/۴
القراءۃ الراشدہ ۳ حصے ۴/۱۲
مختارات ۴/-

تعلیم ترجمۂ قرآن کا نصاب

رحمانی قاعدہ (عربی)	-/۵/۶	مفتاح القرآن سوم	۱/۲
؍؍ ؍؍ (اردو)	-/۵/۶	؍؍ ؍؍ چہارم	۱/۴
مفتاح القرآن اول	-/۵/۶	؍؍ ؍؍ پنجم	۱/۸
؍؍ ؍؍ دوم	-/۹/۶	معلم القرآن	۱/۴

بچوں کا کامیاب اردو دینی نصاب

اچھا قاعدہ	۳ آنے	حضرت علیؓ	۶ آنے
اللہ کے رسول	؍؍ ؍؍	اچھی باتیں ۶ حصے کامل	۲/۱۵
حضرت ابوبکرؓ	؍؍ ؍؍	اچھے قصے	۶ آنے
حضرت عمرؓ	؍؍ ؍؍	حضرت خدیجہ	۸ آنے
حضرت عثمانؓ	؍؍ ؍؍	حضرت سودہ	۴ ؍؍

آسان نماز ۸ آنے

سفرِ حج کے لیے بہترین کتابیں

آپ حج کیسے کریں؟ .... مجلد ..... -/۲

(تعارف ٹائٹل کے صفحہ ۲ پر ملاحظہ ہو)

اعیان الحجاج .... -/۴

فضائل حج ۳/۸

معلم الحجاج ۳/۱۲

رفیق حج ۱/۸

حج کا مسنون طریقہ ۱/۴

تجلیات کعبہ .... -/۳

تجلیات مدینہ ۲/۸

سفر حجاز۔ (از مولانا دریابادی) -/۵

گلبانگ حرم۔ (از انرحرم حمید صدیقی کا اردو ترجمہ کلام) ۳/۱۲

بچوں کی چند اور کتابیں

تعلیم الاسلام عکسی (از مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) ہر چہار حصص -/۶/۱

ہمارے رسولؐ -/۱، ہمارے نبیؐ کے صحابہ -/۱، رسول اللہ کے دو محبوب -/۶/-

متفرق علمی و دینی کتابیں

فلسفہ کیا ہے (از ڈاکٹر میر ولی الدین) مجلد -/۲ غیر مجلد ۱/۱

عروج و زوال کا الٰہی نظام .... مجلد -/۳

کتاب الصلوٰۃ (از امام احمد بن حنبلؒ) مجلد ۱/۸

علامات قیامت .... ؍؍ -/۸/-

سد باب ذریعہ (ایک فقہی بحث) ... ؍؍ -/۱۰/-

مضامین مولانا احمد سعید دہلوی ۲/۸

علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں ۲/۸

مقالات سیرت (از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی) ۴/۸

مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری) .... -/۱۶

بیان اللسان .... مجلد -/۱۶

اردو عربی ڈکشنری .... -/۶

آئینۂ نماز .... -/۸/-

صلوٰۃ النساء .... -/۶/-

نصیحۃ المسلمین .... -/۵/-

اکتوبر ۵۲ ۱۱ء

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بلکہ ہندوستان) ۵؍
" " (بلکہ پاکستان) ۶؍

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ، ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ، ۵؍

(فی کاپی آٹھ آنہ ۸؍)

جلد ۲۸ | بابتہ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۰ء | شمارہ ۴

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، براہِ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ اکتوبر تک دفتر میں ضرور آ جانی چاہیے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آ جانی چاہیے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقامِ اشاعت: دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

سنہ ۴۷ء سے پیشتر ہندوستان کی آزادی ایک بڑا ہی سہانا خواب تھی، قریب ڈیڑھ سو برس سے پورے ملک کا دم غیر ملکی سامراج کی غلامی میں گھٹ رہا تھا۔ حساس اور باضمیر ہندوستانیوں کو غلامی کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ننگ و عار تھا۔ اپنی مادر وطن کے سینہ پر بھی وہ آزادی کا سانس نہیں لے سکتے، اپنے ملک کے اندر بھی غیروں کی مرضی ان پر حکمراں ہے، اپنے اور اپنے ملک کے مفاد میں وہ جو کچھ بہتر سمجھتے ہیں اسکے کرنے میں وہ آزاد نہیں ہیں، دنیا کی قومیں عزت و عروج کے راستہ پر سرگرم سفر ہیں مگر انکی قسمت کی تعمیر ان کے ہاتھ میں نہیں۔ ان تلخ احساسات کے ساتھ ہندوستان کے یہ حساس اور باضمیر فرزند صیاد کے ڈھیلے پڑتے ہوئے بازوؤں میں تڑپ رہے تھے، اور آزادی کا بڑا ہی رنگین خواب اس عزم اور اس ارادہ کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنی ساری توانائیاں جمع کر کے مدتوں پہلے چلے ہوئے قافلوں کو برق کی سی تیزی کے ساتھ جا پکڑیں گے۔ ان فرزندانِ ہند کے دل و دماغ میں یہ حسین تصورات موجزن تھے کہ ملک کی جو بہاریں سامراج نے لوٹ لی ہیں، ہم انھیں ایک بار پھر واپس لائیں گے۔ غلامی نے جو زنگ ہندوستانیوں کے ضمیر، ان کے احساس، ذمہ داری اور انکی شرافتِ نفس پر لگا دیا ہے، آزادی کی شعاعیں اس زنگ کو کاٹ کر رکھ دیں گی۔ اور ایک ایسے ہندوستان کی از سر نو داغ بیل پڑے گی جس میں مادر ہند کے فرزند واقعی ایک ماں کی اولاد کی طرح رہیں گے۔ ایک دوسرے کی پسند و ناپسند کی رعایت کریں گے۔ ایک کو دوسرے کی دلداری عزیز ہوگی۔ وطنیت کے مضبوط رشتے میں سب منسلک ہوں گے۔ اور یہ ذہنی

محبت واتحاد انھیں وطن کی سربلندی کے لئے دوش بدوش کھڑا کر کے ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کرائے گا۔

کیسا سہانا تھا یہ خواب اور کس قدر دلنواز تھے یہ خیالات! ..... مگر افسوس کہ اولاً تو آزادی آتے آتے ایک غلط موڑ مڑ کر آئی جس نے منقسمہ ہندوستان کی آبادی کے درمیان ایک پہلی بڑی تقسیم ہندو مسلم منافرت کی شکل میں کی۔ یہ پہلی بڑی اور ہندوستان گیر تقسیم جو آزادی کے ساتھ ہی ساتھ آئی تھی آج تیرہ سال بیتنے پر بھی اپنی جگہ برقرار ہے، لیکن بات اسی پر رُک کر نہیں رہ گئی، بلکہ اسکے بعد گروہی حقوق اور علاقائی مفادات کے سلسلہ پر نت نئی تقسیمیں ملک کی آبادی میں ہونے لگیں، اور آج یہ حال ہے کہ ملک کے سربراہوں کا سر افتراق وانتشار کے اس نقشے پر بُری طرح چکرا رہا ہے، اور وہ سارے سہانے خواب چکنا چور ہوتے نظر آرہے ہیں جو آزادی کے مخلص سپاہیوں نے دیکھے تھے۔

قدرتی طور پر ملک کے سوچنے سمجھنے والوں کے سامنے آج یہ سوال ملک کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہے کہ اس صورت حال کا کیا علاج ہے، جو ترقی تو کیا ملک کی سالمیت اور بقا رہی کے لئے زبردست خطرہ ہے؟ اور حقیقت پسندانہ طور پر یہ بات جلد ہی سمجھ لی گئی ہے کہ اس کا علاج ایسے اقدامات ہیں جو مختلف گروہوں اور علاقوں کو اپنے مذہبی حقوق اور جائز مفادات کے بارے میں تمام اندیشوں سے نجات دلا سکیں۔ چنانچہ گجرات اور مہاراشٹر کی الگ الگ ریاستیں قائم کر دی گئیں۔ ناگا ہلز پر ایک نئی ریاست کی تشکیل کر دی گئی۔ جنوبی ہند کو انگریزی کے استعمال کے بارے میں مطمئن کرنے کے لئے سب کچھ کیا جا رہا ہے اور اقلیتوں کے مطالبات کا مسئلہ اس وقت زیر غور ہے۔ یہ سب کچھ اگرچہ تھوڑی یا بہت "خرابی" کے بعد کیا جا رہا ہے۔ تاہم بہرحال کیا جا رہا ہے اور یہ بنیادی بات غالباً سمجھ لی گئی ہے کہ مختلف گروہوں اور علاقوں کی بے اطمینانی کا علاج اس سے بے اعتنائی برتنا یا دبانا نہیں ہے بلکہ اصل علاج بے اطمینانی کا سدباب کرنا اور اندیشوں کی بنیادیں اگر زائل نہیں کی جاسکتیں تو اُن کے مقابلہ میں ضروری تحفظات عطا کرنا ہے۔

لیکن بہت ہی افسوس ہے کہ یہ سب کچھ صرف ان بے اطمینانیوں کے بارے میں ہو رہا ہے جو کوئی بری اور زہریلی شکل اختیار کر کے ملک کی ترقی اور سالمیت کو چیلنج کرنے لگتی ہیں۔ ملک کی آبادی میں جو پہلا بڑا تفرقہ ہندو مسلم منافرت کی شکل میں پڑا تھا، اور جو آج تک چلے جا رہا ہے۔ اس کا نقصان تمام تر یہاں کی مسلم آبادی کے پلڑے میں جا رہا ہے، اسکے شہری حقوق پامال ہو رہے ہیں اور اسکے افراد کے جائز مفادات کو گزند پہنچ رہی ہے، جس ملک گیر پیمانہ پر یہ بات ہو رہی ہے کوئی صحیح الحواس شخص سوچ بھی نہیں سکتا کہ اسکے نتیجہ میں مسلم کمیونٹی کے اندر اپنے مستقبل سے بے اطمینانی اور مایوسی کی کیفیت پیدا نہیں ہو رہی ہوگی۔ یہ واقعہ اور ایک حقیقت ہے کہ ملک کے اِس سرے سے اُس سرے تک مسلم اقلیت ایک گہری بے اطمینانی اور مایوسی کی کیفیت کا شکار ہے، جس کا اعتراف بعض وقات کانگریس کے حلقوں میں بھی ہوا ہے۔ اس کیفیت نے اسکے عوام کو بالکل قدرتی طور پر ملک کی خدمت کی امنگوں سے عاری کر دیا ہے۔ اور ملک کے ترقیاتی منصوبوں میں دلچسپی کے سارے حوصلے اور ولولے ان سے چھین لئے ہیں ـــــ کیا یہ بے اطمینانی یہ مایوسی صرف اس لئے ملک کے ارباب و بست وکشاد کی توجہ کی مستحق نہیں ہے کہ یہ کسی بری شکل میں ملک کی سالمیت اور ترقی کو چیلنج نہیں کر رہی ہے؟ اگر یہ بات ہے تو اسے ملک کی انتہائی بدقسمتی سمجھنا چاہیئے۔ اتنی بڑی آبادی کی بے اطمینانی اور مایوسی اگر کسی بری شکل میں ڈھل کر بھی سامنے نہیں آتی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو کہ وہ ملک کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچاتی۔ یہ ملک کا ایک روگ ہے جو کسی وقت بھی ملک کو پوری طرح صحتمند اور توانا نہیں ہونے دے سکتا۔ یہ ملک کی تعمیری اور ترقیاتی صلاحیتوں کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے جو تعمیر و ترقی کے نشانوں کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس خاموش بے اطمینانی اور مایوسی سے لاپروائی حقیقت میں ملک دشمنی ہے کہ ملک اپنے فرزندوں کی ایک اتنی بڑی تعداد کی تعمیری صلاحیتوں اور ولولہ انگیز خدمتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ لاپروائی اس پہلو سے ملک دشمنی ہے کہ یہ اندر ہی اندر پکتی ہوئی بے اطمینانی کسی وقت خدانخواستہ بری شکلیں بھی اختیار کر سکتی ہے۔ یہ کہہ دینا کہ بے اطمینانی اور شکایت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ دراصل حقیقت پسندی سے گریز کرنا ہے۔ ہمیں یاد آتا ہے کہ غالباً جواہر لال جی ہی نے ـــــ اور شاید مسلمانوں ہی کے مسئلہ میں ـــــ ایک دفعہ یہ بات کہی تھی کہ کوئی فرقہ کیا محسوس کرتا ہے کیا نہیں اسکے جانچنے کا

پیمانہ یہ نہیں ہے کہ آپ کے نزدیک اسکو کیا محسوس کرنا چاہیئے، بلکہ اس معاملہ میں اعتبار خود اسی فرقے کے احساسات کا ہے۔

جہانتک ارباب حکومت کا سوال ہے انھیں حقیقت پسندی اور عاقبت اندیشی کی راہ پر لانے کے لئے زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی بے اطمینانی اور مایوسی کا ازالہ جس قدر آسانی اور خوبصورتی کے ساتھ ارباب حکومت کے ارادے اور تدبر سے ہو سکتا ہو کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکتا، لیکن مسلمانوں کے خواص کو یہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب یہ دروازہ شب و روز کھٹکھٹانے کے باوجود نہیں کھل رہا ہو اور ہمارے ارباب حکومت پتہ نہیں کیوں بے نیازی کے رویہ پر جمے ہوئے ہیں، تو کیا کوئی اور راستہ بھی ہو سکتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے اطمینانی اور مایوسی کی اس کیفیت کو دور کیا جا سکے جو خود اُن کے حق میں بھی مہلک اور ملک کے لئے بھی نقصان دہ ہے؟

اسی دوسرے راستے کی نشاندہی ہم نے گزشتہ صحبت میں کی تھی کہ ملت کو تعمیری کاموں میں لگائیے۔ اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے، اسلئے ناموافق حالات میں دوسروں کے سہارے جینا چاہتی ہے اور جب سہارا نہیں ملتا تو سراسیمہ ہوتی ہے، پریشان ہوتی ہے اور مایوسی کے تھپیڑے کھانے لگتی ہے، تعمیری کاموں سے اسکی قوت حیات آشکارا ہوگی، اور پھر خود اعتمادی کا جوہر ابھرے گا، ان کاموں سے اس میں ٹھوس اجتماعیت پروان چڑھے گی، اور یہ اجتماعیت ہر طرح کے مخالف حالات میں جینے کا حوصلہ دے گی۔ آج ہر مسلمان اپنے آپ کو یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے، اسلئے کہ ملت میں اجتماعی جذبہ مفقود ہے۔ ایک کا مسئلہ دوسرے کا مسئلہ نہیں ہے، ایک کی عزت دوسرے کی عزت نہیں ہے اور ایک کی ذلت دوسرے ابنائے ملت کی ذلت نہیں۔ ایک کے مسئلہ میں ہاتھ ڈالنے سے اگر اپنے اوپر آنچ آتی ہے تو ہم فوراً ہاتھ کھینچ کر الگ ہو جاتے، اور اسے اسکی قسمت کے حوالہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں، یہ انفرادیت ایسی لعنت ہے کہ کسی قوم و ملت کی کتنی ہی بڑی تعداد بھی کیوں نہ ہو، مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ وہ اپنے اندر نہیں پا سکتی ہے، اسکے برعکس اجتماعیت چھوٹے

سے چھوٹے گروہوں کو بھی عالی حوصلہ بنا دیتی ہے اور یہ گروہ مشکلات کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارنے کی عجیب و غریب مثالیں تاریخ پر نقش کر جاتے ہیں۔ اجتماعی ذہن اور اجتماعی جذبہ کا فقدان ہماری تمام مایوسیوں اور بے اطمینانیوں کی جڑ ہے اور اجتماعی ذہن جذبہ کا ابھر آنا ان مہلک کیفیات کے لیے اکسیر! ہمارے ارباب اقتدار کو اگر اس سے مطلب نہیں ہو کہ ہندوستان کے اس عظیم اسلامی عنصر سے مایوسی اور بے اطمینانی کی کیفیات دور ہونی چاہئیں، تو ہمارا تو بہرحال فرض ہے کہ ان مہلک کیفیات کو دور کیا جائے جو خود مسلمانوں کے حق میں بھی مضر ہیں اور ملک کے اجتماعی مفاد کے لئے بھی زہر۔

وقت گزرتا جا رہا ہے اور زمانہ کسی کو ڈھیٹ کر تلافی مافات کا موقع نہیں دیا کرتا مرض کی لاعلاج منزل میں اپنا سب کچھ تج کر بھی مریض کی جان نہیں بچائی جا سکتی۔ خوش نصیب وہی ہے جو اس منزل سے پہلے سب کچھ کر ڈالے۔ ابھی وقت ہے کہ ہم مایوسی اور بے اطمینانی کے زہر سے ملت اسلامیہ کے وجود کو بھی محفوظ کر سکیں اور ملک کو بھی اس زہر باد کے نتائج سے بچا سکیں۔ اور اس کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم اپنے تعمیری مسائل کی طرف ملت کے ذہن کو لگا دیں۔ لوگ سیاسی تنظیم کو سوچتے ہیں سیاسی پارٹیوں سے سودے بازی کو سوچتے ہیں لیکن عمل سے پہلے خود فکر ہی کے مرحلہ میں یہ بات واضح ہے کہ اس وقت یہ باتیں یا عبث ہیں یا انتہائی خطرناک۔ سیاسی پارٹیوں سے سودے بازی قطعی لایعنی اور بے سود۔ اور سیاسی انداز کی سرگرمیاں اور سیاسی رقابت و منافست مسلمانوں کی موجودہ حالت میں ۔۔ ایک ایسی پڑنے والی تدبیر! مسلمان سیاست ہی کے زخم خوردہ ہیں۔ یہ سیاست انکے لئے دارو‌ئے شفا نہیں ہو سکتی۔

—— راستہ ایک اور صرف ایک ہے کہ اگر ہماری زندگی میں کچھ تعمیری مسائل ہیں تو سارے غم بھول کر ان مسائل کی طرف متوجہ ہو جائیں اور جھنجھوڑ کر پوری ملت کو اس تعمیری محاذ پر لگا دیں

یہ تعمیری جد و جہد ان کی قوت حیات آشکارا کرے گی

اور

اجتماعیت کی وہ روح ان میں پھونکے گی جو ان کے
سارے مسائل کی کلید اور انکی تمام اچھی آرزوؤں کی ضامن ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ "مسلمانوں کی اجتماعیت" کا تصور، خواہ وہ کتنا ہی بے ضرر اور جائز مقاصد پر مبنی ہو،

بہت سے غلط اندیشوں کو گراں گزرے گا، لیکن ہم اس سے زیادہ کسی چیز کے ذمہ دار نہیں کہ ہماری نیتیں نیک اور صاف ہوں۔ اور ہمارا مقصد تعمیری اجتماعیت ہو نہ کہ تخریبی اجتماعیت۔ بس ہمارا ذہن اس معاملہ میں صاف اور ہماری نیت بے داغ ہو۔ اسکے بعد اس راہ میں جو کچھ پیش آئے ہمیں خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے اور اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس قسم کی اجتماعیت میں ملک کا بھلا ہے یا بُرا ہے جس کے نتیجہ میں ملک کے ایک بڑے عنصر کو مایوسی اور افسردگی کے بجائے طمانیت و خوشدلی کی زندگی نصیب ہو!

افسوس ہو کہ ستمبر کی ۹ تاریخ کو ایک طویل علالت کے بعد رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی اس دنیائے رنگ و بو کو خیر باد کہہ گئے۔ جگر صاحب ایک شاعر کی حیثیت سے اپنے عہد کے رئیس المتغزلین اور شہنشاہ تغزل مانے گئے اور باوجود ستر سال کا سن پانے کے اپنے اسی مقام کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے، اسی لئے ایک کہنے والے نے کہا کہ "جگر صاحب جوانی کے عالم میں مرگئے"۔۔۔ یعنی انکی شاعری ابھی تک شباب ہی پر چل رہی تھی۔۔۔ لیکن انکا صدمہ صرف شعر و شاعری ہی کا صدمہ نہیں، جاننے والوں کے لئے انسانیت کا بھی ایک بڑا صدمہ ہے، وہ ایک بہترین انسانی تصور کا پیکر تھے، عالی ظرف، مرنجاں مرنج، انسانیت دوست بلکہ انسانیت نثار، خوددار و وضعدار، بے ریا و بے تکلف، جو دل میں وہ زبان پر، جو زبان پر وہ دل میں۔ بڑوں کے ادب شناس چھوٹوں کے حق شناس، محبت اور سراپا محبت، خلوص اور سراپا خلوص۔ غرض اعلیٰ انسانیت کے اجزاء ترکیبی میں سے کوئی جزو شاید نہ تھا جو خالق نے انھیں پوری فیاضیوں کے ساتھ نہ بخشا ہو۔

پھر دینی رجحان نے اس سونے پر اور بھی سہاگے کا کام کر دیا تھا، اور اس جوہر انسانیت کی آب و تاب بڑھا کر کہیں سے کہیں پہنچا دی تھی۔ مسلمان وہ اپنی رندی کے دور میں بھی تھے اور اب تو اسلام ان کا فخر تھا۔ اور انکی دلچسپیوں میں اس کا خاصا حصہ ہو گیا تھا۔ اسے چند سال پیشتر حج و زیارت کی بلند دینی سعادت بھی نصیب میں آئی تھی، جو کتنے زاہدوں کو نہیں ملتی۔ خدا کا فضل ہو کہ خاتمہ بھی زندگی کے اسی رجحان پر ہوا اور اچھے حالات میں ہوا۔

۱۹۵۰ء تک کبھی دیکھنا بھی یاد نہیں، لیکن اس کے بعد یکایک اس طرح کے تعلقات کی بنیاد پڑی کہ بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور پھر مرحوم کے آخر وقت تک یہ موقع جاری رہا۔ یہ اسی قریبی مطالعہ کے تاثرات ہیں، سچ یہ ہے کہ انسانیت کے نقطۂ نظر سے کم لوگوں نے طبیعت کو اتنا متاثر کیا ہوگا۔

خدا اس روح کو خوش رکھے اور اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے

طوفان سے ساحل تک

(از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[جرمن نو مسلم لیوپولڈ محمد اسد صاحب کی مقبول و مشہور کتاب "روڈ ٹو مکہ Road To Mecca) کا اردو ترجمہ "طوفان سے ساحل تک" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام (لکھنؤ) کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے ۔۔۔۔ ترجمہ پر جو تعارفی مقالہ صدر مجلس مولانا علی میاں مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے وہ کتاب کا نچوڑ ہے، ہم ممنون ہیں کہ دوستوں کی عنایت خاص سے یہ مقالہ کتاب سے پہلے الفرقان کی زینت بن رہا ہے ——————— ادارہ]

پیش نظر کتاب ایک "سفرنامہ" ہے، ایک بے چین، ذہین اور حساس مغربی فاضل کے سفر مشرق، و سیاحت بلاد عربیہ کی داستان۔

"سفرنامہ" اپنی گوناگوں دلچسپیوں، بوقلموں مرقعوں، رنگارنگ مناظر، بے تکلف تصویر کشی بے ساختہ اظہار خیال اور زندگی اور زندہ دلی کے ساتھ جو ایک اچھے اور کامیاب "سفرنامہ" کی خصوصیات ہیں۔

بلاشبہ یہ ایک "سفرنامہ" ہے، اس کتاب کے عنوان کے لئے اس سے بہتر اور مختصر لفظ ملنا مشکل ہو اس میں پڑھنے والے کو وہ سب کچھ ملے گا، جس کی ایک سفرنامہ میں تلاش اور توقع ہوتی ہے، ایک طویل بحری سفر کے تجربات و تاثرات، شام و فلسطین و مصر کی زندگی کے مناظر، عربوں کی معاشرت اور تہذیب کی چلتی جاگتی تصویر، فرنگی نژاد زائر حرم کے مشاہدات و جذبات، حج کے بین الاقوامی اجتماع کا تاثر، مدینۂ منورہ پر سکینت شہر کی کیفیات، ربع الخالی اور صحرائے عرب کی ہوش ربا داستان سفر حوصلہ مند نوعمر سیاح کی ناعاقبت اندیشیاں، خوش نصیب مسافر کی سخت جانی و سخت کوشی عربوں کی مہمان نوازی اور مساوات، ہرات و غزنی کی مہمانداری و مسافر نوازی، یورپ کی

مشینی اور بے جان زندگی کی کرختگی اور افسردگی، عرب ممالک کے باشندوں کی گرم جوشی اور زندہ دلی، سب کچھ آپ کو اس سفرنامہ میں نظر آئے گا، اور ایک ایسے شخص کو جس کو صرف سفرنامے اور روزنامچے اور مختلف ممالک کے حالات پڑھنے کا چسکہ پڑگیا ہے اس کتاب کو پڑھ کر ہرگز مایوسی نہ ہوگی۔

لیکن قدیم وجدید سفرناموں کی اس طویل قطار میں جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، یہ کتاب اپنی ایک "منفرد شخصیت" رکھتی ہے، وہ اگر سفرنامہ ہے اور یقیناً ہے، تو ایک بہت طویل بہت نازک اور بہت پرپیچ سفر کی روداد ہے، اس سفر میں جو مسافت طے کی گئی ہے اور جن سرحدوں کو عبور کیا گیا ہے، ان کا نشان نہ ابن بطوطہ و ابن جبیر کے دلچسپ سفرناموں میں ملتا ہے، نہ کلمبس و اسکوڈی گاما اور اسکاٹ کی اولوالعزمانہ مہموں اور انقلاب انگیز اکتشافات میں۔

گذشتہ سیاحوں نے قدیم وجدید دنیا کے ایک بعید گوشہ سے دوسرے بعید گوشہ تک سفر کیا، دریاؤں اور پہاڑوں کو عبور کیا، صحراؤں اور وادیوں کو قطع کیا، نئے نئے ممالک اور اپنی دنیا کے متعلق نئے نئے حقائق دریافت کئے، بڑے بڑے خطرات کو دعوت دی اور انکا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور اپنی قوت ارادی، بلند ہمتی، انسان دوستی اور ذوق جستجو کا نقش قائم کر دیا، وسائل سفر کی کمی، سفر کی صعوبت، راستہ کے خطرات، ان کے ان کارناموں میں مزید عظمت و رفعت پیدا کرتے ہیں۔

لیکن محمد اسد کا کارنامہ اور ان کے سفر کی داستان ان سب سے مختلف ہے، انھوں نے جو مسافت طے کی ہے اور جن سرحدوں کو عبور کیا ہے وہ جغرافیائی سیاحوں اور اولوالعزم کوہ پیماؤں کی طے کی ہوئی مسافت اور عبور کی ہوئی سرحدوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں، قدیم سیاحوں نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کیا تھا، لیکن محمد اسد نے ایک دنیا سے دوسری دنیا تک سفر کیا ہے، وہ دونوں دنیائیں اسی کرہ پر واقع ہیں، ایک دوسرے کی معاصر، ایک دوسرے کی ہمسایہ، لیکن ایک دوسرے سے بیگانہ، ایک دوسرے سے ناآشنا، ایک دوسرے سے متضاد، ایک دوسرے سے بے نیاز، ہر ایک دوسرے سے روٹھی ہوئی چھوٹی ہوئی، ہر ایک دوسرے سے اتنی مختلف کہ ایک انسان کی دو بستیاں نہیں معلوم ہوتیں،

الگ الگ انسانوں کے مسکن اور دو جداگانہ تہذیبوں کے مرکز معلوم ہوتے ہیں، انکے سموں کا باہمی فاصلہ بہت مختصر لیکن ان کے ذہنوں اور ان کی روحوں کا فاصلہ ناقابل قیاس اور ناقابل پیمائش، ایک میں ایمان وعقیدہ امن وسکون، اطمینان واعتماد، قناعت واستغنا محبت والفت، انسانیت کی لطافت۔ زندگی کی حرارت، قلب کا گداز، روح کا سوز وساز، زندگی کے کاروان کی نرم روی وسبک گامی، جرس حیات کی شیریں نوائی وسامعہ نوازی، فطرت کی سادگی اور اس کا حسن، خالق ومخلوق دونوں سے مخلصانہ ارتباط، جسم وروح کا صحیح اتحاد۔

دوسری جانب بےیقینی وناامیدی، معاشرہ کا اضطراب وانتشار، اغراض ومفادات کا تصادم، سیاسی جماعتوں کی رقابتیں، طبقات کی کشمکش، جنگ کے مہیب بادل، بےاعتمادی وبدگمانی کی تاریک فضا، حصول دولت اور ترقی وتوسیع تجارت کا جنون، ایک نہ بجھنے والی پیاس، ایک نہ مٹنے والی بھوک، جمادات کی بےحسی وبےضمیری، مشینوں کی بےدردی وبےنوری، قلب وروح کی موت، انسانیت کا زوال، قافلۂ حیات کی تیز رفتاری وہنگامہ خیزی، صور زندگی کی بلند آہنگی اور قیامت خیزی، زندگی کی اصل لذت اور انسانیت کی حقیقی لطافت کا فقدان خالق ومخلوق دونوں سے غیر مخلصانہ اور سطحی تعلق، روح وجسم کی کشمکش، خود محمد اسد کے بلیغ ومصور قلم سے اس دنیا کی تصویر ملاحظہ ہو:۔

> "ایک دنیا جہاں اضطراب اور زوال ہو، یہ تھی ہماری دنیا، حد درجہ تباہی وخونریزی، جس کی مثال ملنی مشکل ہے، اجتماعی روایات میں سرکشی، فکری مذاہب میں تصادم، زندگی کے نئے نئے طریقوں اور فیشن کے لئے ہر جگہ ایک سخت کشمکش، یہ ہیں ہمارے دور کے خصائص اور اوصاف۔
>
> جنگ عظیم کے دھوئیں کے ہولناک بادلوں اور تباہ کاریوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی جنگوں تک جن کا کوئی شمار ہی نہیں، انقلابات اور جوابی انقلابات، اقتصادی اور معاشی پریشانیاں جو اس زمانہ کی تمام دشواریوں اور پریشانیوں سے بڑھ چڑھ کر تھیں، ان تمام ہولناک واقعات نے یہ حقیقت ظاہر کر دی تھی کہ فنی، صنعتی اور مادی ترقیات مغرب کی ساری زور آزمائی موجودہ انتشار اور بےنظمی میں ذرا بھی کمی نہیں کر سکی"

دوسری جگہ مغرب کے روحانی خلا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بیسویں صدی کے ابتدائی سال، اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں کہ ان میں نمایاں طور پر ایک روحانی خلا (Spiritual Vacuum) پایا جاتا تھا، وہ ساری اخلاقی اور روحانی قدریں جن سے یورپ صدیوں سے آشنا تھا، اب کسی خاص اور متعین شکل پر باقی نہیں رہ گئی تھیں، یہ ان ہولناک واقعات کا نتیجہ تھا جو ۱۹۱۴ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان پیش آئے، بظاہر اسکی کوئی توقع بھی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ اقدار کا کوئی نیا مجموعہ ان قدروں کی جگہ لے سکے گا، وہاں خطرہ اور خوف کا ایک احساس تھا، وہ احساس جو عقلی اور سماجی ابال سے پہلے پیدا ہوا کرتا ہے، اسکی وجہ سے انسان اس شبہ میں پڑ گیا تھا کہ آیا اسکی کوشش اور افکار کسی ایک مستقر پر رکیں گے یا نہیں؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہر چیز تنکے کی طرح ایک بے راہ سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہو۔

اس روحانی بے چینی اور بے اطمینانی میں نوجوانوں کے لئے ایک قدم بھی ٹکانے کی جگہ نہ تھی، پھر معتبر اخلاقی قدروں اور معیاروں کے فقدان سے کسی کے اختیار میں نہیں رہا تھا کہ وہ ہمارے (ان سوالات کا جو ہمارے دماغ کو پریشان کر رہے تھے) تسلی بخش جواب دے سکتا۔"

"وسطی یورپ کے لئے اس صدی کی تیسری دہائی کے یہ چند سال عجیب غریب تھے، اجتماعی اور اخلاقی انتشار و بدامنی کی فضا ہر طرف چھائی ہوئی تھی اور اس نے انسان میں ایک خطرناک امید پرستی پیدا کر دی تھی، جس کا اظہار وہ موسیقی فوٹوگرافی، تھیٹر اور آرٹ نیز کلچر کے مزاج اور اس کے ارتقا کے بارے میں انقلابی سوالات اور تحقیقات کے ذریعہ کر رہا تھا، لیکن ایک روحانی خلا ان مجبور سوالات کے پس منظر میں ہمیشہ موجود رہتا ہے، انسان کے مستقبل کی طرف سے بڑھتی ہوئی مایوسی کی وجہ سے اس میں ایک مبہم "کلبی" اضافیت پیدا ہو گئی تھی۔"

یہ تھی وہ دنیا جس میں محمد اسد نے لیوپولڈ ویس (Leopold Weiss) کے نام سے

اور ایک یہودی ربی خاندان کے چشم و چراغ کی حیثیت سے آنکھ کھولی اور جسمانی و ذہنی نشو و نما حاصل کیا، یہودی عالموں اور دینی پیشواؤں کے خاندان کا ماحول جہاں نسلی غرور اور احساس برتری بچہ بچہ کی گھٹی میں پڑا ہوا ہوتا ہے، فلسفہ اور تاریخ و ادبیات کا وسیع اور گہرا مطالعہ فنون لطیفہ کا فطری ذوق، جرمنی کی بحرانی اور رو بزوال زندگی، یورپ کا صنعتی و سائنسی عروج، صحافت کی مشغولیت ہر چیز اس نوجوان کو اس سمندر میں گم ہو جانے اور اپنے آپ کو زمانہ کے بہتے ہوئے دھارے کے حوالہ کر دینے کی دعوت دیتی تھی اس کا موروثی منصب پیشوائی، اس کی غیر معمولی دینی صلاحیتیں، اسکی صحافتی کامیابی، اسکا ادبی ذوق، ہر چیز اسکے کامیاب و شاندار مستقبل کی ضامن تھی، اور تہذیب جدید کے اس "شاہراہ عام" سے اسکے ہٹنے اور اس نظام فکر و عمل سے اسکے باغی ہونے کے کوئی آثار نہ تھے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے لیوپولڈ ویس کو ایک بڑی دولت سے نوازا تھا، وہ دولت جو ان خوش نصیب افراد کو ملا کرتی ہے جو اپنے زمانہ کے "ظلمات" میں "چشمہ حیواں" دریافت کرتے ہیں اور رسم و رواج کے آذر کدہ میں ابراہیمی فطرت لے کر پیدا ہوا کرتے ہیں، یعنی بے چینی و بے اطمینانی نئی چیز کی تلاش، محمد اسد نے اپنی نوعمری اور نوجوانی کے دور کے جو تاثرات قلمبند کئے ہیں ان سے ان کے عقلی بلوغ، سلامت فطرت، ذہانت اور اس مبارک بے چینی کا اظہار ہوتا ہے:۔

> "نوعمری کے باوجود یہ بات مجھ سے پوشیدہ نہ تھی کہ جنگ کے بعد انتشار زدہ اور بے چین یورپ کے حالات، قابل اطمینان نہیں تھے، اس دنیا کا معبود جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا۔ کوئی روحانی قسم کا معبود نہ تھا، بلکہ راحت و آسائش ہی اسکا معبود بن گئی تھی۔
>
> اس میں شبہ نہیں کہ وہاں ایسے بھی لوگ تھے جو مذہبی حس اور مذہبی طرز فکر رکھتے تھے اور اپنے اخلاقی نظریات اور عصر جدید کی روح میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے بڑی حد تک مضطربانہ کوششوں میں مشغول تھے، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک عام یورپین آدمی خواہ وہ جمہوریت کا دعویدار ہو، یا کمیونسٹ، مزدور ہو یا مفکر، صرف ایک مثبت و معین مذہب سے واقف ہے اور وہ ہے مادی ترقی کی پرستش۔"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

نوجوانی کا میرا یہ فطری رجحان کہ (صرف روٹی سے انسان زندہ نہیں رہ سکتا) اب ایک عقلی نظریہ بن چکا تھا کہ ترقی کی یہ کوشش قدیم ایمان کی جگہ پُر کرنے کے لئے تھی جو غیر مادی اقدار پر قائم تھا، اس خلا کو پُر کرنے کے لئے ان لوگوں نے (جو اقدار مجردہ پر ایمان رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے) ایک چھوٹا ایمان ایجاد کیا تھا اور اپنے کو اس دھوکہ میں رکھنا چاہتے تھے کہ انسان کسی نہ کسی طریقہ سے صرف ترقی کے جذبہ کو ساتھ لے کر موجودہ مصائب پر قابو پا سکتا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ ان جدید اقتصادی نظاموں میں سے کوئی بھی نظام جس کے پیچھے یہ گمراہ کن اور پُر فریب خیال کام کر رہا ہو مغربی سوسائٹی کی مصیبتیں اور تکلیفیں دور کرنے کے لئے ایک عارضی اور مختصر دوا سے زیادہ کوئی چیز ثابت ہو سکتا ہے۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"جنگ اور پھر اسکے بعد بہت فنکارانہ طریقہ سے تراشے ہوئے نت نئے اصولوں کی مختلف اور متضاد آوازوں کی وجہ سے ضمیر و دماغ میں ایک زبردست کشمکش برپا ہے، ہماری مشینیں اور آلات اور آسمان سے سرگوشیاں کرنے والی عمارتیں ہماری پاش پاش اور ریزہ ریزہ روح کو پھر سے جوڑنے میں بالکل ناکام ثابت ہوئی ہیں، اسکے باوجود میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ کیا یورپ کی روحانی عظمت کی حقیقت ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی ہے، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ غلطی کا پتہ لگا کر تھوڑی بہت کھوئی ہوئی عظمت اور قیمت کو واپس لایا جا سکے؟"

لیوپولڈ ویس اور ان جیسے خال خال سوچنے والے مغربی فضلاء کے لئے سب سے بڑی ذہنی آزمائش یہ تھی کہ وہ روح اور قلب کی گہرائیوں سے اٹھنے والے ان سوالات کا جواب یورپ کے تجربات و رفقاء سے مانگتے تھے، وہ اس مشکل لفظ "یقین و اطمینان" کے معنی یورپ کے قاموس (DICTIONARY) میں تلاش کرتے تھے مگر وہ اس میں اسی طرح نہیں ملتا تھا جیسے ایک زبان کا لفظ دوسری زبان کے لغت میں نہیں ملتا، لیوپولڈ ویس صاف گوئی کے ساتھ اپنی اسی طرز فکر اور ذہنی ساخت

کا ذکر کرتے ہیں جو اُن کے معاصر طبقہ کی تھی۔

"میں نے دیکھا کہ ہماری زندگی کتنی مضطرب بے کیف اور ناخوشگوار ہوگئی ہے، انسانوں کے باہمی تعاون اور اتحاد کا کس قدر فقدان ہے، ہماری زیادہ تر دلچسپی اپنے فرقہ اور اپنی پارٹی سے رہ گئی ہے، فطری احساسات سے ہم کتنی دور جا پڑے ہیں۔ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا، لیکن یہ خیال میرے دل میں کبھی نہیں آیا اور شاید میری طرح کسی اور کے دل میں بھی نہیں آیا ہوگا کہ ان سوالات کا جواب بھی ممکن ہے، یا کم از کم جزئیات میں (یورپ کے ثقافتی بحران کا سہارا لئے بغیر) اس کے جوابات دیے جا سکتے ہیں، یورپ ہی ہماری فکر کی ابتدا تھا اور وہی انتہا۔"

شاید وہ یورپ کے اسی عقلی اور اجتماعی دائرہ میں (جو وسیع ہونے کے باوجود بہت مختصر و محدود تھا) گھومتے رہتے اور ان سوالات ہی سے دست بردار ہو جاتے جو ان کی فطرت سلیم نے اُن کے سامنے ایک نہ مٹنے والی علامت استفہام کی طرح کھڑے کر دئے تھے کہ اچانک ہادیٔ مطلق نے ان کی دست گیری کی اور اُن کو اس سرزمین میں پہونچا دیا، جہاں دنیا کو آخری طور پر ان سوالات کا متعین و متیقن جواب ملا تھا، اور جہاں اس "ایمان ویقین" نے اپنی بہت کچھ تازگی کھو دینے کے باوجود زندگی کو زندگی کی بہت سی نعمتیں اور لذتیں بخش رکھی تھیں اور وہاں وہ انسان ــــ زندگی کی حرارت اور لطافت کے ساتھ ــــ نظر آتا تھا جس کو لیوپولڈوس اور بیسیوں مغرب کے بہت سے دوسرے مفکرین یورپ کی شب ظلمت میں دیو جانس کلبی کی مشعل یا شیخ رومی کا چراغ لے کر ڈھونڈھ چکے تھے[۵] انھوں نے ۱۹۲۲ء میں بیت المقدس کا سفر کیا، اور پہلی مرتبہ صحرائے سینا میں ٹرین میں سفر کرتے ہوئے اس عرب قوم اور عربی تہذیب کی جھلک دیکھی جس کو اسلام نے تہذیب و اخلاق کے ایک نئے سانچہ میں ڈھالا تھا، اور جو اسکے عقیدہ کی بدولت اب بھی اعلیٰ اخلاق، اور زندگی کی حرارت و لطافت کی مالک تھی، انھوں نے اس ذہین و حساس نوجوان کی حیثیت سے جس کو قدرت نے اعلیٰ درجہ کی قوت مشاہدہ عطا کی ہو، اور وہ ایک نئی سرزمین اور

---

[۵] دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر　　کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہا ہو، ہر چیز کو غور سے دیکھا اور اپنی قدیم مغربی دنیا سے اس کا مقابلہ کیا، ان کو ایک بدوی کا اپنی روٹی کے دو ٹکڑے کر کے یہ کہتے ہوئے ان کی طرف پیش کرنا بھی ایک انوکھا واقعہ معلوم ہوا کہ "آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی مسافر ہوں اور ہم دونوں کا راستہ ایک ہے۔"

وہ بے اختیار یہ لکھنے پر مجبور ہوئے:۔

"اس بدوی کے رویہ میں جس نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنے رفیق سفر کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی آدھی روٹی اس کو دیدی انسانیت کی ایک ایسی تصویر اور جھلک تھی جو ہر تصنع اور تکلّف سے پاک تھی۔"

انھوں نے بیت المقدس میں کئی مہینے گزارے اور عرب مسلمانوں کو اُن کی زندگی کے مختلف دبے تکلف مظاہر کے ساتھ دیکھا، اُن کی عبادت، معاشرت ہر چیز کا قریب سے مطالعہ کیا، پھر قاہرہ اور دمشق میں خالص عربی اسلامی ماحول میں وقت گزارا، اس سب کے بعد ان کو محسوس ہوا کہ انھوں نے اپنی اور یورپ کی کھوئی ہوئی چیز پالی یعنی فطری زندگی اور "معصوم انسانیت" خود اُن کی زبان سے سنیئے:۔

"میں نے اپنے روبرو زندگی کا ایک ایسا مفہوم پایا جو میرے لیے یکسر نیا تھا، مجھے ایسا لگا کہ جیسے کوئی گرم حرارت انگیز روح ہے جو اِن عربوں کے خون کے ساتھ اُن کے افکار اور حرکات وسکنات تک میں سرایت کر گئی ہے، روحانی خراشوں اور اذیتوں سے ناآشنا وہ اذیتیں جنھوں نے خوف حرص اور گھٹن کا بھوت بن کر مغربی زندگی کو بھدا، بے ہنگم اور کریہہ المنظر بنا دیا تھا اور جس سے اب کوئی خاص اُمید باقی نہیں رہ گئی تھی۔

میں عربوں میں وہ چیز پانے لگا جس کی غیر شعوری طور پر مجھے عرصہ سے تلاش تھی جس کو ہم زندگی کے تمام مسائل میں ایک خاص قسم کی جذباتی لطافت اور بلند تر حسّی شعور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔"

قاہرہ میں موذن کی اذان اور جماعت کی نماز کے منظر نے ان کے دل و دماغ پر جو اثر ڈالا اسکو

بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد، یکسانی اور ہم آہنگی کتنی گہری ہے اور ان کو تقسیم اور متفرق کرنے والی چیزیں کتنی مصنوعی سطحی اور بے اثر ہیں، اپنے عقیدہ، طرز فکر حق و باطل کی تمیز، بہتر اور صحیح زندگی کے مزاج اور بناوٹ کو سمجھنے میں وہ "ایک انسان" کی مانند تھے۔

مجھے ایسا لگا کہ میں نے پہلی بار ایک ایسی سوسائٹی میں قدم رکھا ہے جس میں انسانوں کے درمیان رشتہ اور تعلق کی بنیاد اقتصادی مصالح یا رنگ و نسل پر نہ تھی، بلکہ اس سے زیادہ گہری مضبوط اور پائیدار چیز پر تھی، وہ زندگی کے متعلق اس مشترک نقطۂ نظر کا رشتہ تھا جس نے انسانوں کے درمیان سے علٰحدگی اور بے تعلقی کی تمام دیواروں کو گرا دیا تھا۔"

ممکن تھا کہ وہ بعض دوسرے "عرب دوست" مغربی سیاحوں اور سیاسیوں کی طرح اس عقیدہ اور نتیجہ پر قانع ہو جاتے کہ یہ عربی تہذیب کی فطری صلاحیت اور اس کا پیدائشی جوہر ہے یا اس کا سبب مغربی تمدن اور صنعتی ترقی سے دوری اور بے تعلقی ہے اور وہ عربی تہذیب اور عرب قوم کو خراج تحسین ادا کرنے پر بس کرتے، جیسا کہ بعض معاصر مورخوں اور مفکروں نے کیا ہے، لیکن ان کی متجسس فطرت اور بے چین طبیعت نے اس سے انکار کیا اور رفتہ رفتہ ان کے اندر اس کا حقیقی سبب اور اندرونی سرچشمہ دریافت کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی، وہ لکھتے ہیں :۔

" ابتدا میں تو یہ بات عربوں کے قومی و سیاسی مقاصد سے ہمدردی تک اور عربی معاشرہ کی ظاہری صورت اور قلبی طمانیت (EMOTIONAL SECURITY) تک جس کو میں نے خاص طور پر محسوس کیا تھا محدود رہی، لیکن اب مجھ میں اس باطنی اطمینان یا "طمانیت قلبی" کا سبب اور سرچشمہ معلوم کرنے کی شدید خواہش پیدا ہو چلی تھی جس نے عربی تہذیب کو مغربی تہذیب سے اس قدر مختلف کر دیا ہے، یہ خواہش میرے نفسیاتی اور ذاتی شخصی مسائل کے ساتھ بالکل گھل مل گئی تھی، مجھے ایسے مواقع اور ایسے میدانوں کی تلاش رہنے لگی تھی جہاں میں عربوں کے اخلاق اور کیرکٹر کا زیادہ بہتر طریقہ سے مشاہدہ

اور مطالعہ کر سکوں اور ان افکار و خیالات تک میری رسائی ہو سکے جنھوں نے انکی زندگی کو ایک خاص سانچہ میں ڈھال دیا ہے، اور اسکو معنوی حیثیت سے مغربی تہذیب سے بالکل جدا کر دیا ہے، میں نے انکی تاریخ، کلچر، مذہب، سب کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور اس شے کی دریافت و طلب کے جذبہ کے ساتھ جو اُن کے جذبات و احساسات اور عقلیت کے پیچھے کارفرما تھی، ایک اور جذبہ میرے اندر اُبھرنے لگا، وہ جذبہ تھا ان اسباب و تحرکات کی دریافت کا جو میرے دل و دماغ کو ہلا رہے تھے اور میرے اوپر چھائے چلے جا رہے تھے اور میری رہنمائی کے لئے آمادہ تھے۔"

انھوں نے اس "باطنی اطمینان" و یقین کا حقیقی سبب اور اس بلند و لطیف تر انسانیت کا سرچشمہ معلوم کرنے کے لئے اس قوم کے دین و عقیدہ اور اسکی تہذیب کی ذہنی و روحانی بنیادوں کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھا جو اس باطنی اضطراب اور ذہنی انتشار کے دور میں بھی باطنی اطمینان اور ذہنی اعتماد کا مظہر ہے، قرآن مجید اور دینیات کی کتابوں کے مطالعہ سے بالآخر وہ اس سرچشمہ کے دریافت کرنے میں کامیاب ہوگئے، وہ اپنے اس انکشاف اور "یافت" کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"ان مطالعوں یا گفتگوؤں کی جو بھی نوعیت رہی ہو، بہرحال انکی وجہ سے میری نگاہوں سے ایک پردہ سا ہٹ گیا، میں افکار کی ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کر رہا تھا جس سے میں اس وقت تک مطلق ناواقف تھا، اسلام دین کے رواجی یا اصطلاحی مفہوم سے زیادہ زندگی کا نظام بن کر میرے سامنے آیا، وہ مجھے لاہوتی نظام سے زیادہ شخصی اور اجتماعی سلوک کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل معلوم ہوا جس کی بنیاد خدا کی یاد پر تھی، میں نے قرآن میں کسی جگہ "مکتی" (SALVATION) کا تصور نہیں دیکھا[1] وہاں کوئی پہلا موروثی گناہ نہیں تھا جو انسان اور اسکی قسمت یا تقدیر کے درمیان حائل ہوگیا ہو، وہاں تو یہ تھا لیس للانسان الا ما سعی (انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا پائے گا) وہ کسی قسم کی رہبانیت یا فطرت کشی کا بھی طالب نہیں تھا جس کے ذریعہ

---

[1] مسیحی تخیل نجات، جس کے لئے کفارہ و صلیب کا عقیدہ ضروری ہے۔

طہارت کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جاتا ہو، اسلئے کہ اس کے نزدیک طہارت اور پاکیزگی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور گناہ صرف انسان کی ایجابی فطرت کی صفات کی ایک لغزش ہے جو خدا نے اس میں ودیعت کی ہے، وہاں فطرت انسانی کی کوئی تقسیم کبھی نہیں ملتی اسلئے کہ اسکے نزدیک روح اور جسم مل کر ایک صحیح اور مکمل یونٹ (UNIT) تیار ہوتا ہے، اب ابتدا میں یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ قرآن کو صرف روحانی معاملات ہی سے دلچسپی نہیں معلوم ہوتی، بلکہ وہ زندگی کے بعض ان شعبوں کا بھی بہت اہتمام کے ساتھ ذکر کرتا ہے جو مجھے بہت دنیاوی قسم کے اور حقیر معلوم ہوتے تھے، لیکن کچھ زمانہ گزرنے پر یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ اگر انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے تو پھر اسکی زندگی کے کسی شعبہ اور کسی پہلو سے پہلوتہی نہیں برتی جا سکتی اور نہ اسکو دین کے دائرہ عمل یا دائرہ اختصاص سے باہر تصور کر کے حقیر سمجھا جا سکتا ہے۔

لیکن اسکے ساتھ ساتھ میں نے دیکھا کہ قرآن ایک لمحہ کے لئے بھی یہ فراموش کرنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ دنیا بہرحال انسان کی ترقی کے راستہ کا ایک مرحلہ ہے، اس کا اصل مقصد روحانی ہی مزاج رکھتا ہے، مادی خوشحالی قرآن کے نزدیک مستحسن اور مستحب ہے، لیکن وہ بذات خود مقصد نہیں، اسی لئے انسان کی نفسانی خواہشات کو باوجود ان کی اہمیت اور ضرورت کے اخلاقی حس کے مقابلہ میں دبا دیا جائے گا یہ اخلاقی حس صرف خدا اور بندہ کے مابین محدود نہ رہنا چاہیئے، بلکہ انسانوں کے آپس کے تعلقات تک وسیع ہونا چاہیئے، اس کا مقصد صرف فرد کی زندگی کی روحانی تکمیل نہ ہو بلکہ سوسائٹی میں ایسے حالات بھی پیدا کرنا اس کا مقصد ہو جو دوسرے انسانوں کی روحانی ترقی اور نشو ونما کے لئے سازگار ماحول اور فضا پیدا کر سکے اور جس کے سایہ میں وہ مکمل زندگی گزار سکیں۔

یہ تمام چیزیں عقلی اور اخلاقی طور پر مجھے اسلام کے احترام پر ابھار رہی تھیں وہ اسلام جس کے متعلق میں نے اس سے پہلے جو کچھ پڑھا یا سنا تھا وہ ان چیزوں کے مقابلہ میں گویا بمنزلہ صفر کے تھا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ روحانی تسکین کے سلسلہ میں قرآن کا طریقہ

"عہد قدیم" کے طریقہ سے زیادہ گہرا ہے، وہ آخر الذکر کی طرح کسی خاص قوم کی پاسداری بھی نہیں ہے، مادی مسائل میں اس کا طریقہ باختلاف عہد، عہد جدید سے بہت زیادہ ایجابی ہے، روح اور جسم اسکی نظر میں انسانی زندگی کے دو رخ ہیں جن کو خدا نے پیدا کیا ہے۔

میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا یہی تعلیمات اس قلبی طمانیت Emotional Security کا باعث تو نہیں ہیں، جس کا میں نے عربوں میں رہ کر اس پوری مدت میں مشاہدہ کیا ہے؟"

اس دریافت اور بازیافت کے جب لیوپولڈ ویس دوبارہ یورپ گئے تو ان کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ ایک فطری دنیا سے ایک مصنوعی دنیا میں آگئے ہیں جہاں ہر چیز ان کو زندگی کی حرارت اور لطافت سے محروم نظر آتی تھی، اور اس حسن وجمال اور بے ساختگی سے عاری تھی جو ان کو اسلامی زندگی میں نظر آئی تھی وہ لکھتے ہیں:۔

"اب میں پھر یورپ میں تھا، مجھے اس بات سے قدرے اذیت ہوئی کہ میں یورپ کے مناظر کو اسی طرح دیکھ رہا تھا جس طرح کوئی اجنبی سیاح یا مسافر دیکھتا ہے، لوگ مجھے بہت مکروہ اور حقیر دکھائی دے رہے تھے، ان کی حرکات وسکنات بڑی بھدی اور کچھ بے معنی معلوم ہوتی تھیں، جن کو ان کے ارادہ وشعور سے کوئی تعلق نہ تھا، اچانک میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ وہ اس بات کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ ہر کام سمجھ بوجھ کر کر رہے ہیں اور اپنے مقصد سے واقف ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنے مقصد کو سمجھے بغیر زعم و خودنمائی کی دنیا میں گم ہیں، اب یہ بات واضح تھی کہ عربوں سے میرے تعلقات نے اسی سلسلہ میں میرے نظریہ کو یکسر تبدیل کر دیا ہے جس کو میں زندگی کا جوہری جزء سمجھتا رہوں۔"

کچھ مزید طویل قیام اور مغربی زندگی کی گہرائیوں اور اسکے بھنور میں پڑنے کے بعد ان پر مغربی زندگی کے اصل خلا اور مغربی تہذیب کے افلاس (دیوالیہ پن) کا راز زیادہ وضاحت کے ساتھ منکشف ہوا، وہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بات مجھ پر واضح ہونے لگی کہ ہوسکتا ہے کہ یورپ کی داخلی ہم آہنگی کی احتیاج اور اسکی مضطرب ادبی و اخلاقی حالت اس قسم کے رشتہ کے فقدان سے پیدا ہوئی ہو جس قسم کا رشتہ میں نے عربوں کے اندرونی سکون و اطمینان (Emotional Security) اور ان کے عقیدہ و ایمان کے درمیان دریافت کیا تھا"

اسکے بعد سے جب تک وہ یورپ میں رہے اور جب انھوں نے مشرق میں عرب ممالک، ایران و افغانستان کا سفر کیا وہ غیر شعوری طور پر ایک مسلمان کے نہ صرف دماغ سے بلکہ اسکے جذبات کے ساتھ سوچتے رہے، انھوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا مگر اسکی توانائی و قوت حیات اور اسکے دوبارہ عروج وارتقا کی صلاحیتوں پر ان کو بہت سے نسلی مسلمانوں سے زیادہ یقین تھا، سب سے عجیب بات یہ تھی کہ وہ یورپ کے عام مفکرین و فضلاء کے (جو مسلمانوں کے زوال کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کا نتیجہ قرار دیتے ہیں) برخلاف مسلمانوں کے تنزل اور پستی کو اسلامی تعلیمات و شریعت سے انحراف و غفلت کا نتیجہ قرار دیتے تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

"جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے جس پر اب میں پورے طور پر مطمئن ہو چکا تھا، وہ یہ تھی کہ ایک یورپین کے دماغ میں اسلام کی جو تصویر ہے وہ بالکل مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی ہے، قرآن کے صفحات میں میں نے جو دیکھا تھا اسکو کوئی عالمی مادی غیر پختہ نظریہ نہیں کہا جا سکتا ہے' یہاں معبود کا ایک قدوس تصور تھا جو مظاہر فطرت کو عاقلانہ طور پر قبول کرنے کے حق میں ہے یہاں حسی تحرکات اور عقلی روحانی تقاضوں اور اجتماعی تقاضوں، کے درمیان ایک خوشگوار امتزاج اور ہم آہنگی ملتی ہے' یہ بات میرے سامنے کھل کر آگئی تھی کہ مسلمانوں کا زوال اسلام میں کسی قسم کے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر ان کے عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہوا۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

"مسلمانوں کی وجہ سے اسلام ایک عظیم طاقت نہیں بنا، بلکہ اس نے خود مسلمانوں کو عزت و سرفرازی عطا کی، مگر جب مسلمانوں کا ایمان عادت بن گیا،

اور ایک نظام و طریقۂ زندگی کی حیثیت سے باقی نہیں رہا جس کی پیروی احساس
وشعور کے ساتھ کی جاتی ہو تو ان کی یہ ابھارنے والی خلاق طاقت کی شمع جو اُن
کی تہذیب و تمدن کو فروزاں کئے ہوئے تھی بجھ گئی' اور سستی' مایوسی' جمود اور
ثقافتی انحطاط کے لئے راستہ کھل گیا"۔

بالآخر وہ وقت آگیا کہ ان کو اس تضاد کا احساس ہوا جو ان کی ذہنی کیفیت اور اُن کی زندگی کے رویہ میں تھا اور اُن کو یہ انکشاف ہوا کہ اسلام اُن کے دل و دماغ میں گھر کر چکا ہے' اسکا احساس اُن کو اس وقت ہوا جب ۱۹۲۵ء کے اواخر میں ہرات سے کابل جاتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لئے " دہ زنگی " میں ٹھہرے اور ان کے ایک سوال پر جو مسلمانوں کی موجودہ پستی کے متعلق انھوں نے وہاں کے حاکم سے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کیا تھا، نوجوان افغان حاکم نے (جو شاہ امان اللہ خاں کے قریبی عزیزوں میں تھا) بڑے اعتماد اور قوت کے ساتھ کہا:۔

آپ مسلمان ہیں، لیکن خود آپ کو اسکی خبر نہیں، آپ اسی وقت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر باقاعدہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ مسلمان ہو چکے ہیں؟

لیوپولڈ کے کانوں میں اس افغان حاکم کے الفاظ برابر گونجتے رہے' ان کا اسلام کا مطالعہ جاری رہا' اور اُن کا قلبی لگاؤ اور دماغی اطمینان بڑھتا رہا، اور اسلام کے ساتھ انکی گرویدگی میں اضافہ و استحکام ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ اُن کو اسلام ایک ایسی صحیح التناسب عمارت کی طرح نظر آنے لگا جس کو کسی کامل الفن معمار اور مہندس نے تعمیر کیا تھا اور جس کی ہر اینٹ اور پتھر اپنی صحیح جگہ پر تھا اور جس میں نہ کوئی چیز کم تھی نہ زائد' نہ بے محل۔

"اسلام کی ایک مکمل تصویر رفتہ رفتہ آخری طور پر میرے سامنے آرہی تھی ایسی تصویر جو کبھی کبھی مجھے حیرت زدہ اور مدہوش سا کر دیتی تھی' وہ اس طریقہ پر مرتب اور مکمل ہو رہی تھی جس کو عقلی اور ذہنی نفوذ (Mental Osmosis)

سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، یعنی میری طرف سے کسی شعوری کوشش کے بغیر میں نے وہ تمام جھلکیاں اور متفرق واقعات جو گذشتہ چار سال کے اندر میرے ساتھ پیش آئے، ایک جگہ مرتب کر لئے، میں نے اپنے سامنے ایک ایسی مکمل عمارت دیکھی جس کو بہت دقت نظر اور مہارت فن سے بنایا گیا ہو، جس کے سارے اجزا ہم آہنگ اور باہم پیوست ہوں، نہ اس میں کوئی چیز زائد ہو نہ کم، ایک توازن و تناسب جس کو دیکھ کر آدمی میں یہ شعور پیدا ہو کہ اسلام کی تعلیمات میں جو کچھ بھی ہے وہ برمحل ہے۔"

لیکن کسی نئے دین کے قبول کرنے کے لئے محض دماغی اطمینان اور استدلال کافی نہیں ہوا کرتا، اسکے لئے قلبی اطمینان اور جان پر کھیل جانے اور جست لگانے کی ضرورت ہے، یہ زندگی کا سب سے بڑا اقدام اور سب سے وسیع انقلاب ہے، آدمی اپنی پرانی دنیا سے ناطہ توڑ کر ایک نئی دنیا میں قدم رکھتا ہے، پھر اسلام جیسے آسمانی مذہب کے قبول کرنے کے لئے اتنا مان لینا کافی نہیں ہے کہ وہ عقل و حکمت پر مبنی اور ایک حکیمانہ نظام حیات ہے، بلکہ اس بات کے بھی دل میں اتر جانے کی ضرورت ہے کہ وہ نہ صرف منزل من اللہ ہے بلکہ وہ خدا کا آخری پیغام بھی ہے، اپنے اس ذہنی تردد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک میرا تعلق ہے، مجھے محسوس ہو گیا تھا کہ میں اسلام کی طرف کھنچ رہا ہوں لیکن ایک آخری تردد مجھے قطعی فیصلہ سے باز رکھتا تھا، اسلام قبول کرنا درحقیقت ایک ایسے پل پر سے گزرنا تھا جو ایک ایسے گڑھے پر قائم ہے جس کا ایک سرا ایک دنیا میں ہو، دوسرا دوسری دنیا میں، یہ ایک اتنا طویل پل تھا جس کا دوسرا سرا اس وقت تک نظر آنا مشکل تھا جب تک کہ آدمی اتنی دور نہ پہونچ جائے، جہاں سے واپسی ناممکن ہے، میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو مجھے اس دنیا سے جس میں میں نے پرورش پائی تھی ہر تعلق منقطع کر لینا ہوگا، اسکے علاوہ اور کوئی دوسرا نتیجہ نہیں تھا، اس لئے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک بھی کہے اور اپنے داخلی روابط و تعلقات کو بھی برقرار رکھے جو اسکو ایسے معاشرہ سے وابستہ رکھتے ہیں جس کے اصول و مبادی اسلام سے متصادم ہیں۔

لیکن کیا اسلام واقعی خدا کا پیغام ہے؟ یا وہ محض ایک بڑے آدمی کی دانائی اور نتیجۂ فکر ہے جو غلطی سے پاک نہیں؟"

دماغ کی اس گرہ کو جو فلسفیانہ و کلامی طریقہ پر سلجھانے کی کوششوں سے شاید اور الجھ جاتی، ایک تجربہ اور واقعہ نے (جو محض ہدایت الٰہی اور تربیت ربانی کی کرشمہ سازی تھی) کھول دیا اور قرآن مجید کا کلام الٰہی اور معجزۂ آسمانی ہونا محمد اسد کے لئے ایک بدیہی حقیقت بن گیا، جس کے لئے مزید دلیل اور بحث کی ضرورت نہ تھی، یہ ایک نفسیاتی انقلاب تھا جو اچانک پیش آیا،

لیوپولڈ ویس نے ٹرین کے ایک سفر میں جرمنی کے مرفہ الحال طبقہ اور کامیاب تاجروں اور خوش باش اور تندرست آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی جن کا لباس اور سامان اُن کی خوشحالی معاشی بلندی اور خوش قسمتی کی شہادت دیتا تھا، لیکن اُن کے اترے ہوئے مغموم چہرے، اُن کی اُداس صورتیں، اُن کی پھیکی اور بناوٹی مسکراہٹ اس کا پتہ دیتی تھی کہ ان کو اندر سے کوئی غم کھائے جا رہا ہے، اور وہ کسی ایسے روحانی کرب میں مبتلا ہیں جس کا ان کی مرفہ الحالی، تجارت کی ترقی اور سامان عشرت کی فراوانی کے پاس بھی کوئی علاج نہیں، آخر ان کے پاس کس بات کی کمی ہے؟ اس روحانی کرب اور دل کے ناسور کا سرچشمہ کیا ہے؟ ان کی زندگی میں یہ تضاد کیوں ہے؟ وہ جنت (ارضی) میں رہنے کے باوجود جہنم کی اذیتوں سے کیوں دوچار ہیں؟ ان کا اصل مرض کیا ہے جو گھن کی طرح اُن کو کھا رہا ہے؟ لیوپولڈ ویس کے دل میں اس معمہ کو حل کرنے اور "پہیلی بوجھنے" کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔

گھر واپس آکر اچانک اُن کی نظر قرآن مجید پر پڑتی ہے وہ اسکو بلا ارادہ کہیں سے کھول کر پڑھنے لگتے ہیں، قرآن تشخیص کرتا ہے کہ اس "خوشحال بے چینی" کا سبب اس طبقہ اور اس دور کا مرض "تکاثر"[1] زیادہ دولتمند اور کامیاب بننے کی ہوس اور "هل من مزيد" کی ذہنیت اور نعرہ ہے، اس انقلاب انگیز انکشاف پر انھوں نے جو حیرت و مسرت محسوس کی اسکو خود اُنکی زبان سے سنیئے:۔

---

[1] سورۂ تکاثر، پارۂ اخیر

"میں ایک لمحہ کے لئے گُم سُم سا ہوگیا، مجھے یاد آتا ہے کہ یہ کتاب میرے ہاتھ میں جُنبش میں تھی، پھر میں نے اپنی بیوی سے کہا، دیکھو! سنو! کیا یہ اس کا جواب نہیں ہے جو مات کو ہم نے ریل پر دیکھا تھا۔

ہاں وہ ایسا قطعی جواب تھا کہ سارے شکوک وشبہات ایک دم سے ختم ہوگئے۔

"اب میں نے یقینی طور پر سمجھ لیا کہ یہ کتاب جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے خدا ہی کی نازل کی ہوئی ہے، وہ اگرچہ آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک انسان کو عطا کی گئی تھی لیکن اس میں بہت وضاحت کے ساتھ ایک ایسی چیز کی پیش گوئی تھی جو ہمارے اس پیچیدہ اور مشینی دور سے زیادہ واضح طور پر کسی اور دور میں سامنے نہ آئی تھی۔ "تکاثر" یعنی مال و دولت کی حرص و ہوس اور مسابقت تاریخ کے ہر دور میں پائی جاتی رہی ہے لیکن اتنی کبھی نہیں کہ وہ محض اشیاء کو جمع کرنے کا شوق بن جائے یا ایک ایسا کھلونا اور بہلاوا بن جائے جو کسی اور حقیقت کی طرف دیکھنے ہی نہ دیتا ہو، دولت اور اقتدار کا حصول، ایجادات کا ایسا روز افزوں عشق جس کا کوئی علاج نہیں، کل سے زیادہ آج اور آج سے زیادہ کل، ایک بھوت ہے جو لوگوں کے سروں پر سوار، ان کو ایسے چمکیلے مقاصد کی طرف کوڑے مار مار کر بھگا رہا ہے جو دُور سے بہت شاندار معلوم ہوتے ہیں، لیکن ہاتھ میں آنے کے بعد حباب کی مانند غائب ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا ہے جس کے متعلق قرآن کہتا ہے كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ قرآن کسی انسان کی حکمت و دانائی کا نتیجہ نہیں جو ایک دور دراز جزیرۃ العرب میں تاریخ کے کسی دور میں تھا، اسلئے کہ یہ انسان لاکھ سمجھدار، حکیم اور دانا بھی مگر پھر بھی وہ اس عذاب کی پیش گوئی نہیں کر سکتا تھا جو بیسویں صدی کی خصوصیت ہے، مجھے قرآن کے اندر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ اونچی اور گہری آواز سنائی دے رہی تھی۔"

گرہ کھل گئی تھی اور اب کسی اور چیز کا انتظار باقی نہ تھا، لیوپولڈ ویس نے برلن میں اپنے ایک ہندوستانی مسلمان دوست کے پاس جا کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اب وہ "محمد اسد" کے نام سے اس امت اور اس عالم کا ایک جزء بن گئے، جس کی اس معجز نظام کلام اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی آخری نبوت اور تعلیم نے بنیاد ڈالی تھی، اور جو اُن کو پہلے سے عزیز اور مانوس تھا۔

محمد اسد نے اپنے وجود اور دلچسپیوں کو اس امت کے وجود اور دلچسپیوں اور اس عالم کے مسائل وافکار میں اسی طرح ضم کر دیا جیسے ایک خاندان کا فرد اپنے وجود اور شخصیت اور صلاحیتوں کو اس خاندان کے وجود، دلچسپیوں اور مسائل میں ضم کر دیتا ہے، انھوں نے ذوق وشوق کے ساتھ حج وزیارت کا سفر کر کے اس دین کے ساتھ اپنا روحانی ارتباط اور وابستگی مستحکم کی، جزیرۃ العرب میں ایک مسلمان کی حیثیت سے قیام کر کے عربی زبان اور دینیات اور اسلامی معاشرہ سے اپنی واقفیت اور تعلق کو بڑھایا اور اس معاشرہ اور اسکے ذمہ دار افراد سے اتنا گہرا تعلق اور ان کا ایسا اعتماد حاصل کیا کہ سلطان ابن سعود کے معتمد اور امام سنوسی کے قاصد کی حیثیت سے نازک مہیں انجام دیں، ہندوستان کے قیام میں انھوں نے (Islam at the Cross Road) کے نام سے ایک ایسی پرمغز اور فاضلانہ کتاب لکھی جس سے ہندوستان[1] اور عالم اسلامی کے علمی و دینی حلقوں میں ایک ذہنی جنبش پیدا ہو گئی، انھوں نے پہلی مرتبہ معذرت آمیز اور نیاز مندانہ طرز تحریر چھوڑ کر مغربی تہذیب پر پُر اعتماد طریقہ پر بھرپور تنقید کی اور ثابت کیا کہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کی بنیادوں اور نقطۂ آغاز میں اختلاف ہے، اور ان دونوں کا اتحاد ممکن نہیں اسی کے ساتھ انھوں نے "سنت وحدیث" کی طرف سے طاقتور وکالت کی اور اسلامی نظام زندگی میں ان کی اہمیت اور ضرورت ثابت کی، پھر جیسا کہ انھوں نے پیش نظر کتاب کے مقدمہ میں اظہار کیا ہے علامہ اقبال کی رفاقت و رہنمائی میں فکر اسلامی کی تعمیر نو کا کام بھی کیا، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے عرفات (Arafat) کے نام سے ایک انگریزی رسالہ اور صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا عظیم الشان کام بھی شروع کیا جو بدقسمتی سے ناتمام رہ گیا۔

راقم السطور کی ملاقات ان سے پہلی مرتبہ مکہ معظمہ میں اور دوسری بار دمشق اور لبنان میں ہوئی جہاں وہ اپنی اس شہرۂ آفاق کتاب (The Road to Mecca) کا عربی ترجمہ اپنی نگرانی میں کرا رہے تھے، جب یہ ترجمہ شائع ہوا تو انھوں نے از راہِ کرم اس کا ایک نسخہ مجھے بھی بھیجا، میں

---

[1] اس وقت تک پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا۔

اس کتاب کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا، انھوں نے اپنے ذہنی سفر و ہجرت کی داستان اور قبول اسلام کی کہانی بڑے نفسیاتی اور ادبی انداز سے سنائی تھی، انھوں نے اس موضوع کو توڑ کر اسکے اجزا صحرائے عرب کے پرخطر سفروں عرب کی اجتماعی و معاشرتی زندگی کے تجربات، عرب قبائل اور اُن کے سرداروں اور سلطان ابن سعود اور انکے خاندان کے امراء کے دلچسپ حالات میں اس طرح تقسیم اور پیوست کردیے تھے کہ ایک مغربی انکو اسی شوق و دلچسپی اور لذت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جس شوق اور دلچسپی اور لذت کے ساتھ وہ سندباد جہازی کے سفرنامہ یا مشرق کے کسی دلچسپ اور پُراز معلومات روداد سفر کو پڑھتا ہے، گویا انھوں نے ایک خشک اور شاید تلخ موضوع کو شکر کے غلافوں میں لپیٹ کر پیش کیا ہے، جہاں یہ چیز ایک امریکی یا یوروپین ناظر کے لئے کشش اور دلچسپی کا باعث ہے، وہاں مشرقی مذاق رکھنے والوں کے لئے ایک رکاوٹ اور انقباض کا سبب بھی بن سکتی ہے، چنانچہ ہندوستان کے ایک بڑے صاحب نظر ناقد و تبصرہ نگار نے اس کتاب کے متعلق اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ وہ "مغربی مذاق رکھنے والوں کے لئے لکھی گئی ہے اور ہم مشرقیوں اور مسلمانوں کے زیادہ کام کی نہیں" اسی بنا پر عرصہ تک میرے اندر اس کتاب کے مطالعہ کا تقاضا اور شوق نہیں پیدا ہوا۔

لیکن جب مجھے ایک سفر کی فرصت میں کتاب کے عربی ترجمہ "الطریق الی مکۃ"[1] کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقعہ ملا، تو میں مصنف کی نفسیات شناسی بالغ نظری اور حکمت دعوت کا قائل ہو گیا کہ انھوں نے اسلام کی دعوت ایسے حکیمانہ انداز میں دی ہے کہ یہ کتاب مغرب کے باشندوں اور ہندوستان کے غیر مسلموں کے لئے اسلام اور اسلامی تہذیب کے سمجھنے کے لئے ایک اچھی تقریب اور تمہید بن گئی ہے، اس میں ناول کا لطف اور کہانی کی دل آویزی بھی ہے اور علم و فلسفہ کی سنجیدگی اور معلومات کا ذخیرہ بھی، سادگی بھی ہے پرکاری بھی، تفریح کا سامان بھی ہے اور زندگی کی رہبری اور انقلاب انگیزی کی صلاحیت بھی، اسی بنا پر اس نے امریکہ اور یورپ میں بڑی مقبولیت حاصل کی اور انگریزی کے علاوہ (جس میں اصل کتاب ہے) یورپ کی چار زبانوں، جرمن، سویڈی (Swedish) ولندیزی (Dutch) اور فرنچ میں کتاب کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

---

[1] ترجمہ عفیف البعلبکی، مطبوعہ دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۵۶ء

مجھے اس سفر میں خیال آیا کہ اگر اس کتاب میں سے مصنف کے حالات و مشاہدات و تاثرات اور واقعات زندگی (جو کتاب میں نہایت غیر مرتب اور منتشر (لقیہ پر بیان کئے گئے ہیں) انتخاب کرکے ان کو ترتیب کے ساتھ پیش کیا جائے تو وہ محمد اسد صاحب کی مرتب سوانح اور سفرنامہ اور ان کے قبول اسلام کی ایک مکمل تاریخ بن جائے گی اور افادیت کے اضافہ کے ساتھ اسکی دل آویزی و دلچسپی بھی قائم رہے گی، میں نے "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کی جانب سے ان سے اسکے ترجمہ اور انتخاب کی اجازت مانگی جو انھوں نے ازراہ کرم خود بھی منظور فرمائی اور ناشر کی طرف سے بھی اجازت بھیج دی اور اسکے اُردو ترجمہ و طباعت کے حقوق مجلس کو عطا کئے۔

مجلس نے ترجمہ کا کام برادر زادہ عزیزی مولوی محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی کے سپرد کیا جنھوں نے بڑی خوبی اور سلیقہ کے ساتھ یہ فرض انجام دیا، ترجمہ میں انھوں نے عربی اور انگریزی کتابوں کو سامنے رکھا، کتاب میں جا بجا فلسفہ اور نفسیات کی دقیق اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جن کا اردو ترجمہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا، اس مشکل میں انھوں نے مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہ کے مشورہ سے فلسفہ کے مشہور فاضل و مصنف جناب ظفر حسین خاں صاحب مصنف "مآل و مشیت" و سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ سے رجوع کیا، اور موصوف نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ اس میں رہبری و معاونت فرمائی، کتاب کے فاضلانہ مقدمہ کے لئے جو اپنی خاص ادبی حیثیت رکھتا ہے، میں نے اپنے فاضل دوست جناب عبیدالرحمٰن صاحب ایم، ایل اے سے جو انگریزی کے ممتاز ادیب و انشا پرداز ہیں، ترجمہ کی درخواست کی جو انھوں نے ازراہ کرم منظور فرمائی، مجلس کے خادم کی حیثیت سے راقم سطور ان سب حضرات کی عنایات کا ممنون ہے۔

"مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کے کارکنوں کو مسرت ہے کہ وہ اس پر مغز اور بیش قیمت کتاب کا پہلی بار اردو ترجمہ و انتخاب پیش کر رہے ہیں، حالات کی تبدیلی کے باوجود اس کتاب کی علمی و دینی قدر و قیمت اور طاقت باقی ہے، مشرق و مغرب کی دیرینہ کش مکش میں اگرچہ فاتح و اقبال مند مغرب نے مشرق کی ان خصوصیات کو بہت حد تک مغلوب کرلیا ہے جن کی بنا پر وہ مغرب کی بے چین و "مادیت بیزار" روحوں کا مامن اور صدیوں تک امن و اطمینان کا نشیمن رہا ہے، عرب کی ایمانی حرارت اور زندگی کی سادگی اور لطافت

اور بقول مصنف کتاب "اس کی خلوت پسندی اور پاکیزگی کو تیل کے سنہرے دھارے بہالے گئے" مصنف کتاب نے جس "حسین و معصوم" دنیا کی دل کش تصویر پیش کی ہے اور جس نے "انکو" دین فطرت" کی طرف متوجہ اور بچہ اس کا حلقہ بگوش بنایا اب محدود سے محدود تر ہو گئی ہے لیکن اطمینان و مسرت کی بات یہ ہے کہ اس "حرارت و لطافت" کا سرچشمہ محفوظ ہے، اسلام خود اپنی ایک دنیا ہے، جس میں مشرق و مغرب، عرب و عجم، قریب و بعید اور قدیم و جدید کی کوئی تقسیم نہیں، مشرق و مغرب کی سرحدیں اور عرب و عجم کے امتیازات کبھی صفات الٰہی کی طرح ازلی و ابدی نہ تھے جو کوئی تغیر قبول نہ کر سکیں، خدا کا بے لاگ قانونِ فطرت ایک کو ایک دوسرے پر اثر انداز اور غالب کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا، خدا کے آسمانی پیغام اور دین انسانیت کا انحصار کسی ملک اور تہذیب پر نہیں ہے، اسلام مشرق کے واسطہ اور عرب کی احتیاج کے بغیر بھی اپنی رحمت کا سایہ مغرب پر ڈال سکتا ہے، دین حق کی منزل کے لئے ایک راستہ نہیں، صرف طلب صادق اور عزم راسخ کی ضرورت ہے، اگر آج مشرق کی وہ آسودگی اور عرب کی وہ سادگی خواب و خیال ہو گئی ہے جو محمد اسد کے لئے اسلام کی طرف کشش کا باعث بنی تھی تو کوئی غم کی بات نہیں، کہ اس "آسودگی اور سادگی" اس سکینت و اطمینان' اور اس یقین و ایمان کا منبع اور مرکز موجود اور محفوظ ہے مشرق بھی فانی ہے اور مغرب بھی فانی، مشرق کا سکون و اطمینان بھی فانی ہے اور مغرب کا اضطراب و بے اطمینانی بھی فانی، یہاں جو کچھ ہے زمانی اور مکانی، عارضی اور فانی، ابدی اور ازلی صرف ایک ذات ہے اس کے فیض کا چشمہ ہر زمانہ میں جاری اور اسکی ہدایت کا سلسلہ ہمیشہ باقی ہے اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جو کتاب بھیجی تھی اور انسانیت کے لئے نمونہ بننے کے لئے جس ذات (روحی فداہ) اور جس زندگی کو انتخاب کیا تھا اسکی رہنمائی اب بھی موجود ہے، سچی پیاس رکھنے والوں کے لئے خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے، عرب کے ہوں یا عجم کے، چین کے ہوں یا ہندستان کے، اب بھی یہی صدائے غیب آ رہی ہے کہ

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

تجلیاتِ مجدّد الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

ترجمہ و تلخیص ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۲۲۶) اپنے برادر حقیقی میاں شیخ محمد مودود سرہندی کے نام ———

..... زندگانی بہت قلیل ہے اور (اگر اس کو غلط استعمال کیا جائے تو) عذاب ابدی اس پر مرتب ہوگا افسوس کی بات ہے کہ کوئی اس فرصت زندگانی کو امور بے فائدہ میں صرف کرے اور عذاب دائمی میں گرفتار رہو ——— اے برادر! لوگ اطراف و جوانب سے اسباب دنیوی ترک کرکے بڑی تعداد میں یہاں (سرہند) آرہے ہیں اور تم ہو کہ گھر کی دولت کو نہ پہچان کر طلب دنیا میں بھاگے بھاگے پھر رہے ہو ——— (حیا کرنا چاہیئے) الحیاءُ شعبةٌ من الایمان (حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے ——— اے برادر! اس طرح کا اجتماع اور اس قسم کی خالص اللہ کے لئے جمعیت جیسا کہ آج سرہند میں ہے اگر تمام عالم میں بھی تلاش کرو تو نہیں کہہ سکتا کہ اس کا سواں حصہ بھی کہیں نظر آئے یا کچھ بھی اس کیفیت سے کہیں حاصل ہو ——— تم اس قسم کی دولت کو مفت اپنے ہاتھ سے ضائع کر رہے ہو اور بچوں کی طرح "جواہر نفیس" چھوڑ کر اخروٹ اور منقی پر اکتفا کر رہے ہو ——— ع شرمت بادا ہزار شرمت بادا۔ اے برادر! اس کے بعد شاید قضا و قدر فرصت نہ دیں یا فرصت ہو تو یہ اجتماع عظیم قائم نہ رکھیں پھر اس وقت کیا تدبیر اور تلافی کی کیا

صورت ہوگی ـــــ تم نے غلطی کی ہے اور غلط سمجھے ہو ـــــ تم "لقمہائے چرب وشیریں" پر مفتوں اور لباسہائے نفیس پر فریفتہ مست ہوئے جاؤ ـــــ ان چیزوں کے نتائج دنیا و آخرت میں سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ نہیں ...... اللہ تعالیٰ عقل دے اور تم کو متنبہ کردے ـــــ اے برادر! دنیا بے وفائی میں ضرب المثل ہے اور اہل دنیا بداخلاقی میں مشہور ہیں۔ بے وفا دنیا اور اہل دنیا کے پیچھے اپنی عمر "گرامی" کو صرف کرنا افسوس کی بات ہے ...... والسلام۔

مکتوب (۲۳۲) خانخاناں کے نام ـــــ

(دنیا کی مذمت اور ازالۂ محبت دنیا کی تدبیر)

اللہ تعالیٰ دنیائے دنی کو اور اس کی طمع کاری کی قباحت کو نظر بصیرت میں منکشف کرکے آخرت کے حسن وجمال اور وہاں کے باغات وانہار اور وہاں کے جلوہ دیدار الٰہی کو آشکارا کردے۔ بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ تاکہ اس جلد زائل ہوجانے والی قبیح دنیا سے بے رغبتی حاصل ہو اور پورے طریقے سے عالم بقا کی طرف ـــــ جو کہ محل رضائے باری تعالیٰ ہے ـــــ توجہ حاصل ہوجائے۔ جبتک دنیا کی برائی واضح نہ ہوگی اس دنیا کی گرفتاری سے خلاصی پانا محال ہے اور جب تک دنیا کی گرفتاری سے خلاصی نہ ہوگی، فلاح ونجاتِ اخروی کا حاصل ہونا مشکل ہے۔ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے (حدیث) یہ مسلم ویقینی بات ہے ـــــ علاج بالضد کے اصول پر اس دنیائے دنی کی محبت دور کرنے کا علاج اس بات پر موقوف ہے کہ آخرت کی طرف رغبت ہو اور احکام شریعت کے مطابق، اعمال صالحہ کئے جائیں۔ حضرت حق سبحانہٗ نے حیاتِ دنیا کو پانچ چیزوں بلکہ (دراصل) چار چیزوں میں منحصر رکھا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (حیات دنیا، بس لہو ولعب، زینت وتفاخر اور مال واولاد میں کثرت طلب کرنے کا نام ہے) بس جب انسان اعمالِ صالحہ میں مشغول ہوگا تو ان مذکورہ قباحتوں کا جزو اعظم یعنی لہو ولعب نقصان پذیر ہوجائے گا اور جب ریشم پہننے اور سونے چاندی کے

استعمال سے پرہیز کرے گا تو دوسرا جزو (یعنی زینت) زوال میں آئے گا ۔ اور جب یہ یقین کرے گا کہ اللہ کے نزدیک فضیلت وکرامت کا معیار تقویٰ ہے نہ کہ حسب ونسب تو لافخر سے باز رہے گا اور جب یہ جان لے گا کہ اموال واولاد کی بے جا محبت) ذکر حق سے مانع ہوتی ہے تو لازمی طور پر زیادہ طلبی سے دست بردار ہو جائے گا ـــــ خلاصۂ کلام اس جامع آیت شریفہ میں ہے ۔ مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ـــ (رسولؐ جو تم کو عطا کریں اس کو لے لو اور جس سے منع فرماویں اس سے رُک جاؤ)۔

مکتوب (۲۳۳) شیخ فرید بخاریؒ کے نام

(نصیحت)

...... میں حاضر وغائب ہر دو حالت میں پوری توجہ سے آپکی سلامتی، تمام ایسی باتوں سے چاہتا ہوں جو آپ کی شایانِ شان نہیں ہیں ـــــ بعض اوقات غلبۂ خیر اندیشی اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ جرات وجسارت کرکے آپ کو خلاف شان امور سے (بزرگ خود) تاکید ومبالغہ کے ساتھ منع کردوں اور مجلس شریف میں نااہلوں کو گھسنے کا موقع ہی نہ دوں ـــ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تمام آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں ـــ لہٰذا مجبوراً غائبانہ دُعاؤں میں مشغول رہتا ہوں ۔ شاید یہ دعائیں قبول ہوجائیں .... آپ کی خوش حالی اور رفاہیت میں مخلوق خدا کی خوش حالی ورفاہیت (پوشیدہ) ہے اور اس کے عکس میں مخلوق خدا کا نقصان ہے ـــ اسی وجہ سے لوگوں کے نزدیک آپ کے حق میں دُعائے خیر کرنا ایسی مفید ہے جیسا کہ نزولِ باران رحمت کی دُعا، عامۂ خلائق کے لئے مفید ہوا کرتی ہے ـــ پس افسوس کی بات ہوگی کہ اس عظمت شان کے باوجود (آپ کی طرف سے) "دانۂ خشخاش" کے برابر بھی اعتراض کا موقع دیا جائے ـــ یہ دانۂ خشخاش دوستوں اور خیر اندیشوں کے دلوں پر بارِ عظیم ہے ـــ مہربانی فرماکر اپنے خیر اندیشوں کے دلوں کے بوجھ کو ہلکا کیجئے ـــ عرصے سے اس خیر اندیش نے اس بارے میں کچھ نہ لکھا تھا اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ تکرار ومبالغہ آپ کی طبیعت پر گرانی کا سبب بن جائے ؎

یارِ نازک بدن از بادِ ہوا می رنجد ہمچو گلبرگ ز آسیبِ صبا می رنجد

لیکن یہ بات دوستی سے بعید سمجھی کہ گرانیٔ مزاج کی بنا پر مقام سکوت اختیار کیا جائے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس　　در بندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید

مکتوب (۲۴۹) ملا احمد برکی[۱] کے نام

(آخری حصہ)

(استخارہ کی حقیقت اور حفظ و اماں میں رہنے کی تدبیر)

...... مخدوما! استخارہ ہر امر میں مسنون و مبارک ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ استخارے کے بعد خواب میں یا بیداری میں کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرتی ہو بلکہ استخارے کے بعد قلب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ـــــ اگر امرِ مطلوب کی طرف قلب کا رجحان پہلے سے زیادہ ہے تو یہ بات اس کام کے کرنے پر دلالت کرتی ہے اور اگر قلبی توجہ اُسی قدر ہے جتنی استخارے سے پہلے تھی اور کوئی کمی نہیں واقع ہوئی تو بھی اس کام کی ممانعت نہیں ہے البتہ ایسی صورت میں استخارہ دوبارہ کرلیں حتیٰ کہ قلب کا زیادہ متوجہ ہونا محسوس ہو ـــــ تکرارِ استخارہ کی حد (زیادہ سے زیادہ) سات مرتبہ ہے ـــــ ہاں اگر استخارے کے بعد قلب کی پہلی توجہ میں کمی معلوم ہو تو یہ بات منع پر دلالت کرتی ہے ـــــ اس صورت میں بھی کئی مرتبہ استخارہ کریں تو گنجایش ہے۔ بلکہ ہر صورت میں استخارہ مکرر کرنا اولیٰ اور مناسب تر ہے......

ظالموں کے فتنہ و شر سے محفوظ رہنے کی دعا بھی تم نے طلب کی تھی (دعا کی گئی اور از روے

---

[۱] مولانا احمد برکیؒ ـــ برک کے رہنے والے اور وہاں کے علماء میں سے تھے ـــ مولانا کا ایک ہم وطن تاجر جو آپ کا دوست تھا ہندوستان آکر اپنے وطن واپس گیا وہ ہندوستان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات حاصل کرچکا تھا اور آپ کے مکاتیب کا کچھ حصہ بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا۔ مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور اُن سے حضرتؒ کے کمالات باطنی کا پتہ چلایا تو جذبۂ دل نے سرہند چلنے پر آمادہ کیا۔ وہاں پہونچ کر عنایات خصوصی سے سرفراز ہوئے اور اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے ایک ہی ہفتے میں درجۂ کمال و اکمال کو پہونچ گئے۔ تعلیم طریقت میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی وہاں حسب الحکم کارِ طریقت میں مشغول ہوئے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی حضرت مجددؒ نے دعائے مغفرت سے ان کی روح کو شاد کیا۔ جب کبھی مولانا کا تذکرہ مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرتؒ اُن کی تعریف فرماتے تھے ـــ (ماخوذ از زبدۃ المقامات)

.... یقین لکھتا ہوں کہ) حضرت حق سبحانہ نے تم کو اور تمھارے متعلقین کو بلکہ تمھاری بستی کو ظالموں کی شرارت سے محفوظ فرما دیا ہے۔ اطمینان کے ساتھ جناب باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں امید کہ اس حفظ و اماں کو کسی وقت خاص تک کے لئے محدود نہ سمجھو گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بہت ہی وسیع ہے ـــــ مگر اپنی بستی کے باشندوں کو یہ نصیحت ضرور کر دینا کہ وہ اپنے اچھے طور و طریقہ میں اور مسلمانوں کی خیر اندیشی میں تبدیلی پیدا نہ کریں ـــــ قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی عافیت و نعمت کو نہیں تبدیل کرتا تاوقتیکہ وہ اپنے احوال جمیلہ کو اخلاق رذیلہ سے تبدیل کر دیں۔ یعنی جب تک کوئی قوم اعمال صالحہ میں مشغول رہے گی اور ذکر خدا سے غافل نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عافیت و خوشحالی نہیں سلب ہو گی) والسّلام

مکتوب (۲۴۹) میرزا داراب ابن خانخاناں کے نام

(اتباع رسول کے فضائل میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ـــــ نجاتِ اُخروی اور فلاح سرمدی، متابعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے ـــــ اسی بنا پر آنحضرتؐ کی متابعت سے محبوبیتِ حق کے مقام پر پہونچتے ہیں اور آپؐ کی متابعت سے تجلّیٔ ذات سے مشرف ہوتے ہیں۔ آپؐ ہی کی متابعت سے مرتبہ عبدیت سے (جو کہ تمام مراتب کے اوپر اور مقام محبوبیت کے حصول کے بعد ہے) سرفراز ہوتے ہیں .... اولوالعزم پیغمبر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو کرتے تھے۔ (حدیث کی رو سے) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتے تو آپ کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا ـــــ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا (قرب قیامت میں نازل ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا تابع ہونا مشہور و معروف بات ہے۔ آپؐ کی امت آپ کی متابعت کی برکت سے خیر الامم قرار دی گئی ہے اور اس میں اکثر و بیشتر اہل جنت ہوں گے اور کل بروز قیامت اتباع کی بدولت تمام امتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے اور وہاں کی نعمتیں حاصل کریں گے ... -

پس تمھارے اوپر اتباع رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور التزام سنت اور شریعت کی پابندی

لازم ہے ....

مکتوب (۲۵۰) ملا احمد برکی رح کے نام۔

(آخری حصّہ)

(استفسار کا جواب)

تم نے یہ بھی استفسار کیا تھا کہ اس زمانے میں زادو راحلہ کے میسّر ہونے پر مکہ معظمہ جانا فرض ہے یا نہیں؟ مخدوما! روایاتِ فقہ اس بارے میں بہت مختلف ہیں۔ مختار و پسندیدہ اس مسئلے میں فقیہ ابو اللیث رح کا فتویٰ ہے کہ انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر ظنِ غالب راہ میں امن اور عدمِ ہلاکت کا ہے تو فرضیت ثابت ہے ورنہ نہیں — لیکن یہ شرط، شرطِ وجوب ادا ہے۔ شرطِ نفس وجوب نہیں ہے۔ پس ایسی صورت (راہ کی بدامنی اور قابل اعتبار خوفِ ہلاکت) میں حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگی ...... والسّلام۔

آئندہ مہینے (یعنی نومبر ۱۹۶۰ء) میں

الفرقان شائع نہیں ہو گا۔ بلکہ دسمبر کے پہلے ہفتے میں نومبر اور دسمبر کی مشترک اشاعت پیش کیجائیگی۔ خریدار اور ایجنٹ صاحبان نوٹ فرمائیں۔

ناظم الفرقان

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

از افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

تلخیص ـــــ عتیق الرحمٰن سنبھلی ـــــ (۲)

سلطان صلاح الدین ایوبی پر تعلیماتِ غزالیہ کا اثر

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد صلیبی حروب کی قیادت جس عالمگیر شہرت رکھنے والے بادشاہ صلاح الدین ایوبیؒ کے حصے میں آئی، مولانا فرماتے ہیں کہ ذرا اسکے حالات بھی دیکھئے کس قدر حیرت انگیز ہیں۔

امام غزالی کی وفات کے تائیس سال بعد امام صلاح الدین کی ولادت ہوئی۔ اُنکی مجاہدانہ زندگی سے تو خیر دنیا واقف ہے، میں اس وقت یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اتنی عظیم سلطنت کے تاجدار ہونے کے باوجود ذاتی حال اس سلطان کا یہ تھا کہ وفات کے بعد اُن کے ذاتی خزانے کا جب جائزہ لیا گیا تو

ماخرج غیر دینارٍ صوریٍ	ایک صوری اشرفی اور چالیس ناصریہ
واربعین درهمًا ناصریة	درہم کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔[۱]

(ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۶)

---

[۱] ابن اثیر نے تو صرف درہم و دینار کے متعلق لکھا ہے۔ مورخ ابوالفدا جو اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں انکا بیان ہے کہ لم یخلف عقاراً ولا داراً (سلطان نے کوئی غیر منقولہ جائداد زمین وغیرہ کی شکل میں چھوڑی نہ کوئی ذاتی مکان چھوڑا۔

ایک طرف (امام غزالی ہی کی صدی کا کچھ پیشتر کا) عضدالدولہ تھا جو چاہتا تھا کہ روزانہ اس کے خزانہ میں دس لاکھ درم جب تک داخل نہ ہوں گے دم نہ لے گا، دوسری طرف صلاح الدین کا یہ حال ہے کہ اپنے خزانے میں کچھ نہ چھوڑوں گا! ــــــ بقول ابن اثیر فاطمیوں کے مصری خزانہ کا صلاح الدین تنہا وارث ہوا تھا، مگر ان ہی کی شہادت ہے کہ

فَفَرقهٗ جمیعاً (ج ۱۲ ص۳۵) سلطان نے سارا خزانہ تقسیم کر دیا۔

یا ایک وہ کیفیت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھنے والے خطبا اور علما تک بھی غیر شرعی لباس سے پرہیز نہ کرتے تھے، علماء دین کے خچروں تک کے گلوں میں طلائی طوق پڑے رہتے تھے۔ یا ایک حال صلاح الدین کا تھا کہ

لم یلبس شیئاً مما ینکرہ الشرع — ایسی کوئی چیز کبھی نہ پہنی جسے شریعت نے ناجائز ٹھیرایا ہو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ

آخر آپ ہی بتایئے کہ بخت و اتفاق کے پیچھے آدمی کہاں کہاں تک پناہ ڈھونڈے، اور مسلسل پیش آنے والے ان واقعات کی جو غزالی کے بعد اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں کیا توجیہ کرے ــــــ یہ جو کچھ ذکر ہوا مشرقی اسلامی دنیا کے خلفاء وسلاطین کا تھا، لیکن جب مغربی دنیائے اسلام (اندلس اور مغربی افریقیہ) کے دینی انقلاب میں ــــــ جس کا امام غزالی کے بغداد سے ہزاروں میل کا فاصلہ تھا، لوگوں کو امام غزالی کا ہاتھ نظر آتا ہے (جیسا کہ ابن خلدون نے روایت بیان کی ہے کہ "محمد بن تومرت جو مغرب میں موحدین کی دینی حکومت کا حقیقی بانی تھا امام غزالی ہی نے اسکو ایک ملاقات میں ایک طاقتور دینی سلطنت کے قیام پر آمادہ کیا تھا") اور ہم اس مغربی حکومت کا یہ رنگ دیکھتے ہیں کہ موحدین کا دوسرا بادشاہ جس کا نام یوسف بن عبدالمؤمن تھا، صحیح بخاری اسکو زبانی یاد تھی، جہاد کی حدیثیں خود املا کراتا تھا ساری زندگی یورپ کے عیسائی سلاطین سے اسلامی علاقوں کو واپس لینے میں اسکی گزری۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یعقوب جانشین ہوا، جس کے متعلق الیافعی کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:۔

"شریعت کو پوری طاقت سے اس نے پکڑ رکھا تھا، معروف کا حکم دیتا تھا، منکرات کو اس نے

روک دیا تھا۔ اس معاملہ میں بڑا دلیر تھا، کسی جھجک کے بغیر وہ اِن امور کو انجام دیتا تھا؛
مغربی افریقہ کے سوا اندلس پر بھی اُس نے دوبارہ اسلامی اقتدار قائم کر دیا تھا، بے تھاہ دولت کا مالک تھا مگر بااین ہمہ بالاتفاق مورخین کا بیان ہے کہ

کان یلبس الصوف ویقف للمرأة والضعیف فیاخذ لهم حقهم من کل ظالم عنیف۔	بال کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتا (یعنی کمبل پوش تھا) معمولی عورت اور کسی غریب کمزور کے لئے بھی کھڑا ہو جاتا تھا، اور بڑے سے بڑے ہیکڑی دکھانے والے ظالموں سے حق دلا کر رہتا تھا۔
(الیافعی ج ۳ ص۴۸۲)	

(جب مغربی سلاطین تک کے ان حالات میں لوگوں کو امام غزالی کی کارفرمائی نظر آئی ہے) تو آخر میرے پاس اس تاثر کو بے بنیاد ٹھہرانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے جب مشرق کے ان خلفاء و سلاطین وملوک کے ان حالات میں مجھے غزالی کی روح کارفرما نظر آتی ہے ــــــ واقعہ یہ ہے کہ غزالی کے بعد کے خلفاء ملوک وسلاطین کے ان طبقات میں غیر معمولی انقلاب کی جن موجوں کو ہم متلاطم پاتے ہیں انکے متعلق اس بات کا ثابت کرنا تو مشکل ہے کہ براہ راست امام کے کارندوں نے ان لوگوں کو متاثر کیا تھا، بلکہ محمد بن تومرت کے ساتھ بھی امام غزالی کے جن تعلقات کا لوگ تاریخوں میں تذکرہ جن الفاظ میں کرتے ہیں اُن سے عام تاریخی یقین کا پیدا ہونا بھی دشوار ہے، اور ذکر بھی اس واقعہ کا اتنا سرسری طور پر دوسرے واقعات کے ضمن میں کر دیا گیا ہے کہ عوام ہی نہیں خواص تک کو بھی اس کی خبر نہ پہنچ سکی، اس لئے مولانا فرماتے ہیں کہ میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ یہ نتائج عملاً امامؒ کی ارادی کوششوں سے وابستہ تھے بلکہ

"کہنا صرف یہ ہے کہ غزالی کے دل سے ایک آواز نکلی تھی، ان کے سامنے یہ قطعاً نہ تھا کہ کس کو سنا رہے ہیں، خلفاء کو یا سلاطین کو، اُمراء کو یا وزراء کو عوام کو یا خواص کو، بس وہ صرف سنانا چاہتے تھے اور امید قائم کی ہو گی کہ سننے کی جس میں صلاحیت ہو گی اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس کو سُنے گا۔ اور فائدہ اٹھائے گا۔ اور یہی واقعہ پیش آیا بھی؛"

خلفاء و سلاطین کے بعد وزراء

آپ کے سامنے ابتک تو اُن خلفاء و ملوک ہی کی مثالیں گزری ہیں جو یکے بعد دیگرے مشرق و مغرب میں غزالی کے بعد نمایاں ہوتے رہے، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا غزالی کے سامنے کوئی خاص طبقہ نہ تھا۔ سارے مسلمانوں کے لئے انکا خطاب عام تھا۔ پس اب ذرا خلافت و سلطنت کے بلند زینوں سے نیچے اُتر کر بھی دیکھئے۔

وزیر ابن ہُبیرہ یہ اُسی خلیفہ مقتفی باللہ کے وزیر ہیں جس کا تذکرہ گزرچکا ہے، امام غزالی کی وفات کے کل ۳۰ سال بعد خلافت عباسیہ کے وزیر اعظم کے عہدے پر سرفراز ہوئے ہیں۔ نام تو ان کا یحییٰ تھا۔ ہُبیرہ جو اُن کے دادا تھے ان ہی کی طرف منسوب ہوکر ابن ہبیرہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ بارگاہ خلافت سے، جیسا کہ اس زمانہ میں عام دستور ہو گیا تھا، طویل و عریض القاب ارکانِ حکومت کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے تھے، ابن ہبیرہ کو بھی

وزیر العالم، العادل، عون الدین، جلال الاسلام، صفی الامام، شرف الانام، معز الدولہ، عماد الامۃ، مصطفیٰ الخلافۃ، تاج الملوک و السلاطین، صدر الشرق والغرب، سید الوزراء،

کا لمبا چوڑا خطاب ملا تھا، مگر جو حالات کتابوں میں اُن کے ملتے ہیں اُن کو دیکھ کر یہی خیال گزرتا ہے کہ خود ابن ہبیرہ کے قلب میں نہ ان الفاظ کا کوئی وزن تھا اور نہ اس عہدے پر سرفرازی کے بعد آدمی جس جاہی و مالی اقتدار کا مالک ہوجاتا تھا اس اقتدار کی وقعت و قیمت بھی انکی نگاہ میں پرِ پشہ سے زیادہ تھی۔ ابن جوزی، ابن ہبیرہ کے صرف دیکھنے والے ہی نہیں بلکہ اُن کے حلقہ درسِ حدیث میں بیٹھنے والوں میں سے ایک ہیں، بڑی تفصیل سے عباسی خلافت کی اس عجیب و غریب شخصیت کا انھوں نے تذکرہ کیا ہے۔ دو واقعے سننے کے لائق ہیں۔

(۱)

صحاحِ ستہ کی حدیثوں کی شرح میں انتہائی تدقیق و تحقیق سے الافصاح نامی ایک کتاب خود ابن ہبیرہ نے تصنیف کی تھی۔ اسی کا درس وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد ایک

دن دے رہے تھے، مالکی مذہب کے ایک فقیہ نے خواہ مخواہ ایک مسئلہ میں الجھنا شروع کیا علماء کا حلقہ تھا ہر ایک فقیہ کو سمجھاتا تھا۔ فن کی معتبر کتابیں لالاکر دکھلائی جارہی تھیں، مگر فقیہ کا اصرار اپنی بات پر جاری رہا۔ قدرتاً ابن ہبیرہ کو اس اصرار بیجا پر غصہ آگیا اور زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکل گیا۔

بھیمۃٌ انتَ اما تسمع ھٰؤلاء	تم نرے جانور ہو۔ کیا سن نہیں رہے ہو یہ تمام
یشھدون والکتب المصنفۃ	لوگ کس بات کی شہادت دے رہے ہیں اور
وانت تنازع وتفرق المجلس	کتابوں سے کیا معلوم ہوتا ہے، مگر تم ہو کہ جھگڑتے ہی چلے جارہے ہو، اور مجلس میں گڑبڑ پیدا کر رہے ہو۔

(شذورج ۴ صفحہ ۱۹۳)

کہنے کو تو ابن ہبیرہ نے اس وقت ان کو "جانور" کہہ دیا، لیکن اسکے بعد ان کے شریف نفس میں ذمہ داری کا احساس جب بیدار ہوا تو پھر کس حال میں وہ مبتلا ہوئے، یہی سننے کی بات ہے۔

لکھا ہے کہ اس دن کی مجلس تو ختم ہوگئی لیکن دوسری مجلس میں جب لوگ جمع ہوئے اور قاری نے قرأت کرنی چاہی تو ابن ہبیرہ نے اس کو روک دیا اور مالکی فقیہ کی طرف خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہ کل آپکے اصرار بیجا نے خواہ مخواہ ایک ایسے لفظ کو میری زبان پر جاری کر دیا جب تک آپ اسی لفظ سے مجھ کو مخاطب نہ کرلیں گے درس شروع نہیں ہوسکتا۔ "آخر آپ کو "بہیمہ" کہنے کا مجھے کیا حق تھا؟ میں اپنے اندر کوئی ترجیحی وجہ نہیں پاتا" ــــــ مجلس سناٹے میں آگئی۔ خلافت عباسیہ کا وزیر اعظم الحاح واصرار کے ساتھ ایک معمولی مولوی کے سامنے قصور کا اعتراف کرکے یہ استدعا کر رہا ہے کہ مجھے "بہیمہ" یعنی جانور آپ جب تک نہ کہہ لیں گے میرے دل کو چین نہ ہوگا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اہل مجلس پر رقت طاری ہوگئی۔ لوگ رونے لگے۔ مالکی فقیہ بھی حد سے زیادہ شرمندہ تھا، وزیر سے کہہ رہا تھا کہ قصور تو میرا تھا۔ مجھے معذرت پیش کرنی چاہیئے، مگر ابن ہبیرہ چلا چلا کر

القصاص! القصاص!! بدلہ! بدلہ!!

کے لفظ دہراتے چلے جاتے تھے۔

آخر چند لوگ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کی رائے ہے کہ مالکی فقیہ کو آپ الٹی شکل

میں کچھ معاوضہ ادا کر دیں، مگر فقیہ کو اس سے کلی انکار تھا، بہت سمجھانے بجھانے پر بیچارہ سو اشرفیوں کے لینے پر آمادہ ہو گیا، اور یوں بات رفع دفع ہوئی۔

(۲)

طالب العلمی کے زمانہ میں ایک دن سڑک پر چلے جا رہے تھے، پھٹے حال تھے، ایک سپاہی نے پھل کا ایک ٹوکرا اٹھانے کا حکم دیا۔ اور انکار کرنے پر ایک تھپڑ اس زور سے رسید کیا کہ ابن ہبیرہ کی داہنی آنکھ کی روشنی جاتی رہی، لیکن زندگی بھر اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ اتفاقاً وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں بجرم قتل وہی شخص گرفتار ہو کر ابن ہبیرہ کے سامنے لایا گیا، انھوں نے خوں بہا ادا کر کے مدعیوں کو روانہ کر دیا۔ اور اسکو بھی پچاس اشرفیاں دیکر رخصت کیا، لوگوں نے اس غیر معمولی سلوک کی وجہ پوچھی، تب کہا کہ میری داہنی آنکھ کی روشنی جو غائب ہے، اس کا علم غالباً آپ لوگوں کو نہ ہو گا۔۔۔ قتل کے اسی مجرم کا یہ کرتوت ہے۔ پھر قصہ سنایا، اور آخر میں بولے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیئے، اس پر عمل کرنے کے لئے دل بے چین ہو گیا، اسی لئے اس کے ساتھ میں نے یہ خصوصی برتاؤ کیا۔

قاضی فاضل

غزالی کے بعد وزراء کے طبقہ میں ابن ہبیرہ ان حالات میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ کافی تعداد ایسے وزراء کی پائی جاتی ہے، کم از کم سلطان صلاح الدین کے وزیر باتدبیر قاضی فاضل سے کون ناواقف ہے، ابن عماد نے شذرات میں ان کے متعلق لکھا ہے:

کان نزھا عفیفا نظیفا	بڑے پاکباز، پارسا اور باصفا بزرگ تھے۔
قلیل اللذات، کثیر الحسنات	لذتوں کا حصہ اُن کی زندگی میں بہت کم تھا۔ نیکیوں اور بھلائیوں کی اُن کے یہاں کثرت تھی
دائم التھجد ملازمۃ القرآن	تہجد کے پابند اور قرآن کے ساتھ دائمی وابستگی
والاشتغال بعلوم الادب۔	رکھتے تھے، نیز ادبی علوم میں مشغول رہتے تھے۔
(صفحہ ۳۲۵ ج ۴)	

مالی حالت یہ تھی کہ علاوہ وزارت عظمیٰ کی تنخواہ کے ہندوستان اور مغرب میں وسیع پیمانہ پر انکا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ جاگیریں الگ تھیں صرف ایک گاؤں ترنجہ نامی سے، ابن عماد نے لکھا ہے کہ بارہ ہزار اشرفی آمدنی ہوتی تھی، مگر اس تمام آمدنی میں قاضی فاضل کا اپنا حصہ کتنا تھا؟

(باقی صفحہ ۴۴ پر)

اشتراکیت کا مقابلہ کیسے؟

(از جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال)

ابھی حال ہی میں امریکہ کے ایک ذمہ دار شخص نے جو غالباً صدارت کے بھی امیدوار ہیں کیمونزم پر ایک طویل بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اشتراکیت کو سائنسی، اقتصادی اور جنگی میدانوں میں شکست دینا ممکن نہیں ہے اسے تو خیالات و نظریات کے میدانوں میں شکست دیکر ہی کامیابی حاصل کیجا سکتی ہے" ــــ سوال یہ ہے کہ آپ اسے خیالات و نظریات کے میدانوں میں کس طرح شکست دے سکتے ہیں۔ اشتراکیت نے تو اپنے خیالات و نظریات کو عمل کا جامہ بھی پہنا رکھا ہے۔ پھر کیا آپ اسے بلا کسی عملی اقدام کے مجرد خیالات و نظریات کے بل بوتہ پر شکست دے سکتے ہیں؟

اشتراکیت الحاد و فسق کی ایک کھلی ہوئی شکل ہے جو مجرد خیالات تک ہی محدود نہیں، بلکہ عملاً ایک وسیع انسانی گروہ کی معاشرتی و مجلسی زندگی کی بنیاد بن چکی ہے، اشتراکیت صرف خدا و آخرت کا ہی انکار نہیں بلکہ ہر ایسے نقطۂ نظر کا انکار ہے جو انسانیت کے وسیع تر روحانی و اخلاقی مفادات سے متعلق ہے۔ وہ خاندانی مفادات کا منکر ہے مگر اسلئے نہیں کہ خاندان کا محدود نظریہ قوم و ملت کے وسیع تر نظریہ سے ٹکراتا ہے بلکہ اسلئے کہ اس سے اشتراکیت کے حلقہ بندانہ مفادات پر براہِ راست ضرب پڑتی ہے وہ وطن پرستی اور ملت پروری کا مخالف ہے مگر اس لئے نہیں کہ شاید اس سے عالم گیر انسانیت کو ضرر پہنچتا ہو بلکہ اس لیے کہ اس سے کیمونزم کے جماعتی مفادات کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے، وہ مذہبی گروہ بندیوں کا مخالف ہے مگر اسلئے نہیں کہ اس قسم کی گروہ بندیاں اکثر و بیشتر انسانی بھائی چارے میں حائل

ہوتی رہی ہیں بلکہ اس لئے کہ اس سے کیونزم کی اصل بنیاد کے نیست و نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے، اشتراکیت آج تک اپنا کوئی اخلاقی ضابطہ مقرر نہیں کر سکی۔ اس کی بقا و ترقی کا تمام راز اس میں پنہاں ہے کہ اس کے مخالف عمل سے عاری اور اسکی بنیادی کمزوریوں سے بیشتر ناواقف ہیں، انھوں نے اسکی مخالفت بغیر اسکے گہرے مطالعہ کے کر رکھی ہے وہ سیاسی، اقتصادی، یا مجرد نظریاتی میدانوں میں تو اسکی مخالفت بڑے زور و شور سے کرتے رہتے ہیں، لیکن عمل کے میدانوں میں اس سے کوسوں پیچھے ہیں۔

غور کیجیے کہ الحاد و فسق پر مبنی خیالات کی ہی نہیں بلکہ پوری ایک عمل کی دنیا اشتراکیت نے تخلیق کر رکھی ہے، روز بروز اس میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، دنیا کا کوئی ملک اور کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں کا کچھ نہ کچھ عنصر اسکی برادری میں شامل نہ ہو۔ الحاد و فسق کی اس منظم و قائم شکل کا مقابلہ خدا پرستی اور عمل صالح کی منظم صورت سے ہی ممکن تھا، لیکن ان بلند بانگ مخالفین کا طرزِ عمل اس کے قطعی برعکس ہے اور در پردہ اشتراکیت کی قوت کا باعث بن رہا ہے۔ یہ اشتراکیت کی خدا انکاری پر تو چراغ پا ہوتے ہیں، لیکن اپنی کھوکھلی اور زبانی خدا پرستی کی خبر نہیں لیتے۔ وہ اسکی بے دینی و لادینی کا رونا تو روتے ہیں، لیکن اپنی دینداری کی سطحیت کا ہرگز ماتم نہیں کرتے۔ وہ اگر خدا کی منکر ہے تو اس نے انکار کی ایک عملی شکل بھی قائم کر دی ہے اور اسی طرح قدرت کے قانون ثمراتِ عمل سے متمتع ہو رہی ہے، لیکن کیا خدا پرستی کی مدعی طاقتیں ایسا ان سے کہہ سکتی ہیں کہ اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود انھوں نے زندگی کے کس کس شعبے میں خدا پرستی کی عملی شکل قائم کی ہوئی ہے۔ ایک عام آدمی یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ باوجود شدید الفاظی مخالفت کے اشتراکیین وغیر اشتراکیین، اپنی سماجی، تہذیبی، ثقافتی، اقتصادی معاشی اور سیاسی زندگیوں میں ایک سے ہی طور طریقوں پر عامل ہیں۔

ان مسلمانوں کے لئے بھی یہ بات فوری توجہ کی محتاج ہے، جو اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو اشتراکیت سے محفوظ رکھنے کے خواہش مند ہیں کہ آیا وہ صرف زبانی مخالفت تک ہی اپنی اشتراکیت دشمنی کا مظاہرہ کافی سمجھتے ہیں، یا یہ کہ اپنی زندگی کے علمی و عملی تمام پہلوؤں کو اسلامی قالب میں ڈھال کر بروقت اپنے تحفظ و استحکام کا سامان کر لینا ضروری یقین کرتے ہیں۔

اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی دوسری غیر اشتراکی اقوام کی طرح محض لفظی مخالفت ہی کافی ہے، اور اپنے فکر و عمل کو تجدد و اباحیت کے آغوش میں دیے رہنے پر راضی و مطمئن ہیں تو پھر انھیں اپنے دینی مستقبل کو خیر باد کہدینا چاہیئے، لیکن اگر زمانہ کی روش عام کے خلاف خالص دین کو مضبوطی سے پکڑنے کے لئے وہ تیار ہیں اور اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے آمادہ ہیں تو یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ خواہ مستقبل کی دنیا کا نقشہ کچھ بھی ہو، انشاء اللہ ان کو کوئی گزند پہنچنے نہیں پائے گا اور وہ انشاء اللہ اس وعدۂ الٰہی کو پھر پورا ہوتا ہوا دیکھیں گے کہ "انتم الاعلون ان کنتم مومنین"۔

ان ابتدائی کلمات کے بعد آیئے آج کی صحبت میں ان افکار و نظریات کا مختصر سا جائزہ لیا جائے جن کے بطن سے اشتراکیت نے جنم لیا اور جن کے سہارے پروان چڑھ کر وہ اپنی موجودہ شکل و صورت تک پہنچی۔

اشتراکیت تین سو سال کی اس کشمکش افکار کا نتیجہ ہے جو عقیدۂ تثلیث کے ردعمل کے طور پر یورپ کے ذہنی میدانوں میں برپا رہی، فکر و نظر کا وہ فساد جو عیسائیت کے نظریہ تثلیث سے پھیلنا شروع ہو گیا تھا، بالآخر انسان کو ذہنی بغاوت کی ان حدود تک لے گیا جہاں ذمہ داری کے تمام احساسات ختم ہو جاتے ہیں، دنیا میں نیکی و بدی کے بقاء و فروغ کا تمام دارومدار عقیدۂ الوہیت پر ہے جو الٰہ واحد کی حقیقت پر مبنی ہو۔ اس عقیدہ میں پہلی ٹھوکر انسان نے تعدد الٰہ کے نظریہ کی شکل میں کھائی چنانچہ تاریخ انسانی کے تمام فسادات فکر و نظر کا اصل سرچشمہ تعدد الٰہ کا نظریہ ہی رہا ہے۔ انسانی فطرت جو بندگی اور تعبد کا جوہر اپنے خمیر میں رکھتی ہے، اپنے فطری تقاضے پورے کرنے کے لئے کسی کے آگے جھک جانے پر مجبور رہے، اور جب بھی اسے ایک سے زیادہ کے آگے جھکنا پڑا وہ مقام رفیع سے گر گئی۔ عقیدۂ تثلیث بھی تعدد الٰہ کا ہی ایک روپ تھا، جو بہر صورت انسانی فطرت کے خلاف تھا، پاپائیت کے مستبدانہ نظام نے اس نظریہ کو منظم و جابرانہ شکل دی۔ صلیبی جنگوں کے بعد جب یورپ میں علم و فکر کا ایک نیا میدان کھلا تو وہاں کا ذوخیز اور بالغ نظر گروہ کسی طرح بھی عقیدۂ تثلیث پر مطمئن نہ رہ سکا۔ اس اضطراب کا نتیجہ ہی لوتھر وغیرہ کی

مذہبی اصلاحات کا دور جدید تھا، جس کے ذریعہ عیسائیت کے نظام پاپائیت میں پہلی بار مستقل رخنہ پڑا، لیکن یہ اصلاحات چونکہ حقیقت پسندانہ نہیں تھیں اس لئے مرض کا صحیح علاج ثابت نہیں ہوئیں، چنانچہ وہاں کا جدید آزاد خیال گروہ عیسائیت کے رائج الوقت افکار و نظریات سے درپردہ اور گاہے علانیہ بیزاری کا اظہار کرنے لگا۔ اور اس طرح ایک مستقل باغی اور منکر ذہن پیدا ہوگیا یہ ذہن تثلیثی عقائد و تثلیثی نظام کے تو خلاف ہوگیا، لیکن اس کی جگہ کونسا نظام اور کونسا عقیدہ اختیار کرے، یہ سوال نہایت تیزی سے ابھر آیا۔ لیکن اس سوال کے جواب سے پہلے کائنات اور انسان کے بارے میں بھی کوئی نظریہ قائم کرنا ضروری تھا، تثلیثی نظام سے جب بیزاری ہوئی تو اسکے نظریۂ کائنات و نظریۂ انسان پر کیسے یقین باقی رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس پر فکر و آراء کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا اور بالآخر یہ گتھی ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے سلجھائی گئی اب انسان اور کائنات کے بارے میں عیسائی اور تثلیثی نقطۂ نظر کے متوازی ایک اور نظریہ ہاتھ لگ گیا تھا اس طرح صدیوں کی متوارث اعتقادی کشمکش سے بھی نجات مل گئی اور آئندہ کے تمام تغیرات فکری کے لئے ایک اساس ہاتھ آگئی۔

مذہب کا نظریۂ کائنات و نظریۂ انسان، خدا کی قدرت تخلیق، آدم کامل کے اولین ظہور و عرفان، حیات بعد الممات اور عقیدۂ یوم الدین پر مبنی ہے۔ انسان کے لئے مذہب کی تمام پابندیاں اسی نظریہ کے تقاضوں کی بنیاد پہ ہیں۔ درحقیقت ایک صاحب عقیدہ انسان کے لئے یہ نرا نظریہ ہی نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اسکے برعکس ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کائنات اور انسان کی تخلیق میں قدرت کی کارفرمائیوں کے بجائے اندھے عناصر کی ترکیب و امتزاج کا ہاتھ مصروف عمل بتاتا ہے۔ یہ اندھے عناصر بجائے خود ایک ایسے بے شعور مادہ کے اجزائے ترکیبی ہیں جو تنہا کائنات کی اصل حقیقت ہے۔ لیکن صرف اتنی بات ہی مکمل الحاد کے لئے کافی نہیں تھی۔ کائنات سے متعلق بہت سے پیچیدہ مسائل کے علاوہ انسان کے فکر و شعور اور جذبات و عواطف کے منبع و ماخذ کا مسئلہ بھی حل طلب تھا خدا اور مذہب کا انکار اسکی توجیہ کیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ خدمت چند ماہرین نفسیات نے اپنے ذمہ لی۔ انھوں نے انسانی ذہن کی تمام منفی اور پست حیثیتوں کو سامنے رکھ کر ایک ایسا خطرناک نتیجہ نکالا جس نے نیکی اور اخلاق کے ایک ایک تصور کو ہلا ڈالا۔

مشہور ماہر نفسیات میکڈوگل نے کہا کہ انسان کے تمام عواطف و میلانات حیوانی جبلت کا نتیجہ ہیں. یہ ہی حیوانی جبلت انسان کا حقیقی رجحان طبعی ہے. آج اسکی کتاب سوشل سائکالوجی، یورپ وامریکہ کی یونیورسٹیوں میں ہی نہیں، بلکہ ہندوپاک وعرب وایشیا کی تمام یونیورسٹیوں میں نفسیات کی سب سے اہم کتاب کی حیثیت سے داخل نصاب ہے، فرائڈ نے ایک قدم آگے بڑھ کر تمام انسانی احساسات و داعیات کا دامن شہوات وجنسیات کے ساتھ باندھ دیا، اس نے نفس انسانی کو تحت الشعور، شعور اور فوق الشعور کے مابین تقسیم کر کے دلوں سے مکافات نیت وعمل کے قانون الٰہی کا خوف نکال دینے کی کوشش کی اور اس طرح سماجی دباؤ بھی انسانیت کے لیے ایک ظلم بے جا بن گیا، جس سے نجات حاصل کرنا ہر فرد کا حق ہے. آج فرائڈ کے ان نظریات پر ہمارے کتنے ہی علوم وفنون کی بنیاد رکھی ہوئی ہے. علم معالجات کا تو ایک پورا شعبہ اس نظریہ کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے. ادب وآرٹ میں بھی اسکی نمود کئی مقامات پر دیکھی جا سکتی ہے. تفریحات کا تو کوئی شعبہ اسکے اثر سے خالی نہیں ہے. ایڈلر نے ایک اور ہی بات کہہ کر انسانی انا کو خود پسندی اور خود بینی کی ایک تاریک راہ پر ڈال دیا ہے، جس کے بعد حق کی روشنی کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا ہے. وہ کہتا ہے کہ ہماری تمام خواہشات واعمال کا اصل محرک جذبہ حب تفوق ہے. انسان کی فطرت کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز پر غالب آیا جائے اسکی بقا، ترقی کا انحصار صرف جبر وتغلب میں ہی ہے. گویا اس طرح اگر ڈارون کا انسان جسمانی حیثیت سے ایک ترقی یافتہ حیوان ہے تو میکڈوگل کا انسان ذہنی حیثیت سے حیوانیت کی اعلیٰ سطح پر ہے اور فرائڈ کا انسان حیوانیت کی جبلت شہوات وجنسیات کا مرقع ہے - ان سب پر مستزاد ایڈلر کا انسان ہے جو سر تا پا ابلیس ہے اور ہر چیز پر جابر ومتغلب رہنا چاہتا ہے.

انسان کی ان حیثیتوں کی تعلیم جو ایک طرح انسان کا "مثلہ" بنا دینا ہے، بلاامتیاز، علانیہ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں ہو رہی ہے. فن وآرٹ کے کئی شعبے ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں، ادب وصحافت میں اسکے گہرے اثرات کام کر رہے ہیں، حیاتیات، طبیعیات، ومعالجات میں اسکو بطور رہنما اصول کے استعمال کیا جاتا ہے الغرض انسان کی تخلیق کائنات کے اسرار، افراد وقوم کی انفرادی و اجتماعی نفسیات پر اسکا علی الاعلان بلا تردد اطلاق وانطباق کیا جاتا ہے اور اب اس حد تک یہ اثرات بڑھ چکے ہیں کہ بعض برخود غلط مذہبی متجددین اسے درجۂ الہام اور منشائے قرآنی تک قرار دینے پر آمادہ

ہو گئے ہیں۔

یہ ہی وہ بنیادی افکار و نظریات ہیں، جن کی ایک عرصہ تک نشر و اشاعت اور قبول و تسلیم کے بعد تاریخی مادیت کا مارکسی فلسفہ ظہور میں آیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی نوع انسانی پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و کرم تھا کہ بات مارکسیت پر آکر رک گئی اور انسان کو اصلاح احوال کے لئے ایک اور مہلت مل گئی ورنہ ان افکار کا تقاضہ تو یہ تھا کہ انسان اپنا جامہ انسانیت قطعاً چاک کر کے پھینک دے اور ایک بدترین حیوان کی زندگی اختیار کر کے اسفل السافلین کے پستیوں میں ہمیشہ کے لئے جا گرے۔ بہرحال مارکس کی تاریخی مادیت اور فلسفۂ اشتراکیت ان باطل نظریات کا قدرتی اور منطقی نتیجہ تھا اور یہ نتیجہ پوری ہلاکت سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہو کر رہا۔ آخر ایک ایسا وجود جو مادے کے اتفاقی تغیرات کی بدولت ایک ننھے خلیہ سے ترقی کرتا ہوا انسان بنا، اور جس کا جسمانی و شعوری ارتقاء حیوانی سطح پر ہی ہوتا رہا۔ اسکی تاریخ شکم و معاش کی ہی تاریخ ہو سکتی تھی۔ اور مارکس نے یہ تاریخ مدلل طور پر پیش کر دی ہے۔ اس تاریخ کی روشنی میں جس فلسفۂ اشتراکیت کا ظہور ہوا اس نے دنیا میں عملاً اپنے لئے ایک بہت بڑی جگہ بنا لی ہے۔ اسکی اس گرفت کو ختم کرنے کے لئے جہاں اسکی سیاسی اور اخلاقی شکست ضروری ہے وہاں اسکا تاریخی اور نظریاتی ابطال بھی بھی ضروری ہے۔ اس ابطال کے لئے مذکورہ نظریات کا ابطال ہی کافی نہیں بلکہ اسکے بالمقابل صحیح نظریات کا اثبات اور علوم حاضرہ پر ان کا علمی اور عملی اطلاق و انطباق بھی ضروری ہے۔ ہمارے وہ علمائے کرام و تعلیم یافتہ حضرات جو سیاسی، ادبی اور فقہی و کلامی نکات آفرینیوں میں بڑی سے بڑی داد تحقیق دے رہے ہیں۔ کیا ان گوشوں پر بھی توجہ فرمائیں گے۔

عصر حاضر کے بعض مسلمان مصنفین نے ان نظریات کو قرآن کے دامن سے باندھنے کی بھی کوششیں فرمائی ہیں۔ بعض نے تو انھیں من و عن ہی قبول کر لیا ہے اور بعض نے کسی قدر ترمیم و تغیر کے ساتھ اپنایا ہے۔ بالخصوص مسئلہ ارتقاء کو تو ان سب نے ہی قبول کر لینے اور قرآن کی بیان کردہ حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ارتقائے جسمانی کا دور تو ختم ہو چکا ہے۔ اب انسان پر ذہنی ارتقاء کا عمل جاری ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ان کے اس قول کے دونوں جز واقعاتی شہادت سے محروم ہیں۔ ارتقاء کا جو بھی پہلو اور صورت مانی جائے وہ قرآن کے نظریہ کائنات و نظریۂ انسان سے متصادم ہوتی ہے۔ آخر ایک ایسا وجود جس کی تخلیق ایک بے شعور مادہ کے اتفاقی تغیرات و عمل و ردعمل کے نتیجہ میں

میں پھنی ہو۔ جو وجود اندھے، بہرے عناصر مادی کے آغوش میں اتفاقات کی بدولت ایک خلیہ سے ترقی کرتا ہوا مختلف مدارج حیوانی سے گذر کر انسان بنا ہو۔ جس کا شعور ہنوز حیوانیت کے عہد طویل کے موروثی اثرات کی پوری پوری گرفت میں ہو۔ جس کی جبلی سرشتوں کا دامن قدرت کے قانون فجور و تقویٰ کے بجائے خالص حیوانی دور کی امنگوں کے ساتھ بندھا ہوا ہو، آخر ان مصنفین نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ دفعتاً خارج سے آئی ہوئی الہامی و اخلاقی ہدایات کا مکلف ہو سکتا ہے، اگر ذہنی اور نفسیاتی ارتقاء کا عمل جاری ہے اور انسانی فہم و شعور ہنوز ناقص ہے تو وحی و نبوت کی تکمیل و اختتام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور خود اس عمل ارتقاء کی موجودگی میں وحی و نبوت کا بھی کوئی مقام باقی نہیں جاتا۔ الغرض ڈارون کے تصور ارتقاء کے کسی جزء کو بھی تسلیم کر لینے کے بعد مذہب و عقائد کی وابستگی باقی ہی نہیں رہ سکتی۔ اسے قائم کرنے کی یہ کوشش تکلف یا ریاکاری سے خالی نہیں۔

وہ مسلمان مفکر جو عہد حاضر میں اسلام کی ذہنی و فکری خدمات انجام دینا چاہتے ہیں، انھیں اس پیچیدہ اور ناقص طرز فکر سے بلند ہو کر اسلام کے تحقیقی نظریہ کائنات و نظریۂ انسان پر اثباتی و استشہادی دلائل قائم کرنے چاہئیں۔ نظریۂ اضافیت کے علمی اثبات کے بعد فلاسفۂ قدیم و جدید کے مادے کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہ گئی ہے اور بات ہر پھر کر پھر کُن فیکون تک جا پہنچی ہے۔ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی بنیاد فلاسفہ کے محبوب مادے پر ہی تو ہے جسے کائنات کی اصل ٹھہرایا جاتا تھا۔ جب یہ اصل ہی باقی نہیں رہی تو اس سے متفرع نظریات کس طرح قائم رہ سکتے ہیں۔ انشاء اللہ اس پر کسی اگلی صحبت میں مفصل کلام کروں گا۔

بقیہ مضمون "جہانے را........" (صفحہ ۱۴)

یہی ابن عماد لکھتے ہیں:-

کان لباسہ لا یساوی دنیارین۔	دو اشرفی بھی اُن کے لباس کی قیمت نہ ہوتی تھی۔

سواری جب نکلتی تو ایک غلام کے سوا کوئی ساتھ نہ ہوتا، بکثرت قبرستان جاتے، جنازوں کے ساتھ چلتے اور مریضوں کے گھر جا کر عیادت کرتے۔

مسائل وبصائر

تعدّدِ ازدواج

عتیق الرحمٰن سنبھلی

[ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کی ایک کتاب "مسئلہ تعدّد ازدواج" پر تبصرہ کچھ طوالت اختیار کر گیا تھا۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس تبصرہ کو "تعارف وتبصرہ" کے عنوان کے بجائے عنوان بالا کے تحت درج کیا جائے جس کا افتتاح اتفاق سے ایک کتاب ہی پر اظہار خیال سے ہوا تھا۔ ع]

یہ کتاب جناب مولانا شاہ محمد جعفر صاحب ندوی پھلواروی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ کوئی پونے دو سو صفحات کی ضخامت ہے۔ سائز $\frac{20 \times 30}{16 \times 1}$ اور قیمت ۔/۱۲/۱۔ اس میں چھوٹے بڑے سات مضامین تو خود مرتب کے ہیں اور تین دوسرے حضرات کے۔ جن کے نام ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم۔ جسٹس عبدالرشید۔ مولانا عبدالسلام ندوی۔ تمام مضامین کا رُخ (بجز ایک مضمون کے جس کا تعلق آنحضرت کے تعدّد ازدواج کی توجیہہ سے ہی) تعدّد ازدواج کی مخالفت کی طرف ہو۔ لیکن بعض صورتوں میں اس کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ یہ کام حکومت یا عدالت کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیے۔

تعدّد ازدواج کی مخالفت ان مسائل میں سے ہو جن سے ادارۂ ثقافت اسلامیہ کو خاص طور پر دلچسپی ہے۔ ہم برابر ان حضرات کے دلائل و موقف کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ لیکن

مسئلے کی شرعی حیثیت کے بارے میں جو کچھ ان حضرات کی طرف سے کہا جاتا رہا ہے وہ ذرا دیر کے لیے بھی اپنا کچھ وزن نہیں محسوس کراتا، اس کتاب میں بھی جو کچھ کہا گیا ہے اس کے متعلق بھی ہماری رائے یہی ہے۔

تعدد ازدواج کو جائز رکھنے والا کوئی شخص اگر اس فصل کو کار ثواب سمجھتا ہے تو ہمیں اس نقطۂ نظر سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ محض ایک انسانی ضرورت کا معاملہ ہے اور اس میں بھی فیصلہ مفاسد و مصالح کے تمام متعلقہ پہلوؤں کو سامنے رکھ کر کرنا چاہیے۔ علیٰ ہذا یہ بھی حقیقت ہے کہ اس اجازت کے لیے عدل شرطِ لازم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کے بعد اس کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتا تو یقیناً ایک اسلامی حکومت و عدالت کے دائرۂ کار میں یہ بات آتی ہے کہ وہ معاشرے کی دوسری ناانصافیوں کی طرح اس بے انصافی سے بھی تعرّض کرے۔ مگر اس کتاب کے مصنّفین سرے سے تعدد ازدواج ہی کو حکومت و عدالت کی اجازت پر موقوف کر دینا چاہتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں تعدد ازدواج کی اجازت عام حالات کے لیے نہیں دی گئی تھی بلکہ اُس خاص صورت حال کے ماتحت دی گئی تھی کہ جنگِ اُحد کے نتیجے میں اُس وقت کے چھوٹے سے مسلم معاشرے میں یتیموں کی ایک کثیر تعداد کی کفالت و پرورش کا ایک اہم مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں ہدایت کی گئی کہ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ یتامیٰ کی پرورش و نگہداشت میں کوتاہی کرو گے تو ان کی ماؤں میں سے دو دو چار چار کو نکاح میں لے لو۔ کہا گیا ہے کہ یہ تھی وہ صورت حال جس میں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی تھی، پس ٹھیک اسی طرح کی صورتِ حال کبھی پیدا ہو یا اسی وزن کا کوئی دوسرا مسئلہ پیدا ہو جائے جبھی تعدد کی اجازت دی جائے گی ورنہ نہیں۔

دعوے اور دلیل کی اس تقریر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو درجہ بدرجہ تین سوالات سامنے آتے ہیں۔

(۱) یہ کہ تعدد ازدواج کی شرعی اجازت کہاں ہے کہاں نہیں، اس امر کا فیصلہ کرنے کا اختیار اگر کسی حکومت و عدالت کو مل سکتا ہے تو اُس حکومت و عدالت کو مل سکتا ہے جس کا آئین و قانون شریعت اسلام ہو۔ لیکن پاکستانی حکومت و عدالت، جس کو یہ اختیار دینے کی تجویز کی جا رہی ہے، اپنے آئین و قانون کے اعتبار سے جب حقیقت میں ایک اسلامی حکومت نہیں ہے تو اُس کو کیسے یہ اختیار دیا جا سکتا ہے؟

(۲) یہ کہ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ یا تو یتامیٰ کی پرورش و کفالت کا مسئلہ ہونا چاہیے (اور وہ بھی اجتماعی اور قومی پیمانے کا۔ ملاحظہ ہو صف) یا پھر اُس کے ہم وزن کوئی دوسرا مسئلہ ہونا چاہیے اس کے بغیر

تعدد ازدواج جائز نہیں ہو سکتا، تو کیا پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونے کا مسئلہ یتامیٰ کی کفالت کے "قومی اور اجتماعی پرابلم" (مسئلے) کے ہم وزن ہے جس پر آپ دوسری شادی کی اجازت دے رہے ہیں؟ ملاحظہ ہو صـ۱۲

(۳) یہ کہ قرآن پاک کی جس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اس میں تعدد ازدواج کی اجازت اُس صورت میں دی گئی ہے جب کہ معاشرے میں یتامیٰ کی کفالت کا کوئی قومی اور اجتماعی پرابلم پیدا ہو گیا ہو، تو کیا واقعی اُس آیت کا یہی محمل ہے؟

شروع کے دو سوالات کا جواب بالکل صاف ہے اُن کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تیسرے سوال کے جواب میں کسی نتیجے پر مطمئن ہونے کے لیے کچھ گفتگو درکار ہے۔ آئیے قرآن کی آیت کو سامنے رکھ کر اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

قرآن کی جس آیت کی طرف ہمارے ان مصنفین کے استدلال میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝

(سورۃ النساء۔ آیہ ۳)

اس آیت کا ترجمہ مولانا جعفر شاہ صاحب نے یوں کیا ہے:

اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ یتامیٰ کے بارے میں معاشرانہ انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تمھیں پسند آئیں اُن سے دو دو، تین تین، چار چار تک سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل کو قائم نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی پر یا باندی پر قناعت کر لو۔ یہ تمھیں غلط میلان سے بچانے کے لیے زیادہ قریب کا راستہ ہے۔ (صـ۵)

جسٹس عبدالرشید صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو، اور صرف اسی صورت میں، ان عورتوں میں سے تم کو جو پسند ہوں دو، تین یا چار تک سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم اُن سے عدل قائم نہ کر سکو گے تو پھر تم صرف ایک ہی بیوی پر

قناعت کرو الخ ص۱۴۲

یہ دونوں ترجمے ایک دوسرے کی کسر کو پورا کرتے ہیں جسٹس عبدالرشید صاحب کے ترجمے میں "انصاف" کے ساتھ "معاشرانہ" کی وضاحت نہیں تھی۔ اس کمی کو مولانا جعفر شاہ صاحب کا ترجمہ پورا کر رہا ہے شاہ صاحب کے ترجمے میں "عورتوں" کے ساتھ "ان" کی وضاحت اور "صرف اسی صورت میں" کی قید نہیں تھی۔ یہ وضاحت اور یہ قید جسٹس صاحب کے ترجمے میں آگئی ہے[1]۔ بہرحال اس ترجمے کی بنیاد پر کہا گیا ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت اِسی آیت سے اخذ کی جاتی ہے۔ اور اسی مطلب کے لیے ہمارے معاشرے کو یہ آیت سب سے زیادہ یاد رہی۔ لیکن یہ آیت عام حالات کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اُس خاص صورت حال سے ہے جس کی طرف آیت کے ابتدائی الفاظ فان خفتم الّا تقسطوا فی الیتمٰی میں اشارہ موجود ہے۔ اور وہ خاص صورت حال یہ ہے کہ معاشرے میں کسی جنگ وغیرہ کی وجہ سے یتامیٰ کی کفالت اور پرورش کا ایک اجتماعی پرابلم پیدا ہو گیا ہو، ایسی خاص صورت حال میں آیت یہ رہنمائی کرتی ہے کہ اگر ویسے تم یتیم بچوں کی کفالت و تربیت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو ان کی ماؤں کو دو دو چار چار کر کے اپنے نکاحوں میں لے لو۔ بشرطیکہ تم ان کے مابین عدل کر سکو ورنہ بس ایک ہی پر اکتفا کرو۔

یہ مطلب بتایا گیا ہے اس آیت کا، اور بجز مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کے مضمون کے تمام مضامین میں اس کو بُری طرح گھونٹا گیا ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ "انصاف" کے ساتھ "معاشرانہ" اور "عورتوں" کے ساتھ "ان" کی وضاحت نیز "صرف اسی صورت میں" کی قید قرآن کے الفاظ میں نہیں ہے، یہ ترجمہ ان صاحبان کا مفید مطلب اضافہ ہے۔ ان اضافوں کو حذف کر دیجیے تو باقی ترجمہ صحیح اور مطابق اصل ہے ــــــ اور دونوں اضافوں کی ضرورت تو واضح ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ لفظ "معاشرانہ" کے اضافے کی ضرورت کو بعض لوگ نہ سمجھ سکیں۔ اس اضافے کی ضرورت یہ تھی کہ کفالت اور پرورش کے مفہوم میں "انصاف" کا لفظ فٹ نہیں بیٹھتا تھا جو کہ قرآنی لفظ "اقساط" کا صحیح صحیح ترجمہ ہے اس لیے مولانا جعفر شاہ صاحب نے "معاشرانہ" کی وضاحت کے اضافے سے قرآنی الفاظ کو کفالت و پرورش کے مفہوم سے قریب لانے کی کوشش کی ہے۔

کوئی شبہہ نہیں کہ اگر آیت کا مطلب یہ ہے تو عام حالات میں جوازِ تعدد کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور پھر حق ہے مولانا جعفر شاہ صاحب کو کہ اس آیت سے جواز تعدد پر علی الاطلاق استدلال کرنے والوں پر لاتقربوا الصلوٰۃ کی پھبتی اُڑائیں، اور اس سلسلے میں تمام فقہائے اُمت کے اتفاق کے متعلق مشورہ دیں کہ اسے ایک چوک سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، جو شروع میں کسی سے ہوگئی تو پھر ہوتی ہی چلی گئی ـــــ لیکن، کیا واقعی آیت کا مطلب یہی ہے؟ اور ایسا قطعی ہے کہ اس کی بنیاد پر ازاوّل تا آخر تمام ائمہ اور فقہا کو مکھی مار ثابت کر دیا جائے؟ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے فقہاء نے تو مکھی پر مکھی نہیں ماری ہے البتہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے معزز اراکین و محققین ضرور اپنے میں سے کسی ایک شخص کی ماری ہوئی مکھی پر مکھی مارتے چلے جا رہے ہیں۔ آیت کی جو تفسیر اتنی قطعیت اور اس قدر زعم بے جا کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ سچ پوچھیے تو اس کی ادنیٰ گنجائش بھی نہیں ہے، اور سراسر تضحیک ہے اپنے علم و فہم کی کہ یہ اَن کہی بات اتنے زور و شور سے کہی جا رہی ہے۔ اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ یتامیٰ کا مسئلہ حل کرانے اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کو سہل بنانے کے لیے آیت میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ لوگ یتیموں کی ماؤں کو اپنی زوجیت میں لے لیں۔ اس تفسیر کے بطلان کی بالکل بدیہی دلیل آیت ہی کے اندر موجود ہے، اور وہ ہے اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ کا ٹکڑا ـــــ جس کا مطلب ہے کہ "یا اپنی باندیوں سے نکاح کر لو" ـــــ بالکل بدیہی بات ہے کہ (یتیموں کی ماؤں سے نکاح کر لینے سے یتیموں کی پرورش کا مسئلہ حل ہو بھی سکتا ہو تو) باندیوں سے نکاح میں تو مسئلہ یتامیٰ کا قطعاً کوئی حل نہیں ہے۔ پس اگر یہ مانا جاتا ہے کہ آیت کا تعلق یتامیٰ کی پرورش کے مسئلے سے ہے اور حق تعالیٰ نے اس سلسلے میں مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمانا چاہتے ہیں کہ یتامیٰ کی ماؤں سے نکاح کر لو، تو ذرا سوچنا چاہیے کہ اس سیاق میں یہ متبادل تجویز کس قدر مہمل ہو جاتی ہے کہ "اور یا اپنی باندیوں سے نکاح کر لو" ـــــ تعالی اللّٰہ عن مثلِ ھذہٖ المھملات۔

یہ تو خود آیت ہی کے الفاظ میں وہ کھلی ہوئی دلیل ہے جو اربابِ ثقافتِ اسلامیہ کی تفسیر کو بداہۃً رد کر دیتی ہے ـــــ اور اب اس لطیفے کو کیا کہیے کہ لاتقربوا الصلوٰۃ والی پھبتی من و عن ان حضرات کی طرف لوٹ آتی ہے ـــــ لیکن ہمارا تو خیال ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے تک جانے کی

ضرورت بھی نہیں ہے۔ ارباب ثقافت اسلامیہ اگر خالی الذہن ہو کر غور فرمائیں تو انھیں اپنے اس دعوے میں (کہ آیت کا تعلق یتامیٰ کی پرورش و نگہداشت کے مسئلے سے ہے) خود ہی پہلے ہی قدم پر سقم نظر آجائے گا کہ ایک ایک آدمی دو دو چار چار صاحب اولاد بیواؤں کو اپنے نکاح میں لے لے، یہ آخر یتامیٰ کے مسئلے کا کس صحیح الحواس آدمی کی سمجھ میں آنے والا حل ہے؟ یہ حل ہے کہ ایک لاینحل مصیبت جو اچھے بھلے سکون سے بہتے ہوئے ہر ہر گھر پر ڈالی جا رہی ہے۔ جو لوگ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری بیوی آجانے اور پھر اس کے دو ایک بچے ہو جانے میں گھر کی حالت کا وہ بھیانک نقشہ کھینچتے ہیں کہ ایک چھوٹی موٹی جہنم نظروں میں پھر جاتی ہے۔ ان کی عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ قرآن سے تعدد ازواج کی اجازت کا "شرمناک" الزام ہٹانے کے لیے اس اجازت کی اس عقل دشمن تاویل پر اتر آئے ہیں جو ہر گھر کو سچ مچ جہنم بنا دے۔ اور پھر اس تاویل ضرورت و حکمت کے فلسفے بگھارے جا رہے ہیں۔ یہ بارش کی بوندوں سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہونا آخر عقل و خرد کی کونسی قسم ہے؟ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری کنواری بیوی لے آنا تو ممنوع ہے جس کے مفروضہ تلخ نتائج ہو سکتا ہے کبھی نہ ظہور میں آئیں، یا اگر ظہور میں آئیں گے بھی تو بہر حال کچھ وقت گزرنے پر آئیں گے۔ لیکن چار چار صاحب اولاد بیواؤں کو بیک وقت عقد میں لے آنا اور ہر ایک کو اس کی پوری پلٹن کے ساتھ لا کر گھر میں بسانا عین ہدایت ربانی ہے جس کے قدم رکھتے ہی گھر بھٹیار خانہ بن جائے اور آدمی دوسرے ہی روز خودکشی کو سوچنے لگے! کیا مسئلہ یتامیٰ کا یہی وہ بہترین حل ہو سکتا تھا جس کی توقع ہم خدائے حکیم و دانا سے کر سکتے ہیں؟ تعالیٰ عما یقولون علواً کبیرا

خدا کے لیے ہوش کے ناخن لیجیے، اور قرآن کو مضحکہ نہ بنوائیے!

ہمارے نزدیک اس تفسیر کی اصل بنیاد اہل مغرب کے اعتراضات سے صرف مرعوبیت ہے۔ لیکن اس سچی بات کو کہہ کون سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی بنیاد یہ قرینہ بتایا گیا ہے کہ زیر بحث آیت جس سلسلۂ کلام کا جزء ہے اس کا تعلق یتامیٰ کے مسئلے سے ہے (پس "ماطاب لکم من النساء" سے وہی عورتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کو نکاح میں لانے سے یتامیٰ کا مسئلہ حل ہو جائے) ہم دانشمندان ثقافت اسلامیہ کی خدمت میں باادب عرض کریں گے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ سلسلۂ کلام کا تعلق

یتامیٰ کے مسئلے سے ہے۔ لیکن اس سے یہ بالکل نہیں لازم آتا کہ زیر بحث آیت میں جن عورتوں سے نکاح کی ہدایت فرمائی جارہی ہے وہ وہ عورتیں ہوں جن کو نکاح میں لانے سے یتامیٰ کی پرورش کا مسئلہ حل ہوتا ہو۔ اس لیے کہ سلسلۂ کلام کا تعلق یتامیٰ کی پرورش کے مسئلے سے نہیں بلکہ اُن کے اموال کے تحفظ کے مسئلے سے ہے۔ ہم جس آیت میں گفتگو کر رہے ہیں وہ سلسلۂ کلام کی دوسری آیت ہے۔ اس سے پہلی آیت جہاں سے بات شروع ہوتی ہے یوں ہے:

وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ	اور دو یتیموں کو ان کا مال، اور
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ	مت (ایسا کرو کہ) بدل لو اُن کے عمدہ
وَلَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی	مال سے اپنا خراب مال، اور مت کھاؤ
اَمْوَالِکُمْ اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا	ان کے مال کو اپنے مال میں ملا کر —— یہ سب
کَبِیْرًا	باتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہاں یتیموں کی پرورش کے مسئلے سے بحث ہو رہی ہے، یہاں تو صاف صاف مسئلہ یتامیٰ کے اموال کے تحفظ کا سامنے ہے۔ ایسی صورت میں اگلی آیت (فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی الخ) کا یہ مطلب کس قدر صحیح اور مناسب ہے کہ

"اور اگر تم یتیم لڑکیوں کو بیوی بنا لینے کی صورت میں کچھ بھی خطرہ محسوس کرتے ہو کہ اُن کے ان مالی حقوق کی عادلانہ نگہداشت نہیں کر سکتے تو اُن کو عقد میں لانے سے بھی بچو۔ بلکہ خواہش ہی ہے تو اُن کے ماسوا جو اور عورتیں تمھیں پسند آئیں اُن میں سے دو دو، تین تین حتیٰ کہ چار چار تک سے نکاح کر سکتے ہو —— لیکن یہ اجازت بھی بے قید نہیں ہے بلکہ عدل کی شرط ہے۔ پس اگر یہ ڈر ہو کہ متعدد بیویوں کے درمیان عدل قائم نہیں رکھ سکتے تو ایک ہی پر اکتفا کرو۔ یا باندیوں سے اپنی ضرورت پوری کرو۔ یہ سب سے آسان شکل ہے کہ تم ناانصافی سے بچے رہو۔"

اس مطلب میں سیاق و سباق سے پوری مطابقت بھی رہتی ہے اور کہیں کوئی دشواری بھی پیش نہیں آتی۔ اس کے برعکس اگر ہم آیت کا وہ مطلب لے لیں جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے تو اوّلاً تو کسی بوجھ بجھکڑ کے بس کی بات نہیں کہ وہ پہلی آیت کے ساتھ اس آیت کا

جوڑ بٹھا سکے۔ اور اگر سیاق و سباق سے آنکھیں بند بھی کر لی جائیں تب بھی یہ گاڑی چلنے والی نہیں۔ پہلے ہی قدم پر یہ گاڑی اس بحث میں ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے کہ یتیموں کی پرورش کے مسئلے کا یہ حل کسی کی عقل میں آ بھی سکتا ہے کہ چار چار بیواؤں سے شادی کرا کے یتیموں کی کھیپ کی کھیپ ایک ایک آدمی کے گھر میں داخل کر دی جائے؟ — اور اس دلدل سے گاڑی کو نکالنے کی کوشش کی جائے تو آگے "اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کا زبردست پتھر سامنے پڑا ہوا ہے۔

یہ گفتگو اتنی صاف ہے کہ ہٹ دھرمی کی گنجائش بھی کسی کے لیے نہیں ہے۔ لیکن ہم ان حضرات کے اطمینانِ قلب کے لیے مزید ایک بات پیش کرتے ہیں اور وہ ہے خود قرآن مجید کا فیصلہ کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کیا بات ان الفاظ میں فرمائی ہے؟ — اِسی سورۂ نساء کی ایکسو ستائیسویں (۱۲۷) آیت (رکوع ۱۹) نکالیے جس کی تیسری آیت زیر بحث ہے۔ ارشاد ہے:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ	اور مسلمان رخصت چاہتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں۔ آپ کہیے کہ اللہ کی طرف سے تم کو رخصت ہے، اور وہ جو آیتیں سنائی جاتی ہیں تم کو قرآن میں (جن سے بعض عورتوں کے باب میں تنگی مفہوم ہوتی ہے) وہ اُن یتیم لڑکیوں سے متعلق ہیں، جن کو تم اُن کا ثابت شدہ حق نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ اُن سے شادی کر لو، اور بے سہارا (یتیم) بچوں کے متعلق ہیں — اور حاصل ان آیتوں کا صرف یہ ہے کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف کی نگہداشت کرو۔ (نہ یہ کہ تمھاری سرپرستی میں جو یتیم لڑکیاں ہیں اُن سے شادی ممنوع ہو)

سوال یہ ہے کہ قرآن میں وہ کونسی آیتیں ہیں، جن کی طرف یہ "وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ" کا اشارہ کیا جارہا ہے؟ خوب چھان بین کر لیجیے، پورے قرآن میں سورۂ نسا کی یہی دو ابتدائی آیتیں (۲ اور ۳) ملیں گی جن کی طرف یہ اشارہ ہوسکتا ہے، اور کہیں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس سے یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت مفہوم ہوسکتی ہو۔ پس یہ آیت (۱۲۷) صراحۃً بتارہی ہے کہ آیت ۳ کا تعلق یتیم لڑکیوں سے نکاح کے مسئلے سے ہے، اور وہ مسئلہ اسی آیت کی تصریح کے مطابق یہ تھا کہ عرب کے لوگ اپنی زیر سرپرستی یتیم لڑکیوں سے (اگر انھیں رغبت ہوتی تو) شادی کرلیتے تھے اور پھر نہ اُن کا کوئی حق سمجھتے تھے اور نہ اُن کے ذاتی اموال میں محتاط رہتے تھے ـــــ یہ تھا قرآن کی تصریح کے مطابق فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ الخ کی ہدایت کا پس منظر۔ اس کی روشنی میں یہ بات بالکل بلا کسی شک وشبہہ کے متعین ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ کے ذریعے مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی تھی کہ اگر انھیں اطمینان نہ ہو کہ وہ قبل اسلام کی اس بُری روش کو چھوڑ سکیں گے تو وہ اپنے زیر پرستی یتیم لڑکیوں سے شادی کو نہ سوچیں، بلکہ اور بہتیری عورتیں ہیں اُن میں سے اپنی رغبت اور پسند کے مطابق ایک ہی نہیں بلکہ اگر عدل کرسکیں تو چار چار تک سے شادی کرلیں ـــــ صحابۂ کرام نے اس تنبیہ کا مطلب یہی سمجھا تھا۔ لیکن مارے احتیاط کے اپنی زیر پرستی یتیم لڑکیوں سے شادی کا قصہ ہی ختم کردیا۔ لیکن بعض مواقع ایسے آئے کہ لڑکی کی مصلحت اِسی میں تھی کہ اُس کا ولی (مثلاً چچا زاد بھائی) جس سے شرعاً نکاح ہوسکتا تھا وہی اُسے اپنے عقد میں لے لے۔ لیکن اس کے لیے اِن محتاط حضرات نے چاہا کہ پہلے صاف صاف اجازت لے لیں۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صورت حال پیش کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نسار کی یہ آیت (۱۲۷) نازل فرمائی کہ ہم نے علی الاطلاق ممانعت کب کی تھی، ہمارا مقصد تو یتیم لڑکیوں کے مصالح کے تحفظ سے تھا۔ سو اگر ان کی مصلحت اپنے اولیا سے شادی ہی میں ہے تو اس کی اجازت پہلے ہی سے موجود ہے اور اب صاف صاف اجازت دی جاتی ہے[۵]۔

---

۵ "یستفتونک" کا ایک ترجمہ "حکم پوچھنا" اور "یفتیکم" کا ترجمہ "حکم دینا" بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ہمیں اُمید ہے کہ اور ساری باتیں اربابِ ثقافتِ اسلامیہ کی سمجھ میں نہ بھی آویں جب بھی قرآن کی اس فیصلہ کن تصریح کے بعد یہ حضرات اپنے موقف پر نظر ثانی کریں گے۔ قرآن کی اجازتِ تعدد ازدواج عدل کی ایسی صاف شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہمیں یورپ کے اعتراضات کے آگے شرمندہ ہونے اور اپنی طرف سے کچھ مہمل شرائط بڑھانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ بلاشبہ قرآن اجازت دیتا ہے کہ اگر تم عدل کرسکتے ہو تو چار عورتوں تک کو بیک وقت اپنے عقد میں رکھ سکتے ہو۔ بلاشبہ قرآن کی یہ اجازت کسی اجتماعی ضرورت کے ساتھ مقید نہیں ہے، آدمی خالص اپنی جنسی خواہش کے تحت (بشرطِ عدل) ایسا کرنے کا مجاز ہے۔ بلکہ جہاں تک قرآن کی اجازت کا سوال ہے، اُس سے اگرچہ کسی اجتماعی ضرورت میں بدرجۂ اولیٰ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے لیکن اس اجازت کے الفاظ تو ـــــــ خواہ کسی کو کتنی ہی ندامت دامن گیر ہو ـــــــ . . . .

. . . .

. . . .

. . . . اس اجازت کو انسان کے جنسی تقاضوں کی رعایت ہی پر مبنی بتا رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ جب قرآن یہ کہتا ہے کہ

" اگر کسی یتیم لڑکی کی طرف تمہارا میلان ہے (وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ) لیکن تم بھروسہ نہیں رکھتے کہ اس کی حق تلفی سے باز رہ سکو گے تو پھر اُس سے نکاح نہ کرو۔ بلکہ اگر عدل کرسکتے ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ اپنی پسند کی اور عورتوں (مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ) میں سے ایک چھوڑ دو دو، تین تین یا چار چار تک سے نکاح کرلو "

تو اس اجازت سے انسان کی جنسی خواہش کی رعایت کے سوا اور کیا چیز ظاہر ہوتی ہے؟ ـــــــ

پس جو لوگ قرآن کے صحیح اور واقعی موقف کا دفاع نہیں کرسکتے ان کو قطعاً ضرورت نہیں ہے کہ شہسواری کے شوق میں اپنا گھوڑا ایسے میدان میں آکر دیں، اُن کو چاہیے کہ اپنے گھر بیٹھیں اور یہ کام ان لوگوں ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں آیت کا مطلب کچھ بدل جائے گا، لیکن ہم جو بات اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں اُس سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، وما یتلیٰ علیکم الخ کا اشارہ اس صورت میں بھی بدستور دوسری اور تیسری آیت کی طرف ہو گا، اور ہمیں صرف اسی سے مطلب ہے۔

کے لیے چھوڑ دیں جو ہر معترض سے سر اُٹھا کر کہہ سکیں کہ ہاں قرآن میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت ہے اور صرف "حتی الامکان عدل" شرط ہے ۔ اور یہ اجازت انسانی جبلت کے انھیں تقاضوں کے ماتحت ہے جن سرکش تقاضوں کے تحت تم نے زنا بالرضا کو کھلے عام جائز کر رکھا ہے۔ جن تقاضوں کے ماتحت تم نے وہ کلب گھر اپنی زندگی کا جزو بنائے ہیں جہاں آدمی اپنی بیوی کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت کی کمر میں باہیں ڈال کر ڈانس کرتا اور ہر روز ایک نئی عورت کا مزہ چکھتا ہے' اور جن تقاضوں کے ماتحت تمھارا معاشرہ داشتاؤں کی لعنت انگیز کرنے کے لیے مجبور ہے ـــــ آؤ! ایک طرف ان تقاضوں کی قرآنی رعایت کو رکھو اور دوسری طرف اپنی دی ہوئی کھلی چھوٹ رکھ کر موازنہ کرو کہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کا انسانی ڈھنگ دونوں میں سے کس میں ہے ؟ اور کون طریقہ انسانی جبلت کی تسکین کے ساتھ ساتھ انسانی شرافت کا پاس بھی اپنے اندر رکھتا ہے ؟ قرآن تو اپنے معاشرے کو تمھاری حیوانیت کی سطح پر آنے کی اجازت دے نہیں سکتا ۔ پھر بتاؤ کہ اگر وہ تعدد ازدواج کی اجازت نہ دے تو کیا کرے جب کہ سارا عالم انسانی اس بات پر یک زبان ہے کہ جنسی تقاضوں کی تسکین کا واحد انسانی طریقہ ازدواج ہے ـــــ تم اپنے اعتراض میں وزن پیدا کرنے کے لیے عورت کے جذبات پر ظلم کی دُہائی دیتے ہو' لیکن تم نے عورت کے ان جذبات کی رعایت میں تعدد ازدواج کو حرام رکھا تو اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے' اُس کی پوری صنف کو اخلاقی تباہی کے اُس غار میں ڈھکیلا جہاں وہ سرتاپا ننگِ انسانیت بن گئی ہے ـــــ اسلام کا گناہ یہ ہے کہ اُس نے تمھاری اس کمزوری کے پیشِ نظر یک زوجگی کا پابند کرنا مناسب نہ سمجھا' لیکن تم یک زوجگی کی قیمت میں صنفِ نازک کا پورا تقدس برباد کر کے اسلام کو طعنہ دینے چلے ہو کہ وہ عورت کے جذبات پر ظلم روا رکھتا ہے!

خدا اُن لوگوں کی مدد فرمائے جو ایسے صاف مسئلے میں یورپ سے مار کھا جاتے ہیں' اور قرآن کی اجازتِ تعدد ازدواج کو عجیب عجیب معنیٰ پہنانے میں اپنے وہ اجتہادی جوہر دکھاتے اور ایسے ایسے تفسیری نکتے تراشتے ہیں کہ داد دیتے نہیں بنتی۔ منجملہ اور بہت سے نکات کے ایک نہایت وجد انگیز نکتہ زیرِ تبصرہ کتاب میں یہ بیان ہوا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں " فَإِنْ خِفْتُمْ " آیا ہے ایسی شرطِ لازم کے طور پر آیا ہے کہ اُس کے بغیر اگلا حکم ہی نہیں رہتا' لہذا " فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ کے بعد فَانْكِحُوا کی اجازت اُسی صورت میں قابلِ عمل ہوگی جب

یتامیٰ کے ساتھ عدمِ اقساط کا خطرہ پایا جائے ــــــ لیکن، کچھ دور جانے کی ضرورت نہیں، اسی آیت میں " فَاِنْ خِفْتُمْ " ایک بار اور آرہا ہے، اور وہ ہے " فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً " (لیکن اگر تم کو اندیشہ ہو کہ چند بیویوں کے درمیان عدل قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرو) اس گراں قدر اصولی نکتے کو ذرا یہاں بھی استعمال کیجیے۔ کیا مطلب نکلا؟ کہ ایک بیوی پر اسی وقت اکتفا کیا جائے گا جب کہ اندیشہ ہو کہ متعدد بیویوں کے درمیان عدل قائم نہیں رکھا جا سکتا ورنہ اگر عدمِ عدل کا اندیشہ نہ ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرنے کی اجازت نہیں! ــــــ دیکھئے داد اِس نکتے کی۔ کس قدر لاجواب ہے، اور کس طرح اس نے مولانا جعفر شاہ صاحب کے سارے کیے دھرے کو غارت کرکے رکھ دیا ہے؟ گئے تھے نماز بخشوانے وہاں روزے بھی گلے پڑ گئے۔ تدبیر تھی تعددِ ازدواج کی جڑ کاٹنے کی۔ لیکن وہی تدبیر اس طرح اُلٹ کر پڑی کہ تعددِ ازدواج ہی اصل حکم ہو گیا، اور ایک بیوی پر قناعت درجۂ مجبوری کی بات ہو گئی ــــــ کیا کہا تھا مرزا غالب نے؟

" اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی "

یہ ہیں وہ حضرات جو بڑی بے تکلفی سے ارشاد فرما دیتے ہیں کہ فلاں مسئلہ جو ہماری کتب فقہ میں مرقوم ہے وہ قرآن فہمی میں لغزش کا نتیجہ ہے۔ کسی ایک فقیہ سے شروع میں غلطی ہو گئی تو بعد کے سب حضرات آنکھ بند کیے اس مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔

کیا ان حضرات کی قرآن فہمی اور عربی دانی کے اس جائزے کے بعد ان کی خدمت میں عرض کیا جا سکتا ہے کہ خدا کے لیے قرآن پر رحم فرمائیے۔ یہ آپ کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اور اگر آپ کی جولانیٔ طبع آپ کو نچلا نہیں بیٹھنے دے سکتی تو پھر طبع آزمائی کا کوئی اور موزوں میدان منتخب فرمائیے۔ یہ کیا ہے کہ آپ روز روز ایک نیا متفق علیہ دینی مسئلہ اپنے اجتہاد و تفقّہ کی سان پر چڑھا کر لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دینے لگتے ہیں، اور اس سلسلے میں نہ کلام کے اسلوب پر نظر کرتے ہیں، نہ اُس کے سیاق و سباق کی پروا کرتے ہیں اور نہ اُس کے صحیح مفہوم کا فیصلہ کرنے والے دوسرے شواہد و قرائن کو خاطر میں لاتے ہیں۔ اِسی مسئلہ تعددِ ازدواج میں دیکھیے، سیاق و سباق کچھ کہہ رہا تھا آپ نے اس کو کچھ سے کچھ کر دیا۔ پھر " اَلَّا تُقْسِطُوْا " کا لفظ خود اشارہ دے رہا تھا کہ مسئلہ کیا ہے، آپ نے اس کو

سمجھنے کی کوشش بھی نہ فرمائی۔ پھر آگے بڑھ کر ما طاب لکم (جو تم کو پسند آئیں) کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ "فَانْكِحُوا" سے تعدد ازدواج کی جو اجازت دی جا رہی ہے وہ جنسی خواہش کی تسکین ہی کے لیے ہے (نہ کہ یتامیٰ کی پرورش کے لیے) ورنہ ہم بے معنیٰ اور بے مصرف ہوئے جاتے ہیں، لیکن آپ ان الفاظ کی چیخ پکار کو بھی پی گئے۔ پھر آگے بڑھ کر عقل نے آپ کا دامن پکڑا کہ ذرا سوچنے کی زحمت کرو! یتامیٰ کے مسئلے کا یہ کوئی حل ہو بھی سکتا ہے جو تم اس آیت میں ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہو؟ دنیا ہنس پڑے گی جب تم قرآن کی اجازتِ تعدادِ ازدواج کا یہ محل اُسے بتاؤ گے۔ لیکن آپ نے اُس غریب کا ہاتھ بھی جھٹک دیا ـــــ اور پھر سب سے آخر میں آپ کا سر "او ما ملکت ایمانکم" سے ٹکرایا۔ مگر آپ تھے کہ آپ میں سے ایک صاحب تو، جو شاید زیادہ سمجھدار تھے، آیت کے اس ٹکڑے ہی کو اُڑا گئے، اور فواحدۃً تک نقل کر کے چھوڑ دیا۔ اور دوسرے صاحب نے اس پتھر کو بڑی حکمت سے گھول کر پی جانے کی کوشش کی۔ یعنی یہ نکتہ لوگوں کے سامنے رکھا کہ دیکھو آیت کے اس ٹکڑے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تعددِ ازدواج کا مسئلہ نتائجِ جنگ سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ باندی بھی مسئلہ جنگ کا نتیجہ ہوتی ہے (ص) سبحان اللہ کیا ہوشربا نکات بیانی ہے۔

ہماری تلخ نوائی معاف ہو۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ سے اس معیار کی کتابیں دیکھتے دیکھتے ہم تھک گئے ہیں۔ جہاں تک قابلِ قدر کتابوں کا سوال ہے ہم نے اُن کی داد و تحسین میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ لیکن فقہی مسائل پر جو کتابیں عام طور پر ادارے سے نکل رہی ہیں اُن کی علمی سطح نہایت افسوسناک ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ادارۂ ثقافت میں کوئی ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو معیارِ فہم و استنباط کی اس پستی کو محسوس کر سکے۔ ہم نے اپنے تبصروں میں بار بار اس صورتِ حال کی طرف توجہ دلائی ہے اور اب کی بار ہم صفائی سے کہنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ کتاب و سنّت کے ساتھ یہ "مجتہدانہ مذاق" بند ہونا چاہیئے۔

ہم ایک بار پھر کہہ دیں کہ تعددِ ازدواج کی حمایت سے ہمیں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ کم از کم اپنے معاشرے میں تو ہم آدمی کے لیے عافیت کی راہ یہی سمجھتے ہیں کہ ایک ہی بیوی پر قناعت کرے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ قرآن ہر اُس شخص کو تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے جو عدل بین النساء کر سکے۔ جہاں تک قرآن کے ابتدائی ماحول (عرب) کا تعلق ہے وہاں تو یہ اجازت ایک عام فطری ضرورت کی حیثیت رکھتی تھی ——— چنانچہ نجد و حجاز وغیرہ کا آج بھی یہ حال ہے کہ وہاں ایک بیوی پر قناعت کو اُسی نظر سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے ہم اپنے ماحول میں شادی سے گریزاں کسی نوجوان کو دیکھتے ہیں ——— اور عام رواج ہونے کی وجہ سے وہاں تعدد میں وہ قباحتیں بھی نہیں پیدا ہوتی تھیں جو ہمارے یہاں عموماً پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے لیے بھی یہ اجازت درحقیقت بڑی رحمت ہے۔ اس پر عمل سے خواہ آدمی کی خانگی عافیت میں کچھ خلل پڑ جاتا ہو، لیکن آدمی کا دین و ایمان سلامت رہ جاتا ہے، اور مسلم معاشرہ اُن لعنتوں کے تسلط سے بچ جاتا ہے جو تعدد ازدواج پر پابندی سے رونما ہوتی ہیں۔ حال ہی میں اقوام متحدہ کا ڈیموگرافک سالنامہ (بابت ۱۹۵۹ء) شایع ہوا ہے جس سے آپ کو اس اجمال کی کچھ تفصیل معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سالنامے کے متعلقہ اقتباسات آپ اسی اشاعت میں "انتخاب" کے زیر عنوان پڑھیں گے۔ اس کو پڑھیے اور غور کیجیے کہ کیا تعدد ازدواج کی قرآنی اجازت میں انسانی تہذیب کی حفاظت ہے یا تہذیب کی گراوٹ؟

(انتخاب)

تعدد ازدواج ۔ یا جنسی انارکی!

"— باہر سے زیادہ اندر سے کم —" یہ عنوان ہے انگریزی معاصر ہندوستان ٹائمز کے ایک اداریہ کا، متحدہ اقوام کی طرف سے ڈیموگرافک سالنامہ بابت ۱۹۵۹ء حال ہی میں شائع کیا گیا ہے جس کے چند ابواب میں بچوں کی جائز اور ناجائز پیدائش سے بحث کی گئی ہے اور اعداد شمار کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا سے شادی کی تقدیس ختم ہو رہی ہے اور بچے اندر سے کم اور باہر سے زیادہ پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ اعداد شمار بڑے ہی حیرتناک اور وحشت انگیز ہیں اور وہ بھی صرف ان قوموں کے لئے جن کے ہاں شادی بیاہ کی تقدیس موجود ہے اور نکاح کی رسم میں گھن نہیں لگا ہے۔ ورنہ وہ ممالک جو حلالی اور حرامی بچوں میں کوئی تمیز نہیں کرتے انھیں اس پر کوئی تشویش ذرا بھی نہیں۔

متحدہ اقوام کے سالنامہ میں بتایا گیا ہے کہ السلوڈور، ڈومینیکن ری پبلک، ہنڈوراس گوئٹےمالا اور پناما میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے۔ پناما میں تو چار میں تین بچے۔ پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں یعنی ۷۵ فی صدی حرامی بچے۔ لاطینی امریکہ میں حرامی بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے یہی حال ویسٹ انڈیز کا ہے، دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شادی بیاہ کی تقدیس سے انحراف کیا گیا ہو۔ ہر قوم نے خواہ وہ کتنی ہی پس ماندہ ہو اس بات کو ضروری سمجھا ہے کہ چند قواعد وضوابط کے تحت رشتہ داروں کے درمیان ازدواجی رشتے قائم ہوں اور انھیں اپنے رواج کے مطابق انجام دیا جائے، تاکہ خاندان اور سوسائٹی کو معلوم رہے کہ فلاں عورت فلاں مرد کے نکاح میں دے دی گئی ہے اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ قانون کی نظر میں جائز ہے۔ لیکن اگر ازدواجی رشتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے تو معاشرہ کے لئے بے شمار مسائل پیدا ہو جائیں گے اور رشتے سے تقدس احترام کا جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ بالکل ختم ہو جائے گا۔

اس سلسلہ میں متحدہ اقوام کے سالنامے میں مسلم ممالک کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ موجودہ ترقی یافتہ دنیا میں شادی بیاہ کے نقطۂ نظر سے مسلم ممالک کا رجحان کیا ہے اور

ان میں رشتۂ ازدواج کی تقدیس کس حد تک باقی ہے۔ اگر باقی ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں، اور خود متحدہ اقوام نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈیمو گرافک سالنامہ کے ایڈیٹروں نے جب مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کا موازنہ کیا ہوگا تو وہ خود حیرت میں پڑ گئے ہوں گے۔ انھوں نے مسلم ممالک کے جو اعداد و شمار فراہم کئے ہیں ان میں متحدہ عرب جمہوریہ کو سرفہرست رکھا ہے اور دیگر مسلم ممالک کا اندازہ بھی اسی سے لگایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرب ممالک میں متحدہ عرب جمہوریہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور تجدد پسند MODERNIST ہے۔ اگر وہاں کی سماج میں رشتۂ ازدواج کی تقدیس باقی ہے تو وہ مسلم ممالک جو مذہبی احکام کا زیادہ پاس اور لحاظ رکھتے ہیں اس رشتہ کو اور بھی زیادہ مقدس اور قابل احترام سمجھتے ہوں گے۔ متحدہ اقوام کے سالنامہ سے پتہ چلا کہ مسلم ممالک میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب ایک فی صدی بھی کم ہے۔

لیکن ان اعداد و شمار سے ہماری تسلی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ یہ پتہ نہ چلے کہ اس کمی کے اسباب کیا ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ مغربی تہذیب کو اپناتے ہوئے بھی اپنی دقیانوسیت اور قدامت پرستی پر قائم رہا؟ ایسا تو نہیں کہ حرامی بچوں کی پیدائش میں اسلام کی دور اندیشی نے کوئی روک لگائی ہو؟ اور ازدواجی رشتہ میں کوئی ایسا نکتہ رکھدیا ہو جس نے ناجائز ولادت کی راہیں بڑی حد تک مسدود کر دی ہوں؟ اس کا جواب ہمیں متحدہ اقوام کے سالنامے سے ملنا چاہئے۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت POLYGAMY کا رواج ہے اس لیے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے اس چند زوجیت کے مسئلہ نے مسلم ممالک کو جنسی انارکی کی ایک بہت بڑے بحران سے بچالیا ہے اور وہاں اس کی وجہ سے ناجائز بچوں کی شرح پیدائش کا تناسب نفی کے برابر رہ گیا ہے۔ اگر اسلام کی اس اجازت کو عملاً ترک کر دیا جائے تو چند سالوں میں وہ بھی پیدائش کے سلسلہ میں مغربی ممالک کی سطح پر آجائیں گے اور وہاں بھی ناجائز بچوں کا تناسب افسوسناک حد تک بڑھ جائے گا۔

جو لوگ چند زوجیت پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تہذیب کے اس دور میں یہ چیز دل کو نہیں لگتی، وہ غالباً اس بات سے بہت خوش ہوں گے کہ یک زوجیت کے نتیجہ میں حرامی تہذیب خوب فروغ پا رہی ہے۔ اگر چند زوجیت کی بدولت ناجائز بچوں کی شرح پیدائش نفی کے برابر

نومبر ، دسمبر 1960ء

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ادارۂ الفرقان

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

مؤسس
محمد منظور نعمانی

سالانہ چندہ (ہندوستان سے) ۱۲/
〃 〃 (پاکستان سے) ۱۵/
غیر ممالک سے ۱۰ شلنگ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

قیمت ——— ایک روپیہ

جلد ۲۸ - شمارہ ۵-۶
بابت جمادی الاولیٰ والاخریٰ سنہ ۱۳۸۶ھ
مطابق نومبر دسمبر سنہ ۱۹۶۶ء

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہو تو

اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا، وی، پی میں آپ کے کچھ آنے زائد صرف ہوں گے اور رسالہ دیر سے بھی پہونچے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۳۰، دسمبر تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستانی خریدار } اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت } رسالہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۵ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں ان کی اطلاع ۲۵ تاریخ تک آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہیں ——— شکایت پر دوسرا رسالہ آئندہ ماہ کے رسالہ کے ساتھ بھیجا جائیگا جلدی ہو تو براہ کرم ۱۲ نئے پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:۔ **دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ**

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شایع کیا

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکتوبر کے چند دن لکھنؤ میں بڑی قیامت کے گزرے۔ شہر کے متصل بہنے والے ایک معمولی سے دریا کی طغیانی نے وہ آفت ڈھائی کہ مواضعات تو غرقاب ہوئے ہی شہر کا ایک بڑا حصہ بھی تہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ کئی دن تک اس کی خبریں ملک بھر کے اخبارات کی توجہ کا مرکز بنی رہیں۔ قدرتی طور پر اہل تعلق کو ہم لوگوں کی خیر و عافیت کی بھی فکر ہوئی اور اس سلسلہ کے خطوط اب تک بھی آئے چلے جا رہے ہیں۔ الحمدللہ کہ دفتر الفرقان اور ہم لوگوں کے رہائشی مکانات شہر کے بلند حصہ پر تھے اور یہ حصہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے بالکل محفوظ رہا ـــــ باقی شہر کا جو حصہ اس سیلاب کی زد میں آیا اس کی کہانی بڑی عبرتناک ہے۔ قرآن پاک میں بستیوں پر عذاب الٰہی کے واقعات کا ذکر بار بار آتا ہے اور اس بلاغت کے ساتھ آتا ہے جو قرآن کا خاص حصہ ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تاریخی تباہیوں کا کچھ نقشہ آنکھوں میں پہلی بار اس وقت پھرا جب سیلاب کے بعد لکھنؤ کی بعض سڑکوں اور گلیوں اور عمارتوں کی بگڑی ہوئی صورت آنکھوں سے دیکھی۔ خدا کا شکر ہے کہ جانی نقصان بہت کم ہوا۔ باقی ہر طرح کا نقصان اس سیلاب نے پہونچایا ہے جس کی تلافی کے لیے برسوں کی مدت چاہیئے۔

ملک کا مشہور تعلیمی اور ثقافتی ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء اسی دریائے گومتی کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے اس سیلاب میں اس قیمتی ادارہ کا جس قدر نقصان

ہوسکتا تھا اتنا نقصان تو خدا کے فضل سے نہیں ہوا۔ تاہم اسٹاف کے چند مکانات اور مطبخ کے انہدام سے اچھا خاصہ نقصان ندوے کو پہونچ گیا ہے۔ دار العلوم کی عمارت میں محصور اساتذہ طلباء اور دیگر کارکنان کو مبارکباد دینے کا مقام ہے کہ انھوں نے اپنی انتھک جدو جہد اور مستعدی سے اس دار العلوم کے عظیم کتب خانہ کو اور دفاتر کو اس زبردست نقصان سے اس طرح بچا لیا کہ شاید ایک کاغذ اور کتاب کا بھی نقصان نہ ہونے پایا۔ جبکہ اس کے متصل دوسرے تعلیمی اداروں (لکھنؤ یونیورسٹی وغیرہ) میں بڑے بھاری نقصانات ہوئے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلباء وکارکنان کی فرض شناسی کی یہ ایک اعلیٰ مثال ہے کہ مختلف دفاتر کے جن کاغذات کتب خانہ کی جن سیکڑوں کتابوں اور بعض دوسرے قیمتی سامانوں کو نقصان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا ان کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے کا کام ان لوگوں نے رات کے بارہ بجے سے تین بجے تک کے محدود وقت میں ایسی حالت میں کیا کہ بجلی بھی فیل تھی۔ اور دار العلوم کی عمارت سیلاب کے اندر ایک ڈوبتا ہوا جزیرہ بنی ہوئی تھی —— اپنے اداروں سے یہ تعلق دراصل دینی مدارس کے اساتذہ وطلباء ہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کو باقی رکھے۔

ندوۃ العلماء کا ذکر آ گیا ہے تو ایک مسرّت بخش خبر بھی سن لیجئے کہ ندوہ کی قابل فخر شخصیت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب نے عرصہ ہوا ایک کتاب "مختارات من الادب العربی" ندوہ کے ادبی نصاب کے لیے تالیف فرمائی تھی۔ یہ کتاب حکومت شام کی نصابی کمیٹی نے شام کے تعلیمی اداروں کے لیے منظور کی ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ یہ نہ صرف ندوے کے لیے بلکہ ہندوستان میں عربی تعلیم وتعلم کے تمام حلقوں کے لیے ایک غیر معمولی اعزاز اور بہت ہی فخر ومسرّت کی بات ہے۔ اس سے پہلے مولانا موصوف (کثّر اللہ امثالہم) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانان ہند کو یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ شام کے کالج میں وزیٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے —— پھر کچھ دن بعد وہ شام کی مؤقر علمی مجلس "المجمع العربی" کے رکن نامزد کئے گئے —— اور اب اس اعزاز کا ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان ہی کی ذات کو بنایا کہ ایک ہندوستانی عالم کی کتاب ایک ایسے عرب ملک کے نصاب

جزو بن ہے جو دنیائے عرب کی علمی فکری اور ادبی قیادت میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و اخلاق کو دنیائے اسلام کے لیے اور زیادہ نافع بنائے۔

دائرۃ المعارف العثمانیہ سابق حکومت حیدرآباد (دکن) کے باقیات میں سے ایک گرانقدر علمی یادگار ہے۔ اس ادارہ نے عربی کے قدیم علمی و دینی ذخیرے کے احیاء اور نادر کتابوں کی اشاعت کا بڑا وسیع کام انجام دیا ہے، ہمیں خوشی ہے کہ اس ادارہ کی نظامت کے لیے نئے انتخاب میں جامعہ عثمانیہ کے سابق پروفیسر اور ہمارے محترم کرم فرما جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کا نام آیا ہے ڈاکٹر صاحب کے علم و فضل کا پایہ معروف ہے۔ وہ نہایت ٹھوس اور مفید علمی و دینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہندوستان کے تمام بلند پایہ رسائل و جرائد ان کی نگارشات کو عزت و احترام کے ساتھ شائع کرتے رہے ہیں۔ الفرقان نے بھی ان کے قلم سے بہت کچھ فیض پایا ہے امید ہے اس ٹھوس علمی ادارہ کی نظامت کے لیے ان کا انتخاب نہایت موزوں ثابت ہوگا اور ان کے دور نظامت میں دائرۃ المعارف اپنی شاندار روایات کو برقرار رکھتے ہوئے کچھ اور آگے بڑھے گا۔

معارف الحدیث

(مُسلسل)

کتابُ الصّلوٰة

نماز کی عظمت و اہمیت اور اُس کا امتیاز :-

حضرات انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، کمالات و احسانات اور اسکی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اُس کو مان لینے اور اُس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اُسکے حضور میں اپنی فدویت و بندگی، محبت و شیفتگی اور محتاجی و دریوزہ گری کا اظہار کر کے اُس کا قرب اور اُس کی رحمت و رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور اس کی یاد سے اپنے قلب و رُوح کے لئے نور اور سُرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے، اسی لئے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے، اور اسی لئے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعتِ محمدیؐ) میں نماز کے شرائط و ارکان اور سنن و آداب اور اسی طرح اسکے مفسدات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے، اور اُس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اسکے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی ——— حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اعلم ان الصّلوٰة اعظم العبادات شأناً واوضحها برهاناً واشهرها فی الناس وانفعها فی النفس ولذالك اعتنی الشارع ببیان فضلها وتعیین اوقاتها

وشروطها واركانها وآدابها ورخصها ونوافلها اعتناءً عظيمًا لم يفعل
في سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدين (ص۱۸۶)

یعنی ـــــ نماز اپنی عظمتِ شان اور مقتضائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے، اور خداشناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور نفس کے تزکیہ و تربیت کیلئے سب سے زیادہ نفع مند ہے، اور اسی لئے شریعت نے اُس کی فضیلت اُسکے اوقات کی تعیین و تحدید اور اسکے شرائط و ارکان اور آداب و نوافل اور اُس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لئے نہیں کیا، اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے ۔

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء اصلیہ اور اُس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"واصل الصّلوٰة ثلثة اشياء ان يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله و عظمة ويعبر اللسان عن تلك العظمة وذالك الخضوع بافصح عبارة وان يودب الجوارح حسب ذالك الخضوع" ـــــــــــ

یعنی ـــــ نماز کے اصل عناصر تین ہیں :۔ ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لا انتہا عظمت و جلال کے دھیان سے سرافگندہ ہو، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سرافگندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے، اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضا کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کیلئے استعمال کرے ـــــ پھر اسی سلسلۂ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں :۔

"اما الصّلوٰة فهي المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمة الله ..... ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله وتوجيهه وجهه تلقاء الله وقصر الاستعانة في الله ومن افعال تعظيمية كالسجود والركوع يصير كل واحد عضد الآخر ومكمله والمنبه عليه" ـــــــــــ

یعنی ـــــ نماز کی حقیقت تین اجزا سے مرکب ہے ۔ ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تفکر و استحضار ۔

دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اُسکے اعمال خالص اللہ کے لئے ہیں، اور وہ اپنا رُخ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر چکا ہے، اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتا ہے، اور تیسرے چند تعظیمی افعال جیسے رکوع وسجدہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا، اور اُس کی طرف دعوت وترغیب کا ذریعہ بنتا رہتا ہے ـــــ آگے فرماتے ہیں :ـــ

والصّلوٰۃ معراج المومنین معدّۃ للتجلیات الاُخرویۃ ..... وسبب عظیم لمحبۃ اللہ ورحمتہ ..... واذا تمکنت من العبد اضمحل فی نور اللہ وکفرت عنہ خطایاہ ..... ولا شئ انفع من سوء المعرفۃ منہا اذا فعلت افعالہا واقوالہا علی حضور القلب والنیۃ الصالحۃ ..... واذا جعلت رسماً مشہوراً نفعت من غوائل الرسوم نفعاً بیناً وصارت شعاراً للمسلم یتمیز بہ من الکافر ..... ولا شئ فی تمرین النفس علی انقیاد الطبیعۃ للعقل وجریانہا فی حکمہ مثل الصّلوٰۃ ـــــ ص۷۲-۷۳ جلد (۱)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے نماز کی مندرجۂ ذیل چند خصوصیات اور تاثیرات بیان کی ہیں، اوّل یہ کہ وہ اہلِ ایمان کی معراج ہے، اور آخرت میں تجلّیاتِ الٰہی کے جو نظارے اہلِ ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں، ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے ـــــ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبّت ورحمت کے حصول کا وسیلہ ہے ـــــ سوم یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے، اور اسکی رُوح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ نورِ الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی میلی کچیلی چیز دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے، یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی میں رکھ کر صاف کیا جاتا ہے) ـــــ چہارم یہ کہ نماز جب حضورِ قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے، تو غفلت اور بُرے خیالات و وساوس کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے ـــــ پنجم یہ کہ نماز کو جب پوری اُمّتِ مسلمہ کے لئے ایک معروف ومقرر رسم اور عمومی وظیفہ بنا دیا گیا، تو اس کی وجہ سے کفر وشرک اور فسق وضلال کی بہت سی تباہ کن رسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا، اور مسلمانوں کا وہ ایک ایسا امتیازی شعار اور دینی نشان بن گیا جس سے کافر اور مسلم کو پہچانا جا سکتا ہے ـــــ ششم یہ کہ طبیعت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ یہی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں، اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنیوالی ہیں اسلئے ہم نے شاہ صاحبؒ کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت و اہمیت اور اسکے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکورۂ بالا اقتباسات میں شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے، ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں ــــــ اب ناظرین کرام شاہ صاحبؒ کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھیں۔

(۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ ــــــــــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے، اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑنے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

(۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ــــــــــــ

(رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اُسنے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کرلیا۔

(۳) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ ــــــــــــ (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے۔ اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو اسکے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لئے ہے اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جس طرح ہر حکومت پر اسکی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لئے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور ان شاء اللہ آخرت میں ہوگا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے بتایا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص رب کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے لیکن اسکے آخری الفاظ تارک نماز کے بارہ میں یہ ہے:۔

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّداً فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ۔ — جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔

(رواہ الطبرانی، الترغیب للمنذری)

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کا چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے،

خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص مومن اور مسلمان ہونے کے باوجود تارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لئے اُس دور میں کسی کا تارک نماز ہونا اُسکے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی ـــــ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق نے صحابۂ کرام کے بارہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ

كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہو، اور ملت اسلامیہ کا خاص الخاص شعار ہے، اسلئے اسکے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان حدیثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر اُمت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اسکی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی، بہرحال اسکے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بُت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اسکے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اسکے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو ـــــ لیکن دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترکِ نماز اگرچہ ایک کافرانہ عمل ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بدبخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اسکے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگرچہ وہ دنیا اور آخرت میں سخت سے سخت

سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کافرانہ عمل ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لئے کہدیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ ذَکَرَ اَمْرَ الصَّلٰوۃِ یَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَتْ لَہٗ نُوْرًا وَبُرْھَانًا وَنَجَاۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْھَا لَمْ تَکُنْ لَہٗ نُوْرًا وَّ لَا بُرْھَانًا وَّلَا نَجَاۃً وَکَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامَانَ وَاُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ ——— رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اسکے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اندھیریوں میں اس کو روشنی ملے گی اور اسکے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اسکی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہوگی، اور اسکے لئے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ اسکے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعۂ نجات، اور وہ بدبخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ) اُبَیّ بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون وہامان اور قارون اور اُبَی ابن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے ———

لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قیدخانہ میں بہت سے قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی

ہیں۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَ اَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰہِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰہِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ۔

رواہ احمد و ابو داؤد

(ترجمہ) پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع و سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کئے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اُس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخشدے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا ——— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کریگا تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اسکے لئے کفارۂ سیئات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے، اسلئے جو بندے نماز کے شرائط و آداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے انکی مغفرت بالکل یقینی ہے اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارہ میں کوتاہی کریں گے (ان کے حالات کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخشدے۔ بہرحال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور انکی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی

نہیں ہے۔

(۶) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَئَیْتُمْ لَوْاَنَّ نَهْراً بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْساً هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالُوا لَا یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اسکے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) صاحب ایمان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اسکی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال وجمال میں غوطہ زن ہوتی ہے اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گندہ کپڑا دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک وصاف اور اُجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال وجمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام ونشان بھی نہ رہ سکے گا، پس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے ۔۔۔۔ اگلی حدیث (۷) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

(۷) عَنْ اَبِی ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ ۔۔۔۔ رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سبب) از خود جھڑ رہے تھے آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اسکے پتے جھڑنے لگے پھر حضور نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا جب مومن بندہ خالص اللہ کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اسکے گناہ ان پتوں کی جھڑ جاتے ہیں۔

(تشریح) یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی جھونکوں سے اور ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندۂ مومن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اسکی رضا جوئی کے لئے نماز پڑھتا ہے تو انوار الٰہی کی شعاعیں اور رحمت الٰہی کے جھونکے اسکے گناہوں کی گندگی کو فنا اور اسکے قصوروں کے خس و خاشاک کو اس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

(۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُہٗ صَلٰوۃٌ مَکْتُوْبَۃٌ فَیُحْسِنُ وُضُوْءَ ھَا وَخُشُوْعَھَا وَرُکُوْعَھَا اِلَّا کَانَتْ کَفَّارَۃً لِمَا قَبْلَھَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا لَمْ یُؤْتِ کَبِیْرَۃً وَ ذَالِکَ الدَّھْرَ کُلَّہٗ ــــــــــــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اسکے لئے اچھی طرح وضو کرے پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اسکے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اسکو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہ کی نجاست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اسکے ناپاک اثرات اتنے

گہرے ہوتے ہیں، جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یونہی معاف فرما دے، کوئی اُس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

(۹) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ ———— (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنّت اُس کے لئے ضرور واجب ہو جائے گی۔" (صحیح مسلم)

(تشریح) یعنی نماز اگر صرف ۲ دو رکعت بھی قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ پڑھی جائے، اور اس کے لئے وضو بھی تعلیم نبویؐ کے مطابق اہتمام سے کیا جائے، تو اللہ کے نزدیک اُس کی اتنی قیمت ہے، کہ اس کا پڑھنے والا لازمی طور پر جنّت پالے گا۔

(۱۰) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی ۲ دو رکعت نماز پڑھے جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اُسکے سارے سابقہ گناہ معاف فرما دے گا ———— (مسند احمد)

(تشریح) مندرجۂ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کیلئے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ترغیبی اور ترہیبی ارشادات کے باوجود آپؐ کی

اُمّت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اُور بے پرواہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اُور اُسکے الطاف و عنایات سے محروم، اُور اپنی دُنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔

وماظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون

(۱۱) عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سألت النّبی صَلّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ایّ الاعمَال احب اِلَی اللہ قَالَ الصَّلٰوۃ لِوقتھَا قلت ثُمّ ایٌّ قال برّ الوالدین قلت ثمّ ایّ قال الجِھَاد فِی سَبِیْلِ اللہ ——

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا، کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اسکے بعد کون عمل زیادہ محبوب ہے؟۔ آپؐ نے فرمایا:۔ ماں باپ کی خدمت کرنا، میں نے عرض کیا کہ اسکے بعد کون عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا:۔ راہِ خدا میں جہاد کرنا ——

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے والدین کی خدمت اُور جہاد سے بھی افضل اُور محبوب ترین "نماز" کو بتلایا ہے، اُور بلاشبہ نماز کا مقام یہی ہے ——

اُور

اس کی کچھ تفصیل اِس ناچیز کے رسالہ "حقیقتِ نماز" میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

تجلیاتِ مجدد الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

ترجمہ و تلخیص ـــــــــ مولانا نسیم احمد فریدی

مکتوب (۲۵۱) مولانا محمد اشرف کے نام ـــــــ

(فضائل خلفاء راشدین و تعظیم و توقیر جمیع صحابہ کرامؓ)

......الحمد للہ کہ میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں علماء اہلِ سنت کے عقیدے سے اور اُن کے اجماع سے متفق ہوں۔

......اس فقیر کی نظر میں تمام صحابہؓ کے درمیان حضرات شیخینؓ کی ایک ممتاز شان ہے اور دونوں کو ایک درجۂ منفردہ حاصل ہے...... حضرت صدیق اکبرؓ تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گویا کہ "ہمخانہ" ہیں اگر فرق ہے تو درجے میں اعلیٰ و اسفل ہونے کا ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ بھی بطفیلِ حضرت صدیق اکبرؓ اس دولتِ قرب سے مشرف ہیں باقی تمام صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے "نسبت ہم سرائی و ہم شہری" رکھتے ہیں...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عمرؓ کے بارے میں) فرمایا ہے۔ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے" ـــــــ......حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل کیا بیان کروں جب کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے جمیع حسنات، حضرت صدیق کی ایک نیکی کے برابر ہیں جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی ہے۔

حضرات شیخینؓ بعدِ وفات بھی حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جُدا نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں شیخینؓ کے ساتھ قبر مبارک سے اٹھیں گے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے ـــــــ پس افضلیت، بربنائے اقربیت، حضرات شیخینؓ کے لئے ثابت ہے، یہ حقیر و کم مایہ، حضرات شیخینؓ کے کمالات اور انکے

فضائل کیا بیان کرے؟ ذرّے کی کیا طاقت جو آفتاب کی بات کہے اور قطرے کی کیا مجال کہ بحرِ محیط کی گفتگو چھیڑے ـــــ وہ اولیاء جو مخلوق کو بسوئے حق دعوت دیتے ہیں اور ولایتِ دعوت میں بہرہ تام رکھتے ہیں اور تابعین اور تبع تابعین میں سے جو علماء مجتہدین ہوئے ہیں انھوں نے کشفِ صحیح کے نور سے اور فراستِ صادقہ کے ذریعے نیز اخبارِ متواترہ کی روشنی میں کمالاتِ شیخینؓ کا پتہ چلایا ہے اور ان کے فضائل کو شناخت کرکے ناچار اُن کی افضلیت کا حکم اور اس حقیقت پر اجماع فرمایا ہے، اور جو کشف اس اجماع کے خلاف ظاہر ہوا ہے اس کو غیر صحیح قرار دے کر اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ـــــ (علاوہ ازیں) شیخینؓ کی افضلیت تو (اسلام کے) عہدِ اوّل میں ظاہر ہو چکی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ ہم عہدِ نبویؐ میں حضرت ابوبکرؓ کی برابر بعدہٗ حضرت عمرؓ کی برابر بعدہٗ حضرت عثمانؓ کی برابر کسی کو نہیں جانتے تھے اسکے بعد باقی صحابہ میں ہم تفاضل نہیں کرتے تھے" ـــــ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے زمانے میں یوں کہا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ ـــــ

اے برادر! حضرت علیؓ چونکہ "حاملِ بارِ ولایتِ محمدیؐ" ہیں لہٰذا تمام اقطاب، ابدال اور اوتاد (جن میں کمالاتِ ولایت کا پہلو غالب ہے) کی تربیت، حضرت علیؓ کی روحانی امداد و اعانت کے سپرد ہے ......

جاننا چاہیے کہ اصحابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب بزرگ ہیں سب کو تعظیم کے ساتھ یاد کرنا چاہیے ـــــ خطیب نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ نے مجھے چن لیا اور میرے لئے میرے اصحاب کو چنا اور ان میں سے میرے لئے خسروں، داما دوں اور مددگاروں کو چن لیا" ـــــ جس نے صحابہؓ کے بارے میں میرا لحاظ رکھا، اس کو اللہ محفوظ رکھے اور جس نے ان کے معاملہ میں مجھے ایذا دی اللہ تعالےٰ اسکو رنجیدہ کرے۔ طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے لعنت کی میرے اصحاب پر، پس اس پر لعنت اللہ کی اور ملائکہ کی اور تمام انسانوں کی" ـــــ ابن عدی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

"میری امت میں وہ لوگ بد ترین ہیں جو میرے اصحاب کی شان میں دلیری اور گستاخی کرتے ہیں"۔ (صحابہؓ کے درمیان) محاربات و منازعات جو واقع ہوئے ہیں ان کو نیک محمل پر رکھنا اور "ہوا و تعصب" سے دور رہنا چاہیئے اس لئے کہ وہ مخالفات اجتہاد و تاویل پر مبنی ہیں نہ کہ ہوا و ہوس پر ـــــ جمہور اہل سنت کی یہی رائے ہے ـــــ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ محاربین حضرت علیؓ خطا پر تھے اور حضرت علیؓ حق پر تھے لیکن چونکہ یہ خطاء' خطاء اجتہادی ہے اسلئے ملامت سے دور اور مواخذے سے بری ہے چنانچہ شارح مواقف نے آمدی سے نقل کیا ہے کہ واقعات جمل وصفین از روئے اجتہاد تھے ـــ اور شیخ ابو شکور سلمیؒ نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت وجماعت اسکے قائل ہیں کہ حضرت امیر معاویہ مع ہمراہیان خطائے اجتہادی پر تھے اور شیخ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی منازعت حضرت علیؓ کے ساتھ اجتہادی تھی اور اس قول کو معتقدات اہل سنت سے قرار دیا ہے اور دیگر کتب قوم بھی، خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیساکہ حضرت امام غزالیؒ اور قاضی ابو بکرؒ وغیرہما نے تصریح کی ہے ـــ لہذا حضرت علیؓ سے محاربہ کرنے والوں کی تفسیق و تضلیل ہرگز جائز نہ ہوگی ـــ......

......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں یوں دعا فرمائی ہے ـــ "اے اللہ معاویہؓ کو ہادی و مہدی بنا دے"۔ پس حضرت معاویہؓ مستحق مذمت ہرگز نہیں ہیں ـــ

اے برادر! تنہا حضرت امیر معاویہؓ ہی اس معاملے میں نہیں ہیں بلکہ اصحاب کرامؓ میں کم و بیش نصف تعداد ان کی شریک ہے ـــ پس اگر محاربین حضرت علیؓ کافر و فاسق قرار دئیے جائیں گے تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جائے گا وہ نصف دین جو ان حضرات کی تبلیغ سے ہم تک پہونچا ہے ـــ اور اس بات کو جائز وہ زندیق ہی رکھ سکتا ہے، جس کا مقصد دین کا باطل کرنا ہے۔

اے برادر! اس فتنے کا برانگیختہ ہونا شہادت عثمانؓ اور قاتلین سے طلب قصاص کی بنا پر تھا۔ حضرات طلحہ و زبیرؓ مدینے سے سب سے پہلے تاخیر قصاص کی ہی بنا پر باہر آئے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ان سے اس امر میں موافقت کی تھی اور جنگ جمل...... بوجہ تاخیر قصاص ہی ہوئی تھی ـــ بعد ازاں حضرت امیر معاویہ ملک شام سے نکل کر میدان میں گئے اور جنگ صفین برپا ہوئی ـــ

امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ منازعت، خلافت کے بارے میں نہیں ہوئی تھی بلکہ آغازِ خلافت حضرت علیؓ میں' مطالبۂ قصاص کی بنا پر یہ منازعت ہوئی تھی۔ شیخ ابن حجرؒ نے اس حقیقت کو بھی معتقداتِ اہلِ سنت سے قرار دیا ہے۔

.... اے برادر! طریق اسلم یہ ہے کہ مشاجرات ومنازعات صحابہؓ کے ذکر سے سکوت اختیار کیا جائے...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ " میرے اصحاب کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا اُن کو نشانۂ ملامت مت بنانا "

.... اس زمانے میں اکثر لوگ بحثِ امامت کے ضمن میں خلافت اور باہمی مخالفت کی گفتگو کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں اور جاہل اربابِ تاریخ اور سرکش اہلِ بدعت کی تقلید میں اکثر اصحابِ کرامؓ کو اچھے کلمات سے یاد نہیں کرتے اور امور نامناسبہ انکی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے بربنائے ضرورت جو کچھ معلوم تھا قیدِ کتابت میں لاکر دوستوں کو بھیجا جاتا ہے........ الحمد للہ کہ سلطان وقت (جہانگیر) اپنے کو حنفی اور سنی کہتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانوں کو سخت دشواری پیش آتی ـــــ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے ـــــ پس لازم ہے کہ مدارِ اعتقاد، معتقدات اہل سنت پر رکھیں اور ہر کسی کی باتیں کان میں نہ لائیں ـــ " افسانہائے دروغ " پر عقیدے کی بنیاد رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے ـــــ تقلیدِ فرقۂ ناجیہ (اہل سنت وجماعت) ضروری ہے تاکہ امید نجات ہوجائے ـــ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

مکتوب (۲۵۵) مولانا محمد طاہر لاہوریؒ[۱] کے نام ـــــ
(احیاء سنت اور ردّ بدعت کی ترغیب میں)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ وہ مکتوب جو حافظ بہاء الدین کی معرفت بھیجا تھا، پہونچا۔ اس نے " فرحتِ فراواں " پہونچائی ـــــ یہ بھی کیا عجیب نعمت ہے

---

[۱] حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں آپ کا پایہ بھی نہایت بلند ہے۔ صاحب ریاضات وکرامات تھے، علوم ظاہریہ میں کمال حاصل تھا اور حافظ قرآن بھی تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد منازل سلوک طے کرنے کا شوق غالب ہوا آپ کو ایسے مرشد کی تلاش تھی جو علم وعمل میں سرِّ کائنات (باقی ملاحظہ پر)

کہ "محبان ومخلصان" اپنی پوری طاقت سے سنن مصطفویہ میں سے کسی سنت کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوں اور (ساتھ ہی ساتھ) بدعات نامرضیہ میں سے کسی بدعت کے دور کرنے میں پورے طریقے سے مصروف ہوں ______ سنت اور بدعت ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کے وجود سے دوسرے کی نفی لازم آتی ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کو زندہ کرنا دوسرے کو ختم کر دینا ہے ___ سنت کا زندہ کرنا بدعت کو مردہ کرنا ہے اور بدعت کا زندہ کرنا سنت کو مردہ کرنا ہے ___ بدعت کا "حسنہ" نام رکھیں یا "سیئہ" (وہ تو بہرحال) سنت کے ہٹا دینے کو مستلزم ہے۔ شاید "حسنہ" کہہ کر اضافی حسن مراد لیتے ہوں ورنہ حسن مطلق کی تو بدعت میں قطعی گنجائش نہیں ہے ___ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) تمام سنتیں اللہ تعالےٰ کو پسند ہیں اور جو چیزیں سنت کی مخالف ہیں وہ شیطان کی پسندیدہ ہیں ___ بدعتوں کے رائج ہونے کی وجہ سے میری یہ بات آج بہت سوں پر گراں گزرتی ہے مگر کل بروز قیامت معلوم ہوگا کہ ہم ہدایت پر ہیں یا وہ ....

مکتوب (۲۵۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوریؒ[1] کے نام ______

آخری حصّہ

تم نے دریافت کیا تھا کہ (بعض) ارباب حدیث نے ہر مہینے میں کچھ دن منحوس تحریر کئے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ) کا سچا متبع ہو چنانچہ حضرت مجددؒ کے آستان مبارک پر پہونچے اور سالہا سال خدمت اقدس میں رہکر فیوض حاصل کئے ___ آپ حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں کی تعلیم وتدریس کا کام بھی نہایت اہتمام سے انجام دیتے تھے چنانچہ صاحبزادے آپ کے احسانات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت مجددؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر طلبۂ لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لئے لاہور روانہ فرما دیا تھا اور طریقہ قادریہ میں بھی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ آپ نے لاہور پہونچ کر طالبانِ حق کی تربیت فرمائی اور اپنے برکات وافاضات سے مخلوق خدا کو بہرہ ور کیا ___ فقر وقناعت میں زندگی گزاری اہل دنیا کی داد ودہش کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنی قوت بازو سے حلال روزی بہم پہونچاتے تھے البتہ کوئی دیندار شخص اگر ہدیۃً کوئی چیز پیش کرتا تھا تو اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔ ہر سال چند مرتبہ درویشوں کی جماعت کے ہمراہ بے زاد وتوشہ پیدل لاہور سے سرہند آیا کرتے تھے اور چند روز کوچۂ مرشد میں رہ کر رخصت ہو جاتے تھے ___ آپ نے ۸ محرم الحرام ۱۰۲۵ھ کو بروز پنجشنبہ وفات پائی۔ مزار مبارک لاہور ہی میں ہے۔

(زبدۃ المقامات وتذکرۃ العابدین)

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے۔

اس بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیئے؟ ——— جواب یہ ہے کہ والد فقیر (حضرت شیخ عبدالاحد فاروقیؒ) فرماتے تھے کہ شیخ عبداللہ بصریؒ اور شیخ رحمت اللہ سندھیؒ جو کہ اکابر محدثین میں سے تھے اور حرمین شریفین میں شیخین کے لقب سے مشہور تھے یہ دونوں بزرگ ایک مرتبہ ہندوستان وارد ہوئے تھے یہ بزرگ فرماتے تھے کہ اس قسم کی ایک حدیث، کرمانی شارح بخاری نے نقل کی ہے لیکن (از روئے سند) وہ حدیث ضعیف ہے ——— حدیث صحیح اس بارے میں یہ ہے۔

الایام ایام اللّٰہ والعباد عباد اللّٰہ یعنی سب دن اللہ کے دن ہیں اور سب لوگ اللہ کے بندے ہیں ——— نیز وہ بزرگ فرماتے تھے کہ "نحوستِ ایام"، رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی برکت کے باعث زائل ہو گئی ہے ——— "ایامِ نحسات" امم سابقہ میں تھے۔ عملِ فقیر یہ ہے کہ کسی دن کو کسی دن پر ترجیح نہیں دیتا تا وقتیکہ شارع کی طرف سے کسی دن کی ترجیح

(حاشیہ صلہ ۲۱) شیخ بدیع الدین سہارنپوریؒ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں — آپ نے وادیٔ سلوک میں گامزنی سے پہلے حضرت مجددؒ سے بعض کتب درسیہ بھی پڑھی تھیں۔ مدتوں آستانۂ عالیہ پر مقیم رہ کر تعلیم طریقت کی اجازت سے نوازے گئے۔ بعد حصولِ اجازت اپنے وطن مالوف سہارنپور تشریف لے گئے اور طالبانِ معرفت کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہوئے کچھ عرصے بعد بحکم مرشد آپ آگرہ چلے گئے ——— وہاں امراء، وغرباء غرض ہر طبقے کے لوگ آپکے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ لیکن آپ سے ایک لغزش یہ ہو گئی کہ حضرت مرشد کی اجازت کے بغیر آگرہ سے سہارنپور چلے آئے۔ یہ بات حضرت مجددؒ کو سخت ناگوار گذری۔ جب آپ کو اس ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرت مجددؒ کو اطلاع دی۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا کہ آگرہ کے لئے صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جاتے ہو تو تم جانو تمہیں اختیار ہے ——— شیخ، بحالتِ اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرتؒ کی ناراضگی دور ہو جائے دوبارہ آگرہ چلے گئے۔ اس دفعہ بھی شروع شروع میں خلقِ خدا کو بہت فیض پہونچا۔ لیکن اہلِ عناد نے کچھ دنوں بعد اپنی رنگ آمیزیوں سے کام لے کر ایک زبردست فتنہ آپکے خلاف برپا کر دیا اس فتنے کا اثر حضرت مجددؒ تک بھی پہونچا اور جس کی انتہا یہ ہوئی کہ جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو قلعۂ اجین میں محبوس کر دیا اگرچہ بعد کو بادشاہ نادم و پشیماں ہوا اور اس قصور کی معافی بھی چاہی ——— اس المناک واقعہ کے بعد شیخ بدیع الدین اپنے وطن سہارنپور چلے آئے اور ذکر و مراقبہ میں اپنے اوقات بسر کئے۔ پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ اور طالبانِ علوم دینی و یقینی کے افادے میں مشغول رہے [illegible]ھ میں وفات پائی۔

(زبدۃ المقامات، و مہر جہانتاب قلمی مولفہ مولانا حکیم سید فخر الدین حسنی رائے بریلی)

معلوم نہ کرلے۔ جیسے جمعہ کا دن (کہ افضل ہے) اور رمضان کے ایام (کہ وہ برکت وعظمت والے ہیں)۔

مکتوب (۲۵۹) اپنے صاحبزادے خواجہ محمد سعید سرہندیؒ کے نام ———

.... اے فرزند! یہ فقیر جتنا غور کرتا ہے اور نظر کو دوڑاتا ہے کوئی علاقہ ایسا نہیں پاتا جہاں پر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہ پہونچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا نور دعوت، مانند آفتاب ہر جگہ پہونچا ہے، حتیٰ کہ یاجوج وماجوج (کے علاقے) میں بھی جن کے لئے سدِّ (ذوالقرنین) حائل ہے۔

——— (قبل بعثتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم) امم سابقہ میں جب غور کرتا ہوں تو کم مقامات ایسے پاتا ہوں کہ جہاں کسی پیغمبر کی بعثت نہ ہوئی ہو ——— حتیٰ کہ زمین ہند جو (بظاہر) اس معاملے سے دور معلوم ہوتی ہے یہاں پر بھی پاتا ہوں کہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع مطلق کی دعوت انھوں نے دی ہے۔ بعض بلاد ہند میں ایسا محسوس ہوتا ہے گویا انوار انبیاء، ظلمات شرک کے اندر مشعلوں کی طرح روشن ہیں........ اور یہ بھی دیکھتا ہوں کہ یہاں ایک پیغمبر وہ ہے جس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور کسی نے اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا، ایک پیغمبر ہے کہ اس پر صرف ایک آدمی ایمان لایا ہے، ایک اور ہے کہ دو آدمی اس پر ایمان لائے ہیں، بعض پر تین آدمی ایمان لائے ہیں، تین سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لانے والے نظر نہیں آئے........ اس مقام پر کوئی کوتہ اندیش یہ سوال نہ کرے کہ اگر زمینِ ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے تھے تو ان کی بعثت کی خبر یقینی طور پر ہم تک پہونچتی بلکہ وہ خبر، اسباب نقل کی کثرت کی وجہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہوتی اور جب ایسا نہیں ہے تو یہاں انبیاء کبھی مبعوث نہیں ہوئے" ———

——— میں کہتا ہوں کہ ان پیغمبروں کی دعوت، عام نہ تھی بلکہ بعض کی دعوت کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص تھی، بعض کی کسی ایک قریہ یا ایک شہر کے ساتھ مخصوص تھی ——— ہوسکتا ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے یہاں کسی قوم یا قریے میں کسی شخص کو اس دولت نبوت سے مشرف فرمایا ہو اور اس نے اس قوم کو یا اہل قریہ کو معرفتِ صانع کی دعوت دی ہو، غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا ہو مگر اس قوم یا اہل قریہ نے اس پیغمبر کا انکار کیا ہو اور اس کی "تضلیل وتجہیل" کی ہو ——— جب ان لوگوں کا انکار اور کفر حد کو پہونچ گیا ہوگا تو نصرت وغیرت حق نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا ہوگا ——— اسی طرح بعد کچھ مدت کے کوئی دوسرا پیغمبر، کسی قریے یا قوم میں مبعوث ہوا ہوگا اور اس نے بھی دعوت

معرفت صانع مطلق دی ہوگی اور غیر خدا کی پرستش سے منع کیا ہوگا اسکے ساتھ بھی انکار و تکذیب کا معاملہ کیا گیا ہوگا (نتیجے میں) اس قوم کو بھی ہلاک کر دیا گیا ہوگا ـــــ اور اسی طرح جب تک خدا نے چاہا ہوتا رہا ہوگا (اسی بنا پر) زمین ہند میں قریوں اور شہروں کے اندر بہت سے آثار ہلاکت پائے جاتے ہیں۔

.... خبر نبوت، انبیا مبعوثہ کی اس وقت ہم تک پہونچتی کہ جماعت کثیر ان پر ایمان لاتی اور وہ پیغمبر قوت پیدا کر لیتے ـــــ ایک پیغمبر آیا، چند روز دعوت دی اور گذر گیا کسی نے اس کی بات کو قبول نہ کیا دوسرا آیا اور کار دعوت انجام دیا اس کا ماننے والا صرف ایک ہوا اور کسی کے فقط دو یا تین ماننے والے ہوئے، ایسی صورت میں خبر کیسے منتشر ہوتی درآنحالیکہ تمام کفار مقام انکار میں تھے اور اپنے آبا و اجداد کے مخالف طریقے کو رد کر رہے تھے۔ اس حالت میں ناقل کون ہوتا اور نقل کس کے سامنے کرتا.....

دینی تعلیمی تحریک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے صوبہ میں جو دینی تعلیمی تحریک شروع ہوئی ہے، اتفاق سے اُس کے متعلق کئی مفید اور کام کی چیزیں اس بار ہم تک پہونچ گئیں، ان سب کو ایک ہی ساتھ شائع کر دینا بہتر معلوم ہوا۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ تمام مضامین پیش کیے جا رہے ہیں۔

ادارہ ————

ہندوستان میں

مسلمانوں کے عظیم دینی امتحانات کا ماضی اور حال

(از جناب قاضی محمد عدیل عباسی، جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل یو، پی)

دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش کے نام سے صوبہ میں بنیادی دینی تعلیم کے عمومی نظم کے لیے جس مبارک تنظیم کا قیام ادھر ایک سال قبل عمل میں آیا ہے، اس کی داغ بیل کا سہرا قاضی محمد عدیل صاحب عباسی کے سر ہے، موصوف نے صوبہ کے سرکاری نصاب تعلیم کی زہرسامانیوں کو دیکھ کر سنہ ۱۹۵۱ء سے اپنے ضلع میں بچوں کی دینی تعلیم کا ایک خاموش کام شروع کیا اور دسمبر سنہ ۱۹۵۹ء میں اپنے آٹھ سال کے تجربات پر مطمئن ہو کر صوبہ کے مختلف مکاتب فکر کے اہل الرائے کے سامنے اپنے کام کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مبارک فیصلہ کے بطن سے دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش ظہور میں آئی۔ اور اس کی سرگرمی سے دینی تعلیم کی خاموش جدوجہد بستی سے نکل کر آج بحمد اللہ صوبہ کے گوشہ گوشہ میں پھیلتی جا رہی ہے۔

ذیل میں قاضی صاحب موصوف کی ایک تقریر دی جا رہی ہے جو آپ نے ۶ر نومبر سنہ ۱۹۶۰ء کو دینی تعلیمی کانفرنس بنارس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمائی تھی، اس تقریر میں مسلمانان ہند کے دینی امتحانات کی طویل کہانی کا لب لباب ہے۔ حال کے عظیم دینی امتحان کی مکمل تصویر ہے، اور اس امتحان میں کامیابی کی راہ کا پورا عملی نقشہ ——

تقریر میں قدرتی طور پر ماضی کے اشخاص اور اداروں کا ذکر آیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص کی رائے یکساں ہو —— خدا ہمیں وقت کے اس عظیم امتحان میں فرض شناسی

کی توفیق دے۔ ادارہ]

سب تعریفیں ہیں اللہ کے لیے۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور عملوں کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے وہ گمراہ کردے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وّعترتہ بعدد کلّ معلوم لک ―

بنارس کے اس شہر میں تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہی مجھے ترکی کی مشہور ادیبہ و انقلابی مفکرہ خالدہ ادیب خانم کی یاد آتی ہے، محترمہ جب ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے بنارس تشریف لائیں تو انھوں نے اخبارات میں لکھا کہ بنارس کے اس قدیم شہر میں جو مذہب و دھرم اور ہندو تہذیب کا مرکز ہے مٹھی بھر مسلمانوں کا مسجدوں کے منبروں سے اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا ایک حیرت خیز ایمانی قوت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ کیا میں عرض کروں کہ آج پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا مجموعی طور پر یہی حال ہے اور آج ان کی جرأتِ ایمانی اور قوتِ یقین کا امتحان ہے۔

تاریخ ماضی

موجودہ ماحول کو سمجھنے کے لیے ہمیں ماضی پر ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنی پڑے گی سلطنت مغلیہ ایک افیون تھی جس نے مسلمانوں کو سست رگ بنا دیا تھا، اور تعلیم دین کے عوامی بندوبست کی کوئی ضرورت کبھی شدت سے محسوس نہیں کی گئی۔ مسلمان عام طور پر دین سے بے پناہ جہالت میں مبتلا تھے، حتیٰ کہ کروڑوں مسلمان کلمۂ طیبہ سے ناواقف تھے، مگر اس کے باوجود ایک سرمستی (جو خود فراموشی اور اندیشۂ فردا کی غفلت سے ہی تعبیر کی جا سکتی ہے) زعم باطل بن کر چھائی رہی۔

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج ہوا، اس وقت ملک میں صرف دو

زبانیں رائج تھیں، سنسکرت اور فارسی۔ سنسکرت پاٹ شالے اور فارسی کے مکاتب جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ اور ان کو حکومت کی طرف سے معافیاں ملی ہوئی تھیں۔ سنسکرت پاٹ شالوں میں صرف برہمن داخل ہو سکتے تھے، کسی دوسرے کو سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی اجازت نہیں تھی، اس لیے جو ہندو تعلیم یافتہ بننا چاہتے تھے وہ فارسی کے مکتبوں میں داخل ہوتے تھے۔ کائستوں نے اسی طرح فارسی کا بڑا علم حاصل کیا اور انھوں نے فارسی ادب و انشا میں بڑی مہارت حاصل کی چنانچہ انشا مادھو رام وغیرہ کتابیں بطور نمونہ پیش کی جا سکتی ہیں۔ سنسکرت کی تعلیم کو صرف برہمن تک محدود کرنے کی ایک عجیب تاریخی مثال موجود ہے، سر ولیم جونس ہندوستان میں سپریم کورٹ کا جج ہو کر آیا، وہ بہت سی زبانوں کا ماہر اور ایک روشن خیال مستشرق تھا، اُسے سنسکرت پڑھنے کا بیحد شوق تھا، مگر بڑی بڑی تنخواہوں اور انعامات کے وعدے اور اپنے عہدۂ جلیلہ کے اعزاز کی بنا پر بھی کوئی اسے سنسکرت پڑھانے کو تیار نہ ہوا، کیونکہ یہ ایک مہا پاپ سمجھا جاتا تھا۔ آخر کار ایک وید بڑی کڑی شرائط کے ساتھ تیار ہوئے۔ اور سر ولیم جونس کا شوق اتنا عظیم تھا کہ اس نے بے چون وچرا تمام شرائط منظور کیں۔ آج سر ولیم جونس کا یہ احسان ہے کہ اس نے یورپ کی دنیا کو سنسکرت ادب کے بیش بہا خزانوں سے روشناس کیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی شروع ہی سے ہندوستان پر تسلط قائم کرنے کا خواب دیکھ رہی تھی اس لیے اس نے ہندوستانیوں کو مفلس اور جاہل رکھنے کا عزم کیا۔ چنانچہ تعلیم کی اشاعت کے بجائے اس نے اُسے روکنے ہی کو ضروری سمجھا۔ جب جب ہندوستانیوں کو انگریزی کی تعلیم دینے کی تجویز آئی تو اس کی سخت مخالفت ہوئی اور لوٹ کھسوٹ کر روپیہ اکٹھا کرنے کے لیے اس نے سنسکرت پاٹ شالوں اور فارسی کے مکتبوں کی تمام معافیاں ضبط کر لیں جس سے پاٹ شالے اور مکاتب بند ہو گئے۔ مدرسان بیکار ہو گئے اور ایک عام پریشانی پیدا ہوئی۔ پھر بھی ظاہر داری کے لیے ۱۷۸۱ء میں سنسکرت میں ہندو کالج اور عربی میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں قائم کیے گئے۔ اور پھر ۱۷۹۱ء میں ایک سنسکرت کالج بنارس میں کھولا گیا، رفتہ رفتہ تجربے کے طور پر دلی اور کلکتہ کے سنسکرت اور عربی کالجوں میں انگریزی کی تعلیم بھی شروع ہوئی، مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی ہندستانیوں کو انگریزی تعلیم دینے کے خلاف تھی۔ آخر کار لارڈ میکالے نے اس پالیسی کو بدلا، اور ۱۸۳۵ء میں یہ کہہ کر اور

اعلان کرکے انگریزی تعلیم رائج کی گئی کہ مستقبل قریب میں ہندو اور مسلمان اپنے مذاہب ترک کرکے عیسائی ہوجائیں گے، لارڈ میکالے کا قول تھا کہ انگریزی کی ایک کتاب سنسکرت اور عربی کی ایک پوری لائبریری سے وزن میں زیادہ ہو۔ چنانچہ اولاً کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں انگریزی کی یونی ورسٹیاں قائم ہوئیں۔

عیسائی مشنریوں نے ہندوستان کی جہالت کا فائدہ اٹھاکر بڑی شدت سے اپنا پروپگنڈا جاری کیا۔ اس وقت تک گرچہ اردو، ہندی، بنگالی، گجراتی، مرہٹی، تامل اور تلیگو زبانیں جاری تھیں، مگر ان میں صرف شاعری ہوتی تھی، حتیٰ کہ اردو کی تاریخ یا شاعروں کے حالات بھی جو شروع میں لکھے گئے ہیں وہ فارسی ہی زبان میں ہیں۔ زبان اور ادب کی حیثیت سے علاقائی زبانیں بالکل ابتدائی منزلوں میں تھیں۔ عیسائی مشنریوں نے انجیل کا ہر زبان میں ترجمہ کیا۔ اُن کا جوش اس معاملہ میں اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ دیسی زبانیں جو صرف بولی جاتی تھیں اُن پر محنت کرکے انھوں نے قواعد مرتب کیے اور ان کی ترتیب دی۔ اس طرح یہ زبانیں رواج پذیر ہوئیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اُن کو خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا جارہا ہے ؎

بوئے گل خود بہ چمن راہ نما شد زنخست
ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست

بعض انگریزوں نے ۱۸۰۰ء سے پریس بھی قائم کردیا تھا۔ پریس کے قائم ہوجانے نے اشاعت کی دقتوں کو رفع کردیا۔ اُس نے رفتہ رفتہ ہندو اور مسلمانوں کو بیدار بھی کیا اور دیسی زبانوں کو بھی آگے چل کر طاقت دی۔

انگریزی تعلیم کے اثرات

شروع شروع میں لارڈ میکالے کا خواب پورا ہوتا نظر آتا تھا، بہت سے معزز خاندان ہندو مذہب اور اسلام کو ترک کرنے لگے، تب دونوں میں مفکرین، درویش اور سنیاسی پیدا ہوئے جنھوں نے حالات کا رُخ موڑنے کا ارادہ کرلیا۔ پہلے ایک بزرگ سنیاسی چیتنیا گندے تھے جنھوں نے مذاہب

کی تعلیم کے ساتھ خدمتِ خلق کو ضروری قرار دیا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط میں رام کرشنا پرمھنس اور ان کے چیلے نے خدمتِ خلق اور معرفتِ الٰہی کا ایک مشن بنایا۔ جا بجا اسپتال اور اسکول کھولے اور پورے ہندوستان میں جہاں کہیں کسی قسم کی مصیبت آئی اس مشن کے لوگ امداد لے کر دوڑے۔ راجہ رام موہن رائے نے ہندو مذہب میں بہت سی معاشرتی اصلاحیں کر کے اسے زمانے کے مطابق بنایا اس غرض کیلئے انھوں نے نہ صرف انگریزی بلکہ یونانی، ہبرو اور لاطینی زبانوں میں بھی مہارت حاصل کی۔ یہ اسلام اور مسیحیت سے بھی متاثر تھے مگر اپنے دھرم پر قائم رہے اور عقلی بنیادوں کو لے کر برہمو سماج کی بنیاد ڈالی اسی زمانے میں سوامی دیانند جی نے آریہ سماج کی بنیاد رکھی اور پنجاب اور اس صوبہ اتر پردیش پر خاصہ اثر ڈالا۔ انھوں نے ہندو مذہب کو قدیم ترین اور حرف آخر ثابت کرنے کی کوشش کی اور انگریزی خواں نوجوانوں کے دماغوں سے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا۔ رام کرشنا پرمھنس جو ایک صوفی منش انسان تھے اور مسلمان اور عیسائی سب بزرگوں سے فیض لیتے تھے انھوں نے بہتوں کو متاثر کیا اور مغرب زدہ نوجوانوں کی کایا پلٹ کر دی۔ انھوں نے فارسی زبان میں ایک اخبار بھی نکالا۔ ان کے شاگرد سوامی وویکانند نے ویدانت فلسفۂ وحدت الوجود کو انسانیت کی تعبیر کا حرف آخر قرار دے کر ہندو مذہب کی سچائی کا راگ راس کماری سے ہمالیہ پہاڑ تک گایا، حتیٰ کہ ۱۹۰۲ء میں ۳۹ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ٹیگور کی شاعری اور اُن کا فلسفۂ حیات آیا۔ اور گاندھی جیسا عظیم ہندو نمودار ہوا جس نے رہی سہی کمی پوری کر دی۔

مسلمانوں کا مقابلہ

مسلمانوں نے اور بھی زیادہ پامردی سے میکالے اور مشنریوں کا مقابلہ کیا۔ ان کو کچھ دنوں کے بعد دو محاذوں پر جنگ کرنی پڑی جیسا رام کرشن پرمھنس، راجہ رام موہن رائے، سوامی وویکانند کو اسلام سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ یہ لوگ اسلام کے مداح تھے اور گاندھی کی طرح صوفی منش ہونے کی وجہ سے اپنے دھرم پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مذاہب خصوصاً اسلام کے قدردان تھے اور مسلمان صوفیوں سے روابط و تعلقات رکھتے تھے، مگر سوامی دیانند جی نے ایک طرف عیسائی مشنریوں سے تو دوسری طرف اسلام سے جنگ چھیڑ دی اور اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں قرآن پاک پر

بسم اللہ سے والناس تک، کو ہدف اعتراض بنادیا، علماء و فقرائے اسلام نے دونوں محاذوں پر تعمیری اور تخریبی دونوں قسم کے مقابلے کیے۔ اس سلسلے میں مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور قاضی محمد سلیمان صاحب سشن جج پھنڈا، مصنف رحمۃ للعالمین اور اُن کے بہت سے ساتھیوں نے جس بصیرت اور پامردی سے کام کیا وہ بذاتِ خود ایک مستقل تاریخ ہے

علمائے اسلام میں ولی اللہی خاندان، مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا کرامت علی صاحب جون پوری، مولانا شاہ ولایت علی صاحب الہ آبادی، مولانا محمد قاسم صاحب بانی دیوبند، اور اُن کے جانشین مولانا محمود الحسن شیخ الہند اور بہت سے اکابرین کا ذکر کیا جا سکتا ہے، ان لوگوں نے انگریزی تعلیم و تہذیب سے کوئی مصالحت نہیں کی اور نہایت تن دہی سے اسلام کے حقائق کو پیش کرتے رہے مشائخ کا اثر علماء سے کہیں زیادہ تھا یہ لوگ اپنے عملِ حق اور اپنے وجود کے انوار سے دینِ حق کی تعلیم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ وعظ سے زیادہ نمونہ کارآمد ہوتا ہے۔ یہ حضرات مسندِ رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہو کر علم ظاہر و علم باطن اور عمل صالح کا درس اپنے اسوۂ خاص سے دیتے اور اندھیرے میں شمعیں جلاتے رہے۔ یہ علماء و مشائخ انجام کو خدا کے ہاتھ چھوڑ کر صرف بطور فرض اپنے کام میں مشغول رہے اور اس کے دور رس نتائج ہوئے۔

اُدھر مسلمانوں میں ایک دوسرے قسم کی فکر کارفرما تھی، غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کہ ...

..... مسلمانوں کے دماغوں میں ایک خلا تھا۔ جو مظالم مسلمانوں پر توڑے گئے تھے وہ حد بیان سے باہر تھے اُن کی جائدادیں بھی ضبط کر لی گئی تھیں اور قتل عام تو الگ ہوا تھا، ان ہولناکیوں کے بعد مسلمان کے پاس کوئی اسکیم نہ تھی۔

اسی دوران میں سر سید احمد خاں نمودار ہوئے، انھوں نے ایک طرف مذہب اسلام کی ایک خاص تشریح کی اور اسے حالاتِ زمانہ کے مطابق لانے کی کوشش کی، انھوں نے معجزات فرشتوں وغیرہ کا انکار کیا اور قرآن پاک کی ایک ایک آیت کی عقلی تعبیر کی۔

دوسری طرف سر سید نے مسلمانوں کو تمامی علماء کے مسلک کے خلاف انگریزوں سے تعاون اور ان کی حکومت کو تسلیم کر کے فوائد اٹھانے پر زور دیا۔ اُن کا کل مقصد مسلمانوں سے مفلسی دور

کرنا اور انھیں اسلام پر جمنا سکھانا تھا۔ سرسید کی تحریرات سے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہو کہ وہ مسلمانوں کا افلاس بھی دور کرنا چاہتے تھے، ان کو شروع میں بڑی دقتیں پیش آئیں اور علمائے اسلام نے ان کے فکر و نظریے کے پرخچے اُڑا دیے۔ مگر اس میں شبہ نہیں کہ وقتی طور پر اُن کے نظریے کی عام طور پر تائید ہوئی۔ نواب محسن الملک سید چراغ علی، منشی کرامت علی، منشی ذکاء اللہ دہلوی ڈاکٹر نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی اور علامہ شبلی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ محمڈن اورینٹل کالج علی گڑھ میں قائم ہوا، اور علی گڑھ تحریک پورے زوروں سے رواں ہوئی، بعد کو علامہ شبلی اُن سے جدا ہو گئے اور ان کے مکاتیب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب افلاس کا جو نظریہ سرسید نے پیش کیا تھا اس سے ان کو شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کا سیاسی نظریہ بھی بدل گیا۔ بعدہٗ اکبر اور اقبال نے اس کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اکبر فرماتے ہیں ؎

مذہب نے کہا کہ اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
سید نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقبال نے کہا ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا، اُدھر ایک عالم حق اور درویش کامل حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ کے خلیفۂ اعظم تھے ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھ دی تھی۔ ندوۃ العلماء، قدیم عربی مدارس کے پرانے کورس میں ترمیم کر کے انھیں زیادہ مؤثر بناتا تھا۔ اور دوسری طرف علی گڑھ تحریک کے خلاف جہاں اسلام اور دینیات کی تعلیم برائے نام تھی اور اصل زور انگریزی علوم حاصل کر کے نوکری پانے پر تھا وہ اصل کوشش حصول علم دین پر مرکوز کرتا تھا اور علوم جدیدہ کو بطور اضافی مضامین کے پڑھاتا تھا۔ ندوۃ العلماء نے بڑی گراں پایہ خدمات انجام دیں اور روشن خیال علماء کی ایک بڑی تعداد پیدا کی۔
اس کا بھی تذکرہ ضروری ہے کہ علماء اسلام نے بڑے بڑے عربی مدارس اقطاع ملک میں قائم کیے جن سے ہر سال ہزاروں تکمیل علم دین کر کے نکلتے تھے۔ ان لوگوں نے دیہاتوں

میں جاکر علم دین کی تبلیغ کی اور کثرت سے مکاتب و مدارس اور مساجد تعمیر ہوئیں۔

انگریزی کی حکومت نے تعلیم کو عام کرنے کا کبھی کوئی عملی پروگرام نہیں بنایا۔ اگرچہ کاغذ پر بعض اسکیمیں آئیں اور کچھ قوانین بھی مرتب کیے گئے، مگر یہ سب باتیں نمائشی تھیں، صرف چند فی صدی کو تعلیم دی جاتی تھی۔ بقیہ لوگ خواندگی سے بھی محروم تھے۔ اس کے علاوہ عرصہ تک صوبے کے اندر کچہریوں اور سرکاری دفاتر کی زبان اردو رہی اور بعد کو میکڈانلڈ نے جو ترمیم بھی کی وہ یہ کی کہ اردو اور ہندی کو برابر کا درجہ دیا، اردو اور فارسی زبانوں کی تعلیم برابر اسکولوں اور کالجوں میں دی جاتی تھی اور چونکہ ان زبانوں کی روزمرہ زندگی میں ضرورت تھی اس لیے ہر مذہب کے لوگ انھیں حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ علماء حق نے جا بجا عربی مدارس کھول دیے تھے جہاں بذریعہ زبانِ عربی علم دین یعنی قرآن، حدیث، فقہ، اور متعلقہ علوم کی تکمیل کی جاتی تھی۔ اس طرح اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں کا رابطہ اُن عربی مدارس کے فضلاء سے قائم رہتا تھا اور چونکہ آہستہ آہستہ تمام کتابیں عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں منتقل ہو رہی تھیں، کوئی تعلیم یافتہ شخص اگر مذہب سیکھنا چاہے تو وہ اردو کتابوں کے مطالعے ہی سے یہ فرض انجام دے سکتا تھا۔ رہنمایانِ قوم اور بچوں کے والدین کو کسی قسم کا اضطراب نہ تھا۔ اس کے ماسوا انگریزی زبان کی تعلیم کے رواج کی وجہ سے علم دین کا ایک خاصہ ذخیرہ انگریزی زبان میں بھی جمع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ انگریزی داں طبقہ اس جکا چوندھ سے نجات پاتا گیا جس سے ابتدا میں علوم مغربی کے رواج کی وجہ سے وہ دوچار ہوا تھا۔ اسی انگریزی تعلیم نے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی مولانا ظفر علی خاں، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ وغیرہ اور وہ سرآمد روزگار نقیر وہ دانائے راز وہ رمز آشنائے روم و تبریز پیدا کیا جس کے ترانوں اور فلسفیانہ انداز نے تعلیم یافتہ ذہنوں کی پوری کایا پلٹ کر دی اور دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ کا کماحقہ یقین پیدا کر دیا، میری مراد مفکرِ اسلام عاشقِ رسول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے الہلال والبلاغ، علامہ شبلی کی تصنیفات، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کی پُر مغز تقریروں، دارالمصنفین کے رسالے معارف اور اس طرح ہر چہار جانب سے علماء و مفکرین نے

اس طرح گھیر کر حملہ کیا کہ لارڈ میکالے کے خواب کی رہی سہی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر گئیں۔ لیکن اس کے بعد ہی خلافت کی تحریک کے زبردست طوفانی جوش کے بعد اس کا عزل اور تقسیم ہند کے بعد عوامی جمہوریت کے قیام اور نظریۂ پاکستان کے ردعمل نے ایک نئی صورت حال پیدا کی ہے۔ اب ایک عوامی حکومت اپنے فرض کے طور پر ہر بچے اور بچی کو تعلیم دے گی اور اب صرف جابجا عربی مدارس کھول دینے اور مساجد اور عیدگاہیں تعمیر کرنے کے بجائے کچھ اور کرنا ہوگا۔ بہرحال جب کسی قوم کے لیے ایسے سخت وقت کا سامنا ہوتا ہے تو اہل ہمت اس کا استقبال کرتے ہیں۔ اور اپنی صلاحیتوں اور اپنے عزم و خلوص کو امتحان میں ڈال دیتے ہیں اور کامیاب ہو کر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو کام کا موقع دیا اور ایک ایسے زمانے میں پیدا کیا جب کام کی ضرورت تھی۔ اور پست ہمت، شکست رگ اور آسان کوش پریشان ہو جاتے ہیں کہ کون سی مصیبت ہمارے سروں پر نازل ہوئی۔ جب سلطنت مغلیہ کے دور اول کے بعد انگریزی سامراج کے دور دوم میں عظیم خطرات کا سامنا ہوا تو آپ نے دیکھا کہ کس طرح ہمارے علمائے حق نے اپنی کمر کو سیدھا اور اپنے سینے کو چوڑا کر کے مقابلہ کیا اور کس طرح وہ "برہم زن" کا نعرۂ مستانہ لے کر اٹھے اور برہم کر کے دکھا دیا۔ الغرض یہ ہے ماضی کا وہ دھندلا سا نقش اور اس عظیم کشمکش کا وہ خاکہ جس کی پیچ در پیچ راہوں سے مسلمان پچھلے تین سو سالوں کے اندر گزرا ہے۔ مبارک تھے وہ لوگ جنھوں نے اسلام کے خلاف ہر جھوٹکے کا مقابلہ کیا اور جن کی بدولت آج ہم موجودہ دین کا سرمایہ لیے بیٹھے ہیں اور جس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔

حالاتِ حاضرہ یا دورِ سوم

مگر آج حالات نے پھر پلٹا کھایا ہے اور ہم ایک نئے خطرے سے دوچار ہیں ایسا نظر آتا ہے کہ گزشتہ صدی کے اندر ہمارے مفکرین نے دین کا جو سرمایہ اکٹھا کیا ہے وہ ہیزم سوختنی کے سوا اور کسی کام کا نہیں رہ جائے گا۔ حیدرآباد نے لسانی، ثقافتی اور دینی مرکزِ علم کے طور پر جو کام کیا تھا وہ حرفِ غلط کی طرح سے نسیاً منسیا ہو گیا اور بقیہ گلدستۂ طاقِ نسیاں ہونے کو ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج تک جو کچھ ہوا وہ سب مٹ جائے گا اور مورخ کے لیے صرف

یہ کہنے کو رہ جائے گا کہ کبھی ایسا تھا! کیا ایسا ہوگا؟ کیا ہم اسے ہو جانے دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن بزرگو اور دوستو، اس کے لیے ہم کو اس سے بڑی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ جو ہمارے بزرگوں نے سلطنت مغلیہ کے زوال اور انگریزی سامراج کے عروج کے وقت کی تھی۔ اب تعلیم عام ہوگی اور ہمیں بھی اسی حساب سے ہر بچے اور ہر بچی کی فکر کرنی پڑے گی۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ دستور ہند نے مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی، معاشرتی، اور لسانی حقوق عطا کیے ہیں مگر جو دستور یا قانون کسی کو کوئی حق عطا کرے اس کے عملی حصول کے لیے دو بڑی شرطیں ہیں۔ (۱) یہ کہ جن کے مقابلے میں یا جن کے معاہدے کے طور پر وہ حقوق عطا کیے گئے ہوں وہ بہ رضا و رغبت وہ حقوق دینے پر تیار ہوں اور دستور کے دفعات کاغذ پر نہیں بلکہ اُن کے قلوب پر لکھے ہوں۔ اور (۲) جن کو یہ حقوق عطا کیے گئے ہوں وہ اُسے حاصل کرنے برتنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت اور استعداد رکھتے ہوں۔ ہندوستان میں یہ دونوں باتیں مفقود ہیں۔ آج تیرہ سال کی آزادی کے بعد جو حالت ہے وہ بار بار بیان ہو چکی ہے اور اس کی تفصیل میں میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گا مختصراً اُن کا اعادہ کردوں گا۔

(۱) اردو زبان جس میں ہمارا کل مذہبی لٹریچر سر دست ہو فنا کے گھاٹ اتاری جارہی ہے۔ اور بہ ظاہر کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ وہ مستقبل قریب میں زندہ رہ جائے۔

(۲) سرکاری اسکولوں میں کل تعلیم بذریعۂ زبان ہندی ہو رہی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ بڑی وسعت کے ساتھ ہندو دھرم کے عقائد مسلمان بچوں کے خام دماغوں میں پیوست کیے جارہے ہیں۔

(۳) اس سے بڑی دقت یہ ہے کہ بچیوں کے لیے بھی یہی انتظام ہے جس سے رفتہ رفتہ گھر کے کل ماحول کا بدل جانا یقینی ہے۔

(۴) جبریہ پرائمری تعلیم کا تیزی سے نفاذ ہو رہا ہے اور چھ سال سے گیارہ سال تک کے بچے اور بچیاں اس غلط تعلیم و تربیت کی مجبوراً شکار ہو رہی ہیں جو مسلمانوں کے ذہن و مزاج ان کے کلچر اور مذہب کے خلاف ہے۔

اہل بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کا انجام دو ایک پشتوں کے بعد کیا ہوگا، اور اس لیے ہر محب اسلام بے چین ہے کہ کس طرح اپنی آئندہ نسلوں کے ایمان کی حفاظت کر سکے۔

ہر طبقۂ خیال کے علماء و مفکرین اس پر متفق ہیں کہ اگر ہم اپنی پوری جد و جہد کریں تو حالات بدلے جا سکتے ہیں۔ اگر لارڈ میکالے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا جب کہ ہمارے بزرگوں کے راستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں تھیں تو آج جمہوریت اور حق شناسی کے اس دور میں تو معاملہ اور بھی آسان ہے۔ ہر طبقۂ خیال کے علماء و مفکرین اس پر بھی متفق ہیں کہ اس کا واحد علاج یہ ہو کہ ہم اس بات کا عزم کریں کہ پورے صوبے میں ایک مسلمان بچی یا ایک بچہ بھی باقی نہ رہے جسے ہم بذریعۂ اردو دین کی تعلیم نہ دیں اور اس کے لیے پورے دن کے مکاتب اور صباحی اور شبینہ مکاتب بھی کھولیں اور ایک عوامی تحریک جاری کریں۔ چنانچہ اگرچہ بے چینی عام تھی اور نظریے اور فکر بھی شائع ہو چکے تھے مگر عملی طور پر اس کا تجربہ ضلع بستی میں خود کفیل مکاتب کھول کر کیا گیا تو خاصی کامیابی ہوئی اور مشکلات جو سامنے آئیں وہ حل ہوتی چلی گئیں۔ لہٰذا اس کامیابی کے بعد انجمن تعلیمات دین ضلع بستی کے زیر اہتمام ایک صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس بستی میں ہوئی۔ جس میں ہر مکتبۂ خیال کے علماء و مفکرین اور ماہرین تعلیمات نے شرکت کی اور اتفاق رائے سے ایک دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش بنائی گئی جس کا صدر مقام لکھنؤ ہے، مبارک ہیں بنارس کے خواص و عوام کہ آج انھوں نے شہر اور ضلع بنارس میں دینی مکاتب کے اجرا کے لیے یہ کانفرنس منعقد کی ہے۔ اور مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کام میں ہاتھ بٹائیں۔

بزرگو اور دوستو! کام مشکل بھی ہے اور آسان بھی، لگن کی ضرورت ہو۔ ہر کام وہ عشق چاہتا ہے جسے خونِ جگر کہتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے اولین شرط خود اعتمادی و خدا اعتمادی ہے۔ صدیوں سے جو عادت ہم نے دوسروں کے سہارے چلنے کی ڈال لی ہے اسے قطعی طور پر ترک کرنا ہوگا۔ آئیے محلے محلے اور گاؤں گاؤں مکاتب قائم کر دیجئے اور وقت کی کلائی کو موڑ دیجئے۔ میں ادب کے ساتھ علماء کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ آج وقت نازک ہے اپنی درگاہوں اور تصنیفی گوشوں سے باہر نکلیے اور عوام سے مل جل کر کام کیجئے۔ میں پیرانِ طریقت کے سامنے سرِ نیاز جھکا کر مستدعی ہوں کہ اپنے مریدوں و معتقدان کو اس کام کے لیے

آمادہ فرمائیے۔ میں اپنے طبقہ کے رندوں سے کہتا ہوں کہ کبھی آپ لوگوں نے دعویٰ کیا تھا ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے بھی تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

آئیے آج میدان ہے۔ اس گستاخی کو سچ کر دکھائیے۔ اور کم سے کم دریدہ دہنی کی آبرو رکھیے۔ آج ہم اس ہاری ہوئی بازی کو جیت سکتے ہیں بشرطیکہ ہم میں وہ جذبۂ عمل پیدا ہو جائے جسے "جنونِ کوشش کامل" کہا گیا ہے۔

میں نے بہت سوچ کر تین کام عورتوں، تین کام مردوں، تین کام علمار کے، تین کام دولتمندوں کے اور تین کام رندوں کے بنائے ہیں، اس تحریک میں اولین اہمیت عورتوں کو ہے۔ خود کفیل مکاتب کے سرمائے اور بچوں کی دلچسپی کا انحصار ماؤں پر ہے اس لیے میں پہلے ان کے کام گناتا ہوں۔

(۱) بچے کو اس وقت تک ناشتہ نہ دو جب تک وہ نماز فجر کے بعد قرآن پاک اور دین کے مسائل جس کا وہ اہل ہو پڑھ نہ لے۔ (۲) روزمرہ اپنے بچے کو قریبی مکتب میں بھیجدو۔ اور (۳) ہر وقت کے کھانے کی جنس میں سے چٹکی نکالو۔

مردوں کے تین کام یہ ہیں۔ (۱) چار پانچ گھر اپنے ذمہ لے لو اور روزمرہ ان گھروں پر صبح شام پکار دو کہ چٹکی نکالنا نہ بھولنا۔ (۲) اگر تمھارے گھر میں چٹکی نہ نکلے اور ساتویں دن جب رضاکار آوے اور عورتیں کہہ دیں کہ ہم چٹکی نکالنا بھول گئے تو اس دن یا دوسرے دن ایک وقت کے کھانے کی جنس رضاکار کو دے دو اور خود روزہ رکھ لو اور تمام گھر سے کہہ دو کہ آج کھانا نہیں پکے گا خواہ کوئی روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ (۳) خواہ تم کتنے بھی غریب ہو مگر اپنی آمدنی کا ایک جزء خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو تعلیم دین کے لیے نکالو، اس میں جنس اور نقد دونوں شامل ہیں۔

علماء کے تین کام :- (۱) اپنا کچھ وقت نکال کر کبھی کبھی کسی دیہات میں چلے جائیے۔ اور وہاں لوگوں کو دینی مکتب قائم کرنے کی ترغیب دیجئے۔ (۲) آپ کا کوئی وعظ ایسا نہ ہو جس میں دینی تعلیم کی شدید ضرورت پر زور نہ دیا گیا ہو۔ (۳) اگر آپ کسی مدرسے کے معلم ہیں تو قریب کے مکاتب کے مدرسان کو اس ضلع کی انجمن کے زیر اہتمام ٹرننگ دیجئے۔ قریب کے پندرہ بیس مکاتب کے مدرسان اپنا سامانِ خوردنی لے کر آجائیں گے آپ خود نصابِ تعلیم پر تیار ہو کر پندرہ دن ان کو

تعلیم دینے کی ٹریننگ دیجئے۔

دولت مندوں کے تین کام :- (۱) خواہ آپ کسان ہوں یا تاجر جو نقد آمدنی آپ کو ہو اس میں فی روپیہ ایک پیسہ دینی تعلیم کے لیے نکال دیجئے (۲) اللہ تعالیٰ جو بچت سالانہ آپ کو عطا کرے اس میں سے فیاضی کے ساتھ دینی تعلیم پر خرچ کیجئے (۳) اس کام میں دلچسپی لے کر اور اپنے گروہ کے وفد بنا کر چندہ اکٹھا کرنے کا کام اپنے ذمے لے لیجئے اور کام کرنے والوں کو سرمایہ کی فراہمی کی دردسری سے آزاد کر دیجئے۔

انگریزی داں طبقہ جنھیں میں رند کہتا ہوں اُن کے تین کام۔ (۱) اپنے اختلافات کو الگ رکھ کر بلا قید جماعت و پارٹی اس کام میں شریک ہو جائیے۔ (۲) نظم کے ساتھ اس کام کے لیے وقت نکالیے اور (اگرچہ یہ میرا منصب نہیں مگر سخن چہ ننگ نہ آلودہ دامنی دارد) (۳) خود اپنی اصلاح کیجئے اور دین دار بنئے۔

حضرات! میں نے اس خشک اور طویل تقریر سے آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کروں اگر رنگین اور خوش ذائقہ طرز آتا بھی ہو تو آج ٹھوس کام کے موقع پر اس کا برتنا مناسب نہیں ہے۔ آخر میں میں صرف ایک بات اور کہہ کر اپنی گفتگو کو ختم کر دوں گا۔ ہم نے ۲۰۔۲۵ اضلاع میں جس طرح تیزی کے ساتھ کام پھیلایا اور جس طرح عامۃ المسلمین نے اس کام کا خیر مقدم کر کے ٹھنڈے جوش کا اظہار کیا ہے اس سے میرا یقین ہے کہ جبر اور دباؤ سے ہماری یہ معصوم تعلیمی تحریک ہرگز نہیں اُکھڑے گی بلکہ اور مضبوط ہو گی۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ سرکاری منظوری اور امداد کی لالچ اس میں رخنہ پیدا کرے۔ بہت غور کے بعد میری رائے یہ ہے کہ ہم کو اپنے مکاتب کو نہ محکمۂ تعلیم سے منظور کرانا چاہیے اور نہ امداد لینی چاہیے۔ بلکہ اپنے بل بوتے پر ان مکاتب کو چلانا چاہیے جو گزشتہ دس بارہ سال کا تجربہ مجھے بہت سے معاملات میں ہوا ہے اس کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ محکمۂ تعلیمات کی طرف سے کاغذ پر منظوری اور امداد کی جو اسکیم آئے گی وہ عمل میں جا کر مفقود ہو جائے گی۔ اور کوئی عوامی تحریک ان بنیادوں پر نہ چل سکے گی۔ اور جب بہت سے لوگ اپنا رُخ بدل کر منظوری اور امداد کی طرف دوڑ پڑیں گے تو عوامی تحریک تو ختم ہو جائے گی اور منظوری امداد کی گوناگوں پیچیدگیوں سے عاجز آ کر لوگ گھر بیٹھ رہیں گے۔ اس لیے بزرگو اور دوستو! اس سے بچنا ہے۔ دینی تعلیم

ایک اسلامی فریضہ ہو اور ہم کو خود اسے انجام دینا ہے۔ اُٹھئے اور ہر بچے اور ہر بچی کو دین کی تعلیم کے لیے اس طرح تلاش کیجئے جیسے چرواہا اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ کو ڈھونڈھتا ہے۔ یہ بھی خوب یاد رکھیے کہ جبریہ تعلیم مجریہ گورنمنٹ ہمارے مکاتب پر بالکل اثر انداز نہ ہو سکے گی۔ آپ بے خوفی اور بے جگری کے ساتھ اپنے مکاتب کھولیے اور انھیں معیاری اور سود مند بنائیے۔ اس کو سوچئے ہی نہ کہ یہ جبری تعلیم کی زد میں آسکتے ہیں اگر کہیں یہ سوال کھڑا ہوگا تو دینی تعلیمی کونسل آہنی طور پر اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گی اور انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوگی۔

آخر میں لیکن سب سے اہم بات یہ ہو کہ اپنے اُن بچوں کو بھی نہ بھولیے گا جو سرکاری اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ اُن کے لیے صباحی اور شبینہ مدارس کا اجرا انتہائی ضروری مقصود رہے۔ کوئی مکتب اس وقت تک اپنا فرض ادا نہیں کرتا ہے جب تک کہ وہ قریب کے سرکاری اسکولوں کے مسلمان بچوں اور بچیوں کو صبح اور شام دینی تعلیم بذریعۂ اردو نہ دے۔ اسی طرح بچیوں کے لیے الگ درسگاہیں کھولنا بھی ضروری ہیں۔

حضرات میں اب اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک توفیق نیک ہدایت، خلوص نیت، عزم کامل اور عمل پیہم عطا فرمائے۔ آمین۔

فرزندان توحید کو شرک کا سبق

(از عتیق الرحمن سنبھلی)

ہماری ریاست (اتر پردیش) کے سرکاری اور نیم سرکاری اسکولوں میں پرائمری درجات سے لے کر ہائر سکنڈری درجات تک کس رنگ کی تعلیم ہو رہی ہے[1]۔ اور ریاست کے دوسرے بچوں کے ساتھ ساتھ کس طرح مسلمان لڑکے اور لڑکیاں بھی کھلے عام وہ سبق پا رہے ہیں جو اسلام کے بنیادی اصول و عقائد سے متصادم ہیں، جن سے مشرکانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں، اوہام پرستی کا ذہن تیار ہوتا ہے۔ خالص ہندو کلچر سے مناسبت پیدا ہوتی ہے، ہندو مذہب و تہذیب کی دیومالائی عظمت دلوں میں جاگزیں ہوتی اور (خاکم بدہن) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مجروح ہونے کا بھرپور سامان مہیا ہوتا ہے —— اس بارے میں اب کسی حد تک عام واقفیت پیدا ہو چکی ہے —— لیکن پوری صورت حال کے مقابلہ میں یہ واقفیت اب بھی بہت کم ہے۔

اس سال اگست میں ایک کمیٹی حکومت اتر پردیش نے اس غرض سے مقرر کی تھی کہ وہ درسی کتابوں پر کیے گئے اعتراضات کی روشنی میں ان کتابوں کا جائزہ لے کر اصلاح کا خاکہ

---

[1] یہ سوال ملک کی کسی ایک ریاست اور کسی ایک صوبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اتر پردیش سے متعلق جو صورت حال ذیل میں پیش کی جا رہی ہے کچھ وہی حال دوسری تمام ریاستوں کا بھی ہے۔

پیش کرے۔ حکومت کے اس اعلان پر صوبائی دینی تعلیمی کاونسل (یو، پی)، نے فوراً ہی اپنے چند ارکان کی ایک سب کمیٹی بنائی جو پرائمری سے لے کر ہائر سکنڈری اسکولوں تک کی کتابوں کا جائزہ لے کر اعتراضات مرتب کرے اور ایک توجہ نامے (میمورنڈم) کی شکل میں حکومت کی نامزد کمیٹی کے صدر کو پیش کرے ــــ کاؤنسل کی سب کمیٹی اکتوبر میں اپنے مفوضہ فرائض سے سبکدوش ہو چکی ہو۔

اس توجہ نامے میں جو اعتراضی نکات پیش کیے گئے تھے اُن کے ثبوت کے طور پر پرائمری سے لے کر ہائی اسکول تک کی کتابوں سے اخذ کردہ نہایت جامع مواد بھی اس کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ سب کمیٹی کے کنوینر جناب ظفر احمد صاحب صدیقی ایم اے ایل ایل بی وکیل سیتاپور کی وساطت سے راقم الحروف کو یہ منسلکہ مواد دیکھنے کا موقع ملا۔ اندازہ ہوا کہ شاید اس سے زیادہ دیدہ ریزی کے ساتھ یو، پی کی درسی کتابوں کی چھان بین کی کاوش اب تک نہیں کی گئی۔ اور بہت کم ہیں وہ معلومات جو ہم لوگوں کو اس سلسلہ میں آج تک حاصل ہوئی ہیں۔ صورتِ حال جتنی مہیب اور خطرناک ہو اس کا صحیح اندازہ ہماری اب تک کی معلومات سے نہیں ہو سکتا۔ اور پھر قدرتی طور پر وہ فکر بھی ہمارے دل و دماغ میں بیدار نہیں ہو سکتی جو اپنی نئی نسل کے دین و ایمان سے متعلق اس درجہ مہیب خطرہ کی صورت میں ہونی چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث کے مطابق دین ایک عہد ہو جس کی ایک دفعہ مسلمانوں کی خیرخواہی اور خیر اندیشی بھی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ملت کے لیے کسی جہت اور کسی پہلو سے کوئی خطرہ پیدا ہو رہا ہے تو جو شخص اس خطرہ سے مطلع ہو جائے وہ پوری امت کو خبردار کرے۔ خطرے کا احساس کم ہو اور خطرہ بڑا ہو تو احساس کے تاروں کو اپنی پوری قوت سے جھنجھوڑ دے۔ اسی فرض کی ادائیگی کے لیے مذکورۂ بالا توجہ نامے سے استفادہ کرتے ہوئے ذیل کی سطریں لکھی جا رہی ہیں۔ خدا کرے یہ سوتوں کے جاگنے اور جاگتوں کے اُٹھ بیٹھنے کا باعث بن جائیں۔

ؔ الدين النصيحة لله ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم (الحديث)

قرآن پاک کی پہلی ہی سورت (سورۂ فاتحہ) میں سب سے پہلا سبق جو ایک مسلمان کی زبان پر جاری کرایا گیا ہے اور جسے ہر چوبیس گھنٹے کے پانچ مختلف اوقات میں کم از کم سترہ مرتبہ دھرانا فرض قرار دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝	سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پروردگار ہو تمام جہان کا، جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہو۔ جو روز جزا کا مالک ہو۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھی سے اعانت کے طالب ہوتے ہیں۔ دکھا ہم کو (پروردگار) سیدھا راستہ۔

اس کی رو سے سزاوار حمد صرف اللہ ہے، اسی کے لیے ربوبیت عالم کا اعتقاد زیبا ہے۔ مخلوق کو اسی کی رحمت کا سہارا ہو۔ ایک دن جزا اور سزا کا آنا ہے اس میں فیصلہ تمام تر اور براہ راست اسی کے ہاتھ ہو گا۔ بندگی کا مستحق تنہا وہی ہو، اور حاجت روا بھی اس کے سوا کوئی نہیں، اور ہدایت کا سرچشمہ بھی اسی کی پاک ذات ہو۔

اسی طرح قرآن کی تقریباً آخری سورت ہو جو بندۂ مومن کو یہ سبق دیتی ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝	کہہ کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہو (کسی رفیق حیات اور شریک کار کی اس کو احتیاج نہیں) نہ وہ کسی کا والد ہو نہ ولد۔ اور نہ اس کا کوئی ہمسر۔

یہ ہو وہ بنیادی عقیدہ جس کو حرز جان بنائے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے خلاف کسی چیز کو دل میں رکھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کا رشتہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں اسلام کے فرزند یہ سبق پڑھ رہے ہیں۔

۱۔ "اے دیوتاؤں کے دیو۔ آپ ہی ماں ہیں آپ ہی باپ، آپ ہی باپ ہیں

آپ ہی ساتھی، آپ ہی علم ہیں، آپ ہی دولت، آپ ہی میرے سب کچھ ہیں[۱]۔"

اسی سلسلہ میں آگے یہ الفاظ آتے ہیں:-

"ایسے گرو کی میں بندنا[۲] کرتا ہوں جو مجسم برہما[۳] وشنو مہیش ہے۔"

(نو پربھات حصہ اول (سنسکرت) ص۳)

۲۔ "کافور کی مانند گورے رنگ والے، دیا کے مجسمے، سنسار کے خالق، دل کے کمل میں رہنے والے، پاربتی[۴] سمیت شنکر بھگوان کی میں بندنا کرتا ہوں۔"

(سنسکرت سو بودھنی ص۱)

۳۔ ہے دیوتاؤں کی مالکہ گنگا جی! آپ گنگناتی لہروں والی، تینوں لوک[۵] کو نجات دینے والی، آپ شنکر جی کی جٹا میں قیام کرتی ہیں۔ ایسی کرپا کیجئے کہ آپ کے کمل جیسے قدموں میں میرا من لگے۔"

(نو پربھات سوم سنسکرت ص۳)

۴۔ "میں پرسکون فطرت والے، سانپ کی سیج پر سونے والے، کمل کی ناف والے دیوتاؤں کے معبود، دنیا کے آدھار، آسمان کی مانند گھٹا کے رنگ والے، خوبصورت اعضاء کے مالک، لکشمی دیوی کے شوہر، کمل کی مانند خوبصورت آنکھوں والے، مُنیوں کے ذریعہ دھیان سے معلوم کیے جانے والے، سنسار کا خوف دور کرنے والے، سارے لوک کا واحد سہارا، بھگوان وشنو کی بندنا کرتا ہوں۔"

(نو پربھات دوم ص۳ سنسکرت)

۵۔ "میں ایسے شیو جی جو قابل پرستش ہیں، اور چاند جن کا زیور ہے۔ اُن کے پوت (گنیش جی) کی میں بندنا کرتا ہوں۔ جو ہاتھی کی مانند منھ والے اور

---

[۱] شنکر جی سے خطاب ہے جنھیں ہندو دیوتا مانتے ہیں۔ [۲] حمد [۳] یعنی خدا [۴] شنکر جی کی بیوی۔
[۵] تینوں جہان۔

ہر طرح کی مسرت کا خزانہ ہیں۔"

(سنسکرت پرویش ص۱)

۶۔ "ایسے رحم کے سمندر کرشن بھگوان (مادھو) کی میں بندنا کرتا ہوں جن کی رحمت سے ناممکن کام ممکن ہو جاتے ہیں، گونگے بھی بولنے لگتے ہیں اور لنگڑے بھی پربت پار کر جاتے ہیں۔"

(نو پربھات اول ص۲ سنسکرت)

۷۔ "سری کرشن میں اتنے گُن تھے۔ وہ اتنے بڑے تھے اور سب کا اتنا بھلا کر گئے ہیں کہ لوگ انھیں بھگوان کہتے ہیں۔ ایشور کی برابری کا انھیں درجہ مل گیا ہو۔"

(ہمارے پورج اول ص۲۶)

۸۔ "رام ہندوستان کے پران (جان) ہیں، وہ بھارت کے بھگوان ہیں۔ جو اوتاروں پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ بھی اپنے ایشور کو رام ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

(نو پربھات سوم ص۱۱۴)

۹۔ "میں اُن بھگوتی سرسوتی کی پناہ مانگتا ہوں جو سفید کمل، چاند یا برف کی طرح سفید لباس پہننے والی، سفید کمل پر بیٹھی ہوئی، برہما، وشنو، مہیش وغیرہ دیوتا جن کی ہمیشہ بندنا کرتے ہیں، جو ہر طرح کی جہالت اور تاریکی دور کرنے والی ہیں۔"

(سنسکرت پرویش ص۱)

۱۰۔ سرسوتی دیوی ہماری مراد پوری کر!　　(نو پربھات سوم ص۱۶۵)

۱۱۔ "میں من اور ہوا کی طرح تیز رفتار، حواس پر قابو یافتہ، عقلمندوں میں اعلیٰ، بندروں کے کنبے کے سردار رام چندر جی کے سفیر کی پناہ میں آتا ہوں۔"

(نو پربھات سوم ص۳ سنسکرت)

قرآن نے عقیدہ دیا تھا کہ سزاوار حمد صرف اللہ کی ذات ہے۔ اسکول کی کتاب اس کے برخلاف ہمارے بچوں سے حمد کراتی ہے شنکر بھگوان کی ان کی بیوی پاربتی کی، لکشمی دیوی کے شوہر بھگوان وشنو کی، شیو جی کے

پوت گنیش جی کی، اور مہاراج کرشن کی۔

قرآن کی رو سے ربوبیت خدائے واحد کی صفت خاص تھی۔ اسکول کی کتاب پڑھا رہی ہو کہ عالم کی ربوبیت میں شنکر جی بھی شریک ہیں، وشنو بھگوان کا بھی حصہ ہو، کچھ حصہ گنیش جی کو بھی پہونچا ہے۔ اور تھوڑی سی شرکت کرشن بھگوان کی بھی ہے

قرآن نے سمجھایا تھا کہ سر نیاز جھکاؤ تو صرف اللہ رب العالمین کے سامنے، اور دست سوال بڑھاؤ تو صرف اسی رحمٰن ورحیم کے سامنے، اسکول میں سکھایا جارہا ہو شنکر جی سے اور گنگا جی سے لو لگانا، سرسوتی دیوی سے مرادیں مانگنا اور شیو جی کے آگے سر جھکانا۔

قرآن نے کہا تھا کہ خدا اکیلا ہو، یہاں ذہن میں بٹھایا جارہا ہو کہ خداؤں کی کوئی گنتی نہیں۔ قرآن نے کہا تھا کہ اس کی جناب میں بیوی اور بچے کا تصور گناہ ہو۔ اسکول کی کتاب کہتی ہو کہ وہ کسی دیوی کا شوہر بھی ہے اور کسی پوت کا باپ بھی، قرآن میں فرمایا گیا تھا کہ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ بچہ پڑھ رہا ہو کہ کرشن جی کو ایشور کی برابری کا درجہ مل گیا ہے۔

اور شرک کی یہ تعلیم سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کو صرف ذہن وزبان کی حد تک ہی نہیں دی جارہی ہو، بلکہ بعض اسباق کے ساتھ عملی تصاویر دے کر اس تعلیم کو عملی بھی کر دیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں پرارتھنا (دعا) کا سبق آیا ہے تو دعا کے عمل کو اس طرح مصور کیا گیا ہو کہ ایک بچہ ابھرتے ہوئے سورج کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہوا ہے۔

عقائد وتصورات کے علاوہ کلچرل لحاظ سے بھی ان کتابوں میں وہ مواد بھرا پڑا ہو جسکے نتیجہ میں طالبعلم کے اندر ہندو کلچر کے اطوار وعادات اپنے معاشرتی ماحول کی وجہ سے پوری طرح پیدا نہ ہو جائیں تو اس کی کچھ خوبو تو آہی جائے گی اور وہ وحشت وعدم مناسبت تو نام کو بھی نہ رہے جو ایک فرزند توحید کو کسی مشرکانہ کلچر سے ہونی چاہیے۔

مثلاً بیسک ریڈر چہارم اردو اور ہندی میں "رام اور سگریو کی دوستی" کے عنوان سے ایک نظم ہے (ص ۶۳) جو رامچندر جی کے متعلق خالص ہندو تصورات کی نمائندہ اور اسلامی نقطۂ نظر سے

مشرکانہ اوہام کا پلندہ ہے۔ اس نظم کو محض زبانی سبق کے طور پر بھی پڑھنا کچھ کم ضرر رساں نہ تھا، جس میں ہنومان جی راجہ رام چندر جی سے اس بات پر معذرت کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ بھگوان (رام چندر جی) کو فقط انسان سمجھ بیٹھے تھے۔ اور پھر مکمل آداب عبودیت بجا لاتے ہیں، لیکن اس پر مستزاد یہ ہے کہ کتاب میں طلبا کو رام، لچھمن اور سگریو اور ہنومان بن کر اس نظم کی کہانی کا ناٹک کھیلنے کی ہدایت بھی دی گئی ہے۔ اس طرح کے ناٹک جو بچے کھیلیں گے کیا وہ ہندو کلچر سے قریب نہ ہوں گے اور ان کے اندر اس کی خوبو آئے بغیر رہ سکے گی؟۔

۲۔ اسی طرح بیسک ریڈر سوم اردو میں مہابھارت اور راماین کی کہانیاں دی گئی ہیں (ص ۲۲ تا ۲۴) اور طلبا کو ان کا ناٹک کھیلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۳۔ اسی کتاب میں پڑھایا گیا ہے کہ

"جب تمہارے یہاں برسات میں آلھا گایا جائے تو اُسے سنو۔" (ص ۵۶)

۴۔ خطوط نویسی کے طریقوں میں سکھایا جاتا ہے کہ بڑوں کے لیے پوجیہ (قابل پرستش) پرم پوجیہ اور پوجیہ وار (حد درجہ قابل پرستش) وغیرہ الفاظ لکھے جائیں۔ (بیسک ریڈر ہندی چہارم ص ۹۲-۹۹)

۵۔ ملاقات کے آداب میں نمستے اور پرنام کرنا بتایا جاتا ہے۔ (بیسک ریڈر ہندی اول ص ۱۴)

رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمت پر ایمان اور آپ کی ذات مقدس سے والہانہ شیفتگی و وابستگی، توحید کے بعد ایک مسلمان کی سب سے بڑی ایمانی دولت ہے۔ یہی اسلام کی وہ مقناطیسی طاقت ہے جو چودہ سو برس کے طویل عرصہ کے سینکڑوں طوفانوں کے باوجود کروڑوں دلوں کو اسلام کی شمع کے گرد جمع کیے ہوئے ہے۔ یہی وہ مرکز حرارت ہے جو اسلام کے لیے فرزندان اسلام کے دلوں کو گرماتا اور ولولے اٹھاتا ہے۔ اس مرکز میں اگر کہیں سردی آتی ہے تو پھر اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا خدا حافظ!

یہی وہ نکتہ ہے جس کو دانایانِ افرنگ نے بھانپا اور اسلام کی قوت کو توڑنے کیلئے اپنی تگ و تاز کا سب سے بڑا نشانہ اس مرکز کو بنا لیا۔ انھوں نے اپنے ترکش کا کوئی تیر نہ چھوڑا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مجروح کرنے کے لیے استعمال نہ کر ڈالا ہو، آپ کی صداقت میں وسوسے پیدا کیے، وحی الٰہی کا خاکہ

اٹھایا، اعتقادِ رسالت کے گرد شکوک و شبہات کے بادل اٹھائے، آپ کے قول و فعل میں تضاد دکھایا، آپ کی زندگی کو ایک موقع پرست طالع آزما کا روپ دیا۔ جو (معاذ اللہ) وقت کے مطابق رنگ بدلتا اور مواقع کے اشاروں پر چلتا تھا ـــ اور جس کا دعوائے نبوت بھی طالع آزمائی کا ایک شاخسانہ تھا۔

ہمیں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انسانیت کے ان دشمنوں کو اپنے اس دیدہ ورانہ نقشہ جنگ سے اپنے منصوبہ میں اس حد تک ضرور کامیابی حاصل ہو گئی کہ دنیائے اسلام کے سینکڑوں نوجوان (جن میں بہت سے اب عمر رسیدہ ہو چکے ہیں) شکوک و شبہات کے ایک لمبے چکر میں جا پھنسے۔ جسکے بعد قدرتی طور پر اسلام کے لیے اُن کے اندر کوئی سرگرمی اور اسلامی حرارت کی کوئی مشتعل چنگاری باقی نہیں رہ سکتی تھی ـــ

ـــ حکومت اتر پردیش کی درسیات کے بعض مصنفین کو بھی اہلِ فرنگ کے قدم ہندوستان سے جانے کے بعد، اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی سوجھی ہے۔ ہائی اسکول کے درجات میں ہندی کی ایک کتاب "وشو کرانت کی لہریں" آج کل پڑھائی جا رہی ہے۔ وہ طلبا کے سامنے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز میں پیش کرتی ہے۔

۱۔ "محمد صاحب نے (اہلِ عرب سے) کہا کہ آپ لوگ کعبہ کے دیوتاؤں کو بھی پوجئے لیکن اُس کے ساتھ ایک اللہ کو بھی مانئے"۔

یہ کام چالاکی سے کیا گیا۔ لیکن محمد صاحب نے دیکھا کہ لوگ اللہ کو نہیں مانتے اس لیے ان دیوتاؤں کی برائی بیان کرنا شروع کر دی"۔ (ص ۳۷)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متعلق یہ تاثر دیا گیا ہے۔

"ان کے خیالات اس زمانے سے میل نہیں کھاتے اور عجیب ہیں"۔ (ص ۳)

ع۔ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات! ـــ یہ بات اس سلسلۂ درسیات میں لکھی جا رہی ہے جس کا تقریباً ہر دوسرا تیسرا صفحہ یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ کس زمانہ کی باتیں بیسویں صدی میں پڑھائی جا رہی ہیں، اور آخر کب تک یہ دیومالائی واقعات لوگوں کو سنانے اور خلافِ عقل عقائد اپنانے کی ہمت لوگوں کو ہوتی رہے گی؟۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی مہارت کی داد دیتے ہوئے یوں بیداد کی گئی ہے۔

"ان جنگوں میں یہ بھی جان پڑا کہ محمد صاحب مذہبی معلم ہی نہیں، ماہر فوجی

سردار بھی ہیں۔ لیکن جب جب ان کی فتح ہوئی سب مفتوح لوگ موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔" (ص ۳۹)

مقصد تو صرف ان عبارتوں کے نقل کرنے کا تھا۔ مگر ان زہریلے جھوٹوں پر کس طرح آدمی صبر سے گزر جائے؟ یہ ذکر اُس پیکرِ رحمت کا ہو رہا ہو جس نے مکہ کے خونخوار دشمنوں کو بدر کی لڑائی میں مغلوب کر کے قید کرنے کے بعد، حضرت عمرؓ کا مشورہ رد کر کے سب کو یکقلم چھوڑ دیا، پھر جس نے اُحد میں انھیں دشمنوں کے ہاتھوں زخم کھانے اور اپنے ستر پیارے ساتھیوں کا نقصان اٹھانے کے باوجود مکہ کی فتح کے دن ان میں سے کسی کو غصہ کی نظر سے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، مکہ میں فاتحانہ داخلہ کے وقت کسی کی زبان پر جوش میں انتقامی نعرہ آگیا تو اسی وقت تنبیہ فرمائی۔ اہلِ مکہ ہی میں سے کسی کی سرکشی کی بدولت آپ کے کسی کمانڈر کے ہاتھ سے داخلہ کے وقت ایک آدھ آدمی کا خون ہو گیا تو اس سے سخت باز پرس فرمائی۔ کوئی کہاں تک گنائے؟ ع

سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

۴۔ آپ کو ایک موقع شناس طالع آزما کے روپ میں دکھانے کے لیے یوں دادِ تحقیق دی گئی ہے:۔

"انھوں نے موقعوں سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ مکہ اور مدینہ میں جھگڑا تھا، انھوں نے ایک کی طرفداری کر کے دوسرے پر فتح حاصل کی۔" (ص ؎)

یہ آج پہلی بار معلوم ہو رہا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں کوئی جھگڑا تھا! ایک جھوٹ بولنے کے لیے آدمی کو کتنے جھوٹ تراشنا پڑتے ہیں!! کوئی ان بھلے آدمیوں سے پوچھے کہ مکہ اور مدینہ میں کون سا جھگڑا تھا؟ اس کا ذکر کس تاریخ میں ملتا ہے؟

۵۔ ابھی رحمۃ للعالمین کو "جلاد صفت" دکھانے سے لکھنے والے کو تشفی نہیں ہوئی ہے، اب وہ ایک دو زہر بھری سطریں اور لکھ کر اس پہلو سے اپنے دل کا غبار نکالنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کی رسالت و نبوت کا خاکہ اُڑانے سے بھی لطف لینا چاہتا ہے۔

"دشمنوں اور مفتوحوں پر کسی قسم کی دیا دکھانا انھوں نے نہیں سیکھا تھا۔ خونریزی، ہتیا اور قتل سے اُن کا جی کبھی گھبراتا نہ تھا، ہر ایسے کام کے لیے یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کا ایسا ہی حکم ہو۔ اس کی یہی مرضی ہے۔ اسی سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اس کی

تسکین کے لیے ایسا کیا جارہا ہو" (ص ۴۰)

لیجئے ـــــ ع

"کر دیا سفاک نے میدان صاف"

اس یاوہ گوئی کے جواب میں کچھ اور کہنے سے پہلے صرف اتنا پوچھ لینے کی ضرورت ہو کہ مہابھارت کی کہانی میں جو ہم یہ پڑھتے ہیں کہ ارجن جنگ سے بچنا چاہتے تھے۔ خونریزی اور قتل سے ان کا جی گھبراتا تھا لیکن سری کرشن جو آپکے نزدیک ایشور کے اوتار تھے انھوں نے ارجن کو جنگ کے فضائل سُنا سُنا کر اور اسی میں ایشور کی مرضی بتا بتا کر ان کو آمادہ بجنگ کیا۔ اسکے متعلق کیا ارشاد ہو؟

خیر آپ اسوقت سوال وجواب کے چکر میں نہ پڑیئے، آپ تو یہ دیکھئے کہ آپ کی اولاد اگر سرکاری یا نیم سرکاری اسکول میں پڑھتی ہے تو وہ پڑھ کیا رہی ہو؟ ـــــ اگر "قیاس کن زگلستان من بہار مرا" کا اصول صحیح ہو تو آپ کو اس تعلیم کا انجام سمجھنے میں دقت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر آپنے اسکے تدارک کا کوئی انتظام نہ کیا تو آپ کی وہ نئی نسل جو آج کے اسکولوں میں تعلیم پا رہی ہو خود اسکے بھی ایک بڑے حصہ کا اس تعلیم سے متاثر ہوجانا لازمی ہو۔ اور اس نسل سے جو اگلی نسل ظہور میں آئے گی وہ تو بالکل ہی شدھ ہو کر ہی اُٹھے گی۔ یہ موجودہ تعلیمی ماحول ہمارے بچوں کے ذہنی رشتہ کو ان کے مذہب اور تہذیب سے کاٹ کر، ایک دوسرے مذہب اور دوسری تہذیب سے ان کو مانوس کرنے کا پورا سامان بہم پہونچا رہا ہو ـــــ کیا ہمارے لیے جائز ہوسکتا ہو کہ ہم اپنے بچوں کے اس تباہ کن تعلیمی ماحول کو، واقفیت کے بعد بھی، گوارا کرتے رہیں؟

اس کو گوارا کرنے کا مطلب کم از کم درجہ میں اپنی تہذیبی موت کو گوارا کرنا ہو۔ اور تہذیبی موت کے بعد کسی قوم کی زندگی دراصل کوئی زندگی نہیں۔ یہ موت ہو اور موت بھی شرمناک موت!! جسے ہم صرف کم ہمتی اور لاابالی پن سے گوارا کرلیں تو کرلیں ورنہ ہم خدانخواستہ ایسے حال میں نہیں ہیں کہ اس بڑھتی ہوئی موت سے زندگی کی ایک کامیاب لڑائی نہ لڑ سکیں۔

یو، پی کے مختلف مسلم مکاتب فکر اور عقائد و خیالات کے نمائندہ حضرات نے "صوبائی دینی تعلیمی کونسل" کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈال کر اس لڑائی کا آغاز کردیا ہو۔ اور اس کے لیے ایک

باقی صفحہ ۶۳ پر

موجودہ سرکاری نصاب سے ہمارا اختلاف؟

مسلمانوں کے لئے اسلامی تعلیم کیوں ضروری ہے؟

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ایک تازہ تقریر)

[ضلع بنارس کی دینی تعلیمی کانفرنس منعقدہ ۶ر نومبر ۶۶ء میں "دینی تعلیمی کونسل اترپردیش" کے صدر، رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اس دینی تعلیمی تحریک پر جو اس وقت ہمارے صوبہ میں چل رہی ہے، ایک اہم اصولی تقریر فرمائی تھی۔ یہ عاجز بھی اس کانفرنس میں شریک تھا، مولانا کی تقریر سن کر میں نے ان سے کہا کہ اس وقت جو کچھ آپ نے کہا ہے یہ اسی انداز میں قلمبند ہو کر شائع ہونا چاہیئے ـــــ ایک صاحب نے مولانا کی تقریر نوٹ کرنے کی بھی کوشش کی تھی میں نے ان صاحب سے اُن کے لکھے ہوئے تقریر کے نوٹ حاصل کر کے مولانا کو دیدیئے کہ آپ انکی تکمیل اور اصلاح کر کے اس کو قابل اشاعت بنادیں۔ مولانا نے یہ زحمت فرمائی، ذیل میں وہی تقریر شائع کی جارہی ہے۔

مولانا نے مجھے بتایا ہے کہ اس میں انھوں نے اس موضوع سے متعلق بعض ایسی باتوں کا اضافہ بھی کردیا ہے جو انہی دنوں میں اسی سلسلہ کی بعض دوسرے مقامات کی تقریروں میں انھوں نے کہی تھیں۔

اس تقریر میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ آگئی ہے کہ اس دینی تعلیمی تحریک کا اصل محرک کیا ہے۔ اسکے علاوہ موجودہ سرکاری نصاب تعلیم کے بارہ میں جو کچھ مولانا نے اس تقریر میں کہا ہے وہ بلاشبہ اتنی اہم باتیں ہیں کہ ارباب حکومت اور ملک کی ذمہ دار شخصیتوں

کا ان پر غور نہ کرنا ملک کی بڑی بدنصیبی ہوگی ـــــــ محمد منظور نعمانی]

(خطبۂ مسنونہ کے بعد)

ایک اُصولی اختلاف

حضرات! موجودہ نصاب تعلیم سے جو سرکاری اسکولوں میں جاری ہے ہمارا اختلاف کوئی وقتی اور سطحی مسئلہ نہیں ہے جس کی بنیاد فوری جوش اور اشتعال یا قومی اور لسانی تعصب پر ہو۔ یہ اختلاف اس سے زیادہ وسیع اور گہرا ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے، نہ صرف ہمارے غیر مسلم دوستوں، اور حکومتی حلقوں کو اسکے سمجھنے کی ضرورت ہے بلکہ آپ کو بھی اسکی ضرورت ہے کہ آپ کا ذہن اس بارے میں صاف اور مطمئن ہو، اور آپ کو بھی اس مسئلہ کی نزاکت و اہمیت پورے طور پر محسوس ہو۔

دو نظام عقائد اور دو تہذیبیں

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے، اور اپنی اس ذات کی معرفت عطا کرنے اور اس کا صحیح تعارف کرانے کے لئے جو عقل و قیاس سے ماوراء ہے اور جس کی کوئی مثال اور نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے، انبیاء علیہم السّلام کے گروہ کو منتخب فرمایا، اپنے کلام اور پیغام کے ذریعہ پہلے ان کو پھر ان کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنی ذات وصفات کا صحیح اور مستند علم عطا فرمایا، اور اپنے منشا، اور احکام اور زندگی گذارنے کے پسندیدہ طریقہ سے آشنا کیا، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب	اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن
ولکن اللہ یجتبی من رسلہ	اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں
من یشاء۔ (آل عمران ۱۷۹)	جس کو چاہتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات، اسکی بندگی کے صحیح طریقہ اور زندگی گذارنے کے پسندیدہ طریقہ کو معلوم کرنے کا ان پیغمبروں کی اطلاعات اور تعلیمات کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ عقل و ذہانت، قیاس آرائی و طبع آزمائی، خواہشات اور قومی رسم و رواج کا میدان نہیں، اسکے لئے اسکے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا خود اسکی خبر دے اور وہ اسکی

خبر پیغمبروں ہی کے ذریعہ دیتا ہے، اس لئے اس علم اور ہدایت کا ذریعہ صرف انبیا علیہم السلام ہی ہیں.
قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت، طریقہ زندگی کی صحت، اعمال کی قبولیت اور انسانوں کی مقبولیت اسی گروہ انبیاء کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے، انھیں کے تعلیم کئے ہوئے عقائد انھیں کی عطا کی ہوئی معرفتِ الٰہی، انھیں کے لائے ہوئے حقائق اور علوم، اور انھیں کا طریقہ زندگی انھیں کی معاشرت اور اخلاق اللہ تعالیٰ کو محبوب اور مقبول ہیں۔ اور سارے انسانوں کو انکی اقتداء اور تقلید کرنے اور ان کو اپنے لئے نمونہ اور امام بنانے کی ہدایت اور تاکید ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں اور عالی مرتبہ پیغمبروں میں سے ایک بڑے گروہ کا نام بنام ذکر کرتا اور ان پر اپنے انعامات گنا تا ہے۔

وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم
على قومه نرفع درجات
من نشاء ان ربك حكيم عليم
ووهبنا له اسحٰق ويعقوب
كلا هدينا ونوحا هدينا
من قبل ومن ذريته داؤد
وسليمان وايوب ويوسف
وموسىٰ وهارون وكذالك
نجزي المحسنين وزكريا ويحيىٰ
وعيسىٰ والياس كل من الصالحين
واسمٰعيل واليسع ويونس ولوطا
وكلا فضلنا على العالمين
ومن آبائهم وذرياتهم واخوانهم
واجتبيناهم وهديناهم الى
صراط مستقيم ذالك هدى الله
يهدي به من يشاء من عباده

اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے دی تھی ابراہیم کو
اسکی قوم کے مقابلے میں، درجے بلند کرتے ہیں ہم
جس کے چاہیں۔ بے شک تیرا رب حکمت والا ہو
جاننے والا، اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور
یعقوب، سب کو ہم نے ہدایت دی اور نوح کو
ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے۔ اور اسکی اولاد
میں سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب اور یوسف
کو اور موسیٰ اور ہارون کو۔ اور ہم اسی طرح
بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو۔ اور زکریا
اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو۔ کہ سب ہیں نیک
بختوں میں۔ اور اسمٰعیل اور الیسع کو اور یونس
کو اور لوط کو۔ اور سب کو ہم نے بزرگی دی سارے
جہان والوں پر۔ اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو
ان کے باپ دادوں میں سے۔ اور ان کی اولاد
میں سے اور بھائیوں میں سے۔ اور ان کو ہم نے
پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے

ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون اولٰئك الذین آتیناھم الکتاب والحکم والنبوۃ فان یکفر بھا ھؤلاء فقد وکلنا بھا قوماً لیسوا بھا بکافرین

اس پر چلاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں۔ اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انھوں نے کیا تھا یہی لوگ تھے جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پھر اگر ان باتوں کو نہ مانیں یہ نہ ماننے والے تو ہم نے ان باتوں کے لئے مقرر کر رکھے ہیں وہ لوگ جو انکے منکر نہیں ہیں۔

اس شیریں اور دل آویز تذکرہ کے بعد جس کے لفظ لفظ سے محبت اور حلاوت ٹپکتی ہے اپنے رسول کو مخاطب بناتے ہوئے دنیا کے ہر انسان کو خطاب ہے۔

اولٰئك الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ قل لا اسئلکم علیہ اجراً ان ھو الا ذکریٰ للعالمین

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے، سو تو چل ان کے طریقہ پر۔ تو کہدے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری، یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کو۔

(الانعام رکوع ۱۰)

یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کا وہ محبوب گروہ ہے جس کی ہر بات اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے عقائد و الہیات سے لے کر عادات و مرغوبات، اخلاق و معاشرت اور تہذیب و وضع تک انکی ہر چیز محبوب ہے، انھیں کے عقائد و اخلاق اور تہذیب و معاشرت کے مجموعہ کو "اسلام" اور اس نظام زندگی اور تہذیب کو جو اس کے متوازی اور مقابل ہے "جاہلیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دورِ ابراہیمی پھر اس گروہِ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی محبوبیت اور نسل انسانی کی امامت سے سرفراز فرمایا۔

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً — اور ٹھہرا لیا اللہ نے ابراہیم کو دوست۔

قال انی جاعلك للناس اماماً (البقرہ ۱۵) — فرمایا اللہ نے (ابراہیم سے) کہ میں کروں گا تجھ کو سب لوگوں کا پیشوا۔

ایک جگہ ان کی خصوصیات انکی انفرادیت اور ان کے موحدین کا امام ہونے کا ذکر کرتے ہوئے

ان کے طریقہ کی پیروی کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے، فرمایا:۔

ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ	بے شک ابراہیم تھا بڑا مقتدا، پورا فرمانبردار
حنیفا ولم یک من المشرکین	اللہ کا، سب سے ایک طرف ہو کر۔ اور نہیں تھا شرک
شاکرا لانعمہ اجتباہ وھداہ	والوں میں ــ حق ماننے والا اللہ کے احسانوں
الی صراط مستقیم واتیناہ فی	کا، اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ
الدنیا حسنۃ وانہ فی الآخرۃ	پر، اور دی ہم نے دنیا میں اسکو خوبی، اور وہ
لمن الصالحین ثم اوحینا الیک	آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے
ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا	تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو تھا ایک اللہ کی
وما کان من المشرکین۔ (نحل ۱۶)	طرف رخ کئے ہوئے، اور نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے بعد سے انھیں کا دور امامت اور پیشوائی ہے اور دور ابراہیمی قیامت تک قائم رہے گا، اسی دور ابراہیمی کے آخری پیغمبر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس دور کی آخری دینی امت (مسلمان) ہیں ــ مسلمانوں کو خطاب کر کے صاف کہا گیا ہے۔

ھو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین	اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی دین میں
من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم	تم پر کوئی مشکل، دین تمھارے باپ ابراہیم کا۔
ھو سماکم المسلمین (حج ۱۰)	اسی نے نام رکھا تمھارا "مسلمان"۔

اس امامت و دعوت کی خصوصیت توحید خالص اور شرک، اصنام پرستی، مظاہر پرستی اور ہر مشرکانہ عقیدہ اور تخیل سے نفرت اور بیزاری ہے، قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کے وہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں جو انھوں نے اپنے زمانہ کے مشرکین سے کہے:۔

انا برآؤا منکم ومما تعبدون	ہم بے تعلق ہیں تم سے اور ان سے جن کو
من دون اللہ کفرنا بکم	تم پوجتے ہو اللہ کے سوا ہم انکاری ہوئے تمہارے
وبدا بیننا وبینکم العداوۃ	مسلک کے اور کھل پڑی ہے ہم میں اور تم میں
والبغضاء ابدا حتی تومنوا	عداوت اور بیر ہمیشہ تک کہ تم یقین لاؤ اللہ

باللّٰہ وحدہٗ۔ (الممتحنۃ ۶:۱) واحد پر۔

اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق ان کی تمنا اور دعا ان الفاظ میں منقول ہے:۔

واجنبنی وبنیّ ان نعبد الاصنام اور دور رکھ مجھکو اور میری اولاد کو اصنام پرستی سے۔

اسلامی شریعت اور ابراہیمی تہذیب

اب دنیا میں جہاں تک ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قبولیت کا تعلق ہے سیدنا ابراہیم و محمد علیہما السلام کا ہی دور امامت ہے۔ عقائد بھی انھیں کے تلقین کئے ہوئے معتبر ہیں، ذات باری تعالیٰ اور اسکی صفات اور اس کی وحدانیت کا جو تصور اور عقیدہ انھوں نے تعلیم کیا ہے وہی معیاری تصور اور صحیح عقیدہ ہے، اخلاق اور معاشرت اور تہذیب و تمدن کے جن طریقوں اور شعائر کو انھوں نے اختیار کیا وہی خدا کے نزدیک صحیح اخلاق و تہذیب اور پسندیدہ اور مقبول معاشرت ہے، انھیں کی پسندیدگی اور میلان کو خدا نے پسند کیا اور دوسروں کی پسندیدگی اور میلان پر ترجیح دی۔ اور اس پر اپنی تصدیق اور پسندیدگی کی مہر لگا دی جس چیز کی انھوں نے پابندی کی اور جس کی طرف انکی فطرت سلیم ہمیشہ کے لئے مائل ہوگئی اسی کو خدا نے آخری دین کا شعار، اور ہدایت یافتہ انسانوں کی تہذیب قرار دیا، اسی کو کبھی حدیث کی زبان میں "خصال فطرت" سے اور شریعت کی اصلاح میں "سنت سے" تعبیر کیا جاتا ہے، انسان کے دونوں ہاتھ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں، لیکن داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کاموں میں اسکے استعمال کرنے کی کیوں ہدایت ہے؟ اس لئے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی عادت ہے اور ابراہیمی اور محمدی تہذیب کا شعار ہے، اسلامی معاشرت اور تہذیب میں جن چیزوں کو مسنون و مستحب اور اسلامی شعار قرار دیا گیا ہے غور کرنے کے بعد ان سب کی حقیقت یہی نکلے گی کہ یہ انبیاء علیہم السلام کا شعار اور ابراہیمی تہذیب کی علامت ہے۔

ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں ابراہیمی اور محمدی تہذیب کے حامل اور امین ہیں

ہندوستان کے اس ملک میں جہاں سیکڑوں تہذیبیں مذاہب اور فلسفے پھلے پھولے اور اب بھی موجود ہیں مسلمان ابراہیمی تہذیب کے نمائندہ اور علمبردار ہیں۔ ان کے یہاں آنے کا مقصد اسی دین و تہذیب کی تبلیغ و اشاعت اور انکے

رہنے کی غرض و غایت اسی دین و تہذیب کی بقا اور حفاظت ہونی چاہیئے، اور اسی میں اس ملت کی حفاظت اور نصرت کا راز پوشیدہ ہے۔

ہندوستان میں جس کے غالب مذہب اور تہذیب نے بیسوں مذاہب اور تہذیب کو اپنے مذہب اور تہذیب میں تحلیل کر دیا اور انکی انفرادیت اور امتیازات کو مٹا دیا، اسلام کے اپنی امتیازی شکل اور اپنی جداگانہ تہذیب کے ساتھ اتنی طویل مدت تک باقی رہنے کا راز یہی ہے کہ اس نے تہذیب و خصائل ابراہیمی سے اپنا رشتہ قائم رکھا، اور اپنے مخصوص عقیدۂ توحید و رسالت سے انحراف گوارا نہیں کیا، اب بھی اس کی حفاظت اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اپنے مرکز سے اپنا رشتہ قائم رکھے، اور اپنے "سرحدی خط" کو مٹنے نہ دے۔

ہمارے دو فیصلے ہم مسلمانوں نے پورے عزم کے ساتھ سوچ سمجھ کر ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، یہاں آنا تو ہمارے اختیار میں نہ تھا یہاں ہمیں تقدیر الٰہی اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر لائی، لیکن یہاں رہنے کا فیصلہ ہم ضرور کر سکتے ہیں۔ ہمارے اس فیصلہ کو ارادہ الٰہی کے سوا کوئی طاقت بدل نہیں سکتی، ہمارا یہ فیصلہ کسی کم ہمتی، مجبوری یا بیچارگی پر مبنی نہیں، ہمارے آس پاس اور دور و نزدیک بہت سے اسلامی ملک ہیں جہاں ہم منتقل ہو سکتے ہیں، لیکن ہم نے سوچ سمجھ کر یہیں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہمارا دوسرا فیصلہ یہ ہے (جو اپنے عزم اور قطعیت میں پہلے فیصلہ سے کسی طرح کم اور غیر اہم نہیں) کہ ہم اس ملک میں اپنے پورے عقائد، دینی شعائر اور اپنی پوری مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کے ساتھ رہیں گے ہم ان کے کسی ایک نقطہ سے کبھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔

ہندوستان کے دستور نے ہمیں اس ملک میں نہ صرف رہنے کی آزادی دی ہے، بلکہ اس نے ہمارے رہنے کا خیر مقدم کیا ہے، یہ اس ملک کی جمہوریت اور دستور و آئین کا فیصلہ ہے جب دستور نے ہم کو اس ملک میں رہنے کی آزادی دی ہے اور اس کا استقبال کیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنی خصوصیات، اپنے عقائد و شعائر اپنی زبان و تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو عزیز ہیں اس ملک میں رہیں، اسلئے کہ اس طرح رہنے سے یہ وطن وطن نہیں بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی عزتوں اور لذتوں

سے محروم رکھ کر سزا دی جاتی ہے اس لئے جب ملک کا دستور ہمیں رہنے کی آزادی دیتا ہے اور ہمارے حقوق کا تحفظ کرتا ہے تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہم کو ہماری خصوصیات کے ساتھ رہنے کی اجازت دیتا اور اس کا انتظام کرتا ہے۔ ہمارا ضمیر ضرور اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے اور یہ خاک ہم کو بہت عزیز ہے، لیکن ہماری تہذیب ابراہیمی ہے اور مسلمان جس ملک میں بھی رہے گا اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو اسکی تہذیب ابراہیمی ہوگی۔ ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، لاشوں اور غلاموں کی طرح اس ملک میں رہنا ہمیں منظور نہیں۔ ہم اس ملک میں آزاد ہیں اسکی تعمیر و ترقی میں شریک اور اسکی دستور سازی میں دخیل ہیں۔ اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم غلاموں کی طرح زندگی بسر کریں، اگر ہم ان تمام خصوصیات کے ساتھ نہ رہ سکیں تو ہم کو سنجیدگی سے سوچنا پڑے گا کہ پھر ہمارے لئے اس ملک میں رہنا جائز بھی ہے یا نہیں، اس وقت ہم کو کھانا سونا، بلکہ زندگی کی ایک سانس بھی لینا گناہ ہوگا، یہ بات اسی ملک پر منحصر نہیں ہے جس ملک میں بھی ہم اپنی مخصوص تہذیب کے ساتھ نہ رہ سکیں وہاں کے متعلق ہمارا رویہ یہی ہوگا۔

اعلیٰ درجہ کی ملک دشمنی

ملک کے دستور اور حکومت کے اعلان اور معاہدے کے خلاف اس ملک میں ایک خطرناک سازش کی گئی ہے، اس ملک میں بسنے والے مختلف فرقوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے ابتدائی مرحلہ پر ایک نصاب بنایا گیا ہے، جو ایک ہی فرقے (ہندو مذہب) کے عقائد اور روایات کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ ہندو دیو مالا (میتھالوجی) کے قصوں اور ان عقیدوں اور خیالات کی تبلیغ سے بھرا ہوا ہے جو دوسرے فرقوں کے عقائد اور خاص طور پر مسلمانوں کے بنیادی عقائد اور تہذیبی خصوصیات سے صاف طور پر متصادم ہیں۔

ہمارے صوبہ کی حکومت خاص طور پر اس سازش کا شکار ہوگئی ہے، اس ملک کے ساتھ اس سے بڑی دشمنی اور بدخواہی نہیں ہوسکتی کہ یہاں کی رہنے والی اہم اقلیتوں اور ایک فرقے کے سوا تمام فرقوں کو اتنی شدید کشمکش اور آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے، اس وقت ہمارے ملک کو اسکی ضرورت تھی کہ یہاں کی آبادی کے تمام عناصر اور ملک کے تمام فرقے اور اقلیتیں

پوری خوش دلی اور گرمجوشی کے ساتھ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیں اور اس ملک کو صاف طریقہ پر اپنا ملک سمجھیں۔ اس نصاب نے ایک غیر ضروری ذہنی کشمکش اور ایک خطرناک الجھن اور پیچیدگی پیدا کر دی ہے، اس سے ایک ایسا انتشار پیدا ہو رہا ہے جس کا اس وقت کوئی موقع نہ تھا اور جس کا کسی حیثیت سے کوئی فائدہ نہیں، جس طرح ملک کی کوئی بڑی خدمت اور سچی خیر خواہی پر انعام ملتا ہے اگر ملک کی دشمنی اور بدخواہی پر انعام ملتا ہوتا تو میں سفارش کرتا کہ نصاب کے ان مرتب کرنے والوں کو سب سے اعلیٰ انعام اور تمغہ دیا جائے۔ اس وقت اس نصاب کے خلاف آواز بلند کرنا اور حکومت کو اس کے نقصانات اور خطرات سے آگاہ کرنا سچی ہمدردی و وفاداری اور ملک و حکومت کی سچی خیر خواہی ہے اور آپ لوگ ان کانفرنسوں اور جلسوں اور احتجاجوں کے ذریعہ اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ہر سچے محب وطن اور ملک کے حقیقی بہی خواہوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے لئے اس نصاب کا مسترد کر دینا اور اس سے اپنی بیزاری اور بے تعلقی کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم اس کو اور ان بیک ریڈروں کو جن میں ایسے مشرکانہ عقائد کی تعلیم ہے برسرِ عام چاک کر ڈالیں اور اس پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کریں تو ہم ہرگز قابلِ ملامت اور شکایت نہ ہونگے۔ اس نصاب کے ساتھ ہماری مصالحت اور اسکو قبول کرنے کے لئے کوئی شرعی اور دینی جواز نہیں۔

ہندو مذہب کے ساتھ دشمنی

حضرات! میرا یہ منصب تو نہیں کہ ہندو مذہب کے نقطۂ نظر سے اس نصاب پر بحث کروں اور یہ واضح کروں کہ یہ نصاب اور اسکی افسانوی روایات اور عجائب و اوہام پرستی ہندو مذہب کے لئے اور نفس مذہب کے لئے کتنی مضر ہوگی۔ یہ کسی ہندو مذہب کے فاضل کا کام تھا کہ وہ اس نصاب کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیتا اور بتاتا کہ اس نصاب اور اسکے اسباق کے ذریعہ ہندو مذہب کے ساتھ کیسی دشمنی کی گئی ہے اور کس طرح اسکے ذریعہ لامذہبیت اور دہریت کے بیج بوئے جا رہے ہیں، لیکن تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں آگاہی دیتا ہوں کہ یہ نصاب ہندو مذہب کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اور عام مذاہب کی طرف سے بالعموم بے اعتمادی شکوک و شبہات اور تحقیر و تمسخر کا بیج بوتا ہے، اور ہندوستان میں عام الحاد و دہریت کا دروازہ کھولتا ہے۔

الحاد و دہریت کا پیش خیمہ یہی وہ غلطی ہے جو یورپ میں قرون وسطیٰ میں کی جا چکی ہے پر جوش و نا عاقبت اندیش "نیم خواندہ" عیسائیوں نے مسیحی مذہب اور اسکے عقائد و روایات کو ایسی مضحکہ خیز شکل میں پیش کیا اور کائنات اور طبعیات اور زمین کے متعلق ایسے تخیلات اور روایات مذہبی رنگ میں پیش کیں اور ان پر اصرار کیا جو تجربہ و مشاہدے اور علم و مطالعہ کے خلاف تھیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں ایک عام مذہب بیزاری اور الحاد آیا، علمی حلقوں نے کلیسا کے خلاف بغاوت کرنا علم و انسانیت کی خدمت اور عقلیت اور روشن خیالی کے مرادف قرار دیا اور یورپ کا رُخ اجتماعی طور پر مذہب کے بجائے مذہب بیزاری الحاد پسندی اور تشکیک و دہریت .... کی طرف ہو گیا، پھر جب یورپ اپنے صنعتی و علمی تفوق اور سائنس کے زور سے دنیا کا لیڈر اور پیشوا بن گیا تو ساری دنیا میں اسکے اثر سے الحاد و دہریت کا دور شروع ہوا جو ہمارے سامنے ہے۔ آج یہی خطرناک غلطی دانستہ یا نادانستہ طریقے پر ہندوستان میں کی جا رہی ہے، اگر یہ نصاب تعلیم چند سال اور باقی رہ گیا اور بچوں کو یہ سمجھانے کی کوشش جاری رہی کہ ہندوستان میں ہزاروں میل تک بہنے والی گنگا "وشنو بھگوان کے پیروں سے نکل کر شیو کی جٹا میں اور وہاں سے ہمالیہ پربت پر آئی ہے، یہ ہمانے راجہ بھگیرتھ کے تپ سے خوش ہو کر ہما مداروں کی نجات کے لئے گنگا کو زمین پر بھیجا ہے[۱]، اور وہ شنکر جی کی جٹا میں قیام کرتی ہیں[۲]، اور شیو جی کی بائیں گود میں پاربتی، سر پر گنگا اور پیشانی پر چاند، گلے میں بشش اور دل پر سانپوں کے راجہ رہتے ہیں[۳]، تو ہندوستان کی نئی نسل کے ذہن میں مذہب کی طرف سے یہ خیال بیٹھتا چلا جائے گا کہ مذہب کا عقل و تفکر اور مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں اور وہ علمی حقائق کے خلاف اوہام و خیالات اور ناقابل فہم روایات و طلسمات کا مجموعہ ہے، یہ ایک بڑے خطرے کی بات ہے جس پر ہندوستان میں مذہبی فکر رکھنے والے ہر انسان کو خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو متفکر اور پریشان ہونا چاہیئے۔

تعلیمی نقص اگر یہ چیزیں ماننے اور قبول کرنے کی نہیں ہیں، یا ان کو بے سوچے سمجھے مان لینے کی ضرورت ہے تو یہ ایک نصاب تعلیم کی انتہائی ناکامیابی اور دولت اور وقت

---

[۱] بیک ریڈر ص۹ سفر ۲ [۲] نو پربھات اوّل سنسکرت ص۱۸ [۳] نو پربھات دوم ص۱۰ سنسکرت

کا برباد کرنا ہے کہ ایسی چیز کی تعلیم دی جائے جو نا قابلِ قبول یا نا قابلِ فہم ہو، تعلیم کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ذہن کو بیدار اور متحرک کرے اور دماغ سے کام لینا سکھائے جو تعلیم دماغ کو مفلوج اور عقل کو معطل کرتی ہے، یا دماغ اور دل کے درمیان کشمکش پیدا کرتی ہے وہ ناکامیاب اور مضر تعلیم ہے۔

وقت کا تقاضہ

اس صورت حال کا جس کی اوپر تصویر پیش کی گئی اور جو ایک گہری سازش کے ماتحت یا انتہائی سادہ لوحی اور بے عقلی کے ساتھ پیش آگئی ہے، مسلمانوں کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ ان مشرکانہ عقائد و تہذیب اور برہمنیت کے اثرات سے بچنے کے لئے اس نصاب تعلیم کے خلاف پرزور صدائے احتجاج بلند کریں جو ذہنی اور تہذیبی ارتداد کا پیش خیمہ ہے، دوسرے اپنی آئندہ نسل تک دین ابراہیمی اور تہذیب ابراہیمی کی خصوصیات منتقل کرنے اور ان کو عقیدۂ توحید رسالت اور قرآنی عقائد پر استوار کرنے کے لئے مکاتب و مدارس قائم کریں جن میں ان مضامین کی تعلیم کے ساتھ جن کو حکومت کا محکمہ تعلیمات اور تعلیمی قانون ضروری قرار دیتا ہے، اور جو جبریہ تعلیم کے قانون کا منشاء ہے، ضروری عقائد اور اسلامی تہذیب کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ صرف اسی صورت سے ہم موجودہ تعلیمی انقلاب کے اثرات و خطرات سے بچ سکتے ہیں اور مسلمانوں کی آئندہ نسلیں مسلمان رہ سکتی ہیں۔

اسلام کی بقا کے لئے جدوجہد

حضرات! جس طرح اپنے ایمان اور ارکان اسلام کی حفاظت ہمارا فرض ہے اور اسکے لئے ہر ضروری انتظام ہمارا دینی فریضہ ہے، اسی طرح مسلمانوں کی نئی نسل کے لئے دینی تعلیم کا انتظام اور مشرکانہ تعلیم کے اثرات سے بچانے کی جدوجہد وقت کا فریضہ اور جہاد اور افضل و مقدس ترین عبادت ہے، اس لئے کہ اگر کسی درخت کو درخت کے دشمنوں سے بچانے اور اسکو سینچنے اور پانی دینے سے غفلت برتی گئی تو وہ درخت زندہ اور سرسبز نہیں رہ سکتا، اور اس سے پھل پھول کی توقع خام خیالی ہے، ہندوستان میں اسلام کا درخت اسی طرح سلامت اور سرسبز اور بارآور رہ سکتا ہے کہ اسکی حصار بندی اور آبیاری کی کوشش کی جائے، ہماری آئندہ نسلیں جب ہی مسلمان رہ سکتی ہیں جب انکی اپنی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، اسلام کسی نسل و نسب اور قوت کا نام نہیں جس کے لئے کسی فیصلہ اور ارادہ یا عقل و شعور کی ضرورت نہیں، ہر برہمن کا لڑکا برہمن ہے اور ہر شیخ و سید کا لڑکا شیخ زادہ و سید زادہ ہے اسکے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، اسلام کا انحصار اپنے ذاتی فیصلہ و ارادہ اور عقل و شعور

پر ہے ، ایسا دین حوادث و انقلابات کے اس دور میں بغیر صحیح تعلیم اور مستحکم تربیت کے باقی نہیں رہ سکتا۔

زندگی اور موت اسلام پر

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلام و ایمان پر قائم رہنے کی کوشش کریں، اسی پر زندگی گزاریں اور جب موت آئے تو اسی دین اور ملت پر آئے۔

ولا تموتنّ الا وانتم مسلمون — اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

(آل عمران ع ۱۱)

اسی کی وصیت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام نے اپنی اولاد کو کی۔

ووصّٰی بہا ابراھیم بنیہ ویعقوب، یٰبنیّ ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتنّ الا وانتم مسلمون۔ (البقرۃ ع ۱۶)

اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی۔ کہ اے بیٹو بے شک اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین۔ سو تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان۔

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے لے کر موت تک اس کے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے۔ اس کو ہر وقت یاد رہے کہ اس کا تعلق اس دین و ملت سے ہے جس کے داعی ابراہیم و محمد علیہما السلام تھے جس کی بنیاد توحید پر ہے ، اور وہ ایک الگ " امت " ہیں۔ مسلمان بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے ، اس کا اسلامی نام رکھا جاتا ہے ، ناموں میں ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں عبدیت و حمد کا اظہار ہے ، اس سے ابراہیمی سنتیں ادا کرائی جاتی ہیں ، اور جب وہ مرتا ہے تو سب اسکے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوئے اپنے لئے اور سب مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اللّٰھمّ من احییتہ منّا فاحیہ علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان۔

اے اللہ ہم میں جس کو تو زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو موت دے ایمان پر موت دے۔

یہاں تک کہ قبر میں اتارتے ہوئے اور آخری ٹھکانے پر پہونچاتے ہوئے بھی یہی لفظ

زبان پر ہوتے ہیں۔

بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ　　اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کے دین ملت پر

اس سب کا مقصد اور پیغام یہ ہے کہ ہمیں اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، اور زندگی کی ہر منزل پر اسکو یاد بھی رکھنا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی اور امت محمدی کے فرد، اور ایک مخصوص شریعت اور آئین ومسلکِ زندگی کے پیرو اور خدا کے موحد اور وفادار بندے ہیں، ہماری زندگی بھی اسی آئین ومسلک کی وفاداری میں گزرے اور ہمیں موت بھی اسی حال میں آئے، ہماری موجودہ نسلیں بھی اسی راستہ پر گامزن رہیں۔ اور ہماری آئندہ نسلیں بھی اسی صراط مستقیم پر چلیں۔

بقیہ مضمون توحید کے فرزند

اطمینان بخش اور آزمایا ہوا عملی نقشہ بھی سامنے رکھ دیا ہو۔ اس کونسل سے تعاون انشاء اللہ ہمیں اس دینی اور تہذیبی فرض سے سبکدوش ہونے میں مدد دے سکتا ہو جو اپنی نئی نسل کے سلسلہ میں آج ہم پر عائد ہوتا ہو۔

ہم بددل ہیں کہ ملک کے اندر سرکاری ملازمتوں میں ہمیں اپنا حق نہیں مل رہا ہو۔ ہمارے اوپر ترقیوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ فرقہ وارانہ تعصب نے ہمارے امن وسکون کو برباد اور ہماری عزتِ نفس کو پامال کر رکھا ہو۔ لیکن سچ ہے کہ ان سارے مسائل سے بڑا مسئلہ ہمارے لیے اپنی آئندہ نسلوں کے دین وایمان کا مسئلہ ہو۔ باقی مسائل اگر حل طلب رہ جائیں اور ہمیں موت آجائے تو ان کے لیے اللہ کے یہاں ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ لیکن موخرالذکر مسئلہ کی موجودگی میں اگر خدانخواستہ ہمیں اس حال میں موت آگئی کہ ہم نے اپنی سی کوئی جد وجہد اس مسئلہ کو حل کرنے کی نہ کی تھی۔ تو یہ مسئلہ قبر میں بھی ہمارے ساتھ جائے گا اور حشر میں بھی ہمارے دامن سے لپٹا ہوا اُٹھے گا۔ اور اس کی جوابدہی سے گریز کی کوئی راہ بظاہر ہم نہ پا سکیں گے۔

پس ہر شخص کو سوچ لینا ہو کہ وہ کیا جواب دے سکے گا، !

دینی تعلیمی تحریک کا پس منظر

مقصد اور پروگرام

[ہمارے صوبہ اتر پردیش میں جو دینی تعلیمی تحریک اس وقت چل رہی ہے اسکی متعدد ضلعی کانفرنسوں میں اس ناچیز نے بھی تقریریں کیں لیکن ہر جگہ قریب قریب ایک ہی بات کہی، الفرقان کی اس اشاعت میں اس سلسلہ کی کئی اچھی اور مفید چیزیں شائع کی جارہی ہیں، موضوع کی تکمیل کے لئے ناچیز نے بھی اپنی ایک تقریر کا خلاصہ قلمبند کرا دیا ہے، امید ہے کہ ان سب چیزوں کے مطالعہ سے انشاءاللہ اس تحریک کے سارے پہلو ناظرین کے سامنے آجائیں گے]

(محمد منظور نعمانی)

خطبہ مسنونہ کے بعد:۔

حضرات! میں اس وقت آپ حضرات کے سامنے ذرا عام فہم انداز میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ دینی تعلیم تحریک کیا ہے، یہ کیوں اٹھی ہے، اس کا کیا مقصد اور کیا پروگرام ہے، اور ہم سے آپ سے اس کا مطالبہ کیا ہے؟

ہمارے اس زمانہ میں ہر حکومت کی یہ ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ وہ ملک میں تعلیم کو عام کرے یعنی ملک کا ہر باشندہ پڑھا لکھا ہو، ہماری حکومت نے بھی اپنی یہ ذمہ داری سمجھی ہے اور تعلیم کو عام اور لازمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جہانتک اس اصولی فیصلہ کا تعلق ہے ہم نہ صرف اس سے متفق ہیں بلکہ دل سے خوش ہیں۔ اگر ہماری حکومت اپنی یہ ذمہ داری محسوس نہ کرتی تو قصوروار ہوتی، بہرحال تعلیم کو عام اور لازم کرنے کا یہ فیصلہ بالکل صحیح بلکہ قابل مبارکباد ہے۔

اسی طرح کا ایک فیصلہ ہماری حکومت نے یہ بھی کیا ہے کہ وہ سکولر اور نامذہبی ہو کر کام کرے گی یعنی اپنے حکومتی کاروبار میں وہ کسی مذہب کی پابند یا طرفدار نہ ہوگی اور اُس کا اپنا کوئی مذہب نہ ہوگا۔ اور اس لئے اس کا تعلیمی نظام بھی نامذہبی رہے گا، ہمیں اُسکے اس فیصلہ سے بھی اتفاق ہے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے خاص حالات میں اسکے لئے یہ فیصلہ ضروری تھا۔

لیکن اب ہمیں شکایت ہے اور سخت ترین شکایت ہے کہ حکومت کا عمل اس اصولی فیصلہ کے خلاف جا رہا ہے، خاص کر تعلیم کے بارہ میں تو اکثر ریاستوں میں اور بالخصوص ہماری اس ریاست اتر پردیش میں ایسا رویہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہم اس کو کم از کم اپنے بچوں کے مذہب اور تہذیب کی تبدیلی کی ایک جارحانہ کوشش سمجھنے پر مجبور ہیں۔ نصاب تعلیم کی کتابوں میں ہندوانہ عقائد و خیالات اور ہندو تہذیب و روایات کو اس بری طرح ٹھونسا گیا ہے کہ اس کو ہم ہندو مذہب و تہذیب کی تبلیغ و ترویج کی کوشش کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتے ـــــــ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ہم نے اور آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم ہندوستان میں رہیں گے، یہیں جئیں گے اور یہیں مریں گے، اور مسلمان رہ کر جئیں گے اور مریں گے، اور ہماری نسلیں بھی اسلام اور ایمان کے ساتھ اسی سرزمین میں رہیں گی، اور دوسری طرف ہمارے بچوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا قانوناً ضروری ہے، اور تعلیم حاصل کرنے کا عام ذریعہ یہی ہے کہ بچے سرکاری اسکولوں میں جائیں۔ اور وہاں ان کو وہ کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں جن میں صریح مشرکانہ اور ہندوانہ عقائد اور ہندو تہذیب کو پوری دیدہ دلیری سے ٹھونسا گیا ہے۔

اس صورت حال نے ہمارے آپکے سامنے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ شرک و کفر کے اس زہر سے ہم اپنے بچوں کو کیسے بچائیں؟ ـــــــ بس اسی سوال نے اس وقت یہ "دینی تعلیمی تحریک" پیدا کی ہے یا یوں کہئے کہ صدیوں سے ہم جو مجرمانہ غفلت دینی تعلیم کے بارہ میں برت رہے تھے ہماری حکومت کی پیدا کی ہوئی اس صورت حال نے ہمیں جھنجوڑ کے کھڑا کر دیا ہے کہ دو باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ یا خدانخواستہ اپنی نسلوں کے دینی اور تہذیبی ارتداد پر راضی ہو جائیں یا پھر اس فیصلہ کے ساتھ کھڑے ہو جائیں کہ ہمیں اللہ کی مدد سے ایک ایک مسلمان بچہ کو ارتداد کے اس طوفان سے بچانا ہے، اور اس راستہ میں ہمیں جو محنت کرنی پڑے اور جو قربانی دینی پڑے اس سے دریغ نہیں کرنا ہے ـــــــ

یہ فکر اور یہ جذبہ یوں تو ہم سب کو بہت عرصہ سے تھی اور مختلف مقامات پر اللہ کے بندوں نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ

اور ہمت کے مطابق اس سلسلہ میں کچھ کوشش بھی کیں، لیکن مجھے سچے دل سے اعتراف ہے کہ ضلع بستی کے ہمارے چند بھائیوں اور دوستوں نے ایک منصوبہ بنا کر اس سلسلہ میں خاموشی کے ساتھ اپنے ضلع میں جو ٹھوس عملی کام کیا اس نے ہماری رہنمائی بھی کی اور ہم میں یہ بھروسہ اور یقین بھی پیدا کیا کہ اس طریقہ پر محنت کر کے دینی تعلیم کو مسلمانوں میں صدی نیصدی تک عام کیا جا سکتا ہے اور اس راستہ پر چلکر اپنی نسلوں کو ارتداد کے اس طوفان سے بچایا جا سکتا ہے، اور اس کے ضمن میں مسلمانوں میں ایک نئی زندگی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔

پھر ضلع بستی کے اس تجربہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو صوبائی پیمانہ پر سوچنے کے لئے گزشتہ دسمبر میں ایک صوبائی کانفرنس خاص بستی میں ہوئی، اس میں ہمارے صوبہ کے مختلف مکاتب خیال سے تعلق رکھنے والے وہ سب عناصر جمع ہوئے جن کو اس بارہ میں کچھ فکر اور دلچسپی ہے، وہاں ہم سب نے مل کر اس مسئلہ پر غور کیا اور اس سلسلہ میں خصوصیت سے دو کام کرنے طے کئے ــــــ ایک یہ کہ سرکاری نصاب کی اصلاح کے لئے اور حکومت کے اصولی فیصلہ کے مطابق اسکو سکولر بنانے کے لئے جد وجہد کی جائے۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم توجہ دلانا، کہنا سننا، اور احتجاج ہو سکتا ہے اور آگے حسب ضرورت اور حسب موقع وہ سب قدم اٹھائے جا سکتے ہیں جن کا حق ملک کے جمہوری دستور نے ہم کو دیا ہے ــــــ یہ کام وہ ہے جس کا تعلق ہم آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ براہ راست نہیں ہے، بستی کانفرنس نے اس مہم کے سر کرنے کے لئے جو "دینی تعلیمی کونسل" بنائی ہے وہ یہ لڑائی آپ سب کی طرف سے لڑے گی اور جس منزل پر آپکے جس تعاون کی ضرورت ہوگی اسکے لئے آپ کو پکارے گی، اب تک ہم نے اس سلسلہ میں احتجاج اور کہنے سننے سے آگے کوئی قدم نہیں اٹھایا ہے، اور اس کا اتنا اثر بھی ہوا ہے کہ ہمارے صوبہ کی حکومت نے نصاب کو اس نقطہ نظر سے دیکھنے اور اسکی اصلاح کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنا دی ہے . . . .

. . . .

جس کے صدر ہمارے صوبہ کی مشہور شخصیت پالیوال جی ہیں، ہماری کونسل نے لکھنؤ کے اپنے اجلاس میں طے کیا تھا کہ ہمارا ایک وفد اس سلسلہ میں پالیوال جی سے ملے اور اس مسئلہ کے بارہ میں ایک مکمل یادداشت میمورنڈم کی شکل میں پیش کرے، چند ہی دن ہوئے ہمارا وفد پالیوال جی سے مل چکا ہے اور ایک مکمل یادداشت ان کو پیش کر چکا ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے آپکے سامنے ذکر کر دی کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس سلسلہ میں ابتک کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے ــــــ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کام کا تعلق ہم میں سے ہر ایک

براہ راست نہیں ہے اس سلسلہ میں آپ کی طرف سے جو کچھ کرنا ہے آپ کی دینی تعلیمی کونسل کو کرنا ہے، آپ کو ہر منزل بلکہ ہر قدم پر صرف اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہنا ہے۔

دوسرا خاص مثبت اور تعمیری کام جس کا بستی کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا تھا یہ ہے کہ دینی تعلیم کا ایک ایسا وسیع اور ہمہ گیر نظام صوبہ بھر میں بچھا دیا جائے کہ کوئی شہر یا قصبہ اور کوئی محلہ اور گاؤں جس میں مسلمانوں کی آبادی ہو، ایسا نہ رہے جس میں مسلمانوں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے خود اپنے مکاتب یا کم از کم دینی تعلیم کے حلقے نہ ہوں۔

یہ کام درحقیقت اتنا بڑا ہے کہ ہم مسلمانوں کی موجودہ بے حسی اور کمزوری کی حالت میں اس کا تصور بھی مشکل ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اگر ضلع بستی کے تجربے نے ہماری رہنمائی نہ کی ہوتی اور ہماری ہمتوں کو سہارا نہ دیا ہوتا تو شاید ہم اس کو سوچنے کے لئے بھی آمادہ نہ ہو سکتے تھے، بستی کے تجربے نے اور اسی کے ساتھ سیتا پور شہر کے ہمارے کچھ دوستوں کی کوششوں کے نتائج نے ہمیں بتایا کہ اگر ہم اللہ کے لئے اسکے بھروسہ پر اس راہ میں محنت کرنے کے لئے کمر کس کے کھڑے ہو جائیں تو اللہ کی مدد سے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔

اب اس مہم کا جو نقشہ ہمارے سامنے ہے اور بستی کانفرنس میں جس کے مطابق کام کرنے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے ——— کہ پوری تیز رفتاری اور محنت کے ساتھ ہم یہ چار کام کر ڈالیں۔

ایک یہ کہ ہمارے ہر دینی مدرسہ کے ساتھ پرائمری درجہ کا ایک باقاعدہ مکتب ہو جس میں بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ سرکاری معیار کے مطابق اُن تمام مضامین کی تعلیم کا بھی اچھا انتظام ہو جو لازمی ہیں مثلاً حساب، جغرافیہ وغیرہ۔

دوسرے یہ کہ جو اسلامیہ کالج یا اسکول مسلمانوں کے انتظام میں چل رہے ہیں اُن کے ساتھ بھی پرائمری درجہ کا ایک اچھا اور معیاری اسکول ہو۔

تیسرے یہ کہ جس طرح اب تک مسلمان دینی مدارس یا اسلامیہ اسکولوں کو اپنی ایک قومی اور ملی ضرورت سمجھ کر ان کو قائم کرتے اور چلاتے رہے ہیں اسی طرح پرائمری درجہ کے اسلامی مکتب بھی اب حسب ضرورت محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں قائم کئے جائیں، جن میں بنیادی دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ پرائمری درجات کی تعلیم کا معقول انتظام ہو، ہم نے سوچ سمجھ کر یہ بھی طے کیا ہے کہ ان مکاتب

کو ہمیں سرکاری مداخلت سے بالکل آزاد رکھنا چاہیئے اور ان کا بوجھ ہمیں خود اٹھانا چاہیئے، یہ بوجھ بلاشبہ بہت بڑا بوجھ ہوگا، لیکن اگر ہم ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے بوجھ اٹھانے کے عادی نہیں بنیں گے اور انفرادیت اور آرام طلبی اور خوش عیشی و بے فکری کی وہ زندگی جس کے ہم صدیوں سے عادی بن گئے ہیں اسکو نہ چھوڑیں گے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہم اس ملک کے اس نئے دور میں عزت کے ساتھ اور مسلمان رہ کر ہرگز زندہ نہ رہ سکیں گے، ہمیں محنت کرکے اور پیٹ کاٹ کے یہ مکاتب قائم کرنے ہوں گے اور ان کا بوجھ اٹھانا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو خود بھی اسکی راہ میں قربانی دیں ــــــ اِن تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔
اپنے یہ مکاتب قائم کرنے کے ساتھ ہمیں ایک اہم بنا کر اسکے لئے بھی بہت بڑی جد و جہد کرنی ہوگی کہ مسلمان بچے ہمارے ان مکاتب ہی میں تعلیم حاصل کریں تاکہ ابتدائی پرائمری تعلیم کے ساتھ وہ بنیادی دینی تعلیم بھی حاصل کر سکیں اور سرکاری نصاب کے زہر اور سرکاری اسکولوں کے غیر اسلامی ماحول کے اثرات سے بھی ان کے معصوم دل و دماغ محفوظ رہیں۔

میں عرض کر رہا تھا کہ اس دینی تعلیمی مہم کے سلسلہ میں ہم کو چار کام کرنے ہیں ــــ تین کام میں بتا چکا۔ اور چوتھا کام یہ ہے کہ ہماری ان کوششوں کے بعد بھی جو مسلمان بچے سرکاری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے والے رہ جائیں ان کے لئے ہم محلہ کی مسجد میں یا کسی اور جگہ ایسے دینی تعلیمی حلقے قائم کریں جن میں صبح یا شام کو صرف گھنٹہ آدھا گھنٹہ روزانہ ان بچوں کو قرآن مجید اور بنیادی دینیات کی تعلیم دی جا سکے۔

اگر ہم نے اللہ کی مدد سے یہ چار کام کر لئے تو سمجھئے کہ اس عظیم الشان مہم کو ہم نے سر کر لیا، اور ہندوستان میں اسلام کے زندہ و تابندہ رہنے اور ہماری آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کا فیصلہ ہو گیا۔ میں آخر میں صفائی سے یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر حکومت نصاب کی اصلاح کرنے اور اسکو حقیقی معنی میں سکولر بنانے پر نیک نیتی سے راضی بھی ہو جائے تب بھی اپنی آئندہ نسلوں کو اسلام سے وابستہ رکھنے کے لئے ہمیں اپنا یہ تعلیمی نظام قائم کرنا پڑے گا، ہندوستان کے مستقبل میں ہماری نسلوں کے مسلمان رہنے کا انحصار بظاہر اسباب اب اسی جد و جہد پر ہے۔
حضرات! دینی تعلیمی کونسل کا بس یہی کام اور پروگرام ہے، صوبہ کے ہر ضلع کے مسلمانوں کو

دینی تعلیمی کونسل بس یہی دعوت دیتی ہے کہ اپنے اپنے ضلع میں اس کام کو چلانے اور پھیلانے کی وہ ذمہ داری لیں اور ایمانی عزم اور حوصلہ کے ساتھ اس تعلیمی جد و جہد کے میدان میں اتریں اور اس کو ایمانی جد و جہد سمجھیں اور اللہ تعالیٰ سے اس مدد کی اور اس صلہ کی امید رکھیں جس کا وعدہ اس نے اپنے ایمانی جد و جہد کرنے والے بندوں سے کیا ہے۔ اور اس سب کی پہلی شرط یہ ہے کہ خود بھی سچے مسلمان ہو کر جینے اور مرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کریں ـــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق دے اور قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و سلام علی المرسلین

اس وقت مسلمانوں کا سب سے اہم مسئلہ

اور

"آپ کا فرض"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے اہم اور سنگین مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ انکی آئندہ نسلیں اسلامی عقیدے پر قائم اور اسلامی تہذیب و روایات کی حامل رہیں، یہ وہ اہم اور مقدس ذمہ داری ہے جو مسلمانوں پر ان کے عقیدے اور ایمان کی رو سے عائد ہوتی ہے جس کا پورا کرنا اُن کے لئے اپنی جان اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت سے کم ضروری اور اہم نہیں ہے۔

یہ ذمہ داری مسلمانوں پر یوں تو ہر دور اور ہر ملک میں عائد ہوتی ہے، لیکن ہمارے ملک ہندوستان اور خاصکر ہماری ریاست اتر پردیش میں اس مسئلہ نے اس وقت ایک خاص اہمیت اور سنگین صورت اختیار کر لی ہے، ایک طرف حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک کے ہر بچے اور بچی کے لئے تعلیم لازمی ہوگی، اور دوسری طرف اس فیصلے اور منصوبے کو عمل میں لانے کے لئے اسکولوں میں ایک ایسا نصاب رائج کر دیا گیا ہے جس میں صاف صاف مشرکانہ عقائد اور ہندو دیو مالا کی تعلیم اور ایسے قصّے کہانیاں شامل ہیں جن کو پڑھنے اور جن پر یقین کرنے کے بعد کوئی مسلمان بچہ مسلمان نہیں رہ سکتا، اس نصاب اور نظامِ تعلیم کی وجہ سے وسیع پیمانے پر مسلمان بچوں کے ذہنی اور تہذیبی ارتداد کا خطرہ سامنے آگیا ہے۔

ہمیں اللہ کے بھروسہ پر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا اور اپنے بچّوں کے ایمان کو بچانا ہے!

اس سلسلہ میں ہمارے سامنے دو کام ہیں —— ایک یہ کوشش کرنا کہ ہمارے ملک کی حکومت ہندوستان کے دستور و آئین اور اپنے اعلان کے مطابق نصاب تعلیم کو نا مذہبی اور سکولر بنائے، اور اس میں سے ان تمام عناصر کو خارج کرے، جو ایک مخصوص مذہب و تہذیب کی نمائندگی کرتے، اور اس کے عقائد کی تعلیم دیتے ہیں، اور دوسرے اس مقصد کے لئے جدوجہد کرنی ہے کہ ہر مسلمان بچّہ دین کی بنیادی تعلیم حاصل کرے، اس کے لئے جہاں ممکن ہو ایسے مکاتب قائم کئے جائیں، جن میں سرکاری معیار کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم کا بھی انتظام ہو —— اور جہاں ایسا مکتب قائم نہ ہو سکے، وہاں سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے مسلمان بچّوں کی دینی تعلیم کیلئے صبح یا شام کے وقت ایک گھنٹہ کا مکتب قائم کیا جائے۔

دونوں قسم کے ان مکاتب کا جال ہم کو محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں بچھانا پڑے گا، ہماری آئندہ نسلیں صرف اسی صورت میں اسلام پر قائم اور اسلامی عقیدہ و تہذیب کی حامل رہ سکیں گی۔

آخر دسمبر ۱۹۵۹ء میں اترپردیش کی جو "صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس" اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے بستی میں منعقد ہوئی تھی، اس نے اس پوری مہم کا ایک نقشہ اور طریق کار طے کرکے ایک "صوبائی دینی تعلیمی کونسل" بنادی ہے جس میں مسلمانوں کے تمام معروف مکاتب خیال کے نمائندے شامل ہیں، یہ کونسل اس وقت صوبہ میں اس مہم کو چلا رہی ہے، قریباً بیس ضلعوں میں اس وقت تک کام شروع ہو چکا ہے (اس وقت تک کے کام کی مفصل رپورٹ بھی شائع ہو چکی ہے جو کونسل کے دفتر سے منگوائی جا سکتی ہے)۔

کونسل نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے اپنے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں جو منصوبہ بنایا ہے اس کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کے تمام طبقات کے فکری اور عملی تعاون کے علاوہ کونسل کو پچاس ہزار روپئے کی فی الحال ضرورت ہے۔

ہماری دعوت و پکار

اسلئے ان سب مسلمانوں کو جن کو دین عزیز ہے، اور آئندہ نسلوں کے ایمان کے مسئلہ کی جن کے نزدیک کوئی اہمیت ہے، ہماری یہ دعوت اور پکار ہے کہ اس خالص دینی اور مقدس جدوجہد میں وہ حصہ لیں،

اور اس کو اپنا فریضہ اور نہایت افضل و اعلیٰ عبادت سمجھیں، اور اس سرمایہ کی فراہمی کا جلد از جلد بندوبست کر دیں۔

یاد رکھئے، جو جدوجہد خالص دین کے لئے اور ایمان کی حفاظت کے لئے ہو، اس کی اعانت میں بخل سے کام لینا بڑے خطرے کی علامت ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:—

"وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ"

(یعنی اللہ کے راستے میں (جان و مال) خرچ کرو، اور (ہاتھ روک کر) اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو)

اس سلسلہ کی رقوم اس پتہ پر بھیجی جائیں:—

جناب سید اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ (خازن کونسل)

دفتر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش۔ بیرروڈ۔ لکھنؤ

سید ابو الحسن علی ندوی (صدر صوبائی دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش)۔ قاضی محمد عدیل عباسی وکیل بستی (جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل)۔ سید اصغر حسین ایڈوکیٹ لکھنؤ (خازن دینی تعلیمی کونسل)۔ مولانا محمد منظور نعمانی لکھنؤ۔ مولانا محمد ہاشم فرنگی محل لکھنؤ۔ مولانا ابو اللیث ندوی (رامپور)۔ مولانا محمد شاہد فاخری الہ آباد (ایم، ایل، سی)۔ مولانا ابو البیان (شمس آباد)۔ ماسٹر افضل حسین (رامپور)۔ سید محمود حسن وکیل (بہرائچ)۔ حکیم ابو الکلام (گورکھپور) محمد مرتضیٰ صدیقی وکیل (دیوریا)۔ ظفر احمد صدیقی وکیل (سیتاپور)۔

مالی اعانت کے طریقے

جو رقم بھی کم یا بیش اس سلسلہ میں دیجائیگی، وہ شکریے کے ساتھ قبول کی جائے گی۔ البتہ جو صاحب ایک ہزار روپیہ یکمشت عطا فرمائینگے وہ دستور کونسل کے مطابق معاون خصوصی اور جو صاحب پانچ سو روپیہ یکمشت عطا فرمائینگے وہ معاون، اور جو صاحب ایک سو روپیہ عطا فرمائینگے وہ دینی تعلیمی کونسل کے ہمدرد قرار پائینگے۔

اشتراکیت کا مقابلہ کیسے؟

(از، جناب ڈاکٹر احمد حسین کمال)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ بات واضح ہو جانے کے بعد کہ اشتراکیت کے خلاف جو محاذ غیر مسلم مخالف اشتراکیت اقوام نے قائم کر رکھا ہے وہ اوّل تو اتنا ٹھوس اور مضبوط نہیں ہے جس پر مکمل اعتماد کیا جا سکے، دوسرے اگر کسی طرح انھوں نے اشتراکیت پر فتح پا بھی لی تو خود ان اقوام میں لادینیت کا جو عروج و فروغ ہے وہ بجائے خود اشتراکیت سے کم درجہ کا فتنہ نہیں ہے، بلکہ اشتراکی فتنہ کا اصل سرچشمہ ان کے ہی نظریات و افکار ہیں جن سے کم و بیش دنیا بھر کی تمام قومیں متاثر ہیں۔ مستقبل کا جو نقشہ آج تعمیر ہو رہا ہے اور پیہم تغیرات دنیا کو جس منزل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہے ہیں اُس کی رو سے اب یہ بات بعید از امکان نہیں رہی ہے کہ مستقبل کا انسان جداگانہ قومیتوں اور ملکوں میں بٹا ہوا انسان نہیں ہوگا بلکہ ایک عالمی وطن کا شہری ہوگا، آئندہ کا یہ انسان فکر و نظر اور علم و فن کی جن راہوں سے گذرتا ہوا مستقبل کی جس دنیا کا شہری بنے گا اس دنیا کی تعمیر اسکے افکار و نظریات کے مطابق ہی ہوگی اور وہ افکار و نظریات وہ آج کے دور سے وراثتاً حاصل کرے گا، کشمکش افکار کے اس پُر اضطراب اور ہنگامہ خیز دور میں آج کے مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مستقبل کے انسان کے لئے کیا کچھ ترکہ چھوڑ کر جاتا ہے اور فکر و عمل کی وہ کونسی راہیں متعین کر دیتا ہے جن پر آنے والا انسان اپنا صحیح سفر جاری رکھ سکے۔ آج کی صحبت میں ان امور پر ہی کچھ غور کرنا ہے۔

مسلمانوں کے سیاسی زوال کے اسباب کے تجزیہ میں پڑے بغیر میں اپنے سلسلۂ سخن کا آغاز ان کے فکری تنزل کے دور سے کروں گا، حملۂ تاتار کے بعد سے ہی مسلمانوں کی فکری قوتیں اثر انداز کم اور

اثر پذیر زیادہ ہونے لگی تھیں۔ اگرچہ ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیتیں بھی پیدا ہوئیں، لیکن ملت مجموعی حیثیت سے فکری تنزل میں ہی گرتی رہی حتیٰ کہ یورپ کے سیاسی تغلب کے آغاز تک یہ تنزل ایک خاص نقطہ تک پہنچ چکا تھا، چنانچہ سیاسی زوال سے زیادہ اس فکری زوال نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، ان کے جدید حریف یورپ نے اس راز کو جان لیا تھا اور وہ آج تک اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں مصروف ہے، اس جدید دور میں یورپ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کے طاقتور بن جانے میں ایسا کوئی اندیشہ محسوس نہیں کرتا ہے جتنا کہ فکری اعتبار سے ان کے بیدار اور توانا ہوجانے میں وہ خطرات محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے وہ نوآزاد مسلم ممالک میں اپنی "کلچرل" و "ایجوکیشنل" سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے اور طرح طرح کے رعائتیں دے کر ان روابط کو مضبوط تر بنا رہا ہے۔ یہ صورت حال یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لئے خوش آئند نہیں کہی جاسکتی۔ اور اسکے ازالہ کی طرف ہی سب سے پہلی توجہ کی ضرورت ہے۔ یورپ کے تغلب نے ہر جگہ مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک قدیم گروہ اور دوسرا جدید گروہ۔ یہ دونوں گروہ کسی بھی نصب العین کے حصول کے لئے باہم متحد نہ ہوسکے۔ ہر میدان میں ان دونوں کے درمیان حریفانہ کش مکش جاری رہی، حالاں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے تعاون کے ہر وقت ضرورت مند رہے ہیں۔ اب وقت نہیں رہا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو اس افسوسناک صورت حال کا ذمہ دار ٹھیرایا جائے۔ اب تو صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف قدیم گروہ ہے جس کے اثرات محدود اور کمتر ہوچکے ہیں، دوسری طرف جدید گروہ ہے جو یورپ کے افکار و نظریات کا پروردہ ہے اور دینی تصورات سے بیگانہ ہوچکا ہے، اس صورت حال نے مسلمانوں کے دینی و ملی محاذ کو بالکل بے جان بنا کر رکھ دیا ہے۔ بلاشبہ ابھی مسلمانوں کے کسی گروہ میں جرأت پیدا نہیں ہوئی ہے کہ وہ علی الاعلان اسلام سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرے، لیکن امت کی زمام کار جن لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے وہ اسلام کی نظریاتی اور عملی رہنمائی سے محروم ہیں اور وقت کے تقاضوں کا سامنا بہر حال انھیں کو کرنا ہے۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو مستقبل کا مسلمان موجودہ حالت پر قانع نہیں رہ سکے گا۔ اُسے صاف صاف اقرار و انکار کی کوئی راہ اختیار کرنا پڑے گی۔ اور اس کے لئے ان دونوں راہوں میں سے کسی ایک راہ کا اختیار کرنا ہمارے آج کے طرز عمل پر موقوف ہے۔

اس نصف صدی کے اندر مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے لئے کتنی ہی راہیں تجویز کی گئیں، لیکن اصل اور بنیادی راہ علم و فکر کی ہی راہ تھی اور ہے۔ اب تک مسلمانوں نے جو کچھ پایا اور کھویا وہ اسی راہ

کے نشیب و فراز پر پایا اور کھویا، علم و فکر کی وادیاں کتاب و سنت کی تعلیم کے سایہ میں ہی بے خوف و خطر طے کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ کتاب و سنت کی بے آمیز تعلیم کا جاری رکھنا نہایت ضروری ہے اور اس کو بنیاد بنا کر حالی و مستقبل کی تعلیم کا خاکہ بنانا اور اس کو عمل میں لانا اس وقت کی اولین احتیاج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نئی تبدیلیوں کے اس دور میں ہم ایک نہایت ہی ٹھوس اور جدید دینی نظام تعلیم کے محتاج ہیں، جس میں اوّل سے آخر تک بنیادی طور پر کتاب و سنت کا پورا پورا علم شامل ہو اور وہ رائج الوقت تمام سائنسی اور نظریاتی علوم و فنون پر حاوی ہو جس میں قدیم و جدید نظریات پر سیر حاصل مطالعہ کا سامان بہم ہو اور باطل نظریات کی علمی تردید کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریات و عقائد کے اثبات کا پورا پورا وزن اس میں موجود ہو، بظاہر یہ کام بڑے بڑے وسائل اور حکومتوں کے بغیر سرانجام پانا مشکل نظر آتا ہے، لیکن مسلمانوں کی علمی تاریخ اسکے برعکس ثبوت پیش کرتی ہے۔ آج ہمارے پاس احادیث فقہ، حکمت، کلام اور اسی قسم کے دیگر سیکڑوں علوم و فنون کا جو عظیم ذخیرہ موجود ہے وہ سب انفرادی کوششوں کا ہی ثمرہ ہے، حکومتوں نے اگر کچھ سرپرستی کی بھی تھی تو اُن کا کم و بیش تمام حاصل بغداد و اندلس میں سیل تاتار و طوفان صلیب کی نذر ہو گیا تھا، یہ درس نظامی کا قدیم نظام تعلیم ہی جسے ہم آج دقیانوسی اور کہنہ وغیرہ کہہ کہہ کر ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں، کس طرح ایک مدت دراز تک ہماری دینی و دنیاوی علمی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا ہے مسجد کی امامت سے لے کر ملکوں کی وزارتوں تک صدیوں یہی واحد ذریعہ علم بنا رہا ہے، مرتب کرنے والوں نے کس طرح بیک وقت اس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ ضروری دنیاوی علوم بھی شامل کر دیے تھے اور ساتھ ہی وقت کے تمام افکار و نظریات پر دینی عقائد کی روشنی میں فیصلہ کن مباحث شریک کر لئے تھے پھر یہ ہی نہیں بلکہ یہ نظام تعلیم معمولی سے تغیر کے ساتھ مسلمانوں کے سب ہی ملکوں اور سب ہی فرقوں میں مقبول رہا حتیٰ کہ شیعہ و سنی تک اپنے بُعد عقیدہ و عمل کے باوجود اس کو اپنائے رہے، درحقیقت امام غزالیؒ کے دور سے ہی اس طرز تعلیم کی ابتدا ہو گئی تھی اس وقت سے لے کر عرصۂ دراز تک جتنے بھی جدید افکار و نظریات وقتاً فوقتاً پیدا ہوئے ان پر بحث و نظر اور انھیں دینی عقیدہ و فکر کے تابع کر دینے کا کام ہماری ان درس گاہوں میں برابر جاری رہا اور اس نسبت سے اس نظام تعلیم کے نصاب میں کمی بیشی ہوتی رہی تا آنکہ شاہ ولی اللہؒ نے اس میں عمرانی، سیاسی و معاشی علوم بھی شامل کر دینے کی کوشش فرمائی، یہ تمام

جدوجہد ایک حد تک انفرادی ہی تھی اور سب بڑی حد تک حکومتوں کے تعاون سے مبرا بلکہ بعض حالات میں شدید مخالفتوں کے علی الرغم یہ کام انجام دیا گیا۔ اس طرح صدیوں مسلمانوں کے دینی عقائد و افکار کو ہر زد سے محفوظ رکھنے کا کام ہوا۔ اور مسلمانوں کی علمی برتری برقرار رہی۔ آج بھی ایک ایسے ہی نظام تعلیم کی داغ بیل ڈال دینے کی شدید ضرورت ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں بے شمار آزاد تعلیمی ادارے موجود ہیں جو صرف اسلام کے نام پر قائم ہیں۔ ان میں سے بیشتر محض منتظمین و مہتمین کے شخصی ذوق کے حامل ہیں اور نوشت و خواند کا ایک ایسا سطحی انداز ان میں جاری ہے جو کسی بھی اعلیٰ افادیت کا حامل نہیں ہے۔ پھر ذہنیت و کردار کا جو سانچہ یہاں بن رہا ہے وہ دوسرے ماحول پر بہت ہی کم اثر انداز ہونے کی اہلیت رکھتا ہے، کاش اگر یہ تمام تعلیمی ادارے کسی ایک تعلیمی نظریہ اور نصب العین پر متحد ہو کر چل سکتے، تو ملت اسلامیہ کی بے شمار مشکلات حل ہو سکتی تھیں۔ تاہم ان اداروں کے تعاون سے آج بھی ایک اعلیٰ اسلامی نظام تعلیم کی ابتدا کی جا سکتی ہے اور ان کی انفرادیتوں کو مجروح کئے بغیر، ایک مشترکہ پروگرام کے ذریعہ، الحاد و ارتداد کے خلاف ان میں ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ ہے پہلا قدم جو ہمیں اشتراکی الحاد کے مقابلہ کے لئے جلد سے جلد اٹھا دینا چاہیئے۔

اس سے دوسرے درجہ کا کام تزکیۂ نفوس کا کام ہے، بعض حالتوں میں تو یہ پہلے کام سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے، لیکن آج اس کام کی طرف سے جتنی محرومی لاحق ہے، میں اسے تاریخ انسانیت کی بہت بڑی بدقسمتی سمجھتا ہوں۔ ایک انسان علم کی کیسی ہی بلندی پر پہنچ جائے، اگر اس کا عمل اسکے اثر سے خالی ہے تو وہ شخص نہ صرف اپنے معاشرہ کے لئے غیر مفید ہی ثابت ہوگا، بلکہ بعض صورتوں میں اسکے مضر اثرات بھی پڑ سکتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے بعد سے آج تک مسلمانوں کی جتنی کچھ اسلامیت قائم و برقرار رہی ہے وہ زیادہ تر تزکیۂ نفوس کی بدولت ہی قائم و برقرار رہی ہے۔ فتنوں کے اولین دور میں ہی مسلمان اکابرین نے اسکی ضرورت کو سمجھ لیا تھا۔ علمی و فکری، امارتی و ثروتی اور عملی و اخلاقی گمراہیوں کا ایک نہایت ہی نازک دور مسلمانوں پر اور گذر چکا ہے۔ اس دور میں رشد و ہدایت کا چراغ ان بوریہ نشین اہل اللہ کی کوششوں سے ہی روشن رہا ہے جو اس کام کے لئے اپنی پوری زندگیاں وقف کر چکے تھے۔ امت میں اختلافات کے ہنگامے روز اوّل کے بعد سے ہی شروع ہو گئے کتنی ہی حکومتیں اور امارتیں بدلتی رہیں، انقلاب پر انقلاب آتے رہے۔ نئے نئے فتنے اٹھے اور اٹھائے گئے

لیکن صحابہ کے وقت سے لے کر ہمارے اس دور تک افراد کی ایک جماعت نے ہر چیز سے منھ موڑ کر شہرت و دولت کی تمام خود فریبیوں کو ٹھکرا کر اپنے شب و روز تزکیۂ نفوس کے کاموں کے لئے وقف کر دیئے۔ اس کا باقاعدہ ایک نظام قائم کیا۔ ذکر و فکر کی مجلسیں عام کیں۔ انسان کے شعور خفی میں پیدا ہونے والی شیطانی خرابیوں کے ریاضتی علاج تجویز کئے اور عین اس عہد میں جب کہ حکومت و ثروت اور علوم و فنون کی انتہائی سربلندیوں نے مسلمانوں کو دنیا کی سب سے بڑی قوم بنا دیا تھا۔ ہر طرف بے فکری و لاابالیت کا دور دورہ تھا۔ جگہ جگہ ذہنی و جسمانی عیاشیوں کے سامان فراہم تھے، غم امروز تھا نہ فکر فردا تھی، مردان حق کے اس گروہ نے اس شدت کے ساتھ دینی اخلاص، سادہ زندگی اور طاعت پیغمبری کا علم بلند کر کے رکھا کہ ہر اس چیز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کا ثبوت پیغمبر علیہ السلام کی زندگی اور رضامندی میں نہ ملتا ہو چاہے وہ شرعاً مباح ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی قدروں سے غفلتوں کے دور تو آئے لیکن انحراف و بغاوت کی جرأت بڑوں بڑوں کو نہ ہو سکی۔ فارغ البالی اور جاہ و ثروت کے ایسے ادوار میں ان قدسیوں کا جھونپڑیوں اور چٹائیوں پر پوری زندگی اطمینان کے ساتھ بسر کر دینا، اپنے اوقات کا ایک ایک لمحہ یاد الٰہی اور حق بیانی کے لئے وقف رکھنا۔ ایک دنیا کو دعوت حق دیتے رہنا اور دنیاوی خوش حالیوں سے برضا و رغبت دست کش ہو جانا یقیناً زبردست پُرعزیمت اقدام تھا جس نے امت کو امراء اور فریسیوں کے ذہنی تغلب سے محفوظ رکھا۔ غلط ہے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوّف مسلمانوں کے عہد زوال کی پیداوار ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ تصوف انسانی فطرت کا ایک اہم خاصہ اور اسلامی زندگی کا حاصل ہے، یہ مسلمانوں کے عہد عروج کی ایک بہت بڑی دینی ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے ان اہل اللہ کے ہاتھوں پورا کرایا، اور مسلمانوں کی کشتی کو طاؤس و رباب کے دور بدمستی میں ڈوبنے سے بچایا۔ بعد کے لوگوں نے اگر ایک صحیح چیز سے غلط کام لیا تو اس سے اس کی صداقت و افادیت ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ آج بھی مادی ساز و سامان کی فراوانیوں اور فکر و عمل کی بے لگام آزادیوں کے اس دور میں جب کہ زبان و عمل میں کوئی ہم آہنگی باقی نہیں رہ گئی ہے اور فساق و فجار کے ہاتھوں میں زمام کار آگئی ہے، تزکیۂ نفوس کے باقاعدہ نظام کی پہلے سے کہیں زیادہ شدید ضرورت موجود ہے۔ سابق میں بھی تزکیۂ نفوس کے اس نظام نے ہی مسلمانوں کے ذہن و اخلاق کو مضبوط رکھا، ان کے مذہبی حس و شعور کو

مغلوب ہونے سے بچایا اور اعلائے کلمۃ الحق کی کتنی ہی مخلصانہ تحریکوں کے اٹھنے کے مواقع بہم پہنچائے۔ اور آج اذہان و افکار میں جو ٹکراؤ اور ہیجان برپا ہے اسکے فیصلہ کن انجام پر ہی آئندہ کی کامیابیوں کا دار و مدار ہے اس کامیابی کے لئے بھی مسلمانوں میں تزکیۂ نفس کے کاموں کی ایک عظیم مہم چلانی شدید ضروری ہے۔

تیسرا درجہ مسلمانوں کے باہمی روابط کی ہمہ گیر اصلاح کے کام کا ہے، مسلمانوں کے مابین "رحماء بینہم" کی کوئی کیفیت آج باقی نہیں رہ گئی ہے، ان کے معاشی اور معاشرتی روابط میں ایک عظیم تفاوت پیدا ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے واسطے ہمدردی کے جذبات ان کے اندر معدوم ہو چکے ہیں۔ کوئی زیادہ نقصان کی بات نہیں تھی اگر مسلمان مختلف جائز فقہی اور سیاسی حلقہ بندیوں میں تقسیم ہو گئے تھے بشرطیکہ ان کے معاشی، معاشرتی روابط درست رہتے۔ مگر یہ بات بڑے ہی رنج کے ساتھ دیکھنے میں آئی ہے کہ فقہی و کلامی حلقہ بندیوں سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ نیم سیاسی و نیم مذہبی گروہ بندیاں ان روابط پر اثر انداز ہوئیں۔ عقیدہ و عمل کی دنیا جدید نظام تعلیم نے تہ و بالا کی تو اجتماعی زندگی کی ہمواریوں کو ان جدید نیم سیاسی نیم دینی گروہ بندیوں نے نقصان پہنچایا۔

ہماری ملت اور ہمارے معاشرہ کے یہ وہ کمزور گوشے اور رخنے ہیں جن کی طرف پوری پوری توجہ دیئے بغیر مسلمانوں کو فتنہ ہائے امروز و فردا سے بچایا نہیں جا سکتا۔ اور وہ اپنے پیچھے مستقبل کے انسان کے لئے کوئی رہنما ترکہ چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔

اسلامی تاریخ میں اوقاف اور رفاہِ عام کے ادارے

(ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی - دمشق)

عربی سے ترجمہ —— از، سید محمد حسنی ایڈیٹر "البعث الاسلامی" —— لکھنؤ

کسی قوم کی زندگی کے ثبوت اور قیادت کے استحقاق کا سب سے اچھا پیمانہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اسکے افراد میں انسانی ہمدردی اور انسانیت دوستی اپنی اعلیٰ شکل میں اور وسیع پیمانہ پر موجود ہے یا نہیں، انسانیت نوازی اور انسانی ہمدردی کی وہ پاکیزگی اور لطافت جو سوسائٹی کے تمام طبقات پر ابر رحمت بن کر چھا جائے اور اس روئے زمین پر بسنے والے انسان اور حیوان پائے جاتے ہیں سب اس سے فیضیاب ہوں، یہی وہ جوہر ہے جس پر قوموں کی زندگی اور عروج، اور بقا و ترقی کا انحصار رہا، اور جس کی بنیاد پر ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔

ہماری ملت اس شعبہ میں جس بلندی اور رفعت تک پہونچی ہے اس رفعت تک دنیا کی کوئی اور قوم نہیں پہونچ سکی، جہاں تک گزشتہ زمانوں کا تعلق ہے اس وقت دنیا کی قومیں اور تہذیبیں رفاہ عام اور فلاحی امور کا ایک بہت محدود تصوّر رکھتی تھیں جو معابد یا مدارس سے آگے نہیں راہ پا سکا تھا، جہاں تک موجودہ زمانہ کا تعلق ہے تو اس وقت مغربی قومیں باوجودیکہ وہ اجتماعی اداروں اور فلاحی مراکز کے ذریعہ انسانی ضروریات کو اچھے اچھے طریقہ پر پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، پھر بھی وہ انسانی ہمدردی، جذبہ اخوت و مساوات، خلوص اور پاکیزگی، لطافتِ حِس، اور لطافت خیال کے اس مرتبہ تک نہیں پہونچیں جہاں امت اسلامیہ

اپنے دورِ عروج میں پہونچ چکی تھی۔

حب جاہ، شہرت پسندی، ہردلعزیزی کی خواہش، یہ وہ چیزیں ہیں جو اکثر اوقات ہم کو مغربی رفاہ عام کے کاموں کے پیچھے کارفرما نظر آتی ہیں جب کہ ہماری ملت کو ان کاموں پر ابھارنے والی قوت صرف خدا کی رضاجوئی تھی، خواہ لوگوں کو ان کاموں کا علم ہو یا نہو، اسکی دلیل میں ہم سب سے پہلے صلاح الدین کو پیش کرسکتے ہیں، جنھوں نے اپنی ساری دولت رفاہ عامہ پر خرچ کر دی، اور مصر و شام کو ایسے اداروں اور اوقاف سے بھر دیا، لیکن انھوں نے کبھی اسکی خواہش نہیں کی کہ کسی عمارت پر ان کا نام نقش ہو، اسکے برخلاف وہ ان پر اپنے وزراء، دوستوں، اور معاونین کا نام نقش کروایا کرتے تھے، اور یہ بے نفسی اور خلوص کی اعلیٰ مثال ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ مغرب میں جو اجتماعی ادارے ہیں، ان سے اکثر اوقات صرف مغربی ہی فائدہ اٹھاسکتے ہیں، انکے دروازے اور لوگوں کے لئے عموماً بند ہوتے ہیں، اسکے بالمقابل ہمارے اجتماعی اداروں اور اوقاف کے دروازے ہر انسان کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے، خواہ اس کا مذہب، زبان اور قومیت کوئی ہو۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ہم نے عام انسانی بھلائی کے ایسے ایسے شعبوں میں ادارے اور اوقاف قائم کئے جن سے اہل یورپ آج تک ناآشنا ہیں، یہ ایسے لطیف اور نازک شعبے ہیں جن کی تفصیل پڑھ کر حیرت ہوتی ہے، اور صاف نظر آتا ہے کہ امت اسلامیہ میں انسان نوازی اور انسانیت دوستی کا جو شفاف، ستھرا، پاکیزہ، گہرا اور مستحکم تصور رہے وہ دوسری قوموں میں بالکل ناپید ہے۔

قبل اسکے کہ ہم ان چند رفاہی اداروں اور اوقاف پر روشنی ڈالیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان اصولوں کا بھی ذکر کرتے چلیں جو امت اسلامیہ کو ایسے اداروں کے قیام پر ابھارنے کے ذمہ دار اور محرک تھے۔

اسلام اپنے پیروؤں کو خیر کی اس انداز اور اس قوت کے ساتھ دعوت دیتا ہے جس کے بعد بخل، حرص، خوف اور شیطانی وسوسوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، قرآن مجید کا ارشاد ہے (اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا، وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ) شیطان تم کو فقر سے ڈراتا، اور

فحاشی کی ترغیب دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور اپنے فضل کا، اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ ہر با اختیار انسان کے لئے امورِ خیر میں حصہ لینا ضروری قرار دیتا ہے، خواہ وہ دولتمند ہو یا غریب، جو دولتمند ہے وہ اپنے مال اور اثر و رسوخ کے ذریعہ یہ خدمت کرے، جو غریب ہے، وہ اپنے دست و بازو، اپنے قلب و دماغ، اور اپنی زبان کے ذریعہ یہ خدمت انجام دینے کی کوشش کرے۔

غریب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ یہی شکایت کی تھی کہ امراء اور دولتمند لوگ صدقہ و خیرات کر کے اجر کے مستحق ہوتے ہیں، اور ہم لوگ اس سے محروم ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بھلائی صرف مال پر منحصر نہیں ہے، ہر وہ کام جس سے دوسروں کو فائدہ پہونچے عمل خیر ہے، پھر آپ نے فرمایا، تمھارے لئے تسبیح بھی صدقہ ہے اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، راستہ سے اینٹ، پتھر، گندگی اور کانٹیں دور کرنا بھی صدقہ ہے، دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا بھی صدقہ ہے، کسی آدمی کو اپنی سواری پر بیٹھتے وقت سہارا دینا بھی صدقہ ہے۔[۵۱]

غرض اس طرح اسلام نے خیر و فلاح، اور صدقہ و خیرات کے دروازے تمام انسانوں کے لئے کھول دیئے ہیں، خواہ وہ تاجر ہوں یا مزدور یا کسان، طالب علم ہوں یا استاد، بوڑھے ہوں یا جوان، نابینا ہوں یا لاچار، مرد ہوں یا عورت، سب کے لئے صدقہ کرنا اور بھلائی کا کام کرنا آسان کر دیا گیا ہے، بغیر اسکے کہ انکے اقتصادی حالات ان رفاہ عام کے کاموں میں حصہ لینے اور معاشرہ میں خیر و فلاح کی روشنی پھیلانے میں مانع بنیں، پھر اسلام نے اور بلند ہو کر اس انسانی ہمدردی کی تکمیل کر دی جب اس نے اعلان کیا کہ مذہب اور زبان، قوم و وطن اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر ہر شخص کے ساتھ بھلائی کرنا چاہیئے۔

حدیث میں آیا ہے، الخلق کلھم عیال اللہ، فاحبھم الیہ انفعھم لعیالہ[۵۲]

---

[۵۱] بخاری و مسلم۔ [۵۲] طبرانی و عبدالرزاق۔

(ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اس کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اسکے کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو)
پھر یہ دیکھئے کہ اسلام کن کن طریقوں سے انسان کو ان کاموں پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسکو یہ یقین دلاتا ہے کہ بھلائی کا جو بھی کام وہ کرے گا اس کا اجر و ثواب سب سے پہلے اسی کو ملے گا "وَمَا تُنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَلِأَنفُسِكُمْ" "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ" "جو صدقہ اور خیرات تم کروگے اس کا فائدہ تم ہی کو پہونچے گا۔ جس نے کوئی اچھا کام کیا اپنے ہی لئے کیا۔
ہر شخص کو اپنی ذات عزیز ہے، ہر انسان میں انانیت کی خو بو کسی نہ کسی درجہ میں ضرور پائی جاتی ہے، ایسے شخص کے لئے یہی اسلوب مناسب ہے، جو ایک بخیل کو سخاوت پر آمادہ کرسکے۔
جب یہ آیت نازل ہوئی "مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً"[1] تو ایک صحابی نے جن کا نام ابو الدحداح تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قرض بھی لیتا ہے، آپ نے فرمایا، ہاں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ دست مبارک بڑھایئے پھر آپ کو گواہ بنا کر انھوں نے اپنا باغ صدقہ کر دیا، ان کے پاس یہی تنہا باغ تھا جس میں سات سو پھلدار کھجور کے درخت تھے پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آئے جو بال بچوں کے ساتھ اسی باغ میں مقیم تھیں، اور ان کو اس کارروائی کی خبر دی، انھوں نے سن کر فوراً باغ خالی کر دیا، اور کہا، آپ کا سودا بہت کامیاب رہا، ابا الدحداح!
جب یہ آیت نازل ہوئی "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ"[2] (تم نہیں پاسکتے بھلائی یہاں تک کہ خرچ کرو اس میں سے جس سے تم کو محبت ہے) تو حضرت ابو طلحہ انصاری نے کہا کہ میری املاک میں مجھے سب سے زیادہ محبوب بیر حاء ہے (یہ کنواں تھا جس کا پانی بہت شیریں تھا) اب میں اسکو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اسکے اجر کا امیدوار ہوں آپ منشائے الٰہی کے مطابق اس کا انتظام فرما دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ کرو، ایسا نہ کرو، یہ بہت فائدہ والی چیز ہے اصل کو باقی رکھو اور اسکے فائدے کو وقف کر دو،[3]

---

[1] البقرہ ۲۴۵ [2] آل عمران ۹۲ [3] تفسیر ابن کثیر

چنانچہ یہ صدقہ اسلام میں پہلا وقف تھا۔

وقف وہ سنگ بنیاد تھا جس پر ہمارے تمام اجتماعی اور فلاحی اداروں کی بنیاد رکھی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی امت کے لئے اس کا نمونہ پیش فرمایا، آپنے سات باغ وقف فرمائے تھے جن کا اختیار آپ کو بعض مجاہدین نے دیا تھا کہ انکی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جیسا چاہیں تصرف فرمائیں، آپنے ان کو فقراء، مساکین، مجاہدین اور اہل حاجت کے لئے وقف کر دیا، پھر آپکے بعد عمر بن الخطاب نے خیبر میں زمین وقف کی، پھر ان کے بعد حضرت ابوبکر عثمان، علی، زبیر، معاذ رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام نے وقف کئے، شائد ہی کوئی صحابی ایسا رہا ہو، جس نے کچھ وقف نہ کیا ہو۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ کام پھر تازہ ہوگیا، جب آپنے اپنے عہد خلافت میں کچھ زمین وقف فرمائی، اور مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کو اس کا گواہ بنایا۔ جابر بن عبداللہ الانصاری کہتے ہیں کہ " میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام مہاجرین وانصار میں سے کوئی صاحب ثروت اور صاحب استطاعت ہو اور اس نے اپنا مال کچھ وقف نہ کیا ہو، جو نہ خریدا جاسکتا ہے، نہ وراثت میں ملتا ہے، نہ ہبہ ہوسکتا ہے"، پھر ان کے بعد مسلمان آراضی، باغات مکانات وغیرہ برابر وقف کرتے رہے، جس کی وجہ سے اسلامی سوسائٹی ایسے اداروں اور ایسے اوقاف سے بھر گئی اور انکی اتنی کثرت ہوئی کہ ان کا شمار مشکل ہوگیا۔

یہ اوقاف اور ادارے دو قسم کے تھے،

ایک قسم تو وہ تھی جن کی ذمہ دار حکومت ہوتی تھی اور وہی اس کا انتظام کرتی تھی، اور ایک قسم ان اوقاف کی تھی جن کو انفرادی طور پر امراء، رؤساء، بیگمات، اور عام دولتمند لوگ قائم کرتے تھے، اس موقع پر ان اوقاف کی تمام قسموں پر روشنی ڈالنا ہمارے لئے مشکل ہے اس لئے ہم چند پر اکتفا کریں گے۔

ان اوقاف اور اداروں میں سرفہرست مساجد ہوتی تھیں، لوگ رضائے الٰہی اور حصول ثواب کے لئے کثرت سے مساجد تعمیر کرواتے تھے، بادشاہ بڑی بڑی عالیشان، پرشکوہ مساجد تعمیر کرواتے، اس سلسلہ میں ولید بن عبدالملک نے جامع اموی کی تعمیر پر جس طرح بے حساب اور بے دریغ خرچ کیا، اسکی تفصیلات سن کر آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

دوسرے نمبر پر مدارس اور اسپتال تھے جن کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے، اس کے علاوہ سرائے اور ہوٹل جہاں مسافر اور اہل حاجت جب چاہیں ٹھہر سکتے تھے، خانقاہیں بھی قائم کی گئی تھیں، جہاں دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ آدمی خدا کی عبادت کر سکے، ان غرباء کے لئے جو مکان خریدنے یا کرایہ پر لینے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں خصوصی مکانات تھے، عام گزرگاہوں پر سبیلیں لگتی تھیں، تاکہ لوگوں کو پیاس کی تکلیف نہ ہو، عوامی باورچی خانے یا لنگرخانے کا بہت رواج تھا جہاں سے روٹی سالن اور مٹھائی تقسیم کی جاتی تھی، ابھی کچھ عرصہ کی بات ہے دمشق کے تکیہ سلطان سلیم اور تکیہ شیخ محی الدین میں اس کا رواج تھا۔

حجاج کے لئے مکہ میں مکانات وقف کئے جاتے تھے تاکہ ان کو سہولت ہو چنانچہ ان مکانوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پورے مکہ میں صرف اوقاف ہی کے مکانات نظر آنے لگے، بعض فقہاء نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا کہ مکہ میں کرایہ پر مکان اٹھانا ناجائز ہے اس لئے کہ وہ سب حجاج کے لئے وقف ہیں۔

غیر آباد راستوں، ویرانوں، صحراؤں میں کنووں کی تعمیر ہوتی تھی تاکہ پانی پینے کے علاوہ وہ لوگوں کی کھیتی باڑی اور مویشیوں کے کام آسکیں، بغداد اور مکہ دمشق اور مدینہ کے درمیان بالخصوص، اور تمام بڑے اسلامی شہروں کے درمیان بالعموم ایسے کنوؤں کی اتنی کثرت تھی کہ مسافروں کو پیاس کا بہت کم سامنا ہوتا تھا۔

لوگ سرحدوں پر فوجی سامان کے ذخیرے بھی وقف کرتے تھے تاکہ غیر ملکی حملہ کا مقابلہ اچھی طرح کیا جاسکے یہاں سے مجاہدین کو ہتھیار، سامان حرب اور خوراک وغیرہ ملتی تھی عباسیوں کے عہد میں روم کے حملوں کا مقابلہ کرنے اور صلیبی جنگوں میں مغربیوں کے حملوں کے روکنے میں ان اوقاف کو بڑا دخل تھا، لوگ گھوڑے، تلواریں، تیر کمان اور دوسرا جنگی سامان بھی مجاہدین کے لئے وقف کرتے تھے جس کی وجہ سے جنگی صنعت اور کارخانوں کے قیام میں بڑی مدد ملی، اور انکی بہت ہمت افزائی ہوئی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود یورپین (جنگ بندی کے دنوں میں) ہتھیار خریدنے ہمارے یہاں آتے تھے، اور علماء ان کے ہاتھ ہتھیار بیچنا حرام قرار دیتے تھے، افسوس کہ اب معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے، اب ہم خود اہل یورپ کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں اور سخت شرطوں کے باوجود جو ہماری آزادی کامیت اور وقار کو مجروح کرتی ہیں ان سے معاملہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ کچھ اوقاف ایسے تھے جن کا منافعہ جہاد کے خواہشمند لوگوں کو اور ان فوجیوں کو جن کی پوری کفالت حکومت نہیں کر سکتی تھی، ملتا تھا، ان تمام باتوں کی وجہ سے ہر شخص کے لئے جو اپنی جان راہ خدا

میں دینا چاہتا ہو اور مرتبہ شہادت حاصل کرنا چاہتا ہو بہت سہولتیں اور آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں، اس حالت کا ذرا اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ کیجئے، آج ہم اسلحہ بندی کا ہفتہ مناتے ہیں، اور فوج کے لئے پبلک سے چندہ وصول کرتے ہیں، اگر ہمارا سیاسی و اجتماعی شعور بیدار، اور ہمارا ایمان پختہ اور سچا ہوتا تو آج ہم سال میں ایک مرتبہ نہیں روزانہ کارخانے قائم کرتے اور اپنی فوج کو دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور، اور منظم فوج بنا سکتے۔

بہت سے اجتماعی ادارے ایسے تھے جو شاہراہوں اور پلوں وغیرہ کی مرمت کے لئے قائم تھے، مقبروں کے لئے بھی وقف ہوتا تھا، بعض آدمی زمین کا ایک ہزار رقبہ مسلمانوں کے عام قبرستان کے کے لئے وقف کرتے تھے۔

غربا، کی تجہیز وتکفین کے لئے بھی اوقاف تھے۔

اجتماعی کفالت کے لئے جو اوقاف اور فلاحی ادارے تھے ان کو دیکھ کر ہماری حیرت میں اور اضافہ ہوتا ہے، گمشدہ اور لاوارث بچوں کے لئے، یتیموں کے لئے خاص مراکز تھے، جہاں ان کی پرورش وپرداخت ونگہداشت اور تربیت کا پورا انتظام تھا، لاچار، نابینا اور معذور وا پاہج لوگوں کے لئے ادارے تھے جہاں ان کو پورے احترام کے ساتھ رکھا جاتا تھا اور ان کے قیام وطعام لباس اور تعلیم تک کا انتظام ہوتا تھا۔

قیدیوں کے لئے مراکز تھے جہاں ان کے معیار زندگی بلند کرنے اور انکی صحت کے لئے ضروری ومناسب غذا کا انتظام تھا، لاچار اور نابینا لوگوں کے لئے ایک وقف تھا جس میں ان لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے اور ان کی خبرگیری کے لئے آدمی مقرر تھے۔

غیر شادی شدہ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کے لئے جن کے والدین ان کی شادی کے مصارف اور مہر وغیرہ برداشت کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں اوقاف تھے جس کے ذریعہ ان کی شادی کا انتظام کیا جاتا تھا، کتنا پاکیزہ تھا یہ جذبہ، اور آج کتنے محتاج ہیں ہم اس جذبہ کے!

کچھ اوقاف ایسے تھے جن سے ماؤں کو دودھ اور شکر ملتی تھی، آج ہمارے یہاں دودھ کا جو یونٹ قائم ہے، یہ اس سے بہت عرصہ پہلے کی بات ہے، پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سب خلوص کے ساتھ اور طلب اجر کے لئے ہوتا تھا، نام ونمود، شہرت اور مقبولیت کے لئے نہیں!

صلاح الدین کے جہاں اور محاسن اور کارنامے ہیں، وہاں اس کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے قلعہ کے ایک دروازہ پر (جو آج بھی دمشق میں دیکھا جا سکتا ہے) دو میزاب (پرنالے) بنائے تھے، ایک سے دودھ بہتا تھا، دوسرے سے شربت، ہفتہ میں دو بار ضرورت مند مائیں آتی تھیں اور اپنے بچوں کے لئے جتنا چاہتی تھیں دودھ اور شربت لے جاتی تھیں۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز اور لطیف وقف وہ تھا جہاں چینی کے برتن رہتے تھے وہ نوکر جس سے راستہ میں غلطی سے چینی کا کوئی برتن ٹوٹ جائے وہ اپنے آقا کی ناراضگی سے بچنے کے لئے یہاں سے اسی قسم کا برتن لے لیتا تھا، اور اسکے آقا کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی[۱]

آخر میں پھر ان اداروں اور اوقاف کی باری آتی ہے جو مریض جانوروں کے علاج معالجہ، ان کی نگہداشت اور پرورش کے لئے تھے، دمشق کا وہ وسیع سبزہ زار جس پر آج اسٹیڈیم قائم ہے ایک زمانہ میں بوڑھے گھوڑوں اور مویشیوں کے لئے وقف تھا جہاں وہ رہتے اور چرتے، یہاں تک کہ ختم ہو جاتے تھے۔

تو یہ کل سو قسمیں ہوئیں ان رفاہ عام کے اداروں اور اوقاف کی جو ہماری تاریخ کے روشن دور میں بکثرت پائے جاتے تھے، کیا دوسری گزشتہ قوموں میں اسکی نظیر مل سکتی ہے، بلکہ اس میں بہت سے ایسے اوقاف ہیں جن کی مثال آج کے "ترقی یافتہ" تمدن میں بھی نہیں مل سکتی، یہ تھا راز ہمارے عروج اور عزت و شوکت کا جب کہ پوری دنیا پر غفلت، جہالت اور پسماندگی کے دبیز اور تاریک پردے پڑے ہوئے تھے

یہ تھا راستہ ہمارے عروج اور عزت و شوکت کا جس پر چل کر ہم نے ستم زدہ اور مظلوم انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھا تھا، اور اسکو نئی فضاؤں سے آشنا کیا تھا۔

آج ہمارا راستہ کیا ہے اور ہم کس منزل پر ہیں؟

کہاں ہیں وہ مبارک ہاتھ جو یتیم کے آنسو پوچھیں، اور لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیں، اور ہماری سوسائٹی کو پھر ایک متحد اور ہم آہنگ، ہم عقیدہ و ہم خیال سوسائٹی بنا دیں جہاں بھلائی اور سچائی، اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہو۔

---

[۱] اسے مناجلتا بلکہ لطافت حسن اور نازک خیالی میں شاید اس سے بھی زیادہ ایک وقف اور تھا جس کا تعلق اسپتال سے تھا اس کا ذکر مصنف نے کتاب کی دوسری فصل کے تحت کیا ہے، اسپتال میں ایسے آدمی مقرر تھے جو مریضوں کے وارڈ میں وقتاً فوقتاً جاتے رہیں، اور مریض کے پلنگ کے پاس سے گزرتے ہوئے آپس میں یہ سرگوشیاں کریں کہ اب تو اسکی صحت خاصی اچھی معلوم ہوتی ہے، شاید دو ایک روز میں ان لوگوں کو وارڈ چھوڑ دینے کی اجازت مل جائے لیکن اس انداز میں کہ مریض اس کو سن سکے اور اسکی صحت پر اس بات کا نفسیاتی اثر پڑے، آج ترقی یافتہ اسپتالوں میں مریضوں کے لئے ہلکی ریکارڈنگ کا انتظام کیا گیا ہے۔ [illegible]

رُباعیاتِ امجدؔ

(از جناب امین چند شرما۔ صدر شعبۂ اُردو و فارسی، مہا کوشل مہا ودیالہ جبلپور)

"شرما صاحب کے اس مضمون کا ظاہری رنگ اُدبی ہے، مگر اس کا مواد اخلاقی اور مذہبی مضمون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرما صاحب کا فکری میلان بھی اس صالح مواد سے ہم آہنگ ہے اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے .... ہماری یونیورسٹیوں میں با اثر اساتذہ کے اندر ان صالح رجحانات کا فقدان ملک کے نوجوانوں کیلئے بڑے دُور رس رُوحانی خسارے کا باعث بن رہا ہے اسلئے شرما صاحب جیسے صالح الفکر اساتذہ کو کسی یونیورسٹی کے کسی شعبہ کی صدارت پر دیکھ کر قدرتی طور پر خوشی ہوتی ہے۔ خدا کرے اُن کی ذات سے اُن کے طلبہ کو علمی فائدے کے ساتھ اخلاقی فائدہ بھی پہنچے، ہم اپنے ایک نئے مضمون نگار کی حیثیت سے شرما صاحب کا خیر مقدم کرتے ہیں:۔ .... (ادارہ)

دنیائے اُدب میں کوئی فیصلہ قطعی نہیں کہا جا سکتا۔ مگر یہ قطعی فیصلہ ہے کہ اُردو کے رُباعی گو شعراء میں حضرتِ امجدؔ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عوام اُور خواص نے حضرتِ امجدؔ کی رباعیات کو قبولیت کی آنکھوں میں جگہ دی ہے، اُور پھر جتنی قبولیت اُور شہرت اُنکی رباعیات نے حاصل کی، اُتنا ہی اُن کی طبیعت میں عجز و انکسار پایا جاتا ہے، اس عجز و انکسار کا حال شاعر کی زبانی سُننے چلئے:۔

"دیکھنے والے ہم کو رُباعیاتِ امجدؔ کا مصنّف معلوم کرکے نہایت حیرت سے دیکھتے اُور ہماری صورت اُور کلام میں کوئی مطابقت نہیں پاتے ہیں، شاید رباعی کی طرح ہماری وضع اُور لباس میں بھی کوئی خاص موزونیت تلاش کرتے ہیں، یا ہماری کتابوں کی طباعت اُور کتابت

کی طرح ہماری صورت میں بھی کسی دلفریب نظارے کے طالب رہتے ہیں، شوقِ دید میں
آنے والے اصحاب ہماری کتابِ ہستی کو کسی سنہری روپہلی جلد سے مجلد نہ پاکر "نام بڑا درشن
تھوڑے" کہتے ہوئے منہ پھیر خفا ہو کر چلے جاتے ہیں، اور ہم کہتے جاتے ہیں:۔ ؎

اُرے او جانے والے ٭ دم نکلنے تک ذرا دم لے[1] (امجد)

مذکورۂ بالا اقتباس سے ایک صوفی منش، سادہ مزاج، پیرانہ سال، بزرگ صورت، پاکیزہ سیرت، متین و سنجیدہ، خاموش و حلیم انسان کی شکل تصور کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، جسے دیکھ کر لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ یہی حضرت "رُباعیاتِ امجد" کے مصنّف ہیں، اور جسے فکر نہیں کہ لوگوں کو اپنی پسند کی موزونیت اسکی وضع قطع میں ملے۔

حضرتِ امجد کے کلام میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں، جو ایک باکمال شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ قدرت نے فیاضی کے ساتھ شاعرانہ احساسات ان کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے ہیں، ان کا کلام حقائق سے لبریز اور فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ وہ ایک حقیقی شاعر ہیں اور اُس وقت تک شعر نہیں کہتے جب تک کوئی کیفیت ان کے دل و دماغ پر طاری نہ ہو، کیف و سُرور کی سرشاری میں اُن کے دلی جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر صفحۂ قرطاس پر جلوہ آرا ہو جاتے ہیں، اور پھر "از دل خیزد بر دل ریزد" والی مثال اُن کے اشعار پر صادق آتی ہے، سچ ہے۔ ع

"دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے"

امجد کا کلام اُردو ادب کے اربابِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے، ان آراء میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔
مولوی وحید الدین سلیم نے امجد کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ:۔

"امجد صاحب قدرتی شاعر ہیں، مُبصرین کی رائے میں اس وقت ہندوستان میں اُن کی ٹکر کا رُباعی کہنے والا کوئی شاعر نہیں ہے"[2]۔

جس خصوصیت نے امجد کو یہ انفرادیت بخشی ہے، وہ اُن کی دقّتِ نظر اور فکر و خیال کی رفعت ہے۔ وہ اُن شاعروں میں نہیں ہیں جو لفظی بازیگری اور محاورہ بندی کے پیچوں میں گرفتار رہتے ہیں، اُن کے خیالات الفاظ کے تابع ہو جاتے ہیں، مگر امجد کے یہاں دوسری شان پائی جاتی ہے، کہ الفاظ اُنکے خیالات

---

[1] حجِ امجد ص۱۰۱۔ جمالِ امجد ص۲۹۶۔ [2] جمالِ امجد ص۱۸۳۔

کے تابع ہیں، اُن کی انفرادیت اسی میں مُضمر ہے، اور یہی چیز اہلِ نظر کو اعتراف پر مجبور کرتی ہے۔
امجد کی ہر ہر رُباعی اُن کی قادرالکلامی اور فن کے کمال و پختگی کی شاہد ہے، خود فرماتے ہیں۔ ؎

گیسو میں ہے بَل، کہ میرے خم کو دیکھو ٭ رُخ ہنستا ہے کہ اس ستم کو دیکھو
اظہارِ کمال میں ہر اک کامل ہے ٭ سب کی یہی خواہش ہے کہ ہم کو دیکھو[۱]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:- ؎

ہم توڑ کے تارے آسماں سے لائے
مضمون بلند لامکاں سے لائے[۲]

"لامکانی مضامین" نے ان کو کشورِ رُباعی کا خسرو بنا دیا ہے۔ منشی تلوک چند محرومؔ فرماتے ہیں:- ؎

اے نازشِ جوہرِ رُباعی امجد[۳] ٭ لعلِ سرِ افسرِ رُباعی امجد
ہے چار سو ہند میں شہرت تیری ٭ اے خسروِ کشورِ رُباعی امجد

امجد کی رباعیات اور شاعری کے متعلق سید احتشام حسین کی رائے بھی ملاحظہ کیجئے:-

"حضرتِ امجد ایک بلند پایہ اور حقیقی شاعر ہیں، انھوں نے فلسفیانہ بصیرت سے اسرارِ حیات کے فاش کرنے اور جذباتی انداز سے زندگی کے گہرے نقوش کو اُبھارنے کی جو سعی کی ہے اس سے اُردو ادب کا دامن وسیع ہوا ہے زبان و بیان پر قدرت اور پاکیزگیِ خیال نے اُن کی رُباعیات میں کلاسکی عظمت پیدا کی ہے، اور جذبات کی گرمی نے ایک خاص قسم کی رومانیت کو جنم دیا ہے۔ موصوف کی شاعرانہ خدمات کا اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم اپنے ان فنکاروں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جنکی خاموش کاوشوں سے ادب کے خزانے میں لازوال اضافے ہوتے ہیں، میری دُعا ہے کہ موصوف بہت دنوں تک اُردو زبان و ادب کی آبیاری کیلئے زندہ اور تندرست رہیں[۴]۔"

۱؎ رُباعیاتِ امجد، حصہ دوم ص۶۵
۲؎ رباعیات امجد حصہ سوم ص۸۱
۳؎ پیامات، ارمغانِ امجد ص۸
۴؎ پیامات، ارمغانِ امجد ص۸۷، ۸۸

رُباعیاتِ امجد | رباعیاتِ امجد کے تین۳ حصے ہیں :۔۔۔۔۔۔

حصۂ اوّل ـــــــ اُردو رُباعیات ۶۸

حصۂ دوم ـــــــ 〃 〃 ۹۶

حصۂ سوم ـــــــ 〃 〃 ۸۲

حصۂ اوّل میں ۲۳ فارسی رُباعیات، حصۂ دوم میں ۴ فارسی رُباعیات، اور حصۂ سوم میں چند قطعات ہیں۔
سنہ ۱۳۲۶ھ میں رودِ موسیٰ کی طغیانی میں امجد کا تمام سرمایۂ رباعیات، کلام اور خاندان کے افراد نذرِ طوفان ہو گئے
سنہ ۱۳۵۲ھ میں رُباعیات کا ایک نسخہ شائع ہوا تھا۔ سنہ ۱۳۲۷ھ میں اس بربادی کے بعد نئی رُباعیاں لکھیں۔

ان رباعیات کا موضوع قرآنی آیات اور احادیث ہے، ہر رباعی کسی آیت یا حدیث کی شرح ہے،
ان رباعیات میں انسانی زندگی کے حقائق و اسرار بھی ملتے ہیں۔ اگر شاعری صحیح معنوں میں انسانی حیات کے
مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی ہے تو بلاشبہ ان کی ہر رباعی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

سلوک و معرفت کے اسرار و غوامض پر ان کی نظر گہری ہے، ایک سالک و عارف کی حیثیت سے تصوف
کے پیچیدہ مسائل کے حل نہایت چابکدستی سے رُباعیات میں پیش کئے ہیں، اور اُن کو سریع الفہم بنا دیا ہے۔

آپ نے شاعری کو اسلامی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ و آلہ بنا کر اس سے مفید دینی خدمت
انجام دی ہے۔ ان کی کثیر التعداد رُباعیات اسلامی تعلیم کی حامل ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر ان رباعیات کو کلامِ پاک
کی تفسیر کے نام سے موسوم کیا جائے، تو بیجا نہ ہو گا۔

حضرتِ امجد کا کلام پُر تاثیر ہے، وہ سلیس اور عام فہم ہونے کے علاوہ وجد آفریں ہے، لوگ ان اشعار کو سنکر
وجد کرتے ہیں، سر دُھنتے ہیں۔

جب وہ رباعیاں سناتے ہیں، تو اُن کا اندازِ بیان زبانِ حال سے کہتا ہے :۔ ؎

باتیں ہماری غور سے سُنیئے، پھر ایسی باتیں نہ سُنیئے گا
پڑھتے کسو کو سُنیئے گا، تو دیر تلک سر دُھنیئے گا (میر)

ان کے لہجہ کی متانت "سازندوں کے انداز" اور "بجتی ہوئی آواز" کی ترنم ریزیوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔
لفظی و معنوی خوبیاں آپ کے کلام کا گویا لازمہ، اور سادگی اور روانی خداداد، تصوّف کی چاشنی اور فلسفیانہ فکر
آپ کے کلام کا خاص جوہر ہے، اور پھر سوزِ دل کی شرکت نے کلام کو دو آتشہ بنا دیا ہے ـــــ پند و نصائح کا

حکیمانہ انداز کہتا ہے، کہ:۔ امجد عصر حاضر کے "سعدیؒ" ہیں۔

مولوی سلیم نے لکھا ہے:۔

"ان کی رُباعیاں یقیناً زندہ رہیں گی، اور اُردو ادب کا اہم عنصر خیال کی جائینگی"[1]

ذیل کی رباعیات سے امجد کے فکر و فن پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

یہ حیات چند روزہ، جو حیات جاودانی کے راستہ کی ایک عارضی منزل ہے، انسان اسی میں اپنی عیش و طرب کی محفلیں آراستہ کرنا چاہتا ہے، مگر یہاں کی کسی چیز کو بقا و دوام کہاں؟ ہر محفل عیش چند ساعتوں میں برہم اور ہر بزم طرب کا انجام تشنگی و غم ہوتا ہے ـــــ روزمرّہ کے اس تجربہ کو امجد نے کس خوبی سے نظم کیا ہے۔

ہر محفل سے بحال خستہ نکلا ؎ ہر بزم طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کیلئے ؎ سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا[2]

دل وہ نازک آبگینہ ہے جو ٹوٹنے کے بعد جڑتا نہیں، اور جب وہ مغموم بھی ہو، تب تو اس کی نزاکت کا ٹھکانہ ہی نہیں، دل انوار الٰہی کی تجلّی گاہ ہے، اور پھر مغموم کے قلب کا مرتبہ تو کچھ اور بھی سوا ہے، اس کا توڑنا گویا اُس جلوہ گاہ الٰہی کا ڈھانا ہے جس کی بنائے نو ممکن نہیں ـــــ کیا ٹھکانا ہے اس جرم کی بُرائی کا![3]

مغموم کے قلب مضمحل کو توڑا ؎ یا منزل فیض متّصل کو توڑا
کعبہ ڈھاتا، تو پھر بنا بھی لیتے ؎ رونا تو یہ ہے، کہ تونے دل کو توڑا[4]

کلام پاک میں فرمایا گیا ہے، کہ پروردگار عالم نے ایک امانت زمین و آسمان کے سپرد کرنا چاہی، تو وہ اس بار امانت سے کانپ اُٹھے، اور معذرت خواہ ہوئے، لیکن ظلوم و جہول انسان نے بڑھ کر اس امانت کو سینے سے لگا لیا ـــــ یہ امانت کیسی عظیم تھی، اور انسان نے اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود، کس جذبہ کے ماتحت اس ذمہ داری کے لئے سر جھکا دیا؟ حضرت امجد کا پیرایۂ بیان دیدنی ہے کس مؤدّب شوخی سے فرماتے ہیں:۔

اس سینہ میں کائنات رکھ لی میں نے ؎ کیا ذکر صفات، ذات رکھ لی میں نے
ظالم سہی، جاہل سہی، نادان سہی ؎ سب کچھ سہی، تیری بات رکھ لی میں نے[5]

---

[1] ارمغان امجد صفحہ ۸
[2] رباعیات امجد، حصّہ دوم صفحہ ۴۵
[3] رباعیات امجد، حصّہ سوم صفحہ ۴۴
[4] ر ر ر حصّہ اوّل صفحہ ۶۱

دیکھئے، انسان کی مجبوری اور آزادی کا نقشہ کس خوبی سے کھینچا ہے ——— ؎

دم بند کیا قید نفس میں رکھ کر ؛ بے بس کیا مجھ کو اپنے بس میں رکھ کر
صیاد کی صید پروری تو دیکھو ؛ گلزار دکھاتا ہے، قفس میں رکھ کر[۱]

"صیاد کی صید پروری"، کتنا لطیف طنز ہے، اور صید پروری کا کیا انوکھا انداز ہے ——— ع

"گلزار دکھاتا ہے، قفس میں رکھ کر"

حضرت امجد کے یہاں تمثیلی انداز بھی پایا جاتا ہے۔ ان کا حکیمانہ استدلال قابل داد ہے، وہ جو بات فرماتے ہیں، اسکے ثبوت کا بھی خوب حق ادا کرتے ہیں ——— ؎

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے ؛ بیفکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کردی ؛ دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے[۲]

اور ذرا تشبیہ و استعارے کا انداز بھی دیکھئے! ——— ؎

اس دشت میں سیکڑوں کے جی چھوٹ گئے ؛ پتھر بھی حباب کی طرح پھوٹ گئے
اس دام کا ایک عقدہ بھی کھل نہ سکا ؛ بیجا کوشش میں بال و پر ٹوٹ گئے[۳]

دنیا امید پر قائم ہے، اور پروردگار سے مایوسی کے بعد تو انسان کیلئے کوئی سہارا ہی نہیں رہ جاتا ——— ؎

میں چھوڑ کے تیرا در کہاں جاؤں گا ؛ اپنا مقصود پھر کہاں پاؤں گا
اے میری نہ سننے والے اتنا سن رکھ ؛ محروم گیا آج، تو کل آؤں گا[۴]

مذکورہ بالا رباعی میں بندہ اپنے رب سے مایوس نہیں، اسکے در کے سوا اس کا کوئی آسرا نہیں۔ کیا خوب تکرار ہے ——— ؎

اے میری نہ سننے والے اتنا سن رکھ ؛ محروم گیا آج، تو کل آؤں گا

ذاتِ خداوندی حی و قیوم ہے، وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی، کائنات کا سارا سلسلہ فنا انجام ہے، صرف خدائے قدوس کی ذات کو بقائے دوام حاصل ہے ——— ؎

---

[۱] رباعیاتِ امجد، حصۂ سوم ص ۵۹
[۲] رباعیاتِ امجد، حصۂ دوم ص ۷
[۳] 〃 〃 〃 〃 ص ۱۲
[۴] 〃 〃 ، حصۂ سوم ص ۳

واجب ہی کو ہے دوام، باقی فانی ❊ قیوّم کو ہے قیام، باقی فانی
کہنے کو زمین و آسمان سب کچھ ہے ❊ باقی ہے اسی کا نام، باقی فانی[1]

روزِ حشر انسان کا دفترِ عمل خدا کے سامنے پیش ہوگا، غافل انسان کو منصفِ حقیقی کے سامنے نیک اعمال پیش کرنے ہوں گے ـــــ ظاہر ہے کہ اپنے پلّے میں نیک اعمال کہاں، اور ہیں تو اُس بارگہِ عالی کے شایانِ شان کب؟ اقبال نے کہا ہے، کہ ذاتِ باری کو بھی شرمساری ہوگی، امجد بھی آقا کی اسی شانِ کریمی کو وسیلۂ نجات بنانا چاہتے ہیں اور کیا بات پیدا کر کے لاتے ہیں: ـــــ ؎

ضائع فرما نہ سرفروشی کو مری ❊ مٹّی میں ملا نہ گرمجوشی کو مری
آیا ہوں کفن پہن کے اے ربِّ غفور ❊ دھبّہ نہ لگے سپید پوشی کو مری[2]

دل کے دھڑکنے کی آواز کو شعراء نے مختلف معنیٰ پہنائے، اور خوب خوب نکات آفرینیاں کی ہیں ـــــ مگر "خسروِ کشورِ رُباعی" کی رسائی ذرا دیکھئے، وہ اس "کھٹ کھٹ" میں محبوبِ لامکانی کے قدموں کی آہٹ پا رہے ہیں۔

کچھ اپنا پتہ اُس نے بتایا تو نہیں ❊ اب تک اُس کا سُراغ پایا تو نہیں
ملتی ہوئی ہے دل کی کھٹک آہٹ سے ❊ دیکھو دیکھو، کہیں وہ آیا تو نہیں[3]

"مضمون بلند لامکاں سے لائے"، کا کیسا جیتا جاگتا نمونہ ہے!۔

دیکھو دیکھو کا انداز بھی دیکھنے کی چیز ہے ـــــ جیسے شوق و انتظار کی تصویر کھنچ گئی ہو! ـــــ

اللہ کارساز ہے، مولانا روم نے کہا ہے ـــــ ؏

"فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما"

امجد اس آزار سے کس طرح نجات حاصل کرتے ہیں ـــــ ؎

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے ❊ اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے
طوفان میں ہے کشتیٔ اُمید مری ❊ لے تو ہی سنبھال، ہاتھ اٹھایا میں نے[4]

"لے تو ہی سنبھال" کے تیور دیکھئے، سپردگی کا کیا انداز ہے، اور نیازمندی میں کیا ناز ہے! سُبحان اللہ!۔

---

[1] رباعیات امجد، حصۂ اوّل ص۵ ❊ [2] رباعیات امجد، حصۂ اوّل ص۷
[3] " " " ص۹ ❊ [4] " " " ص۱۰

حضرت امجد اپنے رب کے حضور اپنی بے مائیگی کا اعتراف کر رہے ہیں :۔۔۔۔۔ ے

بیکس ہوں، نہ مال ہے نہ سرمایا ہے ٭ مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لایا ہے
یارب تری رحمت کے بھروسے امجد ٭ بند آنکھ کئے یوں ہی چلا آیا ہے[1]

ع "بند آنکھ کئے یوں ہی چلا آیا ہے" میں محاورہ کی چستی دیکھنے کے قابل ہے۔ محاورہ کے اس برجستہ استعمال نے غضب کی سادگی اور معصومیت اس اعترافِ عجز میں بھر دی ہے۔

مظاہرِ قدرت سے خدا کی شان کا بیان ہر شاعر کے یہاں ملتا ہے، کسی کو برگِ درختانِ سبز میں معرفتِ حق کے دفتر نظر آئے، کسی کو ذرات میں شانِ حق کے جلوے دکھائی دیئے۔ امجد بھی کہتے ہیں کہ سطح بین انسانو! باغ و راغ، زمین و آسمان کی رنگینیوں میں کیا کھوئے رہتے ہو، ان مخلوقات میں نیرنگیٔ خالق کا تماشہ دیکھو، سنہری اور روپہلی جلد میں الجھ کر رہ جانا کم نظری ہے، دیکھنے کی چیز جلد کے اندر ہوتی ہے۔ ے

ہر وقت فضائے دلکشا دیکھتے ہو ٭ صحرا و چمن، ارض و سما دیکھتے ہو
مخلوق میں نیرنگیٔ خالق دیکھو ٭ قرآن پڑھو، جلد کو کیا دیکھتے ہو[2]

غالب کے یہاں اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں، شاعر حیران ہے کہ پھر مشاہدہ کو کیا سمجھے، زبان خاموش ہے۔۔۔۔ حضرت امجد کس بیباکی سے اظہار فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ ے

ہیں مستِ مئے شہود، تو بھی، میں بھی ٭ ہیں مدعیٔ نمود، تو بھی، میں بھی
یا تو ہی نہیں جہان میں، یا میں ہی نہیں ٭ ممکن نہیں دو وجود، تو بھی، میں بھی[3]

وحدت الشہود کا مسئلہ تصوف کا خاص مسئلہ ہے، امجد نے اس کی تشریح بڑی خوبی سے کی ہے، اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہیں۔۔۔۔ فرماتے ہیں :۔۔۔۔ ے

میں قلزمِ ذخار ہوں، منبع تو ہے ٭ میں مہرِ جہانتاب ہوں، مطلع تو ہے
ہے فرق بہت لطیف ہم دونوں میں ٭ مانندِ ضمیر میں ہوں، مرجع تو ہے[4]

یعنی کائنات کی ہر شے کا مرجع ذاتِ الٰہی ہے۔۔۔۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

---

[1] رباعیاتِ امجد، حصۂ اول ص ۳۲
[2] رباعیاتِ امجد، حصۂ دوم ص ۱۶
[3] " " " " ص ۶۹
[4] " " " " ص ۱۴

زردار خدا کے نام پر سیم وزر دیتے ہیں، بے نوا غریب رکوع وسجود کے ہدیے پیش کرتے ہیں — کیا یہ ہدیۂ بے نوا کچھ کمتر ہے؟ ہرگز نہیں اسلئے کہ خدا کی جناب میں صرف خلوص اور جذبہ دیکھا جاتا ہے، بلکہ گدایانِ بے نوا کے ہدیہ کو ذرا گہری نظر سے دیکھئے، تو اس کا وزن کچھ نہیں بہت بڑھ جاتا ہے ــــــ ؎

خالق نے جنھیں دیا ہے زر دیتے ہیں ؎ زر کیا ہے خدا کی راہ میں گھر دیتے ہیں
اپنا سرمایہ ہے رکوع وسجدہ ؎ سامان نہیں رکھتے ہیں سر دیتے ہیں[1]

عشق اردو، فارسی ادب کا سرمایہ ہے، صوفی شعراء اسے تخلیق کائنات کا باعث قرار دیتے ہیں حضرت امجد نے اس کی داستانِ بے پایاں کو ۴ مصرعوں میں سمونے کی کوشش کی ہے ــــــ ؎

دریائے محبت ہے سفینہ میرا ؎ ہے حسن کی خاتم پہ نگینہ میرا
روشن ہے چراغ عشق سے کعبۂ دل ؎ معمور ہے نور سے مدینہ میرا[2]

جبر وقدر کا مسئلہ ہمارے شعراء کا خاص موضوع سخن رہا ہے، انسان پورے طور پر قدرت کے آئین و قوانین کے تحت ہے، میر، خدائے سخن فرماتے ہیں ــــــ ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

امجد کا مسلک ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں کہ تقدیر کا شکوہ عبث ہے، جو کچھ ہوا، ہوتا ہے اور ہوگا اس میں خدا کی رضا شامل ہے ــــــ ؎

تقدیر سے کیا گلا، خدا کی مرضی ؎ جو کچھ بھی ہوا، ہوا، خدا کی مرضی
امجد! ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں ؎ ہر کیوں کی ہے انتہا، خدا کی مرضی[3]

امجد کے یہاں شوخی، سادگی اور پرکاری ہے۔ ان خصوصیات نے کلام کو بیحد دل آویز بنا دیا ہے حضرت امجد اپنے خالق حقیقی کے حضور اعترافِ گنہ کس شوخی و پرکاری سے کرتے ہیں ــــــ ؎

میں گنہگار، اور تو ربّ کریم ؎ کوہ سے کس طرح ہو، کاہ بڑا
گو، بڑا ہی گناہ گار ہوں میں ؎ تو بڑا، یا میرا گناہ بڑا[4]

---

[1] رباعیات امجد، حصۂ اول ص۲۵
[2] رباعیات امجد، حصۂ اول ص۱۳۵
[3] ؍؍ ؍؍ ؍؍، دوم ص۴۳
[4] گلستان امجد، ص۱۵

امجد کا کلام تاثیر سے لبریز ہے، عام شعراء کے مانند وہ صرف قافیہ پیمائی نہیں کرتے، بلکہ ان کا ہر شعر اہلِ دنیا کیلئے ایک درسِ ہدایت، دفترِ نصیحت اور پیغامِ عمل ہے، مگر ——— ع

"گوشِ سخن شنو کجا! دیدۂ اعتبار کو؟"[۱]

نخوت اور غرور کی تباہ کاری کو مثال کے کتنے مؤثر پیرایہ میں بیان کیا ہے ——— ؎

سمجھو، کہ زمانہ تمھیں سمجھاتا ہے ÷ آغاز میں انجام نظر آتا ہے
ہے نخوت و سرکشی تباہی کا پیام ÷ دیکھو، شعلہ بھڑک کے بجھ جاتا ہے[۲]

جس ظرف میں وسعت نہیں ہوتی، وہ سیم وزر کی فراوانی سے اتراتا ہے، فخر کرتا ہے، کم مایہ کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اس کی توضیح میں تمثیل کا یہ دلنشیں انداز ملاحظہ ہو! ——— ؎

کم ظرف اگر دولت وزر پاتا ہے ÷ مانند حباب ابھر کے اتراتا ہے
کرتے ہیں ذراسی بات میں فخر خسیس ÷ تنکا، تھوڑی ہوا سے اڑ جاتا ہے[۳]

اپنے گناہوں پر شرمساری کا مضمون صوفی شعراء کے ہاں عام طور پر ملتا ہے۔ حضرتِ امجد نے بھی اس زمین میں طبع آزمائی کی ہے، اور حق یہ ہے کہ ان کی نادر الکلامی اس پامال مضمون کو بھی ایک اچھوتا انداز دے گئی ہے۔ شرمساری کی کیفیت کا یہ مرقع بس انھیں کا حصّہ ہے، کہ ——— ؎

خود اپنی نگاہوں سے گرا جاتا ہوں ÷ قطرہ سا، زمین میں سما جاتا ہوں
احباب مرے دفن کی کیوں فکر میں ہیں ÷ میں شرمِ گنہ سے خود گڑا جاتا ہوں[۴]

غرض یہ کہ حضرتِ امجد ریاضِ شعر کے گلِ سرسبد ہیں، آپ کے کلام میں انسانی فطرت کی بوقلمونیاں، اور حقائق ومعارف کی موشگافیاں اس لطیف انداز میں جھلکتی ہیں، کہ باید وشاید۔

ان کے کلام کے غائر مطالعہ اور تأثر انگیزی سے قاری کے دل میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے یہ جذبہ جارحانہ تیور نہیں سکھاتا۔ وہ مصالحت اور آشتی کی تعلیم دیتا ہے، وہ دوستوں کے ساتھ تلطف اور دشمنوں کے ساتھ "مدارا" کی تعلیم دیتا ہے ——— حافظؒ نے کہا ہے: ——— ؎

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف ست
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا[۵]

۱؎ دیوان حافظ ص۲۲۷ — ۲؎ گلستان امجد ص۲۳ — ۳؎ رباعیات امجد، حصہ اول ص۴۴ —
۴؎ رباعیات امجد، حصہ اول ص۶۵ — ۵؎ دیوان حافظ ص۲

تعارف و تبصرہ

التکشف عن مہمات التصوف

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۲۷۴ صفحات، بڑا سائز (۲۰×۳۰/۸) عمدہ کاغذ بہتر کتابت وطباعت، مع جلد قیمت دس روپے بارہ آنے۔

شائع کردہ :- اللجنۃ العلمیہ ۔ چنچل گوڑہ، حیدرآباد (آندھرا)

یہ کتاب حضرت تھانویؒ کے بہت سے رسائل کا مجموعہ ہے۔ جنھیں حضرت ممدوح نے اس غرض سے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مرتب فرمایا تھا کہ مختلف استعداد رکھنے والے طبقات کے لیے مسائل تصوف اور اصلاح نفس میں کارآمد باتوں کی ایک جامع کتاب بن جائے۔ پہلی اشاعت کم یاب ہوگئی تھی۔ حیدرآباد کے ادارہ "اللجنۃ العلمیہ" نے اب اس کو دوبارہ شائع کر دیا ہے۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول کم استعداد والوں کے لیے، حصہ دوم متوسط الاستعداد لوگوں کے لیے اور حصہ سوم اہلِ علم کے لیے ـــــــ پہلا اور دوسرا حصہ بہت مختصر، صرف چند اوراق کی ضخامت کا ہے۔ باقی ساری کتاب تیسرے حصے سے متعلق ہے۔ اس حصہ میں چند ابواب ہیں۔ باب اول میں فن تصوف وسلوک کے چند دقیق فنی مباحث کا بیان ہے اور یہ بیان بھی زیادہ تر عربی زبان میں ہے۔ باب دوم میں مولانا نے اپنی تصنیف کلید مثنوی کے وہ ٹکڑے (مع اشعار مثنوی) درج فرما دیے ہیں جو فن کے کسی مسئلہ کی تحقیق پر مشتمل ہیں۔ علیٰ ہذا باب سوم "عرفان حافظ" کے نام سے موسوم ہے اور اس میں بھی مولانا نے لسان الغیب حافظ شیرازی کے سینکڑوں اشعار کو اپنی عارفانہ تشریح سے سالکانِ طریقت کے لیے مشعلِ راہ بنا دیا ہے۔ چوتھا باب بہت خاص علمی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کو مولانا نے تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے، حصہ اول میں طریقت کے تمام ابواب و متعلقات کی

اصل کو حدیث وسنت سے ثابت کیا گیا ہو۔ حصۂ دوم میں دلیل کے طور پر نہیں بلکہ نکات ولطائف کے طور پر بعض احادیث سے بعض جزئیات فن کی موافقت اخذ فرمائی گئی ہو۔ حصۂ سوم کسی دوسرے بزرگ کا مختصر سا عربی رسالہ ہو جو مع ترجمہ اس غرض سے درج کیا گیا ہو کہ بہت سے صوفیانہ مضامین واذکار کی تائید کتاب اللہ کی بعض آیات سے بھی دکھا دی جائے ــــــ اس میں کلام نہیں کہ ایسے نکات ولطائف اخذ کرنے کی آیاتِ قرآنی میں گنجائش ملتی ہو، مگر جہاں تک مذکورہ رسالہ کا تعلق ہو اس میں بہت کچھ تکلف نظر آتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط

مؤلفہ جناب خورشید احمد فارق استاذ ادبیات عربی دہلی یونیورسٹی۔ شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ $\frac{20 \times 26}{8}$ (الفرقان جیسا) سائز ۲۵۶ صفحات، اعلیٰ کاغذ، عمدہ کتابت وطباعت مجلد قیمت -/۱۲

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ دس سال تک اسلامی حکومت کے فرمانروا رہے آپ کے عہدِ خلافت میں اسلامی فوجوں نے روم اور ایران کی شہنشاہیوں کے تخت الٹے اور اسلام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چھا گیا۔ اس عہدِ خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے کمانڈروں، گورنروں اور حاکموں کو مدینہ میں بیٹھ کر جو مراسلے لکھے، پیش نظر کتاب میں ایسے سوا چار سو مراسلے منتخب ماخذوں سے نکال کر تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں۔ یہ خطوط ومراسلات عمر فاروقؓ کے احساسِ ذمہ داری، بیدار مغزی، میدان جنگ کے نشیب وفراز سے واقفیت، سیاسی بصیرت، انتظامی قابلیت، اسلامی روح سے سرشاری، فتح وشکست کے ایمانی فلسفہ پر کامل یقین، اللہ پر اعتماد، مسلمانوں پر شفقت، ان کی سیرت وکردار اور ان کے دینی ذہن ومزاج کی حفاظت کی فکر کا ایک آئینہ ہیں۔

کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں خطوط کا اردو ترجمہ ہو۔ دوسرے میں اسی ترتیب سے ان خطوط کا اصل عربی متن۔ اس دوسرے حصہ میں بعض خطوط کی زبان فارسی نظر آتی ہو۔ مؤلف نے اس بارہ میں کوئی بات نہیں لکھی۔ غالباً ان خطوط کا اصل عربی متن ان کو نہیں مل سکا۔ دوسرے حصہ میں تو خطوط کا صرف اصل متن ہی ہے۔ لیکن ترجمہ والے حصہ میں متن پر اکتفا

نہیں کیا گیا ہے بلکہ تلاش و قیاس کی مدد سے خطوط کا سیاق و سباق بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ فاضل مؤلف نے ایک بہت ہی قابل قدر کام انجام دیا ہے۔ اس کام میں انھیں جس محنت اور دیدہ ریزی کے مراحل سے گزرنا ہوا ہوگا، اس کا کچھ اندازہ کتاب دیکھنے والا ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کے ذوقِ تحقیق کو اسلامی لٹریچر میں ایسے اور مفید اضافوں کا ذریعہ بنائے

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء — از جناب خورشید مصطفیٰ رضوی۔ ۶۰۵ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر۔ مجلد -/۷

۲۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام — از جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ۱۸۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر مجلد -/۳

۳۔ اُسوۂ حسنہ جلد اوّل — از جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب ۱۹۱ صفحات۔ کاغذ کتابت و طباعت بہتر مجلد -/۳

۱۔ ۱۹۵۷ء کی آمد نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی یاد دلائی تو متعدد نئی کتابیں اس موضوع پر تیار ہو گئیں۔ پیشِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ایک نوجوان اہلِ قلم کی پہلی تصنیف ہی پیش کش ہونے کے باوجود ایک منفرد مقام کی مالک ہے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ابھی سو سال پیشتر کی تاریخی داستان کے تمام پہلوؤں اور تمام اجزاء کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں اردو انگریزی کا جتنا لٹریچر مل سکتا تھا اس سے غور و فکر کے ساتھ استفادہ کیا گیا ہے۔ پھر طرزِ بیان جاندار اور دلچسپ ہے بعض مقامات پر تو مصنف کے قلم نے واقعات نگاری کو تصویر کشی کی سرحدوں سے ملا دیا ہے۔ رانا کنور سنگھ کی سپاہیانہ نقل و حرکت کے بیان میں یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ کتاب اس جنگِ آزادی کے پس منظر کو بھی تفصیل کے ساتھ سامنے لاتی اور اسی نتیجہ پر پہونچاتی ہے کہ یہ صرف فوج کی بغاوت نہیں بلکہ عوام اور ملک کے تمام طبقات کی بغاوت تھی۔

ہم رضوی صاحب کو ان کی اس قابلِ قدر کتاب پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے ایک خورد گیری پر معذرت خواہ ہیں، بعض مغل بادشاہوں اور شہزادوں کے اعمال و اطوار سے بیزاری میں ان کا قلم ابتذال کے حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آئندہ اڈیشن میں اس پر نظرِ ثانی

کر لی جائے۔

۲۔ **عروج وزوال الٰہی کا نظام** ـــــ جب سے انسان گروہوں اور قوموں قبیلوں میں بٹا، اسی وقت سے عروج وزوال نام کا ایک عنصر اس کی تاریخ میں شامل ہو گیا ہے۔ عروج و زوال کا فلسفہ کیا ہے؟ کن اسباب کے ماتحت قومیں عروج پاتی ہیں؟ اور کن اسباب کے ماتحت زوال پذیر ہو جاتی ہیں؟ یہ اجتماعیات کی ایک اہم بحث ہے جس پر مختلف نقطہائے نظر سے اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن اور حدیث میں بھی اس موضوع پر واضح اشارات ملتے ہیں۔ ان اشارات کو یکجا کر کے ضروری تشریح کے ساتھ مرتب کر لیا جائے تو اس مجموعہ کو عروج وزوال کا الٰہی نظام یا عروج وزوال کے قوانین الہیہ سے موسوم کر سکتے ہیں۔ ـــــ مولانا محمد تقی امینی صاحب نے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث میں تدبر کے ذوق سے نوازا ہے۔ اور ان کا یہ ذوق انھیں مختلف پہلوؤں سے اس تدبر میں لگا کر ایک عرصہ سے سرگرم تصنیف وتالیف کیے ہوئے ہے، اپنی اس کتاب میں قرآن وحدیث کے اسی نوع کے اشارات کو سلیقہ کے ساتھ مرتب کرنے اور ایک مکمل ومربوط نظام کی شکل میں پیش کرنے کی خدمت انجام دی ہے۔

ہم باوجود دلچسپی کے کتاب کو بہ تمام وکمال پڑھنے کی فرصت تو نہ پا سکے لیکن جستہ جستہ جو کچھ دیکھا اس کی بنیاد پر ہم سمجھتے ہیں کہ کتاب بہت قیمتی اور زیادہ سے زیادہ اشاعت دیے جانے کی مستحق ہے۔ کتاب کا ڈھانچہ علمی، لیکن زبان وبیان سادہ وعام فہم ہے۔ پھر الفاظ کم اور مغز زیادہ۔

فاضل مصنف نے سر مطلب تک آنے کے لیے چند تمہیدی مباحث سے گزرنا ناگزیر سمجھا ہے۔ ان مباحث میں آخری بحث قائدین کے اوصاف وفضائل کی ہے اس بحث کو ایک دو جگہ سے دیکھا تو کچھ الجھن ہوئی۔ ضرورتاً پوری بحث پر نظر ڈالی تو یہ اندازہ ہوا کہ اولاً تو جس مناسبت سے یہ بحث اٹھائی گئی ہے گفتگو اس مناسبت کے تابع نہیں رہی ہے اور ایک علیحدہ سی بحث معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے بعض مقامات سے اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ قارئین کہیں عام قائدین کے اختیارات کو انبیاء بلکہ خداوند قدوس کے اختیارات کے ساتھ خلط نہ کر بیٹھیں۔ اس خصوص میں اس ساتویں اصول کی تقریر قابل توجہ ہے جو صفحہ ۲۴ سے شروع ہوتا ہے۔

۲۔ **اسوۂ حسنہ** ــــــ یہ کتاب کی پہلی جلد ہو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کے مختلف النوع مصائب و آلام کو اختصار کے پیرائے میں اس التزام کے ساتھ بیان کیا گیا ہو کہ پڑھنے والے کو ہر نوع کی مصیبت و کلفت کے واقعات کے بعد اس طرف بھی متوجہ کر دیا جائے کہ اس کے لیے حیاتِ نبویؐ کے ان اوراق میں کیا سبق ہو ــــ یہ التزام جہاں کم پڑھے لکھے اور ہندی کی چندی چاہنے والے عوام کے لیے فائدہ مند ہوگا وہاں اس بات کا بھی احتمال ہو کہ اس طبقہ سے اونچی ذہنی سطح رکھنے والے لوگوں پہ یہ التزام کچھ کیا کافی بار ہو جائے! بلکہ قریب قریب یہی حال کتاب کا بعض دوسرے پہلوؤں سے بھی ہے۔ بالخصوص زبان کی عدم صحت کی بکثرت مثالیں تو اربابِ ندوۃ المصنفین سے یہ کہنے پر مجبور کرتی ہیں کہ آپ کے ہاں سے اس درجہ بے اعتنائی کے ساتھ کتابیں نہ نکلنا چاہئیں۔

"بہت گالی گلوج دیا کرتی تھیں" (ص ۶۵)

"اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر اس کو دے مارا" (ص ۶۰)

"اس وقت تک صلح نہ کیا" (ص ۱۵۲)

ندوۃ المصنفین جیسے ادارہ سے اس زبان میں کتابیں نکلنا ایک سانحہ سے کم نہیں۔

زجاجۃ المصابیح (جلد چہارم) | مولفہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ صاحب حیدرآبادی، اعلیٰ کاغذ، عمدہ کتابت و طباعت

سائز $\frac{20 \times 26}{8}$، صفحات ۴۱۴، قیمت چھ روپے

حضرت مؤلف سے "محلہ حسینی علم، جوبلی پوسٹ آفس (۲) حیدرآباد دکن کے پتہ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس کتاب کی تین جلدوں کا تعارف الفرقان میں نکل چکا ہے۔ حدیث کی مشہور و مقبول کتاب مشکوٰۃ المصابیح جو اپنی جامعیت کی وجہ سے سینکڑوں برس سے ہمارے عربی مدارس میں رائج ہے وہ فقہی ابواب میں شافعی مذہب کی نمائندگی کرتی ہے جبکہ ہمارے ہاں اس کے پڑھنے والے اکثر حنفی ہوتے ہیں مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب نے اسی صورت حال کا احساس فرما کر مشکوٰۃ ہی کے طرز پر حدیث کی ایک ایسی تالیف کا بیڑا اٹھایا جس میں ان مقامات پر احادیث کے انتخاب میں حنفی مذہب

کی رعایت پیش نظر رکھی جائے جن مقامات پر مشکوٰۃ میں شافعی مذہب کی تائید کرنے والی احادیث درج کی گئی ہیں۔ چنانچہ اس عظیم سلسلہ کی یہ چوتھی جلد چھپ کر ہمارے سامنے آچکی ہے اور پانچویں جلد پر کتاب تمام ہے۔

یہ چوتھی جلد کتاب الآداب، کتاب الرقاق اور کتاب الفتن نیز بعض احوال آخرت کے ابواب کی احادیث پر مشتمل ہے۔ حسب معمول اس جلد میں بھی احادیث پر بہت سے تشریحی نوٹ ہیں۔ جن احادیث کے ضمن میں اختلافی مباحث پیدا ہوتے ہیں وہاں اختلافات کا مختصر بیان اور کسی ایک مسلک کی ترجیح کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ متن اور حواشی سب عربی میں ہیں۔

نور المصابیح جلد اول

(ترجمہ زجاجۃ المصابیح جلد اول) از مولانا محمد منیر الدین صاحب۔ کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ بہتر، سائز ۲۰×۲۶/۸×۱ صفحات ۳۱۲ قیمت چار روپے۔ ملنے کا پتہ: مکتبہ نقشبندیہ ۱۶۰۵/۴۲۳ حسینی علم۔ بامہ گلی حیدر آباد (دکن)

یہ مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب کی زجاجۃ المصابیح جلد اول کا اردو ترجمہ ہے۔ اس جلد میں کتاب الایمان، کتاب العلم اور کتاب الطہارۃ کی احادیث درج ہوئی ہیں۔ اس ترجمہ میں اتنا اعتنا کیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر علیحدہ عنوان بھی قائم کر دیا گیا ہے۔ ترجمہ عام فہم اور سلیس ہے اور امید ہے کہ عام مسلمان اس سے کافی فائدہ اٹھا سکیں گے لیکن عوام کے لیے پوری طرح قابل استفادہ بنانے کے لیے اس اردو ایڈیشن میں تشریحی نوٹوں کے خاصے مزید اضافہ کی ضرورت تھی۔ مدارس کے طلباء کے اشکالات دور کرنے کے لیے استاذ موجود ہوتا ہے لیکن عوام کی ضرورت تو یہ ہے کہ اشکالات کا حل کتاب ہی کے اندر موجود ہو۔ اس لحاظ سے کتاب الایمان میں مزید تشریحی نوٹوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جن سے کتاب خالی ہے۔

ترجمہ عام طور پر مناسب ہی نظر آیا۔ اتفاق سے ایک جگہ قابل توجہ نظر پڑ گئی ہے۔ مناسب ہے کہ جناب مترجم کو اس کی طرف توجہ دلا دی جائے۔ ص۳۷ پر ایک جملہ ہے۔

"اے رسول خدا اس دین کی نجات کس میں ہے؟"

یہ غالباً "ما نجاۃ ھذا الامر" کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ الجھن پیدا کرے گا کہ "دین کی نجات" کیا ہوتی ہے؟ اگر یوں ترجمہ کر دیا جائے کہ "اس دین میں نجات کی کنجی کیا ہے؟" تو ترجمہ صاف اور مطلب خیز ہو جائے گا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم | سہ روزہ دعوت دہلی کا خاص نمبر، الفرقان جیسا سائز، صفحات ۲۷۲ کاغذ اخباری، کتابت و طباعت بہتر، قیمت -/۲

پتہ:- دفتر روزنامہ دعوت، محلہ کشن گنج۔ دہلی ۶

جماعت اسلامی ہند کا سابق سہ روزہ (و حال روزنامہ) "دعوت" غالباً دو سال سے ۱۲ ربیع الاول کے موقع پر سیرتِ محمدیؐ پر اپنی ایک خاص اشاعت کتابی شکل میں پیش کر رہا ہے۔ اس سال کی اشاعت "سرورِ عالم" کے نام سے پیش کی گئی ہے۔ اس میں بیس کے قریب بڑے اور چھوٹے مضامین و مقالات ہیں۔ لکھنے والوں میں مولانا مودودی۔ عباس محمود العقاد، میجر جنرل اکبر خاں وحید الدین خاں صاحب، نعیم صدیقی، پروفیسر ضیاء احمد بدایونی اور ابو محمد امام الدین رام نگری صاحب جیسے جانے پہچانے حضرات بھی ہیں۔ مضامین عموماً کام کے اور دلچسپی سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ منظومات کا بھی کچھ حصہ ہے ـــــ ایک مصروف اخباری ادارہ کی طرف سے ایسے ٹھوس اور ضخیم نمبر کی پیشکش اُس کی خوش سلیقگی اور اہلیت کا ایک کامیاب مظاہرہ ہے۔

تذکرۂ مشائخ دیوبند | از جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نہٹوری۔ کتابت، طباعت و کاغذ معمولی، صفحات ۳۶۸ مع جلد بلا گرد پوش۔ قیمت ۸/۴

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبند کے نوجوان فاضل اور حضرت مدنیؒ کے مجازین میں سے ہیں۔ چند سال اُدھر وہ انفاس قدسیہ کے نام سے اپنے شیخ حضرت مدنیؒ کا تذکرہ لکھ چکے ہیں! اب انھوں نے جماعت دیوبند کے تمام مشائخ کا یہ جامع تذکرہ مرتب کیا ہے۔ یہ تذکرہ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانویؒ کے حالات سے شروع ہوتا ہے۔ اصلاً اس میں وفات یافتہ بزرگوں کا تذکرہ ہے، ضمناً زندہ بزرگوں کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہما۔ مگر یہ ذکر ایک ایک دو دو صفحے سے زیادہ کا نہیں ہے۔ گزرے ہوئے بزرگوں کے تذکروں میں بھی کوئی بہت تفصیل نہیں ہے۔ اس لیے کہ مصنف کا مقصد ان بزرگوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی تفصیلات پیش کرنے کا نہیں ہے۔ اُن کا اصل نقطۂ نظر

ان بزرگوں کی "بزرگانہ شان" اور مقبولیت عند اللہ کا اظہار ہو تاہم تذکرہ اس نقطۂ نظر تک محدود ہوکر بھی نہیں رہ گیا ہے، بعض بزرگوں کے دیگر احوال و کمالات بھی کسی حد تک تحریر میں آگئے ہیں۔

تحریر میں اظہار عقیدت کا گہرا رنگ ہو، اور یہ بات مصنف نے بلا تکلف شروع ہی میں کہہ دی ہو کہ انھوں نے اپنے دامن عقیدت کے پھول پتیوں ہی کو گوندھ کر یہ ہار تیار کیا ہو۔ چنانچہ انھوں نے ان بزرگوں کی عظمت کا جو نشان بھی کہیں پایا ہے عقیدت کی آنکھوں سے لگا کر اس تذکرہ کا جزو بنا دیا ہے۔ خواہ وہ کسی تنقیدی نظر میں کچھ کھٹک ہی پیدا کرے۔ اور زمانہ کا مزاج اسے قبول کرنے میں پس و پیش ہی کرے۔

جن لوگوں کو جدید ذہن کی بیماری نہیں لگی ہے اور نئے ادبی مذاق کے بھی وہ اسیر نہیں ہیں۔ ایسے لوگ انشاء اللہ اس کتاب میں پوری دلچسپی محسوس کریں گے اور نفع اٹھائیں گے۔

مصنف نے حضرت مدنیؒ کے تذکرہ میں ایک جگہ لکھا ہو کہ شیخ الہندؒ کے ایک حکم پر تمام خدام نے "ٹکا سا جواب دے دیا" (ص ۲۳)

یہ تعبیر بہت نامناسب اور اصل واقعہ سے بعید محسوس ہوتی ہے۔ اچھا ہوتا کہ مصنف کو اعتدال ملحوظ رہتا۔

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی
منظور نعمانی

ہندستان پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکہ ہندستان) صہ
.. (بسکہ پاکستان) ۶ے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(فی کاپی آٹھ آنے ۸ر)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ، ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداری
سالانہ چندہ ، صہ۱۵

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ رجب ۱۳۸۰ھ مطابق جنوری سنہ ۱۹۶۱ء | شمارہ ۷

اگر دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ جنوری تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار: — اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری: — خط وکتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولیئے۔

تاریخ اشاعت: — الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے — اگر ۱۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، آکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آنی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کی۔

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۶۸ء کے آخری دو مہینوں میں مسلمانوں کی دو معروف جماعتوں کے اہم اجلاس ہوئے ہیں۔ ایک جماعتِ اسلامی ہند کا عام اجتماع دہلی میں منعقد ہوا۔ دوسرا جمعیۃ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس وسطی ہند کے مقام اُجین میں۔ ان دونوں اجلاسوں کی بعض خصوصیتیں لائقِ تذکرہ اور قابلِ تبصرہ ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں عام ملکی حالات کے ساتھ مسلمانوں کے حالات پر خصوصی طور پر تبصرہ کیا گیا اور اس ضمن میں اُن کے ملکی حقوق کی پامالی پر کڑی تنقید کی گئی۔ جمعیۃ کے لیڈر اب اس معاملہ میں جس طرح سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں اُس کا اندازہ اس اجلاس کی اس تجویز سے ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

> "مشترکہ انتخاب کا اصول جمہوری نظامِ زندگی کی بنیاد پر قبول کیا گیا تھا۔ لیکن اب جبکہ یہ اصول اقلیتوں کے حق میں ناکام ثابت ہوا ہے اور یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ اس اُصول کو کامیاب بنانے کے لیے جس فراخدلی اور جمہوری اسپرٹ کی ضرورت ہو اکثریت اس کے اظہار میں ناکام رہی ہے۔ اور اس بنا پر اقلیت میں بے اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔ ضروری ہے کہ اس اصول کے متبادل کوئی ایسی آئینی صورت پیدا کی جائے جس سے اقلیتوں میں خود اعتمادی پیدا ہو اور جمہوریت اپنی اسپرٹ کے ساتھ قائم رہے۔"

اس رزولیوشن میں اربابِ جمعیۃ کا فکر ایک اہم موڑ مڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے پس منظر

میں حقیقت پسندی کی ایک جھلک ملتی ہے۔ لیکن جس حقیقت کا احساس اس رزولیوشن میں کارفرما نظر آتا ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ ارباب اختیار سے کسی مؤثر آئینی تبدیلی کی درخواست پر اکتفا کرنے کے بجائے مسلمانوں کے اندر ایسی تبدیلی کے کسی مؤثر پروگرام کی جستجو کی جاتی جو انھیں یہ پوزیشن عطا کرے کہ ان کے حقوق کی پامالی کھیل نہ رہے۔ آئین میں کسی مؤثر تبدیلی کے لیے بھی درحقیقت اُن کی اپنی مؤثر پوزیشن کی ضرورت ہے۔ ورنہ کون سنتا ہے فغانِ درویش! اس لحاظ سے جمعیۃ کے مذکورہ اجلاس کی تقریروں اور تجویزوں میں ایک بڑا خلا اور مایوس کن کمی محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ جمعیۃ کے لیڈر اس پہلو پر غور فرمائیں ورنہ یہ سالانہ گلے شکوے اور اپنے تحفظ کے لیے ارباب اقتدار کو مناسب مشورے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے۔ تیرہ برس کے تجربے نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ مسلمان خود ہی اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل ہوں گے تو انھیں حقوق ملیں گے ورنہ دستور کے نقوش میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنی آبرو کے تحفظ پر اربابِ حکومت کو مجبور کر سکیں، نہ اربابِ حکومت میں یہ اصول پرستی اور ایمانداری ہے کہ دستور کے تقاضوں کو مصلحتوں پر مقدم رکھ سکیں۔ رہی اکثریت کی فراخدلی اور فیاضی، سو یہ وہ خواب ہے جس کی تعبیر سے اب جمعیۃ بھی مایوس ہو گئی ہے۔

جمعیۃ کے فکر کا جو ایک نیا موڑ ہمیں مذکورہ بالا رزولیوشن میں نظر آتا ہے وہ صراحت کے پیرایہ میں نہیں ہے۔ اور اس میں اتنی وضاحت بھی نہیں ہے کہ اس کا کوئی سمت رخ سمجھ کر رائے زنی کی جا سکے۔ لیکن جماعت اسلامی ہند کے اجتماع میں امیر جماعت نے جو خطبہ دیا ہے اُس میں جماعت اسلامی کی پالیسی کو بہت صاف طور پر ایک نیا موڑ دیا گیا ہے۔ جماعت اسلامی کے اس اجتماع میں چونکہ ہم کو شرکت کی دعوت بھی ملی تھی اس لیے بیجا نہ ہوگا کہ ہم اس پر کچھ اظہار خیال کریں۔

جماعت اسلامی اب تک تمام اُن سیاسی نظاموں سے جن میں خدا کا کوئی مقام نہیں ہے، طاغوت ہونے کی حیثیت سے ایک صف میں رکھ کر بیزاری کا اظہار کرتی رہی تھی، وہ ان سے کسی درجہ کے تعاون اور تعلق کو بھی عبادتِ طاغوت قرار دیتی تھی اور صرف تنقید کا تعلق ان کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ اس تازہ اجتماع کے خطبۂ صدارت میں اس بیس سالہ پالیسی کو یہ موڑ

دیا گیا ہے کہ اب جماعت ان طاغوتی نظاموں میں سے بعض کے مقابلہ میں بعض کی حمایت و تائید کرے گی ـــــ گو کہ اس کا اصل نصب العین ان سب کو ہٹا کر اسلامی نظام قائم کرنا ہی ہوگا۔

ہم جماعت اسلامی کی پالیسی کی اس تبدیلی کو حقیقت پسندی سمجھتے ہیں۔ اور شکر ہے کہ "ما غنیمت" کا وہ فلسفہ جس سے جماعت اسلامی، اسلامی ذہن کے منافی سمجھ کر چڑھتی رہی تھی، بیس سال کے تجربہ کے بعد اس کی سمجھ میں آگیا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کو اس حمایت و تائید کے حدود بھی ذرا واضح کر دینے چاہئیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جماعت اسلامی آمریت اور ملوکیت کے مقابلہ میں اب جمہوریت کی حمایت کس حد تک جائز سمجھنے لگی ہے۔ اور اس کے اور ان لوگوں کے درمیان ذہن و فکر کے اختلافات کا کتنا فاصلہ کم ہوا ہے۔ جو اسلامی نظام ہی کو نظام حق سمجھنے کے باوجود ضرورت اور ما غنیمت کے نظریہ کے ماتحت غیر اسلامی نظام ہائے ریاست میں سے ایک کے مقابلہ میں ایک کو اپنے اور دوسروں کے ووٹ کی تائید بہم پہونچانے کے قائل ہیں؟

ہو سکتا ہے کہ جماعت اسلامی نے صرف زبان و قلم کی حد تک اور وہ بھی صرف اصولی سطح پر تائید و حمایت کا فیصلہ کیا ہو۔ لیکن اس صورت میں یہ سوال ابھی سے سامنے رکھ لینا بہتر ہوگا کہ جماعت اگر اپنے ارکان اور عام مسلمانوں کو کسی بھی غیر اسلامی نظام کے ماتحت حکومت سازی کے لیے ووٹ دینے کو حرام قرار دیتی رہی تو اس کی تائید و حمایت کا حاصل کیا ہوگا؟

اعلان

۱۔ الفرقان کا گذشتہ شمارہ (بابت نومبر دسمبر) بالکل ختم ہو گیا ہے۔

۲۔ اس شمارہ میں دینی تعلیمی تحریک سے متعلق جو چند مضامین تھے وہ دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے علیحدہ کتابی شکل میں طبع کرا لیے گئے ہیں۔ قیمت فی کاپی ۵ نئے پیسے ہے۔ یہ کتابچہ دفتر الفرقان سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔

(منیجر)

معارف الحدیث

نماز کے اوقات:-

نماز سے جو اصلی مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیے جاتے۔ لیکن چونکہ حکمت الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہِ خداوندی میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو۔ پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے ——— پورے آدھے دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی۔ اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہرحال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر ادا کی جائے۔ تاکہ غفلت یا بارگاہ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو۔ پھر شام کے آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں

کے لیے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے ربِّ قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں ——— پھر دن کے ختم پر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں ——— اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں ——— اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی۔ اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت میں بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مومن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا، اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکر مند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے۔ اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ کافی طویل ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، غالباً اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں۔ تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان میں بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہو کہ اللہ کے بندے آدھی رات گذرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا ——— چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی ارشادات انشاء اللہ

اپنے موقع پر آئیں گے۔ یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں ـــ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اِنَّہٗ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مَا لَمْ یَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الظُّہْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَیَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ　　رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور اُفق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے۔ اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے، اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم

ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو"۔۔۔۔۔ اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں۔ اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی سی رہتی ہے[۱]، اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی سی رہتی ہے[۲]، پھر وہ سفیدی بھی ختم ہو جاتی ہے اور سیاہی آ جاتی ہے۔۔۔۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے، اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آ جاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب غربی اُفق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے، اور سیاہی آ جائے، اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کے قول کے مطابق بھی منقول ہے، اور (وہی) اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے، اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے۔ اس لیے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے اُن کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ

۱؎ یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہے۔ ۲؎ یہ سفیدی اکثر موسموں میں قریباً آدھے گھنٹہ تک رہتی ہے۔

فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِي أَمَرَهُ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِي كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ ــــــــــــ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(ترجمہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپ نے بلال کو حکم دیا اور انھوں نے اذان دی، پھر آپ نے اُن سے فرمایا تو انھوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی) پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے (قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں پڑا تھا جو شام کو ہو جاتا ہے) پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی) پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی)

پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کرکے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپ کے حسب حکم انھوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کرکے ظہر اُس دن بالکل آخری وقت میں پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ موخر ہونے پر پڑھی اور مغرب کی نماز آپ نے شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشا تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت میں (یعنی دن کا اُجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں، جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اُس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ آپ نے اُن سے فرمایا، تمھاری نمازوں کا وقت اُس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔　(صحیح مسلم)

(تشریح) ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کرکے دکھا دیا جائے، اس لیے آپ نے ان سے فرمایا کہ دو دن ہمارے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت پڑھی اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک موخر کرکے پڑھی اور اُن سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول و آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نمازیں پڑھتا دیکھا۔

(١٤) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ. وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ

حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِائَةِ ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) سیّار بن سلامہ سے روایت ہو کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے اُن سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انھوں نے فرمایا کہ آپ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نمازِ اولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا .... تو ایسے وقت پہونچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا۔ (یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی۔ وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا، ــــ آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں) اور میں یہ بھول گیا کہ حضور کی مغرب کی نماز کے بارہ میں انھوں نے کیا بتایا تھا۔ (آگے ابوبرزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ) اور عشاء جسے تم لوگ عَتَمہ کہتے ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کرکے پڑھنا پسند فرماتے تھے اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اُجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا۔ اور آپ (فجر کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے راوی سیّار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا، دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپ نے مغرب کی نماز تاخیر کرکے پڑھی ہے۔

(۱۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ

عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ صَلوٰۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یُصَلِّی الظُّھْرَ بِالْھَاجِرَۃِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَیَّۃٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ اِذَا کَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انھوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارہ میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تھے تو موخر کرکے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمیؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا، جب گرمی سخت پڑتی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپنے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلوٰۃِ وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔ (رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کرکے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۱۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتشِ دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ" کا لفظ ہے اگرچہ مراد اُس سے بھی ظہر ہی ہے)

(تشریح) دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنھیں ہم خود بھی جانتے اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں، جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتشِ دوزخ کے جوش سے ہے"۔ یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالمِ باطن، اور عالمِ غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ـــ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ انہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور انہیں ٹھاٹھ سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے اور اسکو اُس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی و ٹھنڈک رحمتِ خداوندی کی لہر ہے اسلیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تجلیاتِ مجددؒ الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(تلخیص و ترجمہ ——— از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۲۶۰) اپنے فرزند میاں شیخ محمد صادق سرہندیؒ کے نام ـــ

(درمیانی حصہ)

.... اے فرزند! سنو کہ انبیاء علیہم السلام نے دعوت کو "عالمِ خلق" تک محدود رکھا ہے (چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے) بُنِیَ الاسلامُ علیٰ خمسٍ (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے) اور چونکہ قلب کو عالمِ خلق سے مناسبت زیادہ تھی اسلئے انبیاء نے تصدیقِ قلب کی بھی دعوت دی ہے اور "ماوراء قلب" کے متعلق انھوں نے (بصراحت) کلام نہیں فرمایا اور اسکو معمولی شے قرار دے کر مقاصد سے شمار نہیں کیا ـــ "تنعماتِ بہشت"، "آلامِ دوزخ"، "دولتِ دیدار" اور "محرومی دولتِ دیدار"، یہ سب چیزیں عالمِ خلق سے وابستہ ہیں "عالمِ امر" کو ان سے تعلق نہیں ہے جو عمل، فرض، واجب اور سنت ہے اسکی ادائیگی بھی جسم سے تعلق رکھتی ہے اور جسم عالمِ خلق سے ہے اور جو عمل، "نصیب[1] عالمِ امر" ہے وہ اعمالِ نافلہ سے ہے ـــ وہ قُرب جو ان اعمالِ فرض و نفل کا ثمرہ ہے ـــ مطابقِ اعمال ہوگا ـــ پس وہ قُرب جو ادائے فرائض کا ثمرہ ہے نصیبِ عالمِ خلق ہوگا اور وہ قرب جو ثمرۂ اداءِ نوافل ہے نصیبِ عالمِ امر ہوگا ـــ اور اس میں شک نہیں کہ نفل کی فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے کاش کہ دریائے محیط کے مقابلے میں

---

[1] حصّہ

قطرے کی نسبت ہی ہوتی (وہ بھی نہیں ہے) بلکہ نفل کی تو سنت کے مقابلے میں بھی دریا اور قطرے والی نسبت ہے اور خود سنت و فرض کے درمیان بھی نسبت قطرہ و دریا ہے ـــــ اس سے قرب عالم خلق اور قرب عالم امر کے درمیانی فرق کو معلوم کیا جا سکتا ہے اور عالم خلق کی فضیلت، عالم امر پر اسی فرق سے جانی جا سکتی ہے ـــــ اکثر لوگ چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے فرائض کو خراب و خستہ کر کے نوافل کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں ـــــ "صوفیائے خام" (فقط) ذکر و فکر کو شدید ترین ضروریات سے جان کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں اور چلہ کشی و ریاضت کو اختیار کر کے جمعہ و جماعت کو ترک کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض نماز جماعت سے ادا کرنا اُن کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے ـــــ ہاں "ذکر و فکر" آداب شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر کرنا ضرور بہتر اور مہتم بالشان شے ہے ـــــ علماء نا عاقبت اندیش بھی ترویج نوافل میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کر ڈالتے ہیں........ وہ ادائے فرائض میں سُستی کرتے ہیں بہت کم ایسے ہوں گے جو فرائض کو وقت مستحب میں ادا کرتے ہوں ـــــ وہ تو اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور تکثیر جماعت کا بھی چنداں اہتمام نہیں کرتے ـــــ جماعت میں ایک آدمی یا دو آدمیوں پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا ہی پڑھ لیتے ہیں ـــــ جب "مقتدایانِ اسلام" یہ معاملہ کریں گے تو عوام کا کیا ٹھکانہ ہے ـــــ اس قسم کی حرکات سے اسلام میں ضعف آرہا ہے اور اس کردار کی ظلمت سے خواہشات و بدعات کا ظہور ہو رہا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

علاوہ ازیں اداءِ نوافل سے "قُربِ ظل" میسر ہوتا ہے اور ادا ءِ فرائض سے ایسا قُربِ اصل ملتا ہے جس میں "شائبۂ ظلّیت" نہیں ـــــ البتہ جو نوافل برائے تکمیل فرائض ادا کئے جاتے ہیں وہ قربِ اصل کے معاون اور ملحقات فرائض سے ہیں ـــــ (خلاصۂ کلام یہ ہے کہ) اداءِ فرائض مناسب عالم خلق ہے جس کا رُخ "اصل" کی طرف ہے اور اداءِ نوافل، مناسب عالم امر ہے جس کا چہرہ ظل کی طرف ہے ـــــ

ہر چند تمام فرائض قربِ اصل کا فائدہ دیتے ہیں، لیکن ان میں افضل و اکمل نماز ہے ـــــ

نماز، مومن کے لئے ذریعہ ترقی ہے اور اس کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ نماز کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے .... نماز، سیئات کو دور کرتی ہے۔ نماز فحش اور بے حیائی سے منع کرتی ہے نماز وہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت اس میں تلاش فرماتے ہیں، نماز کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) دین کا ستون قرار دیا ہے ـــــ نماز (از روئے ارشاد رسولؐ) کفر و اسلام میں فرق کرنے والی شے ہے .... نور سنت کو ظلمات بدعت نے (اس وقت) مستور کر رکھا ہے اور "رونق ملت مصطفویہ" کو "کدورات امور محدثہ" نے ضائع کر دیا ہے ـــــ تعجب کی بات یہ ہے کہ (مسلمانوں کی) ایک جماعت ان بدعات کو امور مستحسنہ میں سے سمجھتی اور حسنات شمار کرتی ہے نیز تکمیل دین ان بدعات کے ذریعے ڈھونڈھ رہی ہے اور ان امور بدعت کو ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے ـــــ اس جماعت کو شاید معلوم نہیں کہ دین تو ان بدعات کے ظہور سے پہلے ہی کامل ہو چکا نعمت خداوندی تمام ہو چکی اور دین اسلام کو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:- اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ـــــ (میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا، تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین) پس کمال دین ان بدعات میں تلاش کرنا فی الحقیقۃ آیت مذکورہ کے مقتضیٰ کا انکار کرنا ہے۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ذیہ بھی واضح رہے کہ علماء مجتہدین نے فقط احکام دین کا اظہار فرمایا ہے نہ کہ ان باتوں کا اختراع جو دین میں نہیں ہیں ـــــ پس احکام اجتہادیہ، امور بدعت میں سے نہ ہوں گے بلکہ اصول دین میں سے ہوں گے اسلئے کہ "قیاس" اصل چہارم ہے۔[۵]

---

[۵] بنیاد ـــــ احکام شرعیہ کی چار بنیادیں ہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس و اجتہاد

مکتوب (۲۶۱) ـــــ میر محمد نعمانؒ کے نام

(فضائل نماز اور اُسکے کمالاتِ مخصوصہ کے بیان میں)

بعد الحمد و الصّلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــــ عزیز مکرم کو واضح ہو کہ دین کے ارکانِ پنجگانہ میں سے نماز، رکنِ دوم اور جامع عبادات ہے ـــــ نماز ایسا جزو ہے جو اپنی جامعیت کی بنا پر حکمِ کل رکھتا ہے ـــــ نماز تمام ایسے اعمال پر فوقیت رکھتی ہے جو حق تعالیٰ سے قریب کرنے والے ہیں ـــ وہ دولتِ دیدار جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں بہشت کے اندر حاصل ہوئی تھی دنیا میں واپس آنے کے بعد وہ دولت اس عالم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں میسر ہوتی تھی .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ نماز میں اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے ـــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین کو نماز میں اس جہان کے اندر اس دولت سے حظِّ وافر اور نصیب کامل، حاصل ہوتا ہے ـــ اگرچہ دیدار حاصل نہ ہو اس لئے کہ یہ جہان دیدارِ خداوندی کے لائق نہیں ہے ـــ نماز، "لذت بخشِ غمگساران" ہے ـــ نماز، "راحتِ دہ بیماران" ہے ـــ اَرِحنی یا بلال (اے بلال! اذان کہہ کر میری راحت کا سامان کر دو ـ حدیث) اسی نماز کا ایک رمز ہے ـــ اور قُرَّۃُ عینی فی الصلوٰۃ اسی مجسم آرزو (نماز) کی طرف ایک اشارہ ہے ـــ

اذواق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار و الوان، بیقراریاں اور تسلیاں، تجلیات باکیف اور تجلیات بے کیف، ظہورات گوناگوں اور ظہورات بے رنگ جو کچھ بھی بیرون نماز میسر آتے ہیں اور حقیقت نماز کی آگاہی کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں ان کی حقیقت سایے سے زیادہ نہیں ہے بلکہ وہ وہم و خیال کی پیداوار ہیں ـــ

وہ نمازی جو حقیقتِ نماز سے آگاہ ہے وقتِ ادائے نماز گویا اس جہان سے باہر ہو کر عالمِ اُخروی میں داخل ہو جاتا ہے ـــ یقیناً وہ اس وقت میں اس دولت سے حصّہ حاصل کر لیتا ہے جو آخرت کے لئے مخصوص ہے اور "اصل" سے "بے شائبۂ ظلیت" بہرہ مند ہو جاتا ہے ـــ اس لئے کہ دنیا کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو بیرونِ ظل ہے آخرت کے ساتھ خاص ہے .... یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تابعداری میں .... اس کمال سے

مشرف اور اس سعادت سے سعادت مند ہوئی ـــــ اے اللہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرما جس کے وہ مستحق ہیں اور وہ جزا عطا فرما جو ہر نبی کی جزا سے جو اس کو اپنی امت کی طرف سے ملے ـــــ بہتر ہو ـــــ اور تمام انبیاء کو جزائے خیر عطا فرما اس لئے کہ انبیاء سب کے سب اللہ کی مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور اللہ کی لقاء کی جانب رہنمائی کرنے والے ہیں ـــــ صوفیاء کی جس جماعت کو حقیقت نماز سے آگاہ نہیں کیا گیا اور نماز کے کمالات مخصوصہ سے اطلاع نہیں بخشی گئی، انھوں نے اپنے امراض کا علاج نماز کے علاوہ دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کے حصول کو دوسری اشیاء کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

مکتوب (۲۲۳) ـــ تاج العارفین[1] شیخ تاج الدین سنبھلیؒ کے نام ـــــ

(در بیان معارف متعلق بہ کعبۂ معظمہ و فضائل صلوٰۃ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ آپ کے قدوم مسرت لزوم" کی خبر نے "محبان مشتاق" کو فرحت فراواں بخشی ـــــ الحمد للہ۔

انصاف بدہ اے فلک مینا فام   تا زیں دو کدام خوبتر کرد خرام؟

خورشید جہاں تاب تو از جانب مشرق   یا ماہ جہاں گرد من از جانب شام؟

(اے فلک نیلگوں انصاف سے کہنا کہ تیرے مہر جہاں تاب کا خرام، جانب شرق سے بجانب غرب، خوبتر ہے یا میرے ماہ جہاں گرد (شیخ تاج الدین) کا خرام جانب شام سے بجانب ہندوستان بہتر ہے۔)

جب آپ ہندوستان تشریف لے آئے ہیں تو جلد (ہمارے پاس بھی) تشریف لے آئیں ہم آپ کی آمد کے مشتاق و منتظر ہیں اور (آپ کی زبانی) بیت اللہ شریف کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

---

[1] تاج العارفین شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی سنبھلیؒ مہاجر مکہ ـــ شہر سنبھل ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ بعد تحصیل علم حضرت خواجہ اللہ بخش گڈھ مکتیسریؒ سے بیعت ہوئے، اور مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے ـــ بعد وفات حضرت گڈھ مکتیسریؒ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت اقدس میں لاہور پہونچے اور ان کے یہاں سلسلہ نقشبندیہ (باقی ص ۱۹ پر)

فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ رّبانی کی صورت ظاہر تمام خلائق (بشر و ملک) کی صورتوں کے لئے مسجود الیہا ہے (یعنی صورتِ کعبہ کو تمام مخلوقات اپنے سجدے کی سمت بحسب ظاہر بناتی ہے) اسی طرح کعبہ شریف کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کی حقیقت کا مسجود الیہا ہے ــــــ یقیناً حقیقت کعبہ تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور حقیقتِ کعبہ کے کمالاتِ متعلقہ تمام حقائق کے کمالاتِ متعلقہ سے فائق ہیں۔ گویا کہ حقیقتِ کعبہ، حقائق کائنات اور حقائق الٰہی کے درمیان، برزخی حالت رکھتی ہے ــــ حقائق الٰہی سے میری مراد پردہ ہائے عظمت و کبریائی ہیں کیونکہ کوئی رنگ و کیف، حق سبحانہ کے "دامان قدس" تک نہیں پہونچتا اور کوئی ظلّیت اس تک راستہ نہیں پاتی ــــــ عروجات و ظہوراتِ دُنیوی کی انتہا بس حقائق کائنات تک ہے ــــ حقائق الٰہی سے کوئی حصہ ملنا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، مگر نماز میں کہ وہ معراج مومن ہے اور اس میں (وقتی طور پر) گویا دُنیا سے آخرت میں چلا جانا ہوتا ہے، آخرت میں جو نصیب ہوگا اس کا کچھ حصہ نماز میں میسر ہو جاتا ہے ــــ میں سمجھتا ہوں کہ اس دولت کے حصول میں عمدہ شے نمازی کا نماز میں جہتِ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے ــــ کیونکہ جہتِ کعبہ "ظہوراتِ حقائقِ الٰہی" کا مقام ہے ــــ پس کعبۂ دنیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) کا سلوک طے کیا بالآخر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بھی خلافت حاصل کی، آپ مسلسل دس سال تک حضرت خواجہ دہلویؒ کی خدمت میں رہے۔ سنہ ١٠١٢ھ میں حضرت دہلویؒ کا وصال ہوا۔ تو آپ انتہائی غمگین ہوئے اور سیاحت کی طرف متوجہ ہو گئے، بلادِ ہند کے علاوہ، عراق اور عرب وغیرہ کی سیاحت کی، آخر میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے، بصرہ، یمن، احسا، نجد اور حجاز میں آپنے طریقہ نقشبندیہ کو پھیلایا۔ ابن فضل اللہ محبی نے خلاصۃ الاثر میں آپ کا ذکر کیا ہے اور ان اکابر کے اسماء لکھے ہیں جنھوں نے آپ سے فیض اٹھایا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے متعدد مقامات پر آپ کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اہل مکہ کی زبانی آپکے فضائل کا ذکر کرتا ہے۔ ۱۳ جمادی الاولی [illegible]ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ ۱۴ جمادی الاولی کو حرم شریف کے نزدیک اپنی رباط میں جو غالباً کوہِ قیقعان پر تھی مدفون ہوئے ــــ احقر کا ایک مفصل مقالہ جو آپ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے غالباً [illegible]ھ میں الفرقان کے کسی نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا مقالہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اُردو) لاہور میں شائع ہوا ہے جس میں آپ کے حالات اور اہم واقعات درج کر دیے ہیں۔

میں عجیب ترین جگہ ہے ۔ بظاہر دنیا سے ہے اور حقیقت میں آخرت سے تعلق رکھتا ہے ۔ نماز نے بھی کعبہ کے تعلق سے یہی حیثیت پیدا کرلی ہے ___ نماز بھی صورت و حقیقت میں جامع دنیا و آخرت ہوگئی ہو۔ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ گیا ہے کہ جو حالت ادائے نماز کے وقت میسر ہوتی ہے وہ ان تمام حالات سے اونچی ہے جو بیرونِ نماز حاصل ہوتے ہیں ___ اس لئے کہ بیرونِ نماز والے حالات "دائرۂ ظل" سے باہر نہیں نکلتے ہرچند کہ وہ حالات، بلند ہوں ___ اور نماز والی کیفیت و حالت "اصل" سے حصہ رکھتی ہے اور جس قدر فرق، ظل و اصل میں ہے اسی قدر فرق، بیرونِ نماز والی حالت اور اندرونِ نماز والی حالت میں سمجھنا چاہئے ___ اس فقیر کو دکھایا گیا ہے کہ جو حالت، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بوقت موت ظاہر ہوگی وہ حالتِ نماز سے بھی اونچی ہوگی اس لئے کہ موت، احوالِ آخرت کے مقدمات میں سے ہے اور جو چیز آخرت سے قریب ہے وہ اتم و اکمل ہے اسلئے کہ دنیا میں ظہورِ صورت ہے اور آخرت میں ظہورِ حقیقت ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے ___ ایسی ہی وہ حالت جو بکرم الٰہی "برزخ صغریٰ" (قبر) میں میسر ہوگی وہ اس حالت سے بڑھ کر ہوگی جو بوقت موت ہوتی ہے یہی نسبت "برزخ کبریٰ" (قیامت) برزخ صغریٰ سے رکھتی ہے اس لئے کہ برزخ کبریٰ کا "مشہود" اتم و اکمل ہے ___ اور جنت کے مشہود، برزخ کبریٰ کے مشہود کی بہ نسبت، اتمیت اور اکملیت رکھتے ہیں .... دنیا ظہور کا محل بالکل نہیں ہے ___ دنیا کے ساتھ جو "ظہوراتِ ظلال" اور "نمودارِ مثال" مخصوص ہیں وہ فقیر کے نزدیک امورِ دنیویہ میں سے ہیں اور فی الحقیقت داخلِ دائرۂ امکان ہیں ___ ان ظہورات دنیا کا کچھ بھی نام رکھ لیں خواہ تجلیاتِ صفات، خواہ تجلیاتِ ذات، اللہ تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے ___ فقیر جب دنیا پر نظر کرتا ہے تو تمام محض خالی پاتا ہے، خوشبوئے مطلوب اس مقام سے مشامِ جاں میں نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ یہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے ___ یہاں مطلوب کو ڈھونڈھنا اپنے آپ کو پریشان کرنا ہے یا غیر مطلوب کو مطلوب سمجھ بیٹھنا ہے ___ چنانچہ اکثر لوگ اسی (دھوکے) میں گرفتار ہیں اور خواب و خیال سے تسلی پا رہے ہیں ___ بلا شک نماز ___ دنیا میں ایسی شے ہے جو اصل کی خبر دے رہی ہے اور خوشبوئے مطلوب بہم پہونچاتی ہے ......

....

مکتوب (۲۶۵) ــــــ شیخ عبد الہادی بدایونی[1] کے نام ــــ

(بیان حقوق)

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــ تمہارا مکتوب مرغوب پہونچا بہت خوشی ہوئی ـــ اللہ کا شکر ہے کہ ایام مفارقت کی درازی نے محبت واخلاص پر کوئی اثر نہیں ڈالا (محبت واخلاص بدستور سابق ہے) اسکے باوجود بھی اگر یہاں (سرہند) آجاؤ تو زیادہ مناسب ہے ـــ لیکن اللہ جو کرے اس میں خیر ہے ـــــ تم نے آرزوئے گوشہ نشینی ظاہر کی ہے۔ اچھی بات ہے ـــ مگر یہ ملحوظ رہے کہ "حقوق مسلمانان" ہاتھ سے نہ جانے پائیں ـــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ـــ حق المسلم علی المسلم خمس، رد السلام وعیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس ـــ [ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حق بھی ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت کو قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کے الحمدللہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا]

دعوت کے قبول کرنے کی چند شرائط ہیں جو احیاء العلوم میں مرقوم ہیں اور وہ یہ ہیں ـــــ اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے جس میں شبہے کا کھانا ہو یا دعوت کی جگہ یا وہاں کا فرش غیر حلال ہو یا اس جگہ کوئی خلاف شریعت چیز ہو مثلاً ریشمی فرش ہے یا چاندی کے برتن ہیں یا کسی جاندار کی تصویر چھت پر

---

[1] آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ ہیں۔ آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ان مریدوں میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی بحکم حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے سپرد تھی، حضرت مجددؒ نے اپنے پیر و مرشد کو جو مکاتیب تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا بھی ذکر ہے۔ مدت تک حضرت مجددؒ کی خدمت بابرکت میں رہنے کے بعد تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز ہوئے، آپ حضرت مجددؒ کے قدیم خلفاء میں سے ہیں ـــ آپ کا وصال ۹ رشعبان المعظم ۱۰۴۰ھ کو بدایوں میں ہوا، وہاں پر مزار شریف خرم شاہ کے تکیے میں ہے۔

[زبدۃ المقامات، تذکرۃ الواصلین مولفہ بسمل صدیقی بدایونی، آثار اولیائے شہر بدایوں مولفہ سید منظور علی بدایونی۔

یا دیوار پر لگی ہوئی ہے یا مزامیر بجائے جا رہے ہیں یا کسی لہو ولعب اور مذاق میں لوگ مشغول ہیں یا غیبت چغل خوری، جھوٹ اور بہتان اور دیگر خرافات ہو رہے ہیں ــــــ یہ سب امور وہ ہیں جو دعوت قبول کرنے کو منع کرتے ہیں اور دعوت کے استحباب کے مانع نیز موجب تحریم وکراہت ہیں اسی طرح جب کہ دعوت کرنے والا ظالم، بدعتی، یا فاسق یا شریر یا بیجا تکلف اور فخر ومباہات کرنے والا ہو ــــــ

شرعۃ الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کو قبول نہ کیا جائے جو دکھاوے اور ریا کے لئے تیار کیا گیا ہو ــــــ محیط میں ہے کہ ایسے دسترخوان پر بیٹھنا جائز نہیں جس پر لہو ولعب اور گانا بجانا ہو رہا ہو یا ایسی قوم بیٹھی ہو جو غیبت کر رہی ہے یا شراب پی رہی ہے ــــــ مطالب المومنین میں لکھا ہے کہ اگر یہ مذکورہ رکاوٹیں نہ ہوں تو دعوت کو قبول کر لینا چاہیئے ــــــ اگرچہ اس زمانے میں ان رکاوٹوں کا مفقود ہونا دشوار ہے ــــــ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عزلت وگوشہ نشینی اغیار سے ہوا کرتی ہے نہ کہ دوستوں سے

ع ـ عزلت از اغیار باید نے ز یار

...... عیادت مریض سنت ہے اگر اس مریض کی کوئی شخص خبرگیری اور تیمار داری کر رہا ہو ــــــ اور اگر کوئی اس مریض کا خبرگیر وتیماردار نہیں ہے تو پھر اسکی عیادت واجب ہے ــــــ چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں (مرقاۃ کے حوالے سے) یوں لکھا ہے ــــــ نماز جنازہ میں حاضر ہونا چاہیئے اور کم از کم چند قدم ہی جنازے کے پیچھے چلنا چاہیئے کہ حق میت (کچھ نہ کچھ) ادا ہو جائے ــــــ اور جمعہ وجماعت پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے اسکے بغیر چارہ کار نہیں۔ باقی اوقات کو "تبتل وانقطاع" (گوشہ عزلت) میں (ہی) چاہیے تو گزاریں ــــــ لیکن سب سے پہلے تصحیح نیت کر لیں، گوشہ نشینی کو کسی غرض دنیاوی کے لئے اختیار نہ کریں ذکر الٰہی کے ذریعے جمعیت باطن حاصل کرنے اور لاطائل باتوں سے بچنے کے علاوہ گوشہ نشینی کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ تصحیح نیت کرنے میں خوب اچھی طرح احتیاط سے کام لیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غرض نفسانی گوشہ نشینی کے ضمن میں پوشیدہ ہو ــــــ تصحیح نیت کے سلسلے میں اللہ تعالے سے التجا اور تضرع وزاری بہت کچھ کریں اور عجز وانکسار کو بھی عمل میں لائیں شاید کہ حقیقت نیت میسر ہو جائے ...... باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

اقامتِ دین اور اسوۂ انبیاء علیہم السلام

(مولانا امین احسن اصلاحی)

[مولانا اصلاحی کا یہ مضمون موصوف کے موقر ماہنامے میثاق سے نقل کیا جا رہا ہے۔ اس میں مولانا نے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ اقامت دین کا کام سیاسی اقتدار کی جد و جہد کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے یا نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اہل سیاست کے مزاج اور طریق کار میں کیا فرق ہے۔ یہ مضمون اس اعتبار سے ایک خاص وزن رکھتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس حقیقت کو تجربات کے میدان میں سمجھا ہے۔ ہم نے اس مضمون کے دو ایسے پیرے حذف کر دئے ہیں جن میں مقالہ نگار کے اپنے ماحول کی طرف کچھ مخصوص اشارات پائے جاتے تھے۔ لیکن اس سے مضمون کا نہ کوئی اصل جزء کم ہوا ہے، نہ اسکے تسلسل پر کوئی اثر پڑا ہے۔ ادارہ]

سب سے پہلی چیز جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریقہ کار کو دوسروں سے اور ان کے طریقہ کار سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء جن باتوں کے داعی بن کر اٹھتے ہیں ان کے سب سے بڑے عملی مظہر وہ خود ہوتے ہیں۔ وہ جن نیکیوں کے مبلغ ہوتے ہیں اگر دوسروں سے ان پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود ان پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں، اسی طرح جن برائیوں سے وہ لوگ کو بچنے کی تلقین کرتے ہیں، انکے بارے میں وہ دوسروں سے اگر صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے احتراز کریں تو اپنے لئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی پرچھائیں بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ برعکس اسکے اہل سیاست کا عام طریقہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بقول یہ ہوتا ہے کہ جس بوجھ کے اٹھانے میں وہ اپنی انگلی کا بھی سہارا نہیں دینا چاہتے اسکو وہ پورا کا پورا دوسروں کی کمر پر لاد دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے علمائے یہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم دوسروں کو تو نیکی کا درس دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔" اسی طرح اہل سیاست جن باتوں سے خود کوسوں دور رہتے ہیں ان کی منادی وہ اپنی ہر تحریر اور ہر تقریر میں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ اپنے قول ہی کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور محض زبان کے پھاگ سے وہ ثمرات و نتائج

حاصل کرنا چاہتے ہیں جو نتائج خون اور پسینہ ایک کر دینے سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کے لئے آدمی کو اپنے ایک ایک بُن مو کو گواہ بنانا پڑتا ہے، آپ اگر ایمانداری سے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے تو ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہماری قوم کو ایک مدت دراز سے ایسے ہی طبیبوں سے سابقہ ہے جو سو مریضوں کے مریض ہونے کے باوجود قوم کے علاج کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جو اپنی آنکھوں میں بڑے بڑے شہتیر چھپائے رکھنے کے باوجود دوسروں کی آنکھوں کے تنکے تلاش کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ـــــــ ایسے طبیبوں کی سعی علاج کا جو نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے وہ معلوم ہے۔

دوسری چیز جو حضرات انبیاء کے طریقہ کو دوسروں کے طریقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء سیاسی اقتدار کے حصول پر اصلاح معاشرہ کے کام کو منحصر نہیں قرار دیتے بلکہ معاشرہ کی اصلاح کو نظام سیاسی کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار میں اصل اہمیت جس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ اور اعمال و اخلاق تبدیل ہوں اور برائی سے لڑنے اور بھلائی کو قائم کرنے کے لئے ان کے ضمیر پوری طرح بیدار ہو جائیں۔ یہ بیداری پیدا کرنے کے لئے وہ جد وجہد کرتے ہیں اور یہ جد وجہد وہ مسلسل جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظاہر ہو کر رہتی ہے یا تو اللہ تعالےٰ نے ان کی کوششوں سے ایک صالح معاشرہ کھڑا کر دیا ہے اور اس معاشرہ کے ہاتھوں ایک صالح نظام قائم ہو گیا ہے یا اسی مقدس کام میں ان کی زندگیاں ختم ہو گئی ہیں اور چند نفوس کے سوا کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ حضرات انبیاء کی زندگیوں میں ان دونوں ہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں اور اس دوسری چیز کی مثالیں کم نہیں بلکہ پہلی چیز کے مقابل میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہیں لیکن کسی ایک نبی کی زندگی میں بھی اس بات کی مثال نہیں ملتی کہ اس نے معاشرہ کی اصلاح کو نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس مقصد کے لئے دعوت شروع کر دی ہو کہ پہلے جس طرح بنے اقتدار پر قبضہ کر لو اور پھر اس اقتدار کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بناؤ۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام کا قیام معاشرہ کی اصلاح ہی پر منحصر ہے

اور اسکے لئے اہل سیاست کے سے طریقے نہیں اختیار کئے جاسکتے تو پھر یہ بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ انکے خیال میں یہ طریقہ کار اتنی طویل مدت چاہتا ہے کہ جب تک معاشرہ کی اصلاح ہوگی اس وقت تک جو خرابیاں آج پائی جاتی ہیں موجودہ نظام کے زیر سایہ پرورش پاکر منھ بھر ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آج اگر اسلام کا نام لینے کا موقع ہے تو کل یہ نام لینے کا بھی امکان نہیں باقی رہے گا۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے لیکن ہمارے خیال میں اس میں کئی مغالطے چھپے ہوئے ہیں۔

اس میں پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ایک صحیح کام صحیح طریقہ پر کرنے میں بہت دیر لگنے کا اندیشہ ہے تو اسکی تلافی کا یہ کونسا دانشمندانہ طریقہ ہے کہ ایک غلط کام بالکل غلط طریقہ ہی پر کر ڈالا جائے۔ غلط کام بہرحال غلط ہے، وہ اس وجہ سے صحیح نہیں بن جائے گا کہ وہ جلدی سے انجام پا جاتا ہے۔ ہر کام کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوتا ہے جب اسکو اسکے مخصوص ڈھب پر انجام دیا جائے۔ اگرچہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ بعض لوگ زبان کے پھاگ اور عمل کے جہاد میں اثرات و نتائج کے لحاظ سے جو فرق ہے اس کو نہیں سمجھتے۔ اگر اسلامی نظام کا دعویٰ محض زبان اور قلم پر ہو، عملی زندگی اسلام کے حقیقی رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہو تو اسلامی نظام تا قیامت قائم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ہی کیوں نہ ہو جائے۔ سیاسی اقتدار دنیا میں اسلام کے بہت سے مدعیوں کو حاصل ہوا لیکن اسلام کے لئے وہ اگر کچھ مفید ہوا تو اسی شکل میں ہوا جب اقتدار والوں کی عملی زندگیوں میں اسلام کا کچھ اثر رہا۔ برخلاف اسکے ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے اشخاص دیکھے ہیں جنھوں نے چند سالوں کے اندر اندر معاشرہ کے معاشرہ کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالا اور ملکوں اور قوموں کی قسمتیں بدل دیں حالانکہ جب انھوں نے یہ کام کئے ان کو سیاسی اقتدار حاصل نہیں تھا۔ اگر ان کو کوئی چیز حاصل تھی تو صرف یہ تھی کہ وہ اپنے اصولوں، اپنے نظریات اور اپنے دعاوی کے فی الواقع عملی مظہر تھے اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے بہت سے نظریات صحیح نہیں تھے لیکن کردار کا جادو وہ چیز ہے کہ بسا اوقات یہ کنجشک فرومایہ کو بھی عقاب و شاہین کی سرعت بخش دیتا ہے۔

تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اقتدار پر قبضہ کر کے برائی کے پھیلانے والے طاقت ور

ہاتھوں کو معطل نہ کر دیا جائے تو بھلائی کے پھیلانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کسی معاشرہ میں بُرائی کے پھیلنے کی اصل وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ برائی پھیلانے والے ہاتھ بڑے زور دار اور موثر ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ ان برائیوں کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے یا تو موجود ہی نہیں ہوتے، یا موجود تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اخلاص، دل سوزی دردمندی اور عزیمت نہیں ہوتی۔ اگر کسی معاشرہ کے اندر معاشرہ کا سچا درد رکھنے والے ... برائیوں پر تڑپ جانے والے، علم و دلیل کے ساتھ بات کرنے والے اور ہر برائی کے مقابل میں صداقت و عزیمت کے ساتھ ڈٹ جانے والے موجود ہوں تو وہ کسی بیاسی طاقت کے بغیر برائی کے طاقتور سے طاقتور ہاتھوں کو بھی معطل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے مردان حق کے سامنے برائی خواہ کتنے ہی زور اور دبدبہ کے ساتھ آئے لیکن وہ بھلائی کو مغلوب کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو عریاں کرتی ہے اور بالآخر اسے میدان سے پسپا ہونا پڑتا ہے۔ اسکے خلاف اگر کوئی شہادت ہمیں ملتی ہے تو صرف ایسے معاشرہ کے اندر ملتی ہے جس کا فساد اس قدر بڑھ چکا ہو کہ قدرت کی طرف سے اسکے لئے ہلاکت مقدر ہو چکی ہو۔ ورنہ معاشرہ کے اندر اگر زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو صحیح طور پر کام کرنے والوں نے ان مظالم کو بھی حق کے لئے غذا بنا دیا ہے جو طاقت ور ہاتھوں نے باطل کی حمایت میں کئے ہیں۔ تنور میں آگ زور دار ہو تو گیلی لکڑی بھی اس کو بجھانے کے بجائے اسکے لئے ایندھن کا کام دے جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انکی مخالفت و موافقت جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ للہ فی اللہ ہوتی ہے۔ وہ حق کے ساتھی ہیں خواہ وہ انکے دشمن ہی کے اندر پایا جائے۔ اور باطل کے وہ مخالف ہوتے ہیں اگرچہ وہ انکے کسی ہوا خواہ کے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے۔ انھیں کسی خاندان، کسی گروہ، کسی پارٹی اور کسی قوم سے محض اسکے ایک مخصوص گروہ یا خاندان یا پارٹی ہونے کے سبب سے نہ دشمنی ہوتی ہے اور نہ دوستی۔ دشمنی اور دوستی جو کچھ انھیں ہوتی ہے اصول و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بنا پر ہوتی ہے، وہ اپنے مخالفوں کی خوبیوں کا بھی اسی فیاضی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں جس فیاضی کے ساتھ اپنے موافق کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اپنے موافق کی برائیوں پر بھی اسی شدت کے ساتھ نکیر کرتے ہیں جس شدت کے ساتھ اپنے کسی مخالف کی برائیوں پر نکیر کرتے ہیں۔

برعکس اس کے جو لوگ سیاسی طریقوں پر کام کرتے ہیں ان کی دوستی اور دشمنی ان کے گروہی مفاد اور سیاسی مصالح و اغراض پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تمام جدوجہد کا محور صرف اقتدار ہوتا ہے اس وجہ سے انکی یہ فطرت بن جاتی ہے کہ جو اقتدار سے محروم ہوں وہ اصحاب اقتدار کے اندر کسی خوبی کا اقرار نہ کریں اگرچہ وہ خوبی سورج کی طرح روشن ہو، اور جو اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوں وہ اقتدار سے محروم جماعتوں کی کسی خوبی کا اعتراف نہ کریں اگرچہ وہ خوبی اندھوں کو بھی نظر آرہی ہو۔ جس طرح ہم نے آج تک کسی ہڈی کی موجودگی میں دو کتوں کو ایک دوسرے کے لئے انصاف پسند اور خیرخواہ نہیں پایا اسی طرح اقتدار کی استخوان نزاع کی موجودگی میں اقتدار کے حاملین اور اقتدار سے محرومین کو کبھی ایک دوسرے کے لئے خیرخواہ اور انصاف پسند نہیں پایا۔ اختلاف برائے اختلاف ان کا دین ہوتا ہے اور اپنے اس دین کی پیروی وہ بحالت ہوش وحواس اور بہ ثبات عقل و اختیار کرتے ہیں اور اس احمقانہ رویہ کو اپنی سیاسی زندگی کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت بتاتے ہیں جس سے انکے نزدیک مفر کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی ہے۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کے لئے آئے اور اس مقصد کے لئے جس چیز کو انھوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ وشہادت ہے۔ تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا، انھوں نے بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی رسل و تصرف اور بغیر کسی ردوبدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیا، نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر ہونے دیا، نہ اس کے مواد میں، نہ اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی پیدا کی، نہ اسکی تدریج میں، وہ اللہ کے دین کے امین تھے، اسکے موجد اور مصنف نہیں تھے۔ اس وجہ سے اپنی ذمہ داری انھوں نے ہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھی کہ اسکے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔ انھوں نے اس بات کی پروا کبھی نہیں کی کہ اس دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کرلیں گے تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردوبدل کے مجاز نہیں ہیں، جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے،

جس کا جی نہ چاہے وہ رد کردے۔

شہادت کا مطلب یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، قول سے عمل سے، خلوت سے، جلوت سے، زندگی سے موت سے غرض اپنی ایک ایک ادا سے انھوں نے اسی دین کی گواہی دی جس کے وہ داعی بن کر آئے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ انھوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا، جس چیز کا دوسروں کو حکم دیا اس پر خود پوری قوت و عزیمت کے ساتھ عمل کیا۔ ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی یہی کامل مطابقت درحقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اسکے بالکل برعکس معاملہ اہل سیاست کا ہے۔ اہل سیاست، خدا کا دین نہیں قائم کرتے بلکہ تحریک چلاتے ہیں۔ اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں تو وہ دین بھی انکی تحریک ہی کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جس جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی بھٹکتا پھرتا ہے۔ ایک تحریک کے لئے تبلیغ اور شہادت کے معصوم ذریعے بالکل بیکار ہیں اس لئے اہل سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے۔ پروپیگنڈا اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے بلکہ روح اور جوہر کا بھی فرق ہے۔ تبلیغ تو، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے لیکن پروپیگنڈے کا مقصود پیش نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے۔ یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو۔ پروپیگنڈا ایک مستقل فن ہے جس کو زمانہ حال کی سیاسی تحریکات نے جنم دیا ہے اور اسکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان تمام اخلاقی حدود و قیود سے بالکل آزاد ہوتا ہے جن کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقامت دین کی راہ میں واجب کی ہے۔

مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر یہاں پروپیگنڈے کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کر دیں تاکہ

سیاسی تحریکات کے اس سب سے بڑے وسیلہ کار اور تبلیغ کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہو کر سامنے آجائے۔

پروپیگنڈے کے اجزائے ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسکے اندر جزو اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے۔ بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنانا اس کا ادنی کرشمہ ہے۔ کوئی مجمع ۵ سو کا ہوگا تو وہ اسکی بدولت اخبارات کی شاہ سرخیوں میں ۵ ہزار کا بن جائے گا۔ کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے۔ تو یہ دس آدمی پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے ۱۰ ہزار بن جائیں گے۔ کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہم دردی کا بھی اظہار کر دیں گے تو اس مسلک کے حامی اپنے اخبارات ورسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورا کا پورا شہر ان کی تائید وحمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے، اگر کسی باہر کے ملک سے تائید وہمدردی کا ایک کارڈ بھی آجائے گا تو پریس میں اسکی تشہیر یوں ہوگی کہ فلاں ملک کو فلاں تحریک نے بالکل مسخر کر لیا ہے۔ اگر کوئی خدمت حقیقت کی ترازو میں چھٹانک ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا یہ فرض ہے کہ وہ اسکو کم از کم من بھر دکھائے۔ اس جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانہ میں ہمارے اہل سیاست نے اس طرح اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے کہ اب اسکے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی مردہ ہو گیا ہے۔ اس کوچہ میں بدنام تو اکیلا غریب گوئبلز ہے (اور اسکی یہ بدنامی بھی پروپیگنڈے ہی کا کرشمہ ہے) لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے حمام میں سب کو گوئبلز ہی کے اسوہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے خواہ کوئی شخص دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا داخل ہو۔

اس جھوٹ اور مبالغہ ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح وتوصیف سے آسمان پر پہنچا یا جائے، اور جس کو مخالف قرار دے لیا جائے اسکے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے۔ اسلام میں تو مدح وذم اور تعریف وہجو دونوں کے لئے نہایت سخت حدود وقیود ہیں اور کوئی شخص دین سے بے قید ہوئے بغیر اپنے آپ کو ان حدود وقیود سے آزاد نہیں کر سکتا لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے، وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاؤ اور اپنے مخالف کو تحت الثریٰ میں گراؤ اور اس مقصد کے لئے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افترا کی ضرورت پیش آئے۔ اس کو بے تکلف گھڑو اور بالکل بے خوف

ہوکر اس کو لوگوں میں پھیلاؤ۔ صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے لیکن اہل سیاست اپنی تحریکات کی کامیابی کے لئے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسی طرح وہ اشخاص اٹھتے ہیں جو تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں جو تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ خفض و رفع کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت کتنے بے علم ہیں جو مولانا اور علامہ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کتنے صاحب علم و تقویٰ ہیں جن کی پگڑیاں اچھلتی رہتی ہیں۔

۵۔ ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو دوسرے عام اہل دنیا کے طریقہ سے الگ کا راستہ نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام جد و جہد میں مطلوب و مقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس چیز کے سوا کوئی اور چیز ان کے پیش نظر نہیں ہوتی اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی جد و جہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے لئے کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ اس بات کی دعوت کبھی نہیں دیتے کہ آؤ حکومت الٰہیہ قائم کرو یا اقتدار حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرو، بلکہ دعوت صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدا کے دین پر چلنا اور اسی پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ضروری ہے۔

اسکے برعکس اہل سیاست کی ساری تگ و دو کا مقصود اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ وہ اسی اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تنظیم کرتے ہیں اور اسی کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ مقصود ایک خالص دنیوی مقصود ہے لیکن بعض لوگ اس پر دین کا ملمع کر کے اس چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ یہ اقتدار اپنے لئے نہیں اپنے خدا کے لئے یا اسکے دین کے لئے چاہتے ہیں۔ جو لوگ معاملہ کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ [illegible] کیا جائے۔ ہو سکتا ہو کہ وہ جس اقتدار کے حصول کے لئے جد و جہد کر رہے ہوں وہ خدا ہی کے لئے [illegible] لیکن اس سے جد و جہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جد و جہد کی مزاجی خصوصیات پر بڑا اثر پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل درہم برہم کر کے رکھ دیتی

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہو کہ اہل سیاست جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر و فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت تک انجام ہی نہیں دیا جا سکتا جب تک یہ اقتدار حاصل نہ ہو جائے۔ اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لیے نہایت خطرناک سمجھا ہو جس کے داعی وہ خود رہے ہیں چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہو کہ آپ نے صحابہؓ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ میں تمہارے لئے فقر و غربت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت و ثروت تمھیں حاصل ہوگی اور تم اسکے انہماک میں اصل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاؤ گے۔ آپ کا ارشاد ہو کہ خدا کی قسم میں تمھارے لئے فقر سے نہیں ڈرتا، بلکہ جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لئے کھول دی گئی اسی طرح تمھارے لئے بھی کھول دی جائے گی، پھر جس طرح وہ اسکی بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو گئے اسی طرح تم بھی اسکے لئے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر یہ تمھیں بھی اسی طرح ہلاک کر کے چھوڑے گی جس طرح اس نے تمھارے پہلوں کو ہلاک کر چھوڑا......

مطمح نظر کی حیثیت آخرت کو حاصل ہوتی ہو۔ دنیا کا اقتدار اس نصب العین کے لیے مفید بھی ہو سکتا ہو اور مضر بھی بلکہ مضر ہونا زیادہ اقرب ہو۔ اس وجہ سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی آزمائش سمجھتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہو کہ جس طرح غربت اور فقر کے دور میں انھیں آخرت کے لیے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہو اسی طرح امارت و سیادت کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اس امر کا کوئی ادنیٰ نشان بھی نہیں ملتا کہ اقتدار کو انھوں نے اصل نصب العین سمجھا ہو یا اصل نصب العین کے لیے اس کو کوئی بڑی سازگار چیز سمجھا ہو۔

ہماری اس تقریر سے کسی صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم یہ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہم رہبانیت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام جد و جہد کا مقصود صرف آخرت ہوتی ہو۔ وہ اسی کے لیے خلق خدا کو دعوت دیتے ہیں، اسی کے لیے لوگوں کو منظم کرتے ہیں، اسی کے لیے جیتے ہیں اور اسی کے لیے مرتے ہیں۔ اسی چیز سے ان کی جد و جہد کا

آغاز ہوتا ہے اور اسی چیز پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ان کی تمام سرگرمیوں میں محرک کی حیثیت بھی اسی چیز کو حاصل ہوتی ہے اور غایت و مقصود کی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا کو آخرت کے منافی نہیں قرار دیتے، بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں۔ ان کی دعوت یہ نہیں ہوتی کہ لوگ دنیا کو چھوڑ دیں بلکہ اس بات کے لیے ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کریں۔

ان کے ہر کام پر ان کے اس نصب العین کے حاوی ہونے کا خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کسی ایسی چیز کو کبھی گوارا نہیں کرتے جو ان کے اس اعلیٰ نصب العین کی عزت و حرمت کو بٹہ لگانے والی ہو۔ ان کے مقصد کی طرح ان کے وسائل و ذرائع بھی نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں۔ وہ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں کبھی ایسی چیزوں کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی پاکیزگی مشتبہ اور مشکوک ہو۔ ان کی کامیابی اور ناکامی کی فیصلہ کرنے والی میزان بھی چونکہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہے۔ اس وجہ سے ان کی کامیابی اور ناکامی کے معیارات بھی عام اہل سیاست کے معیارات سے بالکل مختلف ہیں۔ اہل سیاست کے ہاں تو کامیابی کا معیار ان کے نصب العین کے لحاظ سے یہ ہے کہ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہو جائے، اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر وہ ناکام و نامراد ہیں لیکن انبیاء کے طریقہ پر جو لوگ کام کرتے ہیں ان کی کامیابی کے لیے اقتدار کا حصول کوئی شرط نہیں ہے۔ ان کی کامیابی کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر صرف اللہ ہی کی رضا کے لیے کام کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی حالت پر اُن کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل ہوگئی تو وہ کامیاب ہیں اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی ایک متنفس بھی اس دنیا میں ان کا ساتھ دینے والا نہ بن سکا ہو۔ اور اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکی تو وہ ناکام ہیں۔ اگرچہ انھوں نے تمام عرب و عجم کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا ہو۔

ایک خلا جو جلد پُر ہونا چاہیئے

(از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی تالیف "تجدید تصوف و سلوک" کے عربی ترجمہ پر محترم مولانا علی میاں ندوی مدظلہ نے ایک فکر انگیز مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا رُخ خاص طور سے عربوں ہی کی جانب ہے مگر اس کا کوئی جزو ایسا نہیں ہے جو ہم سب کے لئے بھی قابل استفادہ نہ ہو۔ اس لئے کہ جس مسئلہ سے اس تحریر کا تعلق ہے اس پر ہمارے یہاں بھی ذہنوں میں عجیب طرح کی گرہیں پڑ چکی ہیں اور افراط و تفریط نے ایک اچھے خاصے انتشار کا عالم برپا کر دیا ہے۔

مولانا کی اس پُر سوز اور فکر انگیز تحریر کا اُردو ترجمہ مولانا کے برادر زادے مولوی سید محمد حسنی صاحب (مدیر البعث) کے قلم سے الفرقان میں پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اس کے مطالعہ سے سنجیدہ اور مخلص ذہنوں کو زیر نظر مسئلہ کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنے میں قابل قدر امداد حاصل ہوگی ـــــــــ ادارہ]

اصطلاحات اور مروجہ الفاظ و عنوانات نے بعض اوقات حقائق کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے اور ان کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ دنیا کے علم و فن، زبان و ادب اور دین و مذہب میں اس زیادتی کی ایک طویل روداد ہے۔ ان اصطلاحات سے بسا اوقات ایک نیا تصور پیدا ہو گیا ہے اسکے متعلق نئے نئے قسم کے سوالات اور اعتراضات پیدا ہو گئے، اختلاف و تنازع کا ایک لا متناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا، مختلف مذاہب اور مکتب خیال وجود میں آئے، دلائل اور منطق کی محفلیں آراستہ ہوئیں افکار و خیالات میں تصادم ہوا اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے۔

اگر ہم ان نئے اصطلاحات اور عرفی ناموں کو ترک کر کے عہد ماضی کی طرف واپس ہوں

جب ان حقائق کے لئے بہت سادے اور عام فہم الفاظ مستعمل تھے، اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کیفیات اور معانی کی ترجمانی کی جاتی تھی، اور ان الفاظ کو اختیار کرلیں جو ہمارے اسلاف کے یہاں رائج تھے تو یہ مسئلہ اسی وقت حل ہوجائے گا اور تمام جماعتوں میں صلح ہوجائے گی۔

انھیں اصطلاحات میں ایک اصطلاح "تصوف" ہے جو لوگوں میں بہت رائج ہو اس سلسلہ میں طرح طرح کے سوال کھڑے ہوئے، اور بحثوں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس لفظ کی حقیقت و مراد کیا ہے؟ اس کا ماخذ و منبع کیا ہے؟ آیا وہ "صوف" سے ماخوذ ہے یا "صفاء" سے، "صفو" سے نکلا ہو یا "صفہ" سے، یا وہ ایک یونانی لفظ "صوفیا" سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت بتائے جاتے ہیں۔[1]

آخر یہ لفظ کہاں سے برآمد کیا گیا اور کس طرح اس کا رواج ہوا، جبکہ نہ قرآن و حدیث میں اس کا وجود ملتا ہے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال میں! خیر القرون میں اس کا سراغ نہیں ملتا، اور ہر ایسی چیز جس کا یہ حال اور جس کی یہ تاریخ ہو بدعت کہلانے کی مستحق ہے غرضکہ اس طرح تصوف کے حامیوں اور مخالفوں میں ایک قلمی اور لسانی معرکہ برپا ہوگیا، اور اسکے نیتجہ میں ایک مستقل کتب خانہ وجود میں آیا جس کا سرسری جائزہ لینا بھی مشکل ہے۔

اگر ہم اس اصطلاح کو ترک کر کے (جس سے ہم دوسری صدی میں روشناس ہوئے ہیں[2]) قرآن و حدیث اور عہد صحابہ و تابعین کی طرف رجوع کریں اور کتاب و سنت کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے اہم رکن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہے اور اسکو تزکیہ سے تعبیر کرتا ہے، اور ان چار ارکان میں اسکو شامل کرتا ہے جن کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔

---

[1] یہ سب الفاظ حقیقت تصوف کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دیکھئے دائرۃ المعارف از بستانی اور تاریخ آداب اللغۃ العربیہ از جرجی زیدان۔

[2] کشف الظنون ج ۱ صفحہ ۲ بحوالہ امام قشیری۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا
مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ[1] (سورہ جمعہ)

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رزائل سے پاک صاف کیا جائے، مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہم کو صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتی ہیں، اور ان کے اخلاص اور اخلاق کی آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجہ میں ایسا صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی معدلت شعار اور حق پرست حکومت قائم ہوئی جس کی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہ مل سکی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لسانِ نبوت اسلام و ایمان کے ساتھ ایک خاص درجہ اور مرتبہ کا بار بار ذکر کرتی ہے اور اسکو احسان سے تعبیر کرتی ہے، جس سے مراد یقین و استحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہئے! اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسکو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و احوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے، ایک کا تعلق افعال و حرکات اور امور محسوسہ سے تھا، مثلاً قیام و قیود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، اذکار، و ادعیہ، احکام و مناسک فن حدیث نے اسکی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی، علم فقہ نے اس سے مسائل و جزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا اور محدثین اور فقہاء امت نے (اللہ تعالیٰ ان کو اس کارِ عظیم کا بہترین صلہ عطا فرمائے) دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔

---

[1] ترجمہ:- وہی ہے جس نے اٹھایا اُمیوں میں ایک رسول انہیں میں کا۔ پڑھ کر سناتا ہے ان کو اسکی آیتیں۔ اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی۔ اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال و حرکات کے ساتھ لازم ملزوم ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں، قیام و قعود، رکوع و سجود، ذکر و دعا، وعظ و نصیحت، گھر کے ماحول، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں، ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و غنا، ایثار و سخاوت، ادب و حیا، خشوع و خضوع، انابت و تضرع، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح کی اور ظاہر میں باطن کی ہے ـــــ پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت سی جزئیات اور آداب و احکام ہیں جنھوں نے اسکو ایک مستقل علم اور علیحدہ فقہ کا درجہ دیدیا ہے چنانچہ اگر اس علم کو جو اوّل الذکر کی شرح و تفسیر سے متعلق ہے، فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے، تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا، اور ان کے حصول کے لئے رہنمائی کرتا ہے "فقہ باطن" قرار دیا جا سکتا ہے۔

زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس علم کو جس کا کام تزکیہ نفوس اور تہذیب اخلاق ہے اور جو نفس انسانی کو فضائل شرعیہ سے آراستہ اور نفسانی و اخلاقی رذائل سے پاک و صاف کرتا ہے اور کمال ایمان و درجہ احسان، اخلاق نبوی کی پیروی، روحانی و باطنی کیفیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع و تقلید کی دعوت دیتا ہے، "تزکیہ" یا "احسان" ہی کے نام سے یاد کرتے، یا کم از کم فقہ باطن ہی کہتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اختلاف و نزاع کی نوبت ہی نہ آتی، اور سارا جھگڑا ختم ہو جاتا، اور دونوں فریق جن کو محض اصطلاح نے ایک دوسرے سے برسر نزاع کر رکھا ہے، مصالحت پر آمادہ ہو جاتے۔

احسان اور فقہ باطن سب علمی و شرعی حقائق اور دین کے مسلمہ اصول ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لئے (جس کو ہم تزکیہ و احسان سے تعبیر کرتے ہیں) کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے (اس لئے کہ زمان و مکان اور نسلوں کے مزاج و ماحول کے ساتھ اصلاح و تربیت کے طریقے اور ان کے نصاب بھی بدلتے رہتے ہیں) اور وسیلہ کے بجائے مقصد پر زور دیتے تو اس مسئلہ میں آج سب یک زبان ہوتے

اور اختلاف کا سر رشتہ ہی باقی نہ رہتا۔ سب دین کے اس شعبہ اور اسلام کے اس رکن کا جس کو، ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں صاف اقرار کرتے اور اس بات کو بلا تامل قبول کرتے کہ وہ شریعت کی روح، دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب تک اس شعبہ کی طرف کماحقہ توجہ نہ کی جائے اس وقت تک کمال دین حاصل نہیں ہو سکتا اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ صحیح معنی میں زندگی کا لطف آسکتا ہے،

اس صورت حال سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح "تصوف" نے دین کی کتنی عظیم، کتنی روشن اور کتنی اہم حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے اور بہت سے لوگوں کی راہ میں اس حقیقت کے حصول میں مانع بن گیا ہے، بلکہ بہت سے لوگ تو ہمت ہی ہار بیٹھے اور اس کا خیال ہی ترک کر دیا، لیکن اسکے بہت سے وجوہ اور تاریخی اسباب ہیں جن کا ذکر اس موقع پر کرنا مشکل ہے، بہرحال واقعات ہمیشہ انسان کی خواہش کے تابع نہیں ہوتے، اب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے، اور قیود و اصطلاحات اور خواہشات اور تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دینی حقیقت سے (جو شریعت کے مسلّمات میں سے ہے اور کتاب و سنت اسکی دعوت دیتے ہیں، اور انسانی معاشرہ کو بھی اسکی شدید احتیاج ہے) محض ایک نئی اصطلاح اور ایک مروّج نام کی وجہ سے گریز اختیار کرنے لگیں۔

اسکے علاوہ دوسری چیز جس نے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا وہ پیشہ ور اور جاہ طلب باطنیہ اور ملاحدہ اور بد دین لوگ ہیں، جنھوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا، اور اسکے محافظ اور علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت اور اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہو گئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اسکے حقیقی مقاصد سے ناآشنا تھے، وہ مقصد اور وسیلہ میں کوئی تمیز نہ کر سکے، بعض اوقات انھوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا، اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا، اور اسکو فن کی روح اور فن کا کمال قرار دیا، بلکہ مطلوب و مقصود سمجھ بیٹھے، غرض کہ اس طرح انھوں نے مسئلہ کو اور پیچیدہ

بنا دیا اور اس نزاع کو مختصر کرنے کے بجائے اور طول دے دیا، انھوں نے ان چیزوں کو جن کا مکلف ہر مسلمان ہے اور جو دین کی روح اور زندگی کی ضرورت ہیں، معمہ، فلسفہ اور رہبانیت بنا کر پیش کیا جس کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو ترک دنیا اور مادی اسباب سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر چکا ہو اور دنیا کی ساری نعمتوں سے دستبردار ہونا چاہتا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بہت کم ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ نہ دین کا مطالبہ تھا، نہ رسول اللہ کی سنت، نہ تخلیق انسانی کی حکمت۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے لوگ بھی پیدا کر دیئے جو دین کو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط بیانیوں اور جاہلوں کی تاویلات سے پاک وصاف اور عجمیت وفلسفہ سے محفوظ کرتے رہے۔ بغیر کسی تاویل یا تحریف کے خالص تزکیہ کی دعوت دیتے رہے جس کا نام "احسان" اور "فقہ باطن" ہے۔ انھوں نے اس "طب نبوی" کی ہر زمانہ میں تجدید کا فرض انجام دیا۔ وہ امت اسلامیہ میں نئی روح اور نیا ایمان پیدا کرتے رہے، بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ، معاشرہ کا تعلق اخلاق کے ساتھ علماء کا تعلق للہیت اور اخلاص کے ساتھ استوار کرتے رہے۔ ایک طرف وہ عوام میں خواہش نفس، دنیا پرستی اور مال و اولاد کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرتے رہے اور دوسری طرف انھوں نے خواص میں وہ ایمان ویقین اور روحانی قوت پیدا کی جس نے بادشاہوں کے انعامات اور تازیانے دونوں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کے وعدوں اور ان کی تعزیروں کا مقابلہ کرنے، جابر بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے، امراء اور بادشاہوں کے احتساب کرنے درباری مظاہر کی بے وقعتی اور کفاف پر قناعت کی طاقت وصلاحیت پیدا کرتے رہے، اور تاریخ میں ایسی مثالیں نظر آئیں کہ ایک بزرگ سے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اس کی دست بوسی کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے جواب دیا "خدا کی قسم میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میرا ہاتھ چومے نہ یہ کہ میں اس کا ہاتھ چوموں۔ اے لوگو! تم ایک دوسری دنیا میں ہو اور میں ایک دوسرے عالم میں ہوں"[۱]

بعض لوگوں کو بادشاہوں نے اپنے ملک میں بڑی سے بڑی پیشکش کی، لیکن انھوں نے اسکا جواب یہ دیا کہ:۔

---

[۱] یہ مقولہ شیخ عز الدین بن عبد السلام کا ہے۔

"اللہ تعالیٰ اس دنیا کا باوجود اسکے طول وعرض کے بہت حقارت اور ذلت کے ساتھ ذکر کرتا ہے (قل متاع الدنیا قلیل) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سے ایک معمولی ٹکڑا عطا فرمایا ہے اب میں اس میں بھی حصہ لگا نا پسند نہیں کرتا۔"[۱]

ایک بزرگ ایک امیر کے سامنے پیر پھیلا کر بیٹھے تھے جب وہ امیر واپس ہوئے تو انھوں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی ان کی خدمت میں بھجوائی، انھوں نے یہ کہہ کر اس کو لینے سے انکار کر دیا کہ "جو اپنا پیر پھیلاتا ہے وہ اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا۔"[۲]

ہر زمانہ میں ایسی طاقتور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کا کام کریں[۳] اور انقطاع نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا فرض انجام دیں، اور امت اسلامیہ کا رشتہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ جوڑ سکیں، اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے، اور اطاعت وفرمانبرداری، نفس اور شیطان کی مخالفت، خدا اور رسول کی طرف تحاکم، طاغوت کا انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدے کے اس عہد کو تازہ کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، اسلئے کہ خلفاء نے اس کام کو فراموش کرکے صرف فتوحات اور ٹیکس وجزیہ کی وصولیابی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بیعت خلافت کے انعقاد سے دلچسپی باقی رکھی تھی، علماء بھی اصلاح سے عاجز تھے، وہ وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں ایسے منہمک تھے کہ کسی اور چیز کو سوچنے کی بھی انھیں فرصت نہ تھی، اس کے علاوہ اگر یہ اس کا ارادہ بھی کرتے تو بھی یہ بات ان کے بس کی نہ تھی اس لئے کہ ان کی زندگی عوام کے سامنے تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان میں زہد واخلاص اور خلافت نبوت کے علامات اور اثرات کتنے کم اور شاذ ونادر نظر آتے ہیں، غرض کہ اس طرح عام وخاص ہر طبقہ میں دینی شعور اور دینی حس کمزور اور مضمحل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ وہ یہ بھولنے لگے کہ اسلام درحقیقت بندہ اور اسکے رب کے درمیان عہد ومیثاق اور بیع وشرا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہوگئے اور خواہش نفس کو بالکل چھوٹ دیدی، انکی حالت بھیڑکے

---

[۱] یہ بات مرزا مظہر جانجاناںؒ دہلوی نے فرمائی تھی [۲] دمشق کے عالم شیخ سعید الحلبی جو گزشتہ صدی کے بزرگ ہیں۔ [۳] ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً (الجمعہ)

اس گلہ کی سی ہو گئی جس کا نہ کوئی فائدہ ہو نہ مقصد! عبادت کا شوق درجہ احسان اور حلاوت ایمان کے حصول کا جذبہ سرد پڑنے لگا، ہمتیں پست ہوگئیں، عزائم خوابیدہ ہوگئے اور عام طور پر لوگ (سوائے ان کے، جنکو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا) بہت بے تابی اور جنون کے ساتھ لذات اور خواہشات پر ٹوٹ پڑے۔

آخر کار اسلامی خلافت میں روح خلافت اور امانت نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ حکومت سیاست بن کر رہ گئی، جس کا کام صرف ٹیکس وصول کرنا تھا، اس وقت وسیع اسلامی مملکت میں ہر طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب، اللہ کے مخلص بندے اور اہل حق کھڑے ہوگئے اور انکی دعوت وصحبت کے اثر سے تمام لوگ اسلام کے میثاق وعہد میں از سر نو داخل ہونے لگے، وہ فہم وارادہ اور شعور واحساس کے ساتھ اس نئے عالم میں داخل ہو رہے تھے جب کہ اسلام کو انھوں نے عادتاً اور وراثتہً قبول کیا تھا، اپنی تعلیم وتربیت سے انھوں نے ایمان اور لذت ایمانی کی تجدید کی، اور نفس کے تسلط، خواہشات کی اسیری، اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہوکر عبادات واطاعات، دعوت الی اللہ اور راہ حق میں جہاد کی طرف متوجہ ہو گئے۔

پھر ان کے جانشینوں اور شاگردوں میں اور ان سب لوگوں میں جنھوں نے دعوت میں انکی پیروی کی دعوت اسلامی کے ایسے علمبردار اور تربیت اسلامی کے ائمہ (درمیانی اور آخری صدیوں میں) پیدا ہوئے۔ جنھوں نے روح اسلامی اور شعلہ ایمانی کی بقا وحفاظت، دعوت وجہاد کے شوق، خواہشات وترغیبات کے مقابلہ کے میدان میں بہت اہم خدمات انجام دیں اگر وہ نہ ہوتے تو مادیت جو حکومتوں اور تہذیبوں کے راستہ سے حملہ آور تھی پوری امت اسلامیہ پر اپنا تسلط جما لیتی، اور زندگی اور محبت کی چنگاری بالکل سرد پڑ جاتی، ان لوگوں کی وجہ سے ایسے دور دراز ملکوں میں جہاں اسلامی افواج اور مجاہدین کو جانے کا موقع نہیں ملا تھا، اسلام کی تبلیغ واشاعت ہوئی۔ انکے ذریعہ سے اسلام کو افریقہ کے تاریک براعظم، انڈونیشیا، جزائر بحر ہند چین اور ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا۔[1]

اور پھر اُن زمانہ اور اس مایوس کن حالات میں جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے

---

[1] دیکھئے کتاب Preaching of Islam مصنفہ سر ٹامس آرنلڈ

عالم اسلام کو فتح کرلیا، اور اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، جہاد اور مقابلہ کی طاقت بالکل ختم ہوگئی، اور کسی میں ان کے سامنے آنے کی ہمت باقی نہیں رہ گئی، مایوس ہو کر مسلمانوں نے تلوار اپنی نیام میں رکھ لی، اور ان کو یقین ہوگیا کہ تاتاریوں کو شکست دینا ناممکن ہے، اور عالم اسلام کی تقدیر میں ان وحشیوں کی غلامی لکھدی گئی ہے۔ اور اب اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، اس وقت یہی مخلص دین کے داعی تھے، (جن میں سے اکثر کے نام تاریخ دعوت و اصلاح اپنی وسعت و استقصا کے باوجود محفوظ نہیں کرسکی) جو ان سخت دل اور سخت جان وحشی انسانوں میں گھسے اور انکے دل اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ انکے دلوں میں انکی محبت اور قدر پیدا ہوگئی اور پھر کثیر تعداد میں وہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے، تاتاریوں کے اس غلبہ و کامرانی پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انکی بڑی تعداد اسلام کے آغوش میں آگئی، اور وہ اسلام کے پاسبان اور محافظ بن گئے اور ان میں بڑے بڑے فقیہہ، عابد و زاہد، علما، اور مجاہد پیدا ہوئے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اسلامی سوسائٹی بہت عرصہ ہوا دم توڑ چکی ہوتی اور مادیت کی سرکش اور گرم لہر اسکے بچے کھچے ایمان و یقین کا خاتمہ کر دیتی، قلوب کا اللہ تعالیٰ سے، زندگی کا روحانیت سے، معاشرہ کا اخلاق سے رشتہ منقطع ہوجاتا، اخلاص و احتساب ختم ہوجاتا، اور باطنی امراض کی کثرت ہوتی، قلوب و نفوس کی بیماریاں پھیلتیں اور طبیب نہ ملتا، لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑتے اور اہل علم جاہ و منصب اور مال و دولت کے پیچھے دوڑتے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، حرص و طمع کا ان پر تسلط ہوتا، غرض کہ دین کا وہ شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں سب سے اہم ہے (یعنی تزکیۂ نفوس، اور فقہ باطن) بالکل معطل ہوجاتا،

ذرا ان ملکوں کی طرف نظر ڈالئے جہاں دعوت الی اللہ، روحانیت اور سچی خدا پرستی اور تزکیہ نفوس کا کام عرصہ سے بند ہے، اور ایسے داعی اور علماء کی تعداد (جو انسانوں کا رشتہ خدا تعالیٰ کے ساتھ استوار کریں اور انکی اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوں) مغربی تہذیب کے اثر یا مغرب کے قہر یا اور دوسرے اسباب کی بنا پر بہت کم ہوگئی ہے وہاں آپ ایک

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت از مؤلف

ایسا خلا پائیں گے، ایک مہیب اور طویل خلا، جس کو نہ وسعت علم اور تبحر علمی سے پر کیا جا سکتا ہو نہ ذہانت اور عالی دماغی سے، نہ ادبِ عالیہ سے، نہ عربی زبان و ادب سے گہرے ربط اور قلبی تعلق سے، نہ آزادی و حریت سے، یہ ایک ایسا روحانی اور اخلاقی مسئلہ ہے جس کا کوئی حل نہیں، اعلیٰ طبقہ کے لوگ اور عوام نیز اور ہمہ گیر مادیت، دولت کی اندھی محبت، اور دوسرے اجتماعی اور اخلاقی امراض کا شکار ہیں، تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ (مذہبی تعلیم و ثقافت ہو یا مادی) عہدہ و منصب حسد اور بخل تکبر اور انانیت، شہرت کی خواہش، نفاق اور مداہنت، مادہ اور طاقت سے مرعوبیت جیسے باطنی امراض میں گرفتار ہیں، جہاں تک اجتماعی اور سیاسی تحریکات کا سوال ہے ان کو خود غرضی، تربیت کے فقدان، اور لیڈروں کی کمزوری نے خراب کر دیا ہے، رہ گئے ادارے تو ان کو اختلافات، احساس ذمہ داری کی کمی دنیا طلبی اور تنخواہوں میں اضافہ کے عشق نے بیکار کر دیا ہے اور وہ صرف اسی کام کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کے وقار اور عزت کو مظاہر پرستی اور ظاہرداری فقر سے ضرورت سے زائد اور بیجا خوف، آرام طلبی اور عیش پسندی نے بگاڑ دیا، اور ان سب چیزوں کا علاج اس تزکیہ نبوی کے علاوہ جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے، اور اس ربانیت میں جو علماء سے مطلوب ہے اور کہیں نہیں۔

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

میں تزکیہ کی کسی خاص اور متعین شکل پر زور نہیں دیتا جس کا رواج مسلمانوں میں ہوا، اور جس کا نام آخری دور میں تصوف پڑا، حالانکہ اسکی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی قرآن و حدیث کی اصطلاحات ہی اسکے لئے کافی تھیں۔

میں تصوف کے حاملین میں سے سب کو علم و تدبر یا عمل و تطبیق کی غلطی سے بری نہیں سمجھتا اور نہ انکو معصوم قرار دیتا ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہماری سوسائٹی میں واقع ہو گیا ہے جلد پر کیا جائے، جسے اہل اللہ تربیت و تزکیہ کے علم بردار اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ انسانوں کا رشتہ جوڑنے والے، اور معاشرہ سے قبل فرد کی طرف اور اصلاح باطن کی طرف توجہ کرنے والے اہل حق و بزرگان دین پر کئے ہوئے تھے، اور تزکیہ و احسان اور فقہ باطن کو پھر سے تازہ کیا جائے جس طرح ہمارے اسلاف نے اسکو اپنے اپنے

زمانہ میں تازہ کیا تھا، اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب وسنت کی روشنی میں ہو۔ بہرحال اس طرح کا کوئی کام ہونا چاہیئے، اسلئے کہ حقیقت میں یہ خلا بہت زبردست ہے اور ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسکے اثرات ونتائج بہت دوررس ہیں۔

میں ان بزرگان دین اور اہل حق پر تنقید کرنے والوں سے ایک عربی شاعر کی زبان میں کہنا چاہتا ہوں۔

اقلوا علیہم لا ابا لابیکم
من اللوم اوسدوا المکان الذی سدوا

حضرت مسعر بن کدامؒ

(از مولانا حافظ محمد مجیب اللہ صاحب ندوی)

[جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی کی تالیف تبع تابعین پر اسی شمارہ میں تبصرہ کیا گیا ہے، یہ مضمون اسی کتاب کا ایک حصہ ہے جو مؤلف کی اجازت سے یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ مضمون میں فٹ نوٹس کی جگہ پر بڑی کثرت سے کتابوں کے حوالے تھے جنھیں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ آخر کے چند عربی اشعار بھی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ——— ادارہ]

نام و نسب مسعر نام، ابو سلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبد اللہ بن عمرو بن حبید مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ قرشی عامری۔

فضل و کمال مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تبع تابعین میں تھے۔ یعلیٰ بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی حامل تھی۔ عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔

حدیث حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں سے تھے۔ امام ذہبی انھیں حافظ اور علماء اعلام میں لکھتے ہیں۔ ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں۔

حدیث میں انھوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابو اسحٰق سبیعی، عطاء معن، سعید بن ابراہیم، ثابت بن عبد اللہ انصاری، عبد الملک بن نمیر، ہلال بن خباب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرثد۔ قتادہ، معن بن عبد الرحمٰن، مقدام بن شریح۔ اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا۔

ان کی مرویات کا پایہ | ان کی روایات کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ شعبہ جیسے محدث انھیں مصحف کہتے تھے۔ ان کی ذات احادیث کی جانچ کے لیے معیار تھی۔ میزان ان کا لقب ہوگیا تھا۔

کم ایسے محدثین نکلیں گے جن کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید نہ کی گئی ہو۔ لیکن مسعر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔

ائمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا، تو مسعر سے پوچھتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان یعنی مسعر کے پاس جاتے تھے۔

احتیاط | اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں کہ گر کر چور چور ہو جاتیں۔ ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہونچ گئی تھی، ابونعیم کا بیان ہے کہ مسعر اپنی احادیث میں بڑے شکی تھے۔ لیکن کوئی غلطی نہ کرتے تھے۔ اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا ہے۔

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمش سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر اپنی حدیثوں میں شک کرتے تھے، انھوں نے کہا کہ ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔

فقہ | فقہ میں گو کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہ تھی۔ تاہم کوفہ کی صاحبِ افتا جماعت میں تھے۔

امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب سے تعلق خاطر | یہ امام ابوحنیفہ کے حلقۂ تلامذہ میں تو نہ تھے مگر ان کی ذات اور ان کے اصحاب سے ان کو بڑا تعلق خاطر تھا، اور اُن کے علم و فضل کے مداح تھے۔ کوفہ میں امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس کے قریب ہی ان کا حلقۂ درس بھی تھا۔ بسا اوقات درس سے فارغ ہو کر استفادہ کی غرض سے امام اور ان کے اصحاب کی مجلسِ درس میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے بعض تلامذہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی اور انھوں نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ سے احادیث رسول کے سماع کے لیے آتے ہیں اور آپ اہلِ بدعت (یعنی امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب) سے

سماع کرتے ہیں۔ یہ سن کر ان کو غصہ آگیا، فرمایا کہ درس سے اٹھ جاؤ، اگر ان میں کا کوئی معمولی آدمی بھی زانوئے تلمذ تہہ کئے پورے مجمع میں پہونچ جائے تو ان کے دامن کو علم سے بھر دے۔

حلقۂ درس | مسجد میں حلقۂ درس تھا، عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم حدیث اردگرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے۔

زہد و عبادت | ان کی ماں بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ ان کے فیض تربیت کا مسعر پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں۔ اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد جاتے مسعر نمدہ لیے ہوتے تھے۔ مسجد پہونچ کر ماں کے لیے نمدہ بچھا دیتے جس پر کھڑی ہو کر وہ نماز پڑھتیں، مسعر مسجد کے دوسرے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے۔ نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شائقین حدیث آکر جمع ہو جاتے۔ مسعر انھیں حدیثیں سناتے، اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں۔ مسعر درس ختم کرنے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے۔ ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔ گھر یا مسجد۔ کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔ روزانہ شب کو نصف قرآن تمام کر ڈالتے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کیے بغیر نہ سوتے تھے۔ تلاوت قرآن ختم کرنے کے بعد چادر لپیٹ کر سو جاتے تھے۔ ایک ہلکی سی جھپکی لینے کے بعد پھر اس طرح چونک پڑتے جیسے کسی کی کوئی چیز کھو گئی ہو اور وہ پریشان ہو کر اس کی تلاش کر رہا ہو، اٹھ کر وضو اور مسواک کرتے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا، مگر اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ

وکان یجتہد علی اخفاء ذالک جداً — وہ اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ۔ ج ۳۔ ص ۷۲)

آخرت کا خوف اور رقت قلب | آخرت کی باز پرس سے ہر وقت ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔ ان کے ایک پڑوسی کا بیان ہے کہ ایک دن یکایک مسعر پر گریہ طاری ہو گیا۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی والدہ بھی رونے لگیں۔ مسعر نے پوچھا اماں جان آپ کیوں رو رہی ہیں۔ بولیں بیٹا میں نے تم کو روتے دیکھا اس لیے میں بھی رو پڑی۔ بیٹے نے کہا۔ اماں کل جو کچھ پیش آنے والا ہے

نوٹ: آگے کے دو صفحات کی ترتیب غلط ہو گئی ہے۔ ہندسہ دیکھ کر پڑھیے! — مرتب

ابوجعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔

وفات باختلاف روایت ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ مرض الموت میں حضرت سفیان ثوری جو خود صاحب زہد و اتقا تھے، ملنے گئے تو دیکھا کہ مسعر پر گھبراہٹ اور رقت طاری ہے۔ بولے آپ کے اوپر موت کی گھبراہٹ طاری ہو۔ حالانکہ میں تو ہر وقت موت کے لیے تیار رہتا ہوں اور اس وقت بھی تیار ہوں۔ مسعر نے حاضرین سے کہا کہ ان کو بٹھاؤ، حضرت سفیان بیٹھ گئے۔ اور پھر وہی بات دہرائی۔ مسعر بولے آپ کو اپنے اعمال پر اعتماد ہو اسلیے آپ مطمئن ہیں۔ مگر میری کیفیت تو یہ ہو کہ میں اپنے کو ایک پہاڑ کی چوٹی پہ سمجھتا ہوں اور نہیں سمجھتا کہ یہاں سے کس طرح اور کہاں گرایا جاؤں گا۔ یہ پُر درد الفاظ سُن کر حضرت سفیان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں اور فرمایا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

عادات و اخلاق نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ جب کبھی کوئی انھیں ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے تو محض اسکی دلشکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے، زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ عادت عنفوان شباب ہی سے پیدا ہو گئی تھی۔ ماں کی خدمت اور ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔

ایک بار ماں نے عشا بعد پانی مانگا۔ وہ پانی لے کر آئے تو وہ سو چکی تھیں، انھوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا پوری رات کھڑے رہ گئے کہ نہ جانے کس وقت ماں کی نیند ٹوٹ جائے۔ (طبقات شعرانی)

حکیمانہ اقوال فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ محزون و غمگین آواز سنوں۔ اسلیے کہ اس سے موت اور آخرت کا تصور سامنے آتا ہو (بخلاف قہقہے اور چہچہے کے جنکے سننے سے آدمی کے اندر خدا سے غفلت پیدا ہوتی ہے)

فرماتے تھے کہ آدمی کے نفس کا جو تقاضہ بھی ہوتا ہو اس کے اوپر وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیث کا۔

الاثم ما حاك في نفسك　　گناہ وہ ہو جو آدمی کے دل میں کھٹکے۔

کسی نے ان سے کہا کہ آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کے عیوب آپ کے سامنے بیان کرے۔ فرمایا ہاں اگر وہ خیر خواہی کی بنا پر بیان کرتا ہو تو میں اس کو پسند کروں گا۔ اور اگر مقصد محض شماتت ہو تو پھر نہیں پسند کروں گا۔

اکثر حزنیہ اور آخرت کا تصور دلانے والے اشعار ان کی زبان پر ہوتے تھے۔

اس کے تصور سے میں اس قدر روتا ہوں۔ پوچھا وہ کیا، اس پر مسعر پھوٹ پڑے اور روتے ہوئے جواب دیا کہ اماں قیامت اور اس کی ہولناکی۔ یہ کہہ کر ماں کے پاس سے اٹھے اور چلے گئے تاکہ ان کی اس کیفیت سے ان کو مزید رنج نہ پہونچے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہر وقت ان پر رقت طاری رہتی تھی۔ (صفوۃ الصفوۃ ص ۷۲)

وہ اس درجہ پر پہونچنے کے بعد بھی نہیں رکے، بلکہ ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے، ابن عتبہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا۔ معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا ہر دن پہلے دن سے افضل پایا، وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہونچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے۔ حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی۔

ابن مبارک یا اسی درجہ کے کسی اور بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے۔

من کان ملتمسا جلیسا صالحا ۔۔۔ فلیات حلقۃ مسعر بن کدام

جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو ۔۔۔ اسکو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آجانا چاہئے۔

فیھا السکینۃ والوقار واھلھا ۔۔۔ اہل العفاف و علیۃ الاقدام

اس میں سکینہ ہے اور وقار ہے اور اس کے ارکان ۔۔۔ پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی

اس زندگی کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شان و شوکت سے بالکل بے نیاز تھے۔ چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابو جعفر عباسی آپ کا عزیز تھا اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا، انھوں نے کہا کہ میرے گھر والے تو مجھے دو درہم کا سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہم تمھارا دو درہم کا سودا کرنا بھی نہیں پسند کرتے، اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو۔ خدا تم کو صلاحیت دے ہماری قرابت داری ہے اس لیے ہمارا حق ہے (کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں) ان کے اس عذر پر

تعارف و تبصرہ

[کتاب بھیجنے سے پہلے کتاب کا موضوع، ضخامت اور مصنف کا نام لکھ کر دریافت فرما لیجئے کہ تبصرہ کے لیے قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں ـــــ اس کے بغیر وصول ہونے والی کتابوں پر تبصرہ کی ذمہ داری نہیں ہے ـــــــــ ادارہ]

قادیانیت | از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، صفحات ۲۰۰، کاغذ، کتابت و طباعت سب معیاری، سائز ۲۲×۱۸/۸، مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۴/-

شائع کردہ :- مکتبۂ دینیات، شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور۔

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ سے بھی مل سکتی ہے۔

قادیانیت کے خلاف جو تحریک پاکستانی پنجاب میں سر ناظم الدین کے دورِ وزارت میں برپا ہوئی تھی اس کی گونج نے عالم اسلام کے حساس افراد میں قادیانیت کے بارے میں واقفیت سے ایک فطرتی دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ چند سال بعد اتفاق سے ایک موقع آیا کہ عالم اسلام کی ممتاز علمی شخصیتیں لاہور میں جمع ہوئیں اور اس موقع پر ان کی اس دلچسپی کا اظہار ہوا حسنِ اتفاق سے اس اجتماع کے چند دن بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی اپنے شیخ حضرت رائے پوری مدظلہم العالی کی خدمت میں لاہور پہونچے اور وہاں پہونچتے ہی شیخ کی طرف سے آپ کے سپرد یہ کام ہوا کہ عالم اسلام خصوصاً عالم عربی کے لیے قادیانیت پر ایک کتاب عربی میں مرتب کریں۔ یہ کتاب "القادیانی والقادیانیۃ" کے نام سے مرتب ہوئی اور کوئی دو سال ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ الفرقان میں اس پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

یہ کتاب اپنے خاص انداز اور منفرد اسلوب کے لحاظ سے اس قابل تھی کہ دیگر زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو۔ اور اس استحقاق میں سب سے پہلا نمبر اردو کا آتا تھا۔ خوشی کی بات ہو کہ کتاب کو اردو میں

منتقل کرنے کا کام خود مصنف ہی نے کیا۔ اور یہ اردو اڈیشن ہی اس وقت زیر تبصرہ ہے۔ جو بعض مناسب اضافوں اور ترمیموں کی بنا پر "نقش ثانی" کا مصداق بن گیا ہے۔

یہ کتاب قادیانیت کا ایک تحقیقی جائزہ اور اصولی تجزیہ ہے مصنف نے اس میں قادیانی تحریک کا اس کی بالکل ابتدا سے جائزہ لیا ہے اور پھر اپنا تاثر پیش کیا ہے۔ ایک باب میں تحریک کے زمانے اور ماحول کی خصوصیات پر نظر ڈالی ہے اور تحریک کی بنیادی شخصیتوں کے سوانح حیات کا تاریخی مطالعہ کیا ہے۔ دوسرے باب میں مرزا صاحب کی تصانیف اور دیگر قادیانی لٹریچر سے مرزا صاحب کے عقیدے کی تحقیق کی ہے۔ ان کی دعوت کی ابتدا، اور اس کے ارتقائی مدارج کو متعین کیا ہے اور ان کے درجہ بدرجہ بڑھتے ہوئے دعووں کی دلچسپ ترتیب اور تکنیک کا نہایت متانت کے ساتھ جائزہ لیا ہے ــــ ان دو بابوں میں قادیانی تحریک کا تاریخی جائزہ تمام ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی تحریک کا مطالعہ اس کے بانی کی شخصیت کے مطالعہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس لیے تیسرے باب میں مرزا صاحب کی تحریروں اور دیگر مستند بیانات ہی کے آئینے میں مرزا صاحب کے سیرت و کردار، ذہن و مزاج اور ان کی زندگی کے خدو خال پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اور اس باب میں بھی مصنف کے وقار اور سنجیدگی کا وہی عالم ہے کہ بڑے بڑے مضحکہ خیز مقام آتے اور دعوت طنز و استہزا دیتے ہیں لیکن مصنف کمال متانت کے ساتھ اپنے مقصد پر نظر جمائے ہوئے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ کتاب کا چوتھا اور آخری باب تحریک قادیانیت کا تنقیدی جائزہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اب تک مصنف کا زاویۂ نگاہ تحقیقی تھا کہ قادیانیت اور اس کے بانی کے بارے میں تاریخی حقائق و واقعات کیا ہیں؛ کس ماحول میں تحریک کا آغاز ہوا؟ کس طرح سے وہ پروان چڑھی، اور کس طرح منزل پر آکر ٹھہری؟ کس سیرت و کردار اور کس ذہن و مزاج کا اس کا بانی اور قائد تھا، اور واقعات کی روشنی میں کیا رنگ ڈھنگ اس کے نظر آتے ہیں؟ اس طالبعلمانہ تحقیق کے بعد مولانا کی نظر تنقیدی ہو جاتی ہے۔ اور وہ تحریک کو اس کی مکمل شکل میں سامنے رکھنے کے بعد اس فیصلے کے مقام پر آجاتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس تحریک کی کیا حیثیت قرار دی جائے؟ اسلامی تاریخ میں کس طرح کی تحریکوں سے اس تحریک کا رشتہ جڑتا ہے؟ اور ملت اسلامیہ کے حق میں یہ تحریک مضر سمجھے جانے کے قابل ہے یا مفید؟ ـــ یہی چوتھے باب کا حاصل ہے۔ اس میں قادیانیت کی لاہوری شاخ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب چونکہ قادیانی لٹریچر کے وسیع اور گہرے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ اس لیے مختصر ہونے کے باوجود اس میں ایک خاص وزن ہے۔ پھر اس حاصل مطالعہ کو پیش کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے کا انداز ایسا اختیار کیا گیا ہے جس میں شگفتگی اور اُن طبائع کے لیے بھی دلچسپی ہے جو کلامی مباحثوں سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ قادیانیت کے دعاوی، اس کے دلائل کی منطق اور مرزا صاحب کی شخصیت کے طول و عرض پر نظر کرتے ہوئے عام طور پر ایک حیرت ہوتی ہے کہ اس طرح کی تحریک اس وقت کے پڑھے لکھے طبقے میں کیسے کامیاب ہو گئی۔ مولانا علی میاں غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے تاریخی ذوق کی بنا پر آغاز تحریک کے عہد و ماحول کی گفتگو چھیڑ کر، اس عقدے کو حل کر دیا اور بتایا کہ وہ زمانہ عام طور پر اور جس ماحول میں قادیانیت کا ظہور ہوا وہ ماحول خاص طور پر کسی ایسی تحریک کے لیے ذہنی اعتبار سے نہایت سازگار تھا۔ گفتگو مختصر ہونے کے باوجود بہت اطمینان بخش ہے تاہم اس زمانے اور ماحول کی بعض ایسی خصوصیات جو اب عام طور پر معروف نہیں ہیں اُن کے تذکرے میں اگر کچھ مثالیں اور حوالے بھی آ جاتے تو اور اچھا ہوتا۔

یہ تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کے دعاوی درجہ بدرجہ بڑھتے گئے ہیں لیکن اس کتاب کا یہ انکشاف غالباً نیا ہوگا کہ بعض دعووں کا القاء اُن کے رفقاء اور معتقدین کی طرف سے ہوا تھا اور اُن کی (معاذ اللہ) "نبوت" کا اعلان پہلے پہل خود ان کی زبان سے نہیں بلکہ نیازمندوں کی زبان سے ہوا۔ مولانا نے ان حقائق کو مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

قادیانیت دائرہ اسلام سے باہر پہنچانے والی صرف ایک گمراہی ہی نہیں، بلکہ مولانا اس کے عقائد اور نظام فکر کے تجزیے سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ نبوت محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت اور عقیدۂ رسالت و اُمتِ محمدیہ کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ اس نتیجہ کو انھوں نے تحلیل و تجزیہ کے نہایت معقول معیار سے ثابت کیا ہے۔ اور اس سازش کے تمام پردوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اس مقام پر مولانا کے قلم کی پختگی، اسلوب کی شگفتگی، نقد کی سنجیدگی و پرکاری اور دینی حمیت سے سرشاری کا کچھ ایسا حسین امتزاج ہوا ہے جو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

قادیانیت سے متاثر ہونے والے جن لوگوں کے دلوں پر مہر نہ لگ چکی ہو وہ اس کتاب کو پڑھ کر بہت صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ ایک سچے نبی کا مزاج و کردار کیا ہوتا ہے اور اس کی روشنی

میں وہ بآسانی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت کس معاملہ کا مستحق ہے —— اس کتاب کا ایک ایک نسخہ کم از کم ہر لائبریری میں پہونچا دینے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک ایک دینی خدمت ہوگی۔

تبع تابعین جلد اوّل | تالیف مولانا حافظ محمد مجیب اللہ صاحب ندوی۔ شائع کردہ۔ دار المصنفین اعظم گڈھ۔ کاغذ اور کتابت وطباعت بہتر، صفحات، ۵۰۴۔ سائز $\frac{20 \times 26}{8}$، قیمت -/۸ روپے

سلفِ صالحین کے سوانح حیات کی نشر و اشاعت کی سعادت دار المصنفین اعظم گڈھ کا خاص حصہ ہے۔ تبع تابعین (حصہ اول) دار المصنفین کے اس سلسلہ کی تازہ ترین کتاب ہے جس میں اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) کے تیسرے بزرگ ترین طبقہ کے ۱۹ بزرگوں کے سوانح حیات اور فضائل و کمالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ۔ امام زفر۔ امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ امام اسحٰق بن راہویہ۔ سفیان بن عُیینہ۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک۔ امام شعبہ۔ مسعر بن کدام۔ عبد اللہ بن وہب۔ یحییٰ بن معین۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ عبد الرحمٰن بن مہدی۔ علی بن مدینی۔ امام لیث بن سعد۔ حضرت فضیل بن عیاض۔ امام سفیان ثوری۔ یحییٰ بن آدم۔

ان بزرگوں میں بڑے بڑے مجتہدین، ائمہ حدیث اور اکابر اولیاء اللہ ہیں۔ تحصیل علوم میں جو مشقتیں ان بزرگوں نے اُٹھائیں اور پھر جو کمالات حاصل کیے۔ دینی علوم کی تدوین کے جو اہم کارنامے ان کی محنتوں سے انجام پائے اور جس شغف و انہماک اور خلوص و للہیت کا مظاہرہ انھوں نے اس راہ میں کیا۔ فرمانروایان وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی کیسی کیسی ایمان افروز مثالیں انھوں نے قائم کیں۔ اور استغناء و خود داری کے کیسے کیسے تابناک نقوش اسلامی تاریخ کی پیشانی پر ثبت کیے۔ ان کی زندگیوں میں فکر آخرت کی کیا کیا تابانی اور تعلق باللہ کی کیا جلوہ آرائی تھی۔ یہ ہیں وہ عنوانات جن کی تفصیل ہم اس کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔ اور خدا توفیق دے تو ان احوال کو بقدر ظرف اپنے اندر منتقل کر سکتے ہیں۔

چونکہ ان میں سے متعدد بزرگوں کی زندگیوں پر علمی خدمات کا رنگ غالب رہا ہے اس لیے قدرتی طور پر ان کے تذکروں کا رنگ بھی علمی زیادہ ہے۔ اور بعض علمی مباحث کی بنا پر اُن کے تذکروں میں دوسروں کی بہ نسبت پھیلاؤ بھی زیادہ آگیا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کا تذکرہ۔

شروع میں مؤلف ہی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو تبع تابعین کے ماحول سے واقف کرتا ہے اور ان کے کردار و عمل کی عظمت پر روشنی ڈالتا ہے۔ افسوس ہے کہ کتاب میں اغلاط بہت رہ گئی ہیں۔ ایک بلند پایہ علمی ادارہ میں یہ تساہل پایا جانا ٹھیک نہیں۔

اجتہادی مسائل

از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور، صفحات ۳۲۰، سائز $\frac{22 \times 18}{8}$۔ مجلد قیمت ۸/۴

یہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کے رکن جناب مولانا جعفر شاہ صاحب کے پینتیس مضامین کا مجموعہ ہے (جو غالباً سب ہی ادارہ کے آرگن ماہنامہ ثقافت میں شائع ہو چکے ہیں) نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعہ کے سب مضامین اجتہادی مسائل سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ لیکن بعض مضامین عام علمی نوعیت کے بھی ہیں۔ تمام مضامین کی روح مسائل دینیہ پر اجتہادی انداز سے غور کرنا ہے بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔

دین اور شریعت۔ فقہ جدید کی ضرورت۔ کیا اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ صحیح بخاری اور آغاز وحی کی روایت۔ تلاوت قرآن اور ایصال ثواب۔ اسلامی قانون وراثت لیلۃ القدر۔ اقتدار اسلامی کا تصور۔ وغیر ذالک۔

اس مجموعہ کے دو مضامین "ایک اجازت کی صراحت" اور "اقتدار اسلامی کا تصور" ہمیں بہت پسند آئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض مضامین کے مطالعہ سے لوگوں کو کچھ مفید باتیں مل سکتی ہیں لیکن پوری کتاب سے بے کھٹک استفادہ کرنے کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مولانا پر مجتہدانہ انداز فکر کا غلبہ ہے۔ دوسری طرف استدلال میں اجتہادی ذمہ داریوں کا حیرت انگیز حد تک فقدان بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔ مثلاً تلاوت قرآن کے متعلق اس اعتقاد کی تغلیط کرتے ہوئے کہ "ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے" مولانا کی یہ تقریر کتنی سطحی قسم کی مغالطہ آمیزی سے لبریز ہے کہ

"تنہا الفاظ قرآنی کا زبان سے ادا کرنا محض ایک ابتدائی قدم ہے۔ ہر عربی بولنے

والا صبح سے شام تک سینکڑوں الفاظ ایسے بولتا ہے جو قرآن کے اندر موجود ہیں لیکن اسے ان الفاظ کے ادا کرنے کا کیا ثواب ملتا ہے؟ عربوں کو چھوڑیئے۔ آپ خود ہزاروں سینکڑوں قرآنی الفاظ روزانہ بولا کرتے ہیں۔ تو کیا ان کا کوئی ثواب ملتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ کرسی اٹھا لاؤ۔ "کرسی" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں چار حرف (بلکہ یائے مشدد کو لیجئے تو پانچ حرف) ہیں۔ تو کیا "کرسی" کہہ دینے سے آپ کو چالیس (یا پچاس) نیکیاں مل گئیں؟ کسی کو کہہ دیا کہ تم فرعون ہو، تو پچاس نیکیاں محض اس لیے مل گئیں کہ "فرعون" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں پانچ حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہیں۔" الخ

(صہ)

ہم کو یہ بدگمانی نہیں کرنا چاہیے کہ مولانا جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دے رہے ہیں۔ بیشک ان کے ذہن نے ایمانداری کے ساتھ سوچا ہی اس طرح ہوگا لیکن اس سے پھر یہ تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ ان کا ذہن کس قدر طفلانہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔ کوئی بھی ذی شعور آدمی ہوگا جو اس الزامی منطق پر مطمئن ہو سکے؟ کہاں عقیدت و احترام کے جذبے، "کلام الٰہی" کے احساس اور آداب تلاوت (طہارت وغیرہ) کے لحاظ کے ساتھ قرآن مجید کا پڑھنا اور کہاں کلام الناس میں فرعون، ہامان اور عرش و کرسی کے الفاظ بولنا، کوئی کامن سینس رکھنے والا آدمی بھی ہوگا جو ان دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکے! ——— مولانا جعفر شاہ صاحب کے ہاں ذہانت ہے، سلیقۂ تحریر و قوت انشا ہے، مگر افسوس کہ سنجیدہ غور و فکر اور احساس ذمہ داری کی بڑی کمی ہے۔ اور اس کمی کا اثر ان کی ہر تصنیف میں کم و بیش نمایاں ہوتا ہے۔

اعتذار } گزشتہ شمارہ میں بعض کتابوں کے تبصرہ میں اُن کے ناشر کا پتہ درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ اُن کتابوں کے نام اور پتہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
۲۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام } ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی
۳۔ اُسوۂ حسنہ

۴۔ تذکرۂ مشائخ دیوبند ——— مدنی دار الافتاء، بجنور، یوپی

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
15/2/61
مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی
مسئول
محمد منظور نعمانی

غیر ممالک سے سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ اعزازی خریداروں سے سالانہ چندہ ۱۵	ماہنامہ **الفرقان** لکھنؤ فی کاپی آٹھ آنے (۸؍)	ہندوستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (سکۂ پاکستان) ۵ؔ سالانہ چندہ (سکۂ ہندوستان) ۶ؔ

جلد (۲۸) | بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق فروری ۱۹۶۱ء | شمارہ (۸)

اگر دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہو، تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ فروری تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولیئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے — اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۳۰ تاریخ کے اندر آنی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر **الفرقان** کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ملک کی آزادی کے بعد روشن خیالی اور ترقی پسندی کے نام سے جس قدر وسیع پیمانہ پر اخلاقی انحطاط اور اخلاقی بحران رونما ہوا ہے وہ اخلاقی پابندیوں کی قیمت پہچاننے والوں اور ایک شریف اور مضبوط سماج کے لیے ان پابندیوں کی ضرورت سمجھنے والوں کے لیے ایک تشویشناک مسئلہ ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہماری قومی زندگی کے تعمیر کے وہ بنیادی ادارے جو اس انحطاط اور اس بحران پر بند باندھنے کی سب سے زیادہ مؤثر قوت اور افراد کے کردار پر اثر انداز ہونے کی فطری طور پر، سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے وہ خود ترقی پسندی اور روشن خیالی کے ایک غلط تصور سے مسحور ہو کر اُلٹے اس انحطاط اور بحران کو تقویت پہونچا رہے ہیں۔

قومی تعمیر کے بنیادی اداروں سے ہماری مراد ملک کی تعلیم گاہیں ہیں۔ تعلیم گاہ ہی وہ پہلا ادارہ ہوتا ہے جس کے آغوش میں افراد کے مخفی رجحانات اور ان کی استعدادوں کو رہنمائی ملتی ہے اور فکر و عمل کی قوتوں کے رُخ بنتے ہیں۔ تعلیم گاہوں کا واحد مقصد افراد کی ذہنی اور فکری قوتوں کا صحتمندانہ نشو و نما اور اُن کی عملی استعدادوں کی ایسی رہنمائی ہے کہ وہ انسانیت کے پاکیزہ تصور سے میل کھاتی ہوئی زندگی گزارنے کی طرف راغب اور کشمکشِ حیات میں زمانے کے مطالبات کا جواب دینے کے قابل ہو سکیں، اور اُن کے اجتماع سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو ایک طرف اخلاقی بلندیوں کا حامل ہو، دوسری طرف باعزت اور آزاد زندگی کی عصری ضروریات میں خود کفیل ہو۔

یہ ہے تعلیم کا وسیع سے وسیع تر مقصد، لیکن ہماری تعلیم گاہیں اپنے اس مقصد کے دونوں رخوں کے اعتبار سے روز بروز ناکامی کی طرف بڑھ رہی ہیں، نہ عصری علوم و فنون میں ٹھوس لیاقت اور قومی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والے افراد کی شرح پیدائش ہی اطمینان بخش ہے، نہ عام طور پر اخلاقی پاکیزگی کا کوئی حصہ لے کر ہی زیر تعلیم نسل اٹھ رہی ہے، خصوصاً اخلاقی پاکیزگی کے بارے میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تعلیم گاہوں کا ماحول اس کے لیے بالکل ہی ناساز گار ہو چکا ہے۔

مقصد تعلیم کے اعتبار سے تعلیم گاہوں کے یہ غیر تشفی بخش بلکہ الٹے نتائج ایک ایسی حقیقت ہیں کہ ان کے ازالہ کے لیے سرکاری کمیشن اور کمیٹیاں بیٹھ چکی ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ ہماری سیکولر حکومت کو تعلیم گاہوں میں ایک خاص نہج سے مذہبی تعلیم کی منظوری دے دینی پڑی ہو ___ لیکن کیا تعلیم گاہوں کا یہ بگاڑ صرف مذہبی تعلیم کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے، اور صرف مذہبی تعلیم کی مجوزہ اسکیم نافذ ہو کر اس صورت حال کو تبدیل کر سکتی ہے؟ ہمارے خیال میں یہ توقع بالکل غلط ہوگی، اس لیے کہ اس بگاڑ کے عوامل مذہبی تعلیم کے عدم سے بھی زیادہ دوسرے ہیں۔ اور ان کو ختم کیے بغیر ان کی پیدا کردہ صورت حال مذہبی تعلیم کے منتر سے ختم نہیں کی جا سکتی۔

تعلیم گاہوں کے اس اخلاقی بحران کا اصل سبب یہ ہو کہ آزادی کے بعد ملک کی نئی تعمیر اور ترقی کے لیے دنیا کے جن ملکوں کو ہم نے نمونہ بنا کر سامنے رکھ لیا ہو اُن کی زندگی اور اُن کے تمدن کی تمام وہ باتیں ہم اختیار کر لینا چاہتے ہیں جو ہم میں نہیں ہیں یا ہم ان سے پیچھے ہیں۔ اس کام کے لیے تعلیم کی عمومیت کے اس دور میں چونکہ تعلیم گاہیں بہت کامیاب ذریعہ ثابت ہو سکتی تھیں اسلیے تعلیم گاہوں میں ان باتوں کو سکھانے اور اس طرح کا ترقی پسندانہ ذہن بنانے کی ہمت افزائی کی جانے لگی، یورپ اور امریکا میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی حجاب اور کوئی دیوار نہیں، دونوں زندگی کے ہر میدان میں دوش بدوش نظر آتے ہیں، چنانچہ ہمارے ہاں بھی یہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے تعلیم گاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی یکجائی اور اُن کے آزادانہ اختلاط کی ہمت افزائی کی گئی اور یہ ترقی کا نشان بن گیا ___

___ پھر یہ دیکھا گیا کہ ان کے ہاں یہ اختلاط دکھاوے کا تو ہے نہیں اس میں بڑی رنگینیاں بھی ہیں چنانچہ

رنگارنگ کلچرل پروگراموں اور یوتھ فیسٹولز کے ذریعہ اس اختلاط میں رنگینیاں پیدا کی گئیں۔

یہ اور اسی قبیل کی اور چیزیں ہیں جنھوں نے ہمارے ناپختہ طلبا اور طالبات کی جنسی رگوں کو اس بری طرح چھیڑ دیا ہے کہ جس قدر بھی ان کے جنسی میلانات قابو سے باہر ہو جائیں کم ہیں۔ اور جنسی میلانات کا بے قابو ہونا یا دل و دماغ پر حاوی ہو جانا ہی وہ جڑ ہے جس سے کسی سوسائٹی میں وسیع پیمانہ پر اخلاقی گراوٹ اور ناپاکیزگی کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ آج اگر ایسے خاندانوں کا کسی ذریعہ تفتیش کے ذریعہ شمار کیا جا سکے جو ترقی پسندی کے اس اندھے تصور کے ہاتھوں روحانی جراحتیں اٹھا رہے ہیں تو معلوم ہوگا کہ یہ جنسی ہیجان جو ہماری تعلیم گاہوں کے طفیل برپا ہو رہا ہے اس نے کتنے وسیع پیمانے پر ہماری اخلاقی قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ مگر وہ خاندان بھی جنھیں اخلاقی قدروں کے بارے میں کم از کم اتنی حس ہو کہ روحانی صدمہ قبول کیے بغیر نہیں رہتے۔ چونکہ زمانے کا رنگ یہ دیکھتے ہیں کہ عفت و عصمت سے زیادہ تعلیم اور ڈگری کی قیمت ہے، اس لیے صدمے اٹھائے جاتے ہیں، خوف کو انگیز کیے جاتے ہیں۔ اور اپنی اولاد کے اس تعلیمی ماحول پر عملاً راضی رہتے ہیں، ورنہ اگر کہیں ان کی یہ حس اتنی طاقتور ہوتی کہ کسی خوف اور کسی صدمہ پر اس تعلیمی ماحول کا بائی کاٹ کرنے پر آمادہ کر دیتی تو ہم صحیح اندازہ کر سکتے کہ یہ ماحول جو آج ہماری تعلیم گاہوں میں پیدا کر دیا گیا ہے شرافت اور اخلاقی پاکیزگی کے لیے کس قدر سم قاتل ہے، لیکن آج بھی جبکہ بہت کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں وہ نتائج جو ہمارے سامنے ہیں اس حقیقت کا اندازہ کرانے کے لیے کچھ کم نہیں ہیں۔

اور پھر یہی نہیں کہ یہ جنسی میلانات کا ابھار ہمارے نوجوانوں کی صرف اخلاقی پاکیزگی کو تباہ کر رہا ہو بلکہ طلبہ میں آج جو شوریدہ سری، نظم و ضبط سے سرکشی، طالبعلمانہ روایات سے دوری، علمی دلچسپیوں کی کمی اور ان سب کے نتیجہ میں ٹھوس علمی لیاقت سے تہی دستی ہم دیکھ رہے ہیں، اور جن کے ذکر سے ہمارا کوئی تعلیمی مذاکرہ اور کسی یونیورسٹی کا کانووکیشن خالی نہیں جاتا، حقائق سے کھلی چشم پوشی ہے اگر ہم ان چیزوں کے اسباب کی فہرست بناتے ہوئے اس جنسی میلان کے ابھار کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ معاشی مستقبل کی طرف سے بے اطمینانی کو تو لوگ ان چیزوں کے اسباب میں شامل کرتے، بلکہ بعض

لگ تو اس کو سرفہرست رکھتے ہیں (حالانکہ یہ بات گنے چنے طلبار کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے) لیکن یہ بات جو طلبار کی بیشتر تعداد کے اعتبار سے واقعہ میں سب سے بڑا سبب ہو اسے بالکل بھول جاتے ہیں ــــ شاید اس لیے کہ اس سے ان کے ترقی پسندانہ تصور پر بڑی ضرب پڑتی ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہو خواہ اس سے کتنی بھی نظریں چرائی جائیں، کہ طلبار میں بدنظمی، سرکشی علمی دلچسپی کی کمی اور مطلوبہ تعلیمی نتائج کا فقدان، سب سے زیادہ اسی جنسی مغلوبیت کا نتیجہ ہو جس میں انھیں خود ان کے تعلیمی ماحول نے مبتلا کر دیا ہے۔

غالب نے کہا تھا

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ہمارے طلبہ کا سارا المیہ بعینہٖ یہی ہو، ان کی جو جنسی حس بھڑک اٹھی ہے وہ انھیں اپنی فطرت کے مطابق ہر اُس وادی میں لیے بھٹک رہی ہے جہاں اسے غذا فراہم ہوتی ہو، پکچر میں انکی اس حس کو غذا ملتی ہے۔ بس وہ چاہتے ہیں اور چاہتی ہیں کہ قضا نہ ہونے پائے۔ فحش اور رومانٹک لٹریچر میں انھیں جنسی لذت ملتی ہے، ان کی درسی کتابوں کے ساتھ اس قسم کی ایک کتاب ضرور، آپ کو دبی ہوئی ملے گی ان کا کمرہ اس طرح کے رسالوں سے خالی نہیں ہو سکتا، اور ان کے بستر سے یہ لٹریچر کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ کیا اس قسم کی بیماریاں رکھنے والوں سے ٹھوس علمی انہماک اور نظم وضبط کی پابندی کی توقع کی جاسکتی ہے؟۔ انھیں ان بیماریوں کے نتیجے میں دماغی اور قلبی اعتبار سے جس حالت میں رہنا چاہیئے اُس کا تو تقاضہ ہی یہ ہے کہ ان میں نہ علمی دلچسپی ہو نہ نظم وضبط کی پابندی۔

یہ المیہ تو ملک کی تعلیم گاہوں کا عمومی طور پر ہے اور اس پر ہمارا کوئی بس نہیں، لیکن ہمارے لیے اس عموم میں ایک خصوصی المیہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خاص مسلمانوں کے انتظام میں چلنے والی اور مسلمانوں کے لیے قائم کی جانے والی جدید تعلیم گاہوں پر بھی اس ترقی پسندی کا سایہ بڑی تیزی سے پڑتا جارہا ہے جس کے نتائج سے اسلامی شعور تھرا اٹھتا ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو مسلمانان ہند کا سب سے

بڑا تعلیمی ادارہ ہے وہ روز بروز ترقی پسندی کے اس غیر اسلامی تصور کے سایہ میں آتا جا رہا ہے، یہی حال مسلمانوں کے بہت سے کالجوں خصوصاً زنانہ کالجوں کا ہوتا جا رہا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور مسلم اسکولز اور کالجز جدید تعلیم کے حصول کے لئے وجود میں آئے تھے اور اس کے ساتھ جدید تہذیب کا لازمہ بھی ایک حد تک لگا ہوا تھا، اس لئے اس کا تو کوئی سوال نہیں کہ ان تعلیم گاہوں میں دینی مدرسوں کے طور طریقے رواج پائیں۔ اور وہاں کے حدود و قیود یہاں کے ماحول پر نافذ کئے جائیں، لیکن یہ بات بھی تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس جدید تعلیم کے ساتھ اسلامیت کا کوئی سوال ہی اس یونیورسٹی اور ان اسکولوں اور کالجوں کی تأسیس میں سامنے نہیں رکھا گیا تھا بلا شبہ یہ سوال سامنے رکھا گیا تھا۔ دینیات کی تعلیم ان میں سے ہر جگہ لازمی تھی۔ لڑکیوں کے پردے اور لڑکوں کے ساتھ عدم اختلاط کا اہتمام تھا۔ مسلم یونیورسٹی میں تو طلباء کا لباس بھی متعین تھا۔ نماز لازمی تھی۔ یہ سب اگر طلباء میں اسلامیت کے تحفظ کا اہتمام نہیں تھا تو کیا تھا؟ ـــــ اس لئے یہ تو ٹھیک ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور جدید تعلیم کے دوسرے مسلم اداروں کو دیوبند اور ندوہ کے رنگ میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ لیکن اِن اداروں کے دنیوی اور عصری تعلیم کے ادارے ہونے کا یہ مطلب بھی تو کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ جس درجہ کی اسلامیت کا تحفظ دنیوی اور عصری تعلیم کے ساتھ ممکن ہے اس سے بھی صرفِ نظر کر لیا جائے۔

ہمارے اِن جدید تعلیمی اداروں میں ترقی پسندی کی ملک گیر لہر کے زیر اثر آج جو کچھ ہونے لگا ہے۔ اس کو بالکل بجا ثابت کرنے کے لئے اس ترقی پسندی کے بعض حامی ایک عجیب مغالطہ آمیز منطق بگھارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صاحب اِن اداروں کا مقصد تو مسلمانوں کو تحصیل دنیا کے قابل بنانا ہے۔ انھیں ایسا بنانا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ دنیاوی عزت و کامیابی حاصل کر سکیں۔ لہٰذا دنیا میں جن باتوں کا چلن ہوگا، اِن اداروں کو اپنے مقصد کے اعتبار سے ضروری ہوگا اپنے طلباء کو اُس کے مطابق ڈھالیں! ـــــ ذرا اس منطق پر غور تو کیجئے۔ کس طرح تعلیمی اداروں کے اصلی مقاصد اور اُن کی معزز حیثیت کی مٹی اس میں پلید کی گئی ہے، گویا یہ تعلیمی ادارے نہوئے کارخانے

اور فیکٹریاں ہوگئیں کہ بازار کی مانگ کے مطابق مال ڈھال ڈھال کر ان میں سے نکالا جائے۔ مسلمانوں کے دام دنیا کی منڈی میں نہیں اُٹھ رہے تھے اس لئے مسلم یونیورسٹی کے نام سے ایک فیکٹری اور مسلم تعلیمی اداروں کے نام سے جگہ جگہ کارخانے کھولے گئے جو اس جنس کے کچے مال کو بازار کی مانگ کے مطابق سانچوں میں ڈھال ڈھال کر نکالیں۔ دنیا میں رقص و سرود کا چلن ہے اور اس صنف پر بڑی قیمت اٹھتی ہے تو بہترین رقاص اور موسیقار تیار کئے جائیں۔ دنیا ایکٹرس اور ایکٹروں پر دولت و عزت نثار کرتی ہے تو اس نوع کے اعلیٰ سے اعلیٰ ماڈل تیار کرکے بازار میں لائے جائیں۔

بیشک، اگر یہی ہمارے ان تعلیمی اداروں کی نوعیت ہے، اور یہی ان کا مقصد ہے جس کی ترجمانی اوپر کے الفاظ میں کی گئی ہے تو پھر یہ جو کچھ ہو رہا ہے، بجا ہی نہیں ضروری بھی ہے، بلکہ ضرورت کے تقاضے ابھی کچھ اور بھی ہیں جن کی طرف قدم بڑھنا چاہیئے! لیکن ہم اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ان اداروں کی یہ نوعیت اور ان کا یہ مقصد ٹھیرانا اُن کی تذلیل ہے، اگر ہم سمجھتے ہیں کہ تعلیم گاہوں کے متعلق یہ تصور فکر و نظر کی پستی کا وہ ثبوت ہے جس سے آگے کسی ثبوت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہم تعلیم گاہوں کے بارے میں اس سے کوئی بہت اونچا اور بہت اونچا تصور رکھتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد انسان کے ذہن کو روشن کرنا ہے، اسکی فکری قوتوں کی صحت مندانہ ساخت و پرداخت ہے اور اسکی عملی استعدادوں کی ایسی رہنمائی ہے کہ وہ انسانیت کے پاکیزہ تصور سے میل کھاتی ہوئی زندگی گزارنے کی طرف راغب ہو سکے ——— اور خاص جدید تعلیم کے معنیٰ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اُن نئی تحقیقات اور اُن نئے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کی جائے جن کے بغیر آج کے دور میں علمی اور مادی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو پھر ترقی پسندی کے یہ مظاہر جو اپنائے جا رہے ہیں خاص جدید تعلیم کے تصور کی رو سے تو غیر ضروری اور تعلیم کے عام تصور کے اعتبار سے نامناسب بھی۔ اور طلبا میں اسلامیت کے تحفظ کا سوال بھی لایا جائے تو سخت قابلِ اعتراض!

طلبا کے تفریحی مشاغل کی ضرورت سے ہمیں انکار نہیں، لیکن اُس طرح کے تفریحی مشاغل کا انتخاب آخر کیا معنیٰ رکھتا ہے جو اخلاقی اعتبار سے غیر صحتمندانہ رجحانات پیدا کریں اور انسانیت

کے پاکیزہ تصور کی مٹی پلید کرتے ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے ساتھ اسلامیت کے تحفظ کا کوئی امکان باقی نہ رہتا ہو۔ حیرت ہوتی ہے کہ پچھلے دنوں مسلم یونیورسٹی کورٹ کی ایک میٹنگ میں یوتھ فیسٹولز کی مروجہ نوعیت کی مخالفت میں ایک تجویز آئی تو یونیورسٹی کے ایک اعلیٰ استاذ نے اس تجویز کی مخالفت میں یہ تقریر جھاڑی کہ ہم اِن پروگراموں کے ذریعہ دونوں جنسوں کو یکجائی کا موقع دے کر دراصل اِن کے جنسی محرکات کو کم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں ـــــــ تقریر بہت خوب! لیکن کون نہیں جانتا کہ اِن خوشنما فلسفوں کے پیچھے حقائق کا کیسا مکروہ ناچ ہوتا ہے۔ ان حقائق کی کراہت کو محسوس کرنے والا کوئی شخص بھی اِن یوتھ فیسٹولز کے حق میں رائے نہیں دے سکتا۔ چنانچہ اگر ہماری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو، چند ہی ماہ ہوتے ہیں کہ وائس چانسلروں کے ایک اجتماع میں ایک غیر مسلم وائس چانسلر نے انھیں حقائق کی بنا پر اِن فیسٹولز کی مخالفت کی۔

دراصل یہ یوتھ فیسٹول اور دوسرے کلچرل پروگرام جو مسلم یونیورسٹی اور دوسرے مسلمان تعلیمی اداروں میں نہایت خوشنما فلسفوں کے سہارے رواج دئیے جارہے ہیں، یہ اِن اداروں کی اسلامیت کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد مختلف اثرات کے ماتحت بہت سے اِن اداروں میں ایک طبقہ داخل ہوگیا ہے جس کے نام مسلمانوں کے ہیں لیکن وہ اندر سے قطعاً مسلمان نہیں ہے۔ وہ الحادی فلسفوں پر یقین رکھتا ہے اور ان کا داعی ہے۔ اِن اداروں میں نفوذ کے ذریعہ دراصل اُسے وہ کمین گاہیں مل گئی ہیں جہاں بیٹھ کر وہ مسلمان نسلوں کا شکار کرسکے۔ اس کھلاڑی گروہ کو خوب معلوم ہے کہ نوجوانوں کی کمزور رگ کیا ہے، اُس نے اسی کمزوری کو نشانہ بنالیا ہے۔ یہ سارے کلچرل پروگرام اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع ہیں ـــ ان پروگراموں میں طبعی طور پر نوجوانوں کو بڑی لذت اور بڑا حظ وسرور حاصل ہوتا ہے۔ اور اس لذت وسرور سے آشنا ہونے کے بعد وہ یقیناً اس دام سے نکل نہیں سکیں گے۔ اور پھر وہ اسلام اور کسی بھی مذہب کو پسند نہیں کرسکتے جو اس لطفِ حیات سے روکتا ہو۔ وہ یقیناً اسے تاریک خیالی اور انسانی اُمنگوں کے حق میں ایک شکنجہ گردانیں گے اور رد کردیں گے۔ اور زندگی کے ان ملحدانہ فلسفوں کے علمبردار بنے نظر آئیں گے۔ جن سے اِن کلچرل خوش فعلیوں کا جواز ہی نہیں ضرورت ثابت

ہوتی ہے اور جن کی بنیادوں پر قائم ہونے والا تمدن بغیر ان خوش فعلیوں کے مکمل نہیں ہوتا۔

یہ ہے پورا خاکہ اس سازش کا! اب ہوا کریں ہمارے اِن اداروں میں اسلامیات کے شعبے اور دینیات کے گھنٹے۔ اور ہوا کریں مولوی صاحبان کی تقریریں۔ یہ سب ایک طرف رہ جائیں گے اور یہ سازش اگر آزادی سے راستہ پاتی رہی تو ہماری نئی نسل کو اسلام کے ہاتھوں سے نکال کر الحاد کی گود میں لیجا بٹھائے گی ——— پس جو کوئی اِن اداروں کے نظم ونسق میں دخیل ہے اور وہ ان میں اسلامیت کا تحفظ محبوب رکھتا ہے۔ اس نے اگر ابتک نہیں سوچا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو اب اُسے کسی تاخیر کے بغیر سوچ لینا اور سمجھ لینا چاہیئے۔ اور جو والدین اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اِن اداروں میں دین وایمان لُٹوانے کے لئے نہیں بلکہ صرف جدید تعلیم پانے کے لئے بھیج رہے ہیں ان کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ انھوں نے اگر اس سازش کے خلاف آج آواز نہ اُٹھائی تو اسکے پھیلائے ہوئے زہر کا علاج کل اُن کے بس میں نہ ہو گا۔

ہمارے یہ جدید تعلیم کے ادارے ہماری ملّی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہیں۔ ہم اِن کو پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، اِن کے بقا اور تحفظ کے لئے ہمیں سب کچھ کرنا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ ان کی روش خود ہمارے اُس ملّی وجود کے خلاف ہی نہ پڑ جائے جس کی خاطر ہم اِن اداروں سے محبت رکھتے اور اِن کے پھلنے پھولنے کے آرزومند ہیں۔ اور جس ملّت کو جدید تعلیم کی قوت بہم پہنچانے کے لئے یہ وجود میں آئے تھے، کہیں کسی سازش کا آلۂ کار بن کر اس ملّت کے وجود ہی کا تیا پانچہ نہ کر ڈالیں۔

آج ملک کی عام تعلیم گاہیں ترقی پسندی کی لہر سے متأثر ہو کر جس ڈگر پر چل پڑی ہیں، اسی ڈگر کو ہمارے اداروں کا بھی اپنا لینا کوئی خوش آئند بات نہیں ہے۔ یہ وہ ڈگر ہے جس کے کانٹے پائے اخلاق وشرافت کو چھلنی کئے دے رہے ہیں، اور ملک کا ضمیر اِن کانٹوں کی چبھن سے تڑپنے لگا ہے۔ ایسے وقت میں خود ملک کی بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ ہم اسکے سامنے تعلیم گاہوں کا ایک ایسا نمونہ پیش کریں جو تعلیمی نشانوں کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پہ پورا کرنے کے ساتھ ساتھ

شرافت و پاکیزگی کا بھی مرقع ہوں۔ اور آج کے تعلیمی ماحول کی اندھیریوں میں لوگوں کو روشنی کی ایک کرن نظر آئے۔ ہماری تعلیم گاہیں اپنی سابقہ اسلامی روایات کو پورے خلوص کے ساتھ اگر برقرار رکھیں تو یہ مقام انھیں کا حصہ ہوگا۔ اور وہی تعلیمی ماحول کی اصلاح میں پیشروی کا اعزاز پائیں گی۔

معارف الحدیث

(مُسَلسَل)

نماز کے اوقات :- (۲)

(۱۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِي فَيَاْتِى الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ۔ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضور کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہونچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی[۱] پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے، خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انھوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانہ میں بنو امیہ کے بعض خلفاء اور اُمراء عصر کی نماز میں بہت

---

[۱] حضرت انس بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے۔ جب حضور مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپ کی خدمت میں دے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت پر بصرہ منتقل ہوئے، ۹۳ھ میں وہیں وفات پائی۔

تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرز عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار بھی فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عصر پڑھ کے اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہونچتا اس وقت تک بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے سے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔

اب سے قریباً ۲۲-۲۳ سال پہلے کی بات ہو کہ یہ ناچیز امروہہ ضلع مرادآباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا (جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امروہہ سے قریباً ۴ میل پر ہے) اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہونچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جاتا۔

(۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ـــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مومن کو چاہیے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طمانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے ـــ جلدی

جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"شیطان کے دو قرنوں" کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دو قرنوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ و تمثیل ہو۔ واللہ اعلم

(۲۰) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا لَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِکَ النُّجُوْمُ ——— (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی (یا فرمایا کہ طریقۂ فطرت پر رہے گی) جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی موخر کر کے نہ پڑھے کہ تارے گنجان ہو جائیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اول وقت ہی پڑھتے تھے، اور جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ تاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے ــــ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر تارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُہُمْ اَنْ یُؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی

ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ ______ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کریں۔" ______ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْئٌ شَغَلَهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذَالِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ______ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بھی بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی، بہرحال آپ جب گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا دوسرے کسی دین والے انتظار نہیں کرتے اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لیے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے)، اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت تو اگرچہ وہ ہے جبکہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہو اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے، اس لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی عشا پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابر کی ایک حدیث میں پہلے بھی گذر چکا ہے کہ اگر لوگ عشا کے لئے سویرے جمع ہو جاتے تو آپ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ کچھ دیر کرکے پڑھا کرتے تھے ـــــ آپ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت یا اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت اور رعایت کا ثواب انشاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا ـــــ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشا کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے، کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

(۲۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ لِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ ـــــ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس نماز عشا کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت کہ مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) تجربہ اور حساب سے معلوم ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اتنے ہی وقت پر نماز عشا پڑھنے کا تھا۔

ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ ——— (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک موخر کر کے ہی پڑھا کریں۔" ——— (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذَالِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے۔ جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بھی بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی، بہرحال آپ جب گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا دوسرے کسی دین والے انتظار نہیں کرتے اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لیے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت تو اگرچہ وہ ہے جبکہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے، اس لیے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی عشا پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابر کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشا کے لیے سویرے جمع ہو جاتے تو آپ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے ــــ آپ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت یا اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت اور رعایت کا ثواب ان شاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا ــــ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشا کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے، کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

(۲۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ ــــ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس نماز عشا کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت کہ مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) تجربہ اور حساب سے معلوم ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اتنے ہی وقت پر نماز عشا پڑھنے کا تھا۔

(۲۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ ۔ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہو کر) اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاسکتیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھروں کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد وقامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً ۔ ——— (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت قتادہ تابعی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں، اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضور کی عام عادت

اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ کا عام طریقہ نہیں تھا جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہو کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں، واللہ اعلم

(۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔

(رواه ابوداؤد والترمذی والدارمی)

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اُجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرا اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اُجالا پھیل جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ راجح ہو کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے۔ یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اُجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہلِ صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لیے سہولت اسی میں تھی کہ نماز فجر تاخیر سے نہ پڑھی جائے، دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشا

کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشا عموماً سویرا پڑھتے تھے۔ اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غَلَس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غَلَس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے ان سب وجوہ سے ہمارے زمانہ میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے بھی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا۔

بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْآخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اُس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہو کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کے اول و آخر بتلانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں — یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے ص۱۳ پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو موخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفْوًا ——— (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کیجیو، نماز جب اس کا وقت آجائے۔ اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے، اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ میں اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے، علیٰ ہذہ جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

(۲۹) عَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْ يُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب ایسے (غلط کار اور ناخدا ترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے، (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو، یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بنی امیہ کے بعض خلفاء اور اُمراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابۂ کرام نے اُن کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین ان کو یہ ابتلا پیش آیا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا ــــــــ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز کے وقت سو رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اُٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپ اور آپ کے رفقا چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلال نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگا دینے کی ذمہ داری لے لی لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلال کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کے اُٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوا کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا، گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کرے۔ (ملخصاً از صحیح مسلم)

معذرت افسوس ہے کہ اس شمارہ میں مقررہ صفحات سے ۸ صفحات کم رہ گئے ہیں۔ اسکی تلافی ان شاء اللہ آئندہ ماہ ہو جائے گی۔

"ناظم الفرقان"

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

تلخیص و ترجمہ ——— از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۲۶۶) خواجہ عبداللہؒ و خواجہ عبیداللہؒ[۱] صاحبزادگان حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے نام

[یہ مکتوب بہت طویل اور اہم ہے۔ اس میں عقائد کا بیان ہے ــ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ کے شروع میں عقائد کی بحث میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں ــ شاہ غلام علی دہلویؒ نے اس مکتوب کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ علم عقائد میں فائدۂ کثیر رکھتا ہے اسکو علیحدہ لکھ لکھ کر لوگوں کو دینا چاہیئے۔"]

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ——— مخدوم زادوں کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپکے والد ماجد کے احسانات میں غرق ہے ــ طریقت میں الف، بے کا سبق انھیں سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف کی تہجی انھیں سے سیکھی ہے ــ "اندراج النہایۃ فی البدایۃ" کی دولت انھیں کی برکتِ صحبت سے حاصل کی ہے اور "سفر در وطن" کی سعادت کو انکی خدمت کے صدقے ہی میں پایا ہے، ان کی توجہ مبارک نے دو ڈھائی ماہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہونچا دیا اور

---

[۱] یہ دونوں صاحبزادے دو ماؤں سے تھے ان میں بڑے خواجہ عبداللہ تھے جن کا لقب خواجہ کلاں تھا، اور خواجہ عبیداللہ خواجہ خُرد کہلاتے تھے اور اپنے بڑے بھائی سے تقریباً چار ماہ چھوٹے تھے، دونوں بڑے صاحب فضائل و کرامات تھے ——— خواجہ خُرد حضرت مجدد الف ثانیؒ سے مجاز بھی تھے، اور انھوں نے (باقی حاشیہ ص۲۲ پر)

اکابر کے "حضورِ خاص" کو بھی عطا فرمایا ــــ اس مدّت قلیلہ میں جو کچھ "تجلّیات و ظہورات"، "انوار و الوانِ بے رنگیہا و بے کیفیہا" ان کے طفیل میں رونما ہوئے ان کی کیا تشریح کروں ــــــ اُن کی توجہ مبارک کی برکت سے معارفِ توحید وغیرہ کا (شاید ہی) کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر واضح نہ کیا گیا ہو اور اسکی حقیقت سے اطلاع نہ پائی ہو............ جبکہ اتنی عظیم الشّان دولت آپکے والد بزرگوار سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدامِ بارگاہِ عالی کے قدموں میں پامال کروں تب بھی کچھ حق ادا نہ ہو ــــــ اپنی کوتاہیوں کو کیا گناؤں اور اپنی شرمندگی کا کیا اظہار کروں۔

ــــــ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہ عمل لوگوں کے کام کو اپنے ذمّے لازم کرکے خدامِ بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمرِ ہمّت کو کس لیا ہے اور ہم دور افتادوں کو فارغ البال کر دیا ہے ؎

گر بر تنِ من زبان شود ہر موئے ــــــ یک شکرِ وے از ہزار نتوانم کرد

فقیر تین مرتبہ حضرت پیر و مرشد کے آستانے پر (اُن کی زندگی میں) حاضر ہوا ہے آخری حاضری پر فقیر سے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعفِ بدن غالب آگیا ہے اُمیدِ حیات کم ہے ــ میرے بچوں کے حالات سے خبردار رہنا ــــ پھر اپنے سامنے آپ دونوں کو طلب کیا اس وقت آپ دونوں دودھ پیتے بچے تھے ــــ حکم فرمایا کہ ان بچوں پر توجہ کرو اُن کے حکم سے ان کے سامنے ہی توجہ کی گئی حتیٰ کہ

(بقیہ حاشیہ صـ۲۱) بڑے بڑے اکابر علماء کو درس دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ حضرت خواجہ خرد سے بھی بیعت تھے ــــ مکتوباتِ امام ربانیؒ میں تقریباً سات مکتوب ان صاحبزادگان کے نام ہیں ــــ خواجہ کلاںؒ نے سنہ ۱۰۷۳ھ میں اور خواجہ خردؒ نے سنہ ۱۰۷۴ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے قریب دفن ہوئے ــــ مؤرخین نے ان دونوں صاحبزادوں کے القاب کی تعیین اور سنِ وفات اور دیگر حالات میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ سید کمال سنبھلیؒ نے جو خواجہ خُرد کے براہِ راست مرید تھے اسراریہ میں دونوں بھائیوں کے مفصّل حالات لکھے ہیں۔ میں نے اسراریہ، زبدۃ المقامات، ماثر الکرام وغیرہ سے اخذ کرکے ان دونوں صاحبزادوں پر ایک مقالہ لکھا ہے جو "بحرِ ولایت کے دو آبدار موتی" کے عنوان سے الفرقان بابتہ ماہ جمادی الاخریٰ و رجب سنہ ۱۳۷۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ (فریدی غفرلہٗ)

اس کا اثر ظاہر میں بھی نمایاں ہوا ــــ بعد ازاں فرمایا کہ ان بچوں کی ماؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو حسب الارشاد اُن پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی ــــــ اُمید ہے کہ حضرت والا کی موجودگی کی برکت سے وہ توجہ نتائج پیدا کرے گی ــــ یہ خیال نہ کرنا کہ میں پیر و مرشد کی وصیت کو فراموش کر چکا ہوں یا تغافل برتتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے البتہ (راہ سلوک طے کرانے کے لئے) آپ کے اشاروں کا منتظر ہوں ــــــ اب چند فقرات بطور خیر خواہی لکھے جاتے ہیں اُمید کہ گوش ہوش سے سنیں گے ــــ اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے ــــ

فرض اولین، نزد عقلاء، تصحیح عقائد ہے ــــ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے مطابق ــــــ چنانچہ بعض مسائلِ اعتقادیہ کا بیان کیا جاتا ہے ــــــ

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اُسی کی ایجاد سے موجود ہیں ــــ اللہ تعالیٰ ذات میں، صفات میں اور افعال میں یکتا ہے ــــ کسی کو کسی بات میں اسکے ساتھ فی الحقیقت کوئی شرکت نہیں ہے ــــ نہ وجود میں اور نہ اسکے علاوہ (علم و قدرت وغیرہ) میں، کوئی مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی ہو تو وہ بحث سے خارج ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال اس کی ذات کی طرح "بے چوں" و "بے چگونہ" ہیں۔ اُن کو مخلوق کے صفات و افعال سے کوئی مناسبت نہیں ہے ــ مثلاً صفتِ علم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت قدیم اور بسیط ہے کہ اس میں "تعدّد و تکثّر" راہ نہیں پاتا ہے اگرچہ وہ تعدّد، "باعتبارِ تعددِ تعلقات" ہی کیوں نہ ہو ــــ اسلئے کہ وہاں ایک انکشافِ بسیط ہے کہ معلوماتِ ازل و ابد اُسی انکشاف سے منکشف ہوتے ہیں وہ تمام اشیاء کے احوالِ متناسبہ و متضادہ، کلیۃً و جزئیۃً ہر اک کے اوقاتِ مخصوصہ کے اندر آنِ واحد میں جانتا ہے ــــ ایک ہی آن میں زید کو موجود، معدوم، ماں کے پیٹ میں، جوان، بڈھا، زندہ، مردہ، قائم، قاعد، مستند، پہلو پر لیٹا ہوا، خنداں، گریاں، متلذذ، متالّم، عزیز ذلیل، برزخ میں، حشر میں، جنت میں، تلذّذ ذات کے اندر ــــ جانتا ہے ــــــ پس تعدّدِ تعلق بھی اس مقام پر مفقود ہے اس لئے کہ تعددِ تعلقات، تعددِ اوقات اور تکثّرِ ازمنہ چاہتا ہے اور وہ یہاں ہے نہیں ــــــ اللہ تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے نہ تقدّم و تاخّر ــــــ پس اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں معلومات کا تعلق ثابت کریں تو وہ ایک ایسا تعلق ہوگا جو جمیع معلومات سے

متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے اور صفت علم کی طرح بے چون و بے چگونہ ـــــــ وہ جملہ اشیاء کو آن واحد میں جانتا ہے ـــ اسکی ایک مثال پیش کر کے مسئلے کو قریب الفہم کرتا ہوں...... (دیکھئے) یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں "کلمہ" کو اسکے "اقسام متبائنہ"، "احوال متغائرہ" اور "اعتبارات متضادہ" کے ساتھ ـــ جانے ـــ یعنی ایک ہی وقت میں اس کلمہ کو اسم، فعل حرف، ثلاثی، رباعی، معرب، مبنی، متمکن، غیر متمکن، منصرف، غیر منصرف، معرفہ، نکرہ، ماضی، مستقبل، امر، نہی، کی حیثیت سے جان لے ـــ بلکہ جائز ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں کلمے کے یہ تمام اقسام و اعتبارات، آئینہ کلمہ میں بیک وقت تفصیل سے دیکھتا ہوں ـــ پس جب کہ علم ممکن اور "دید ممکن" میں اضداد جمع ہو سکتے ہیں تو پھر علم واجب تعالیٰ میں جب کہ اللہ تعالےٰ کے لئے "مثل اعلیٰ" ہے ـــ کیوں بعید ہوں گے؟ ـــ یہ بھی واضح رہے کہ یہ جمع ضدین صورۃً ہے ورنہ فی الحقیقت ان کے درمیان، ضدیت مفقود ہے ـــ اس لئے کہ ہرچند حق تعالےٰ نے زید کو آن واحد میں موجود و معدوم جانا ہے لیکن اسی آن میں یہ جانا ہے کہ اسکے وجود کا زمانہ مثلاً ۱۳۸۰ھ ہے اور اسکے "عدم سابق" کا وقت اس سے پہلے والا سال ہے اور "عدم لاحق" کا وقت ۱۳۸۱ھ ہے ـــ اس میں درحقیقت کوئی بھی تضاد نہیں .... اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہرچند جزئیات متغیرہ سے تعلق رکھے مگر اس کے علم میں تغیر راستہ نہیں پاتا اور گمان حدوث اسکی اس صفت میں نہیں ہو سکتا ـــــــ اسی طرح کلام حق تعالےٰ بھی ایک "کلام بسیط" ہے کہ ازل سے ابد تک اسی کلام سے متکلم ہے۔ امر، نہی، اعلام، استعلام، تمنی، ترجی اسی ایک کلام سے ظاہر و ہویدا ہیں اور تمام کتب "منزلہ" اور "صحف مرسلہ" اسی کلام بسیط کا ایک ورق ہیں ـــ توریت اسی کلام سے تحریر میں آئی، انجیل نے اسی سے صورت لفظی پیدا کی، زبور اسی سے مسطور ہوئی اور قرآن مجید بھی اسی کلام سے نازل ہوا۔

ع

والله کلام حق کہ ملی الحق یکیست و بس
پس در نزول مختلف آثار آمدہ

اسی طرح اللہ تعالےٰ کا ایک فعل ہے کہ مصنوعات اولین و آخرین اسی ایک فعل سے وجود میں آئیں ـــــــ (چنانچہ ارشاد ہے) وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر ـــ

(نہیں ہے ہمارا کام مگر ایک کلمہ مانند پلک جھپکانے کے) یہ آیۂ کریمہ اسی حقیقت مذکورہ کی طرف ایک اشارہ ہے ـــــ اِحیاء، اِماتت، اِیلام، اِنعام اسی فعل سے مربوط ہے، نیز موجود کرنا اور معدوم کرنا بھی اس فعل سے ناشی ہے ـــــ پس فعلِ حق تعالیٰ میں بھی تعددِ تعلقات ثابت نہیں۔ بیک تعلق، مخلوقاتِ اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں وجود پذیر ہوتی ہیں ـــــ یہ تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے فعل کی طرح بے چون و بیچگونہ ہے......

اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس کے اندر حلول کر سکے ـــــ لیکن وہ "محیطِ اشیاء" ہے اور اشیاء سے قرب و معیت کا تعلق رکھتا ہے وہ ایسا احاطہ، اور ایسا قرب و معیت نہیں جو ہمارے فہم ناقص میں آجائے یہ شایانِ قدس نہیں ہے ـــــ جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں حق تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے اس لئے کہ ممکن (بشر وغیرہ) کو اللہ تعالیٰ کی ذات صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے (...) حیرت کے کچھ میسر نہیں ہے، غیب پر ایمان لانا چاہیئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اسکی تحت "لا" نفی کرنا چاہیئے۔

عنقا شکارِ کس نہ شود دام باز چیں
اینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

حضرت پیر و مرشدؒ کی مثنوی کا یہ شعر بھی اس مقام کے مناسب ہے:۔

ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

پس ہم ایمان لائیں کہ اللہ تعالیٰ محیطِ اشیاء ہے اور اشیاء کے قریب اور اُن کے ساتھ ہے لیکن احاطہ، قرب اور معیت کی حقیقت ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے؟......

اللہ تعالیٰ کا کسی چیز سے اتحاد نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ہے ـــــ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے ذات میں بھی، صفات میں بھی، افعال میں بھی ـــــ کسی بات میں کسی چیز کا محتاج نہیں...... اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ نقصان اور نشاناتِ حدوث سے منزہ و مبرا ہے۔ جس طرح جسم و جسمانی نہیں ہے۔ مکانی و زمانی بھی نہیں ہے ـــــ تمام صفاتِ کمال اسی کے لئے ثابت ہیں منجملہ اُن صفاتِ کمال کے یہ آٹھ صفات بھی ہیں ـــــ حیاتؔ، علمؔ

قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، تکوین .... اللہ تعالیٰ قدیم وازلی ہے،
اسکے غیر کی یہ شان نہیں .... ممکنات تمام کی تمام چاہے وہ جواہر ہوں یا اعراض، عقول ہوں
کہ نفوس، افلاک ہوں یا عناصر ـــــ قادر مختار کی ایجاد سے ہیں وہی ان کو پردۂ عدم سے وجود
میں لایا ہے ـــــ یہ ممکنات جس طرح وجود وحدوث میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اپنی بقا میں
بھی اُسی کے محتاج ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائط کو اپنے فعل اور اپنی حکمت کا پردہ
پوش بنا دیا ہے .... ارباب عقل و ہوش جن کی چشم بصیرت میں متابعتِ انبیاء کا سرمہ لگا ہوا
ہے ـــــ جانتے ہیں کہ ـــــ اسباب و وسائل جو کہ وجود و بقار میں محتاج خدا ہیں اور اپنا ثبوت و
قیام اسی سے رکھتے ہیں اور جو کہ جمادِ محض ہیں کس طرح اپنے جیسے (محتاج) میں تاثیر اور ایجاد و اختراع
کر سکتے ہیں (لا محالہ) ایک قادر ہے جو اِن اسباب کے پس منظر میں ہر چیز ایجاد کرتا ہے اور اس کو
کمالاتِ لائقہ عطا فرماتا ہے۔ ایک بے جان چیز کی حرکت کو دیکھ کر عقل مند لوگ اس حقیقت
کا پتہ چلا لیتے ہیں کہ اس حرکت دینے والا کوئی ضرور ہے اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حرکت خود اس
بے جان کے لائق حال نہیں ہے اسکے پیچھے ایک فاعل ہے جو اس فعل کی ایجاد کر رہا ہے...
.... ہاں ایک بیوقوف کی نظر میں فعل جماد، فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش و پردہ پوش
ہو جاتا ہے وہ اپنی کمالِ کند ذہنی کی بنا پر جمادِ محض کو اُسکے فعل پر نظر کر کے صاحبِ قدرت
سمجھ رہا ہے اور فاعلِ حقیقی کا منکر ہے ....

ایک جماعت ہے جو رفع اسباب (اسباب کے نظر انداز کرنے) میں کمال سمجھ بیٹھی ہے اور
اشیاء کو ابتداءً بے وسیلۂ اسباب، حضرتِ حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے وہ لوگ اتنا نہیں
سمجھے کہ رفع اسباب سے رفعِ حکمت لازم آتا ہے جس حکمت کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں ملحوظ ہیں۔
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ـــــ انبیاء علیہم السلام (کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ) اسباب
کی رعایت بھی فرماتے ہیں اور پھر معاملے کو سپردِ خدا کر دیتے ہیں، چنانچہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظرِ بد کا خیال کر کے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی کہ يٰبَنِيَّ
لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (اے لڑکو
دیکھو مصر کے ایک دروازے سے تم سب کے سب داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل

ہونا) اس رعایتِ اسباب کے ساتھ ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور فرمایا — وَمَآ أُغْنِي عَنْكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (میں تم سے قضائے خداوندی کو کچھ بھی دفع نہیں کر سکتا، فرمانروائی تو بس اُسی کی ہے اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر متوکلین کو توکل کرنا چاہیے — اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی اس معرفت کی تعریف و تحسین فرمائی اور اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہے وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ — (اور یعقوب صاحبِ دانش تھے اور اس علم سے بہرہ ور تھے جو ہم نے اُن کو سکھایا تھا لیکن اکثر آدمی اس حقیقت کو نہیں جانتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسباب اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے — يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (اے نبی کافی ہے آپ کو خدا اور کفایت کرتے ہیں آپکے لئے وہ مسلمان جو آپکی پیروی کرتے ہیں —

باقی رہی تاثیرِ اسباب سو جائز ہے کہ حضرت حق تعالیٰ بعض اوقات اسباب میں تاثیر پیدا فرما دیں، اور مُؤثر ہو جائیں اور بعض اوقات تاثیر کو پیدا نہیں بھی فرماتے اور کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا چنانچہ ہم اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں....... مطلقاً تاثیرِ اسباب کا انکار ایک قسم کی ہٹ دھرمی ہے تاثیر کا قائل ہونا چاہیے، لیکن اس تاثیر کو اسکے سبب کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا چاہیے...... توسطِ اسباب کا ہونا منافیٔ توکل نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے منافیٔ توکل سمجھ لیا ہے بلکہ توسطِ اسباب میں کمالِ توکل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے رعایت سبب کرنے اور پھر سپرد بخدا کرنے کو توکل قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ —

اللہ تعالیٰ ارادہ کنندۂ خیر و شر بھی ہے اور خیر و شر کا خالق بھی ہے البتہ خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں — یہ ارادہ و رضا کا فرق وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے اہلِ سنت کو اس فرق کے ذریعے ہدایت یاب کیا ہے باقی تمام فرقے اس فرق سے بہرہ ور نہ ہونے کی

وجہ سے چاہِ گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ....

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قدرت وارادہ عطا فرمایا ہے کہ اپنے اختیار سے کسبِ افعال کرتے ہیں، خلقِ افعال، حضرت حق کی طرف سے ہے اور کسبِ افعال کا تعلق بندوں سے ہے۔ عادۃُ اللہ اس طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا قصد کرتا ہے تو خلقِ حق تعالیٰ اس فعل کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اور چونکہ بندے کا فعل اسکے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے ناچار مدح و ذم اور ثواب و عقاب کا بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے .... اللہ تعالیٰ کو مومنین، آخرت میں بہشت کے اندر "بے جہت و بے کیف" اور "بے شبہ و مثال" دیکھیں گے یہ دیدار باری کا وہ مسئلہ ہے کہ سوائے اہلِ سنت کے جمیع فرقہ ہائے اسلام اسکے منکر ہیں دیگر فرقے رویت بے جہت و بے کیف کو تجویز نہیں کرتے۔

(باقی مکتوب آئندہ)

غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں
مسلمان کا اندازِ حیات

(از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے حال ہی میں برما کا ایک سفر فرمایا، اور ایک ماہ تک مسلسل خطابات کے ذریعہ مسلمانانِ برما کو اسلامی زندگی اور ایمانی فکر و نظر کا پیغام دیا ــــــ اس سلسلہ کی ایک مفصل تقریر ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ جو خصوصی طور پر اُن تمام ممالک کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے، جو غیر مسلم اکثریت کے درمیان رہتے ہیں ــــــ اس سلسلہ کی ایک اور تقریر کی مفصل رپورٹ بھی ہمیں حاصل ہونے کی امید ہے جو انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی ــــــ (ادارہ)

ابراہیمی نسبت برمی دوستو! مٹی کی نسبت کے اعتبار سے جس کی ایک اصل اور حقیقت ہے جس کا ہم احترام بھی کرتے ہیں۔ اسلام اس سے انکار نہیں کرتا، اور اس کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ مٹی کی نسبتوں کے اعتبار سے جن کی اصل مِنھَا خَلَقْنٰکُمْ الخ ہے۔ ہم برمی ہیں، ہم ہندستانی ہیں۔ ہم ترک ہیں اور اسی اعتبار سے ہم سید ہیں، مغل ہیں، پٹھان ہیں، لیکن ایمانی اور اخلاقی حیثیت سے دماغی اور ذہنی حیثیت سے ہم ابراہیمی ہیں، ہم محمدی ہیں اور ہم مسلم ہیں۔

آپ کو اپنی ابراہیمی صفت کا صاف صاف اظہار کرنا چاہیئے۔ اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ ہم ذہنی، ایمانی اور روحانی اعتبار سے اور ان نسبتوں کی حیثیت سے جو زیادہ قیمتی ہیں صرف

ابراہیمی ہیں۔ آپ کا خاندان ابراہیمی ہے، چاہے آپ برما میں رہتے ہوں۔ چاہے ترکستان اور استنبول میں، چاہے جاوا وسماترا میں، چاہے مشرق اقصیٰ کے رہنے والے ہوں۔ آپ کا خاندان خاندان ابراہیمی ہے۔ تمام دنیا سے ہٹ کر ایک نئے قسم کے کنبے کے آپ افراد ہیں۔

ہمارا کام

ہمارے اور آپ کے درمیان ایک مشابہت ہے، ہم بھی چاروں طرف مختلف مذاہب اور مختلف عقائد سے گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ دوسروں کو راستہ بتلائیں، ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم دوسروں کے پیچھے پیچھے چلیں۔

ایک خاندان اور ایک تہذیب

ہم سب خاندانِ ابراہیمی کے افراد ہیں، اپنی قومی اور لسانی حیثیت سے ہماری زبانیں کتنی ہی کیوں مختلف نہ ہوں ہم سب ایک ہیں۔ مراقش کے مسلمان۔ ملایا کے مسلمان، برما کے مسلمان، ہندستان کے مسلمان، الجزائر کے مسلمان، سب کی ایک تہذیب ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کے لباس کا ایک طریقہ ہو اور میرے لباس کا ایک طریقہ، مثلاً ہمارے یہاں شیروانی پہنی جاتی ہے۔ آپ برمی کی حیثیت سے ہرگز اسکے پابند نہیں کہ یہ لباس پہنیں۔ اسلام نے لباس کی تراش وخراش اور لباس کی کاٹ ایک طرح کی نہیں دی۔ انبیاء علیہم السّلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ ایک ہی طرح کے لباس پہنو۔ آج دنیا کے کسی میوزم اور عجائب گھر میں حضرت ابراہیم علیہم السلام کا لباس نہیں۔ وہ لباس ہوتا تو ہمارے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی۔ اس وقت یہ سوال ہوتا کہ ہم یہ لباس پہنیں یا دوسرا لباس۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کے مسلمانوں کو کسی جگہ جمع کر کے دیکھا جائے تو ان کا لباس مختلف قسم کا ہوگا، یہ اختلاف تہذیب کا اختلاف نہیں کہلائے گا، اسلام سب کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے جن کی تعیین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔

ابراہیمی تہذیب کی حقیقت

ابراہیمی تہذیب دراصل انھیں حدود کا نام ہے اور اسی وجہ سے وہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک مشترک ہوسکتی ہے، ان حدود کے اندر آزادی ہے، وسیع میدان ہے، زندگی

گزارنے کے لئے، ایک سلیم الفطرت انسان نہایت آسانی سے اس میں زندگی گزار سکتا ہے، لیکن حدود کا پابند رہنا پڑے گا۔ مرد ریشم نہ پہنیں۔ بے پردگی اور اسراف نہ ہو۔ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو گھٹنوں سے اوپر نہ ہو بے حیائی نہ ہو۔ فضول خرچی نہ ہو۔ چنانچہ اس وسعت کی بنا پر ہماری وضع قطع کی سارے قدرتی اختلافات ابراہیمی تہذیب کی وحدت میں سما جاتے ہیں۔

حدود کے اشتراک کے اعتبار سے اگر آپ تہذیبی یگانگت دیکھنا چاہیں تو آپ ایک بہت واضح مثال میں دیکھ سکتے ہیں کہ برما کے مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، ہندستان کے مسلمان بھی داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ عرب کا مسلمان تو موٹر بھی دائیں طرف چلاتا ہے اور ساری دنیا کا مسلمان ہر اچھا کام داہنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ سے صرف وہی کام کرتا ہے جن کا تقاضا ضرورت یا فطرت کرتی ہو۔ یہ چیز ان حدود میں سے ہے جن کی تعیین انبیاء نے کی ہے۔ ابراہیمی تہذیب میں ہر چیز کے کچھ حدود ہیں۔ ازدواجی زندگی کے کچھ ضوابط ہیں۔ معاشرت کے بارے میں کچھ ہدایات ہیں۔ اسکے بعد آپ کا جی چاہے برما کی غذائیں کھائیے۔ آپ کو اختیار ہے جس طرح پکائیں کھائیں، کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف ممانعت فرما دی ہے، کہ کوئی کسی کے لباس پر مذاق نہ اڑائے، کسی کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقہ کا مذاق نہ اڑائے، کوئی کسی کی زبان کا مذاق نہ اڑائے۔ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ الخ

ملک کی وفاداری اور ابراہیمی تہذیب میں کوئی تضاد نہیں

برما کے دوستو اور بزرگو! آپکے ملک کے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں، مجھے اس سے بحث نہیں۔ آپ کو اپنے ملک کا وفادار اور مخلص رہنا چاہیئے، ملک کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لینا چاہیئے، اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تعمیری صلاحیت کا ثبوت دینا چاہیئے، آپ کو اپنی قابلیت، دیانتداری انتظامی لیاقت، صداقت، ذہن کی صفائی استقامت اور کیریکٹر کا ثبوت دینا چاہیئے۔ آپ اس طرح ملک کی خدمت کریں کہ آپ کی اہمیت محسوس ہو۔ اور اس طرح دوسرے عناصر سے آگے بڑھ جائیں لیکن آپ کو ابراہیمی تہذیب کا بھی وفادار ہونا چاہیئے۔

برمی شاعر و ادیب بنیئے

آپ اپنے ملک کی زبان کی طرف بھی پوری توجہ دیجئے۔ نہ صرف یہاں کی زبان پڑھیئے، بلکہ ادیب

بننے کی کوشش کیجئے، شاعر بننے کی کوشش کیجئے، یہاں کی معیاری اور ٹکسالی زبان میں لکھئے، یہاں تک کہ آپ کی زبان معیار تسلیم کی جائے، آپ کی زبان اور ادبیت اور فنی کمال کا اعتراف کیا جائے۔ ان سب کے باوجود ابراہیمی تہذیب کے وفادار رہئے۔

آپ جو چاہے زبان اختیار کیجئے، مگر ابراہیمی تہذیب آپ پر یہ پابندی عائد کرتی ہو کہ جھوٹ نہ بولیں، آپکا رسم الخط دائیں طرف سے شروع ہو یا بائیں طرف سے۔ بائیں طرف سے لکھنے پر اسلام کی شریعت میں کوئی اعتراض نہیں۔

اسلام کی نگاہ میں سب زبانیں برابر ہیں، بے شک عربی زبان کا ایک درجہ ہے، کیوں کہ وہ آسمانی زبان ہے، باقی کوئی زبان مقدس نہیں، زبانوں کا اختلاف بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔

عربی کے بعد تمام زبانیں برابر

عربی تو اسلام کی شریعت کی سرکاری زبان ہے، اسکے بعد اُردو اور ہندی بالکل برابر ہے، فارسی اور ہندی بالکل برابر ہے۔ دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو یا بائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو، اللہ کی نگاہ میں دونوں یکساں ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبانوں میں اسلام کی ادبیات کا ایک بڑا وسیع ذخیرہ ہے اس لئے کہ دائیں طرف سے لکھنے والے سامی یا آرین زبانوں میں ایسی نسلیں پیدا ہوئیں جن کو دنیا میں تاریخ کا طویل عرصہ ملا کہ وہ اسلام کی خدمت کرسکیں۔ انھوں نے اس زبان کے ذریعے اسلام کو سمجھایا، اسلام کی تعلیمات کو منتقل کیا۔ لیکن اس سے زبانوں کے مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور اس سے کسی زبان کی پابندی ہی نہیں عائد ہوتی۔ البتہ ابراہیمی تہذیب یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ آپ دائیں سے لکھیں یا بائیں سے، اس میں کوئی جھوٹی دستاویز نہ ہو۔ اس میں کوئی افترا پردازی نہ ہو۔ دروغ نہ ہو، اور بددیانتی نہ ہو۔ یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا رول۔ یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا چارٹ، اور یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا حصہ، آپکی زندگی کی تشکیل میں۔

ناموں سے اسلامیت کا اظہار

ہمارے ناموں کے ساتھ عبدیت اور اسلامیت کا اظہار ہونا چاہیئے۔ آپ اپنے اسلامی نام کے

ساتھ برمی لقب یا تعارفی نام اختیار کرسکتے ہیں، لیکن ساتھ میں ایک اسلامی نام ضرور ہونا چاہیئے تاکہ بکھرے ہوئے منتشر ابراہیمی کنبے کے افراد جب جمع ہوں تو تعارف ہوسکے۔ میرا نام علی ہے، کسی کا نام احمد ہے، کوئی عبدالعزیز ہے، سعید ہے، ابراہیم اور موسیٰ ہے۔ یہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یادگاریں ہیں۔ اور انبیاء کے فرزندوں اور ان کے خاندان کے افراد کی یادگاریں ہیں۔ توحید کا اعلان اور ابراہیمیت، اور اسلامیت کا اظہار ہمارے ناموں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔

ہم ایک ہیں

برمی دوستو! آپ میری اس بات کو سمجھ لیجئے کہ ہم سب ایک کنبے کے افراد ہیں۔ مشرق وسطیٰ سے لے کر مغرب اقصیٰ تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک ہم سب ایک ہیں۔ ہماری زبانیں مختلف ہماری قومیتیں مختلف، ہماری وضع مختلف، اور ملکی خصوصیتوں کے اعتبار سے ہم مختلف ہیں، لیکن عقیدۂ توحید اور ابراہیمی تہذیب کے اعتبار سے ہم متحد، مقصد زندگی میں بھی ہم متحد اور ایک ہیں۔

مسلمان بنکر رہیئے اور اسلام پر مریئے

آپ اس ملک میں یہ عزم کرکے رہیں کہ آپ کو مسلمان ہوکر رہنا ہے، آپ اگر برما کے ہیں تو آپکو اختیار ہے کہ آپ برما کی زمین میں دفن ہوں، کوئی مجبور نہیں کرے گا کہ نجف اشرف، بقیع شریف اور جنت المعلیٰ میں آپ دفن ہوں۔ آپ برما کی سرزمین کو اسلامی نعشوں اور مسلمانوں کے بدنوں سے گلزار بنائیں۔ آپ جگہ جگہ یہ امانتیں دفن اور سپرد کریں، تاکہ حشر کے دن زمین کے چپے چپے سے ایمان لانے والے اور ملتِ ابراہیمی کے افراد اٹھیں، کوئی جاوا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سماترا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سمندر کے کنارے سے اٹھ رہا ہو، کوئی پہاڑ کی چوٹی سے اٹھ رہا ہو۔

لیکن جب ہماری روح پرواز کررہی ہو تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہماری زبان پر ہو وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ کا یہی مطلب ہے۔ ہم سے یہ نہیں کہا جاتا کہ ولا تموتن الا وانتم فی مکۃ۔ ولا تموتن الا وانتم فی المدینۃ۔ ولا تموتن الا وانتم فی الحرم۔ ولا تموتن الا وانتم کذا وکذا۔ سمندروں میں مرو یا پہاڑ کی چوٹیوں

پر مرو آپ سے کوئی سوال نہیں کرے گا کہ یہاں کیوں مرے، اور وہاں کیوں مرے۔ ساری زمین اللہ کی ہے۔ مشرق میں رہو تو اللہ کے لئے، مغرب میں رہو تو اللہ کے لئے اور جب مرو تو زبان پر اللہ کا نام ہو۔

ملّت ابراہیم

برما کے دوستو! آپ کو اپنی سرزمین مبارک، اپنی خصوصیات مبارک، یہ آزاد، سرسبز، آباد خطہ مبارک، آپ کو اپنی زبان مبارک اور رسم الخط مبارک، آپ کو اپنا وطنی کلچر اور زمین کی خصوصیات مبارک۔ اپنے ملک کو ترقی دیجئے۔ اسکی تعمیر و ترقی میں پوری طرح حصہ لیجئے، دلچسپی جمعیۃ خاطر اور پورے اطمینان کے ساتھ حصہ لیجئے۔ اس سے کوئی آپ کو محروم نہیں کرسکتا، اور کوئی آپ پر اعتراض نہیں کرسکتا، لیکن یاد رکھئے، آپ اس خاندان کے علاوہ بلکہ اس سے بڑھ کر ایک دوسرے خاندان کے فرد ہیں، اور وہ خاندان ابراہیمی ہے۔ ملّۃ ابیکم ابراہیم۔

ملّتِ ابراہیمیؑ کسی کا اجارہ نہیں

ایک مصر کے عرب کا، مکہ کے قریشی کا، یمن کے زیدی کا، مراکش کے حسنی کا، جاوا اور سماترا کے حضرمی کا۔ جتنا دین ابراہیم ملۃ ابراہیم اور شریعت ابراہیمی پر حق ہے اتنا ہی حق ملایا کے مسلمان۔ برما کے مسلمان اور انڈونیشیا کے مسلمان کا بھی ہے۔ ہندستان کے برہمن زادے، اور افغانستان کے افغانی کا بھی ہے۔ یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ آپ برما میں رہیں تو ابراہیمی بن کر رہیں، ہندستان میں ہوں تو ابراہیمی رہیں۔ آپ برہمن کے اولاد ہوں تو ابراہیمی بن کر رہیں۔

ایک غیر ابراہیمی سید کے مقابلے میں جس نے حضرت ابراہیم سے اپنا رشتہ کاٹ دیا ہو وہ برہمن زادہ ہزار ہا درجہ افضل ہے، جس نے اپنا روحانی، ایمانی، اخلاقی، عقلی اور تہذیبی رشتہ سیدنا ابراہیم کے خاندان سے قائم کر لیا، وہ اس ہاشمی، حسنی اور حسینی سید سے جس نے بدقسمتی اور کوتاہی سے حضرت ابراہیم کی اصل نسبت سے رشتہ منقطع کر دیا، زیادہ افضل ہے۔

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا۔

تو نام ونسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

اگر ایک برمی کا دل حجازی ہے تو اس ہاشمی سے ہزار درجہ اچھا ہے جو اپنے خاندان اور نسب

پر فخر کرتا ہے، جو جاہلیت عرب پر فخر کرتا ہے، جو ابوجہل اور ابولہب کی اولاد ہونے پر فخر کرتا ہے۔ اور ملت ابراہیم کی تہذیب اور خصوصیات سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں۔

فانی رشتے

عزیز دوستو! یہ سب رشتے فانی ہیں، ہمارے آپکے یہ تمام مادی رشتے باقی رہنے والے نہیں، نہ ہاشمی رہے گا، نہ عربی، نہ برمی رہے گا اور نہ ملائی، نہ انڈونیشی رہے گا نہ جاوی، بس اللہ کا نام باقی رہے گا۔ اور اللہ کے لئے خلوص باقی رہے گا۔ نام ونسب کے اختلاف اور خاندانوں کی کمتری اور بہتری سب فانی اور ہیچ ہیں، اللہ تعالیٰ کو دین عزیز ہے، اخلاص اور للّٰہیت عزیز ہے اور ابراہیمیت عزیز ہے اور اسکے باقی رہنے کا اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔

کامیابی اور غلبے کا فیصلہ

برما کے دوستو! تمھارا دنیا میں باقی رہنا، پھلنا اور پھولنا، کامیاب ہونا، کمزور ہو تو طاقتور ہونا، مغلوب ہو تو غالب ہونا اللہ کے یہاں مقدر ہے، اور اللہ کے یہاں ایک فیصلہ شدہ حقیقت ہے بشرطیکہ آپکے اپنے اندر وہ صفات پیدا کیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے پیار ہوتا ہے، اور جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام خلیل بنے۔ آذر کے خدا جانے کتنے بیٹے تھے۔ دنیا میں آج کون ہے جو ان کے نام جانتا ہو، لیکن صرف ابراہیم اور ابراہیمی قیامت تک باقی رہیں گے، اس لئے نہیں کہ حضرت ابراہیم نینوا یا بابل میں پیدا ہوئے یا اس لئے نہیں کہ وہ بہت زیادہ ذہین اور خوبصورت تھے، بلکہ اسلئے کہ وہ قلب سلیم لے کر آئے تھے۔

محبوبیت کا راستہ

کامیابی کی شرط یہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب بنیں۔ اللہ کی محبوبیت کا راستہ سلطنت نہیں، ریاست نہیں، اقتصادی اور معاشی تفوق نہیں، تنظیم نہیں، محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ محض ذہانت نہیں۔ محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ یہ ہے کہ محبوبوں کی وضع اختیار کرو، محبوبوں کے خاندان میں داخل

ہو جاؤ۔ انکی تہذیب پیدا کرو، اور محبوبیت کے مرکز اعظم اور منبع اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع اور تہذیب اختیار کرو، تب آپ اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔

دو نسبتیں

عزیز دوستو! آپ کی دو نسبتیں ہیں ایک نسبت ہے اس وطن اور اسکی خاک سے، اس کے مسائل، اسکی مصلحتوں اور ذاتی اغراض اور ذاتی عروج سے، اسکی اللہ کے یہاں کوئی حقیقت نہیں، اور ایک نسبت ہے ابراہیم علیہ السلام سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اللہ سے اور اسلام سے، یہ نسبت اللہ کو پیاری ہے اس کو بڑھائیے اور مضبوط کیجئے۔

دین و دنیا باہم آمیز

آپ کو یقیناً اپنے ملک کا وفادار رہنا چاہیئے۔ اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکہ دماغوں پر اور قانون سازوں کے ذہنوں پر اور نئی نسل پر اور ساری دنیا پر بٹھانا چاہیئے، اور اپنی قابلیت کا لوہا منوا دینا چاہیئے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی یہ کہنے کا حق ہے اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ۔ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا چاہیئے۔ ؎

سبق پھر پڑھ زمانے میں صداقت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آپ میں غیر معمولی ذہانت اور انصاف کا ایسا جذبہ ہونا چاہیئے کہ آپ ترازو بن جائیں۔ یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک فرد اٹھ کر کہے کہ اجعلنی علی خزائن الارض۔ حضرت یوسفؑ نے جو کچھ کہا ان کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں تھا۔ وہ ایک بیگانہ قوم کے فرد تھے، لیکن آپ کا کیریکٹر، آپ کا اخلاق، آپ کی دیانت، آپکی نبوت، اسکی سفارش کرتی تھی۔

اے برما کے مسلمانو! آپ میں سے ایک ایک فرد میں یہ قابلیت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں سے اور برادران وطن سے خواہ وہ کسی مذہب کے پیرو ہوں کہدیں کہ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ مجھے وزیر صنعت اور معدنیات بنا کر دیکھو، وزیر داخلہ بنا کر دیکھو۔

آپ میں ایسی قابلیت ہونی چاہیئے اور ملک کے ایسے فرض شناس، لائق تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے، کہ ہر طبقہ کے لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں، اور مشکلات کا حل آپ سے پکھیں، لیکن جہاں تک عقائد، یقین اور مقصد زندگی کا تعلق ہے، اس میں آپ ابراہیمی تہذیب کے پیرو رہیئے۔ اپنے مقصد زندگی میں منفرد اور ممتاز رہیئے، اور بالکل اسی طرح ممتاز رہیئے جیسے روشنی کا مینار ہوتا ہے۔ ؎

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

آج شک و شبہ کی اس دنیا میں بداخلاقی کی اس دنیا میں، بدکرداریوں، بے ایمانیوں اور دغابازیوں کی اس دنیا میں اقربا نوازی اور خیانت کے اس دور میں، اپنی انفرادیت اپنا امتیاز اور اپنی جداگانہ حیثیت قائم رکھئے، اور اپنے عقائد کے حبل المتین کو مضبوطی سے پکڑیے۔

امتیازی نشان

بے شک کماؤ اور کھاؤ، زبانیں پڑھو اور سیکھو، ادب میں امتیاز پیدا کرو، مصنف بنو، شاعر بنو، ادیب بنو، بڑی زبان کے فاضل بنو، پروفیسر بنو، انجینیر بنو، سائنسٹ بنو، لیکن اسکے ساتھ اسلامی خصوصیت اسی طرح آپکے اندر روشن اور چمکنی چاہیئے جس طرح کہ پیشانی کا نور چمکتا ہے اور جس طرح دوسرے ملک کے لوگ آپکے ملک میں پہچانے جاتے ہیں۔ آپ خود اپنے اندر امتیاز پیدا کیجئے تاکہ آپ اپنے ملک والوں میں پہچانے جائیں۔

نازک امانت

دوستو! خدا نے آپ کو بڑی نازک امانت سپرد کی ہے، عرب کے لوگ، اور وہ لوگ جو مکہ مدینہ میں رہتے ہیں ان کا اتنا بڑا امتحان نہیں جتنا کہ آپ کا بڑا امتحان ہے۔ مصر اور شام کے مسلمانوں کا کوئی امتحان نہیں۔ انکے سامنے کوئی اور فلسفہ نہیں۔ ان کے سامنے کوئی دوسری دعوت نہیں، لیکن برما اور ہندستان کے مسلمانوں کی قوت ایمانی کا بھی امتحان ہے، اور ذہانت کا بھی، آپ کی قوت فیصلہ کا بھی امتحان ہے اور زندگی کی صلاحیتوں کا بھی۔ آپ کو ثابت کرنا ہے کہ آپ ایمان

کے ساتھ زندہ رہنے کے اہل ہیں یا نہیں۔

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ برمی خصوصیات اپنے اندر خوشی سے پیدا کیجئے۔ زبان سیکھیے، بچوں کو پڑھائیے، اپنا حصّہ رسدی حاصل کیجئے، ملک کے ایڈمنسٹریشن میں اپنے شایانِ شایان حصہ لیجئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ داعی بھی رہو، مومن بھی رہو، توحید کا اعلان بھی کرتے رہو، اور پیغام پہنچانے والے بھی بنو۔

آپ کا مقام متبع کا مقام نہیں۔ مقلد کا مقام نہیں۔ آپ کا مقام امام اور پیشوا کا مقام ہے۔ آپ کا اس دیس میں جیسا باقی رہنا ضروری ہے اسی طرح ایمان بھی باقی رہے، توحید بھی باقی رہے۔ فکر آزادی بھی باقی رہے۔ تمام برمی باشندوں کے متعلق خدا کے یہاں آپ سے سوال ہوگا کہ اللہ نے آپ کو سینکڑوں برس اس ملک میں باقی رکھا، لیکن حضرت ابراہیم کی دعوت اور آپ کا دین کیوں آپ کے اندر محدود رہا، اس کو پھیلنا اور وسیع ہونا چاہیئے۔

آپ کو اپنا عمل اس طرح پیش کرنا چاہیئے کہ برمی بھائیوں کا دل آپ کی طرف کھنچے، زبان سے تبلیغ کے ساتھ ساتھ عمل بھی ایسا ہونا چاہیئے کہ دوسری قوموں پر اس کا اثر ہو، آپ کا تاجر بازار میں بیٹھے تو معلوم ہو کہ مسلمان تاجر ایسا ہوتا ہے اور لوگوں کو شوق ہو کہ وہ آپ کے پاس آئیں۔

اسلام اور تلوار

اسلام کی تاریخ میں کسی تلوار کی صورت نظر نہیں آتی، کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی، چین میں کوئی لشکر نہیں بھیجا گیا، انڈونیشیا میں کوئی تلوار نہیں چمکی۔ اسلام راست باز سوداگروں اور خدا پرست صوفیوں کے ذریعے پھیلا۔ آج کیوں اسلام نہیں پھیل رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کمزوری آگئی ہے۔ ہم نے اپنی انفرادیت کھو دی ہے۔ ہمارا تاجر دوسرے تاجروں سے الگ نہیں، ہمارا ملازم دوسرے ملازموں سے الگ نہیں۔ اور ہمارا پڑھا لکھا انسان دوسرے پڑھے لکھے انسانوں سے الگ نہیں، ہم کو تو ایسا ممتاز ہونا چاہیئے اور ہم میں ایسی پہچان ہونی چاہیئے۔ جیسے برسات میں رات کا دیا ٹمٹماتا ہے، یا اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں۔

ٹیپو سلطان کی تلوار میرے دوستو! آپ کو بہت کچھ کام کرنا ہے۔ آپ کو اس ملک میں محبوب

بن کر رہنا چاہیئے، آنکھوں کا تارا بن کر رہنا چاہیئے، اس طرح رہنا چاہیئے کہ ملک کے ذرے ذرے کو آپ سے انس ہو۔ خدانخواستہ کبھی آپ اس ملک سے جانے کا ارادہ کریں تو یہاں کی خاک آپ کا دامن تھام لے۔ آپ کے بھائی آپ کے راستے میں لیٹ جائیں، مسلمان جہاں رہتا ہے، محبوب بن کر رہتا ہے۔ کسی قوم کے سر پر زبردستی مسلط ہو کے رہنا مسلمان کی شان نہیں۔ اگر آپ کے اندر اسلامی کیریکٹر پیدا ہو جائے تو آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔

روشن مستقبل اور اسکی پکی ضمانت

میں یہاں برما میں آکر بہت محظوظ ہوا۔ مجھے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا مستقبل روشن ہے۔ خدا کے فضل سے وہ مشکلات بھی نہیں جو دوسرے ملکوں میں رہنے والوں کو پیش آتی ہیں۔ وہ نفرت بھی نہیں جو بعض ملکوں میں پائی جاتی ہے، آپ اس ملک میں اطمینان سے رہیئے لیکن یہ ارادہ کر کے رہیئے۔ کہ آپ اللہ کے دین کے داعی ہیں۔ تاکہ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ شامل ہو، اگر اللہ کی مدد آپ کے ساتھ شامل رہی تو کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اسکی نواؤں سے فاش سرِّ کلیم و خلیل

(اقبالؔ)

دنیا کے اس بتکدے میں اگر اذان کی ضرورت ہے تو مؤذن کی بھی ضرورت ہے اس بتکدے میں صدائے توحید بلند کرنے کی بھی ضرورت ہے، اس لئے آپ مؤذن بن کر رہیئے۔ اس نقارخانہ میں مؤذن کی صدا بن جانا چاہیئے۔ اللہ اس صدا کی بھی حفاظت کرے گا اور اس صدا والے کی بھی حفاظت فرمائیے گا۔

آزاد اسلامی مکاتب اور جبریہ تعلیم

دینی تعلیمی کانفرنس الہ آباد کے خطبۂ صدارت سے اقتباس

(از، جناب قاضی محمد عدیل صاحب عباسی)

جبریہ تعلیم کا ایک مبہم خوف ہمارے صوبے پر چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے جو لوگ ہم سے ملتے ہیں یا جہاں جہاں ہم لوگ جاتے ہیں لوگ جبریہ تعلیم کے بارے میں ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالباً کوئی دیو ہے جو بچوں اور بچیوں کو جبراً اٹھالے جاتا ہے اور ہڑپ کر لیتا ہے، عام طور پر یہ خیال پھیل گیا ہے کہ جہاں جہاں حکومت کی طرف سے جبریہ پرائمری تعلیم رائج ہو گی وہاں وہاں پولیس کے سپاہی موٹے موٹے ڈنڈے لے کر آئیں گے اور بچوں اور بچیوں کو زبردستی پکڑ کر سرکاری اسکول میں لے جائیں گے اور والدین یا سرپرست اگر ذرا بھی اُف کریں گے تو گرفتار ہوں گے اور جیل میں ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرات! واقفیت کی یہ کمی اور یہ موہوم خوف انتہائی افسوس ناک ہے، ضرورت ہے کہ کارکن اور عوام جبریہ پرائمری تعلیم کے اصول وضوابط اور آزاد مکاتب پر اسکے اثرات کو بخوبی سمجھ لیں اور خواہ مخواہ خوف دہراس میں مبتلا نہ ہوں۔

جبریہ تعلیم کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عوامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کُل باشندوں کو خواندہ بنائے ناخواندگی اور انگوٹھا لگانا غیر مہذب ہونے کی نشانی ہے اور چونکہ ہندستان کا دستور جمہوری ہے۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ مفت اور جبریہ پرائمری درجات میں ہر بچے اور ہر بچی کو تعلیم دے، اگر حکومت اس فرض کو ادا نہ کرے تو عوام کا فرض ہے کہ حکومت سے

اس کا مطالبہ کریں اور اسکے حصول کے لئے آئینی جد وجہد کریں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہندستان کے شہری کی حیثیت سے جبریہ پرائمری تعلیم کا خیر مقدم کرنا چاہیئے نہ کہ اس سے گھبراہٹ ظاہر کریں۔

مگر عوامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ ہر بچے کو اسکے ذہن ومزاج اور اسکے والدین کے خیالات کے مطابق تعلیم دے، اوپر جو حالات درج کئے گئے ہیں اور جو بار بار اس سے قبل کہے جا چکے ہیں کہ ریاست اتر پردیش کے مسلمانوں کے بچوں کو اُن کے ذہن ومزاج کے بالکل خلاف تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلیئے اس کے مضر اثرات کو رفع کرنے کے لئے ایک طریقہ کار آزاد مکاتب کھولنے کے لئے اوپر پیش کیا گیا ہے، اب اگر جبریہ پرائمری تعلیم سے ان آزاد مکاتب کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ضرور تردد کی بات ہے اور یہی وجہ در اصل مسلمانوں کی سراسیمگی کی ہے مگر جیسا کہ میں ابھی ظاہر کروں گا اس میں بے انتہا مبالغہ ہے اور ضرورت ہے کہ خواص وعوام اپنا ذہن اس بارے میں صاف کرلیں۔

جبریہ تعلیم اور ہمارے آزاد مکاتب

یہ تو ظاہر ہے کہ جبریہ تعلیم ہمارے صباحی اور شبینہ مکاتب پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جن میں زیادہ بچے پڑھیں گے۔ ان بچوں کے لئے تو ہمیں اولاً وہ اصلاحی کام کرنا ہے جن سے سرکاری نصاب کی کتابوں کا زہر دفع ہو جائے اور تعلیم قطعی سیکولر ہو جائے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو یہ سرکاری مدارس دنیوی تعلیم کے نقطۂ نظر سے ہمارے لئے بھی اسی طرح نفع بخش ہوں گے جس طرح ٹیوب ویل کا پانی یا بجلی کی روشنی جو بلا تفریق مذہب وملت سب باشندگان ہند کو یکساں فائدہ پہنچاتی ہو اور صباحی اور شبینہ مکاتب دینی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرینگے، لیکن اس طریقہ کار کو ہم عالمگیر نہیں بنا سکتے اور نہ ان پر اکتفا کر سکتے ہیں، ہم کو پورے دن کے مکاتب کثیر تعداد میں کھولنے پڑیں گے، کیونکہ پورے دن کے آزاد مکاتب کی ایک قیمت ہے۔ اور ان آزاد مکاتب کی بڑی سے بڑی ضرورت ہے۔ ان میں جو بچے تعلیم پائیں گے وہ اسلامی فضا میں رہ کر اسلامی رنگ میں رنگے ہوں گے اور جب وہ درجہ ۶ میں دوسرے بچوں کے ساتھ جا کر داخل ہوں گے تو اپنے کردار اور عمل سے ایک خاصہ اچھا دینی ماحول پیدا کریں گے۔ اس طرح ایک اچھی تعداد میں ملک کے اندر ایسے بچے ہوں گے جو شروع سے اسلامی اصولوں پر سنوارے گئے ہوں گے اس لئے آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کے لئے جس طرح عربی مدارس ضروری ہیں اسی طرح پورے دن کے یہ مکاتب بھی ضروری ہیں۔

اب آئیے دستور اور قانون کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ آیا ان آزاد مکاتب کی بقا پر جبریہ تعلیم عام رائج کی شکل میں کہیں سے کوئی حملہ ہو سکتا ہے یا یہ محض ہماری پریشاں دماغی اور احساس کمتری ہے جو بھوت بن کر چھائی ہوئی ہے۔ یعنی سوال یہ ہے کہ کیا جبریہ تعلیم کے رواج کی شکل میں ان مکاتب کے قائم رہنے کی صورتیں ہیں اور اگر ہیں تو کیا ہیں۔

آئین اور قانون

دستور ہند کی آرٹیکل ۲۹ ضمن (۱) حسب ذیل ہے:۔

"باشندگانِ ہند کا کوئی گروہ یا اس کا کوئی جز جس کی اپنی کوئی خاص زبان کوئی خاص رسم الخط یا کلچر ہے اس کو اسے محفوظ رکھنے کا حق ہوگا"

آرٹیکل ۳۰ ضمن (۱) اس طرح ہے۔ "تمام اقلیتیں خواہ ان کی بنیاد مذہب ہو یا زبان، اُن کو حق ہوگا کہ وہ اپنی پسند کی تعلیمی درس گاہیں قائم کریں اور اُن کا خود انتظام کریں"

ان دفعات سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے اپنے مکاتب و مدارس کھولنے کا بنیادی حق ہے اور اگر کوئی قانون کسی ریاستی حکومت کا ایسا موجود ہوتا جو آئین کی ان دفعات سے متصادم ہوتا تو طے شدہ اصول کے مطابق قانون ناجائز قرار دیا جاتا، کیوں کہ دستور بالا ہے، لیکن جب ہم قانون کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہاں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں دو ایکٹ ہیں۔ ایک یو۔پی پرائمری ایجوکیشن ایکٹ نمبر، ۱۹۱۹ء جو میونسپل بورڈوں کے لئے ہے اور دوسرا ایکٹ ۱۹۲۶ء کا ہے جو ڈسٹرکٹ بورڈوں یعنی دیہاتوں کے لئے۔ دونوں کے الفاظ یکساں ہیں۔

اس کی دفعہ، میں یہ تحریر ہے کہ جہاں گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ پرائمری تعلیم کا نوٹیفکیشن جاری ہو وہاں ہر بچے کے سرپرست کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے کسی معقول وجہ کی عدم موجودگی میں کسی سرکاری منظور شدہ (رکگنائزڈ) پرائمری اسکول میں داخل کرے۔ دفعہ ۸ میں وہ معقول وجوہات درج ہیں جنکی بنا پر استثنا مل سکتا ہے وہ ہمارے مقصد کے لئے حسب ذیل ہیں:۔

ضمن (۲)، یہ کہ بچہ کو کمیٹی نے مذہبی بنیادوں پر مستثنیٰ کر دیا ہے۔

ضمن (۳)، یہ کہ بچہ سرکاری منظور شدہ پرائمری اسکول کے علاوہ کسی ادارے میں پرائمری تعلیم قابل اطمینان طور پر حاصل کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا دفعات سے ظاہر ہے کہ حکومت مذہبی تعلیم اور آزاد مکاتب میں مداخلت نہیں

کر سکتی۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ دفعہ ۸ کے شروع میں ان وجوہات کی بنا پر مستثنیٰ کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے کسی کی مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ چاہے تو مستثنیٰ کرے چاہے تو نہ کرے۔

ان ایکٹوں کے ماتحت جو رولز بنے ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ آزاد مکاتب میں بچے کو لکھنا پڑھنا حساب اور دیگر مضامین مطابق کریکولم پڑھائے جاتے ہوں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ لفظ کریکولم استعمال کیا گیا ہے سیلبس استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ کریکولم میں مضامین درج ہوتے ہیں اور سیلبس میں کتابیں لکھی رہتی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں، یعنی قانون اور ضابطے نے آزاد مکاتب کے مستثنیٰ کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دیا ہے کہ ان میں وہ کتابیں پڑھائی جائیں جو سرکاری اسکول کے نصاب میں داخل ہیں۔ صرف ان مضامین کا پڑھانا ضروری ہے جو محکمہ تعلیمات نے مقرر کر دیے ہیں۔ کتابیں آپ جو چاہیں پڑھا سکتے ہیں۔

بس اب اسمیں کسی بحث کی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارے آزاد مکاتب پر جبریہ پرائمری تعلیم اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ اور آخر کیوں ہو؟ میں نے شروع ہی میں عرض کر دیا ہے کہ حکومت کی غرض لوگوں کو خواندہ بنانے کی ہے۔ ناخواندگی کسی قوم کی تہذیب پر ایک بدنما داغ ہے۔ اس لئے اگر آپ آزاد مکاتب کھول کر ان میں معیاری پرائمری درجات تک کی تعلیم دیتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ حکومت کی امداد کرتے ہیں۔ اور حکومت کو آپ کے اس فعل سے خوش ہونا چاہیئے نہ کہ بیزار۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت بھی پیش آجائے کہ مکاتب کے بچوں کو بھی سرکاری اسکولوں میں داخلہ کے لئے مجبور کیا جائے اسکے امکانات بعید ہیں مگر ہیں۔ اس لئے میں اس پر گفتگو کروں گا کہ ایسی صورت میں کیا جائے۔

جہاں بھی جبریہ تعلیم رائج یا نافذ ہوگی وہاں ایک ایجوکیشن کمیٹی پورے میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی ہوتی ہے۔ اسکی ماتحتی میں حلقے بنا کر ایجوکیشن کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ پس طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے حلقہ کی ایجوکیشن کمیٹی بچے کے والدین یا سرپرست کو نوٹس دے گی۔ اور مطالبہ کرے گی کہ اتنے دن کے اندر بچے کو کسی سرکاری اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ اب بچہ اگر اس مدت کے اندر نہ بھیجا جائے گا تو پھر دوسری نوٹس آدے گی اور پھر بھی کوتاہی ہونے پر مقدمہ چلے گا۔ اور مقدمہ کے سزایاب ہونے کی صورت میں پانچ روپیہ جرمانہ سزا مقرر ہے۔ اور اسکے بعد جب تک بچہ اسکول نہ بھیجا جائے گا۔ ۱عہ روپیہ جرمانہ ہوگا۔ نہ گرفتاری ہے اور نہ قید، نہ ہتھکڑی اور نہ بیڑی۔

یہ سب خرافات ہے۔ اب میں تبلاتا ہوں کہ نوٹس ملنے پر کیا کرنا چاہیئے۔ آپ ملاحظہ کریں گے کہ اس نوٹس میں عام طور پر یہ درج ہوگا کہ گویا بچہ کہیں تعلیم نہیں پا رہا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کرلیجئے کہ گا کہ نوٹس کا منشاء کیا ہے۔ جب یہ نوٹس ملے تو بچے کے سرپرست کو چاہیئے کہ فوراً ضلع کی انجمن تعلیمات دین کو اسکی اطلاع دے۔ انجمن تعلیمات دین ضلع کا فرض ہے کہ جن مکاتب کا اس کے ساتھ الحاق ہے وہ ان کی بقاء و تحفظ کے لئے پوری جدوجہد کرے اور اس سلسلہ میں جو کارروائی بھی کرنی پڑے انجمن کرے، اور جو بھی اخراجات ہوں اسے انجمن برداشت کرے۔ بچے کے سرپرست پر کسی قسم کا بوجھ خواہ وہ دماغی ہو یا مالی، نہ پڑنا چاہیئے۔ دینی تعلیمی کونسل نے اس کام کو پورے طور پر اپنے ذمے لے لیا ہے اور وہ انجمن ضلع کو ہر قسم کی امداد دے گی۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ خود اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ انجمن تعلیمات ضلع کو چاہیئے کہ نوٹس مذکور کا بہت مختصر اور سادہ جواب لکھوا کر اس پر سرپرست سے دستخط کرائے۔ جواب یہ ہونا چاہیئے۔

"میرا بچہ فلاں مکتب میں اردو کے درجے میں دین اسلام کی تعلیم کے ساتھ پرائمری تعلیمات اطمینان بخش طریقے پر حاصل کر رہا ہے۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ میرا بچہ مستثنیٰ کیا جائے۔

دستخط .... سرپرست .... مورخہ ....

اور پھر سکریٹری انجمن تعلیمات دین ضلع اس پر ان الفاظ میں تصدیق کریں:۔

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ فلاں بچہ ابن فلاں ساکن .... مکتب اسلامیہ .... میں باضابطہ اطمینان بخش طریقے پر پرائمری تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس مکتب کا الحاق انجمن تعلیمات دین ضلع .... سے ہے جس کا الحاق دینی تعلیمی کونسل اترپردیش سے ہے۔

دستخط ....

سکریٹری انجمن تعلیمات دین ضلع ....

مورخہ ...."

اس تصدیق کے بعد اس پر انجمن کی مہر لگا کر حکام مجاز کو لے جا کر دینا چاہیئے اور سکریٹری یا صدر یا انجمن کے کسی اور با اثر رکن کو حکام متعلقہ سے مل کر بھی گفتگو کرنی چاہیئے۔ کسی خواہ مخواہ کی بدحواسی، سراسیمگی یا بے جا شورش و ہیجان کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ کُل کام ٹھنڈے دماغ سے

کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ یہیں فیصلہ ہو جائے گا، لیکن اگر نہ ہوا تو دوسری نوٹس اس مضمون کی ملے گی کہ "آپ کا جواب ناکافی ہے اور مطالبہ کیا جائے گا کہ اتنے دنوں کے اندر بچے کو سرکاری اسکول میں داخل کر دیا جائے ورنہ مقدمہ دائر ہو گا۔ اس نوٹس کا جواب ذرا تفصیل سے دینے کی ضرورت ہے کیونکہ غالباً اب مقدمہ بازی کی نوبت آنے والی ہے اور لڑائی ٹھن گئی ہے۔ اس لئے کل قانونی عذرات کو لینا چاہیئے۔ (واضح ہو کہ یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ دینی تعلیمی کونسل اسکے لئے سپریم کورٹ تک مقدمہ لڑے گی اور انشاءاللہ فیصلہ ہمارے موافق ہو گا۔) مقامی وکلاء غور و خوض کر کے مضمون بنا سکتے ہیں۔ میں نمونۃً ایک مضمون لکھ دیتا ہوں۔

"جناب ایجوکیشنل افسر صاحب ....

آپ کا نوٹس ملا، افسوس ہے کہ جناب نے میرے جواب کو تشفی بخش قرار نہیں دیا، حالانکہ مختصراً میں نے جملہ باتیں عرض کر دی تھیں۔ میں اپنے بچے کو سرکاری اسکول میں پرائمری تعلیم کے لئے بھیجنا حسب ذیل وجوہ کی بناء پر مناسب نہیں سمجھتا۔

(۱) یہ کہ میرے بچے کی مادری زبان اُردو ہے اور آپکے اسکول میں ذریعہ تعلیم ہندی ہے۔

(۲) یہ کہ میرا بچہ مکتب .... میں اطمینان بخش طریقہ پر پرائمری تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اسکے ساتھ دین اسلام کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اپنے بچے کو دنیوی علم کے ساتھ دین کے علم کی بھی تعلیم دوں اور یہ فرض مجھ پر میرے مذہب اسلام نے عائد کیا ہے جس کے ادا نہ کرنے پر میں مواخذۂ عاقبت میں گرفتار ہوں گا۔

ہندستان کے ایک شہری کی حیثیت سے جس طرح میرا فرض یہ ہے کہ میں اپنے بچے کے ذہن کو علم دنیا سے آراستہ کر کے اسے ملک کی خدمت کے قابل بناؤں۔ اسی طرح بحیثیت مسلمان ہونے کے میرا یہ بھی فرض ہے کہ اپنے بچے کو اسلامی تربیت دوں۔ اور دین اسلام بھی سکھاؤں۔ یہ فرض میرے اوپر اور بھی زیادہ سخت اس حالت میں ہو جاتا ہے جب کہ سرکاری اسکولوں کے نصاب میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن کے مضامین سراسر عقائد اسلام کے خلاف ہیں اور بچے کو دین اسلام سے منحرف کرنے والے ہیں۔

(۳) یہ کہ آرٹیکل ۲۹ ضمن (۱) اور آرٹیکل ۳۰ ضمن (۱) دستور ہند اور دفعہ ۸ ضمن ۲ و ضمن ۳۔

پرائمری ایجوکیشنل ایکٹ کی رو سے میرا بچہ مستثنیٰ ہونے کے قابل ہے۔

لہٰذا ذریعہ درخواست ہٰذا مودبانہ التماس ہے کہ نوٹس منسوخ کرکے عذر دار کو مستثنیٰ فرمایا جائے۔ اور اگر کسی وجہ سے جناب نے میرے اوپر مقدمہ چلایا تو مجبوراً دستور اور قانون میں دیئے ہوئے حق کے مطابق میں دفاع پر مجبور ہوں گا اور اس صورت میں آپ اور حکومت اتر پردیش میرے حرجہ اور خرچہ کی بھی ذمہ دار ہوگی۔

دستخط .... سرپرست ....

ساکن .... مورخہ ....

اس درخواست پر مکتب کے مدرس اور سکریٹری دونوں کی تصدیق ہونی چاہیئے اور انجمن کی مہر لگا کر بھیج دینا چاہیئے۔ اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو نوٹس خارج ہو جائے گی یا مقدمہ چلے گا۔ اور اگر مقدمہ چلے تو پھر ڈرنا نہ چاہیئے۔

اب مقدمہ کی بڑی محنت و کاوش سے پیروی کرنی چاہیئے۔ کوئی اچھا وکیل اس کام کے لئے رکھا جائے، اور حسب ذیل کارروائی کی جائے۔

(۱) پہلی تاریخ حاضری پر ایک مکمل بیان تحریری مندرجہ بالا جوابات نوٹس کی روشنی میں داخل کر دینا چاہیئے اور اس میں دستورِ ہٰذا اور دفعات قانون کا حوالہ دینا چاہیئے۔

(۲) اس بیان تحریری کے ساتھ مکتب کے مدرس کا ایک سرٹیفکٹ بھی ہونا چاہیئے، جس کی عبارت حسب ذیل ہو:۔

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ مسمی .... ولد .... ساکن .... مکتب اسلامیہ .... میں درجہ .... میں تعلیم پاتا ہے۔ رجسٹر داخل خارج کے نمبر .... سے واضح ہو کہ اس کا داخلہ مکتب ہٰذا میں .... (تاریخ) کو ہوا اور اسے اطمینان بخش طریقہ پر محکمہ تعلیمات ریاست اتر پردیش کے منظورہ شدہ کریکولم کے جملہ مضامین کی اور اُن کے ساتھ دینِ اسلام کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔

دستخط .... ہیڈ مدرس مکتب اسلامیہ ....

مورخہ ....

شہادت میں سکریٹری یا صدر کو خود آنا چاہیئے۔ ہیڈ مدرس کو معہ جملہ رجسٹر پیش کرنا چاہیئے اور سرپرست کو بھی پیش کر کے فارم داخلہ پر دستخطِ تصدیق کرانا چاہیئے۔ یہ محض اشارات ہیں۔ کل باتیں کسی وکیل کے مشورہ سے کرنا چاہیئے۔

اب اگر مقدمہ کا فیصلہ خدا نخواستہ خلاف ہوا تو اسکی نگرانی ڈسٹرکٹ جج کے یہاں ہوگی۔ اور رنز الیکہ التوا کی درخواست دی جائے گی اور وہاں سے بھی خلاف ہوا تو ہائی کورٹ میں نگرانی ہوگی اور اگر وہاں بھی نگرانی منظور نہ ہوئی تو سپریم کورٹ میں معاملہ لے جایا جائے گا اور تب کہیں جا کر جرمانہ وصول ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ سے کتنی حقیر قربانی مانگی جا رہی ہے اور معاملہ کتنا غیر اہم ہے جسے اتنا دشوار بنایا جا رہا ہے۔ یہ کبھی نہ بھولیئے کہ یہ سب امکانات ہیں ان میں سے کسی کی بھی نوبت آنے کی توقع نہیں ہے۔ صرف سرپرستوں کی ہمت اور بے خوفی کی ضرورت ہے۔

حضرات! اب مجھے آپ سے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیوں یہ سب پاپڑ بیلے جائیں کیوں نہ مکتبوں کا حکومت سے الحاق یا رگگنائزڈ کرا لیا جائے۔ ہم رگگنائزڈ کرانا کوئی گناہ نہیں سمجھتے۔ مگر ایک عوامی تحریک کو چلانا ہے۔ گاؤں گاؤں اور محلے محلے مکاتب کھولنے ہیں۔ رگگنائزڈ کرانے میں جو دقتیں ہیں ان کی متحمل قوم نہیں ہے۔ انجام یہ ہوگا کہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے اس کا خیال ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ سردست اس سے زیادہ اب اس پر اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ وقت ہے۔

فہرست کتب

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

پہلے یہ چند باتیں ملاحظہ فرما لیجئے :-

(۱) اپنا پتہ ہمیشہ صاف اردو میں لکھیے، اور اگر ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھ دیجئے۔

(۲) اگر آپ ایک دو روپے کی کتابیں منگوائیں گے تو محصول ڈاک کا بار بہت زیادہ پڑ جائے گا۔ اور اگر زیادہ منگوائیں گے یا اگر چند ساتھی مل کر اور زیادہ منگوائیں گے تو محصول کا بوجھ اسی حساب سے کم ہو جائے گا۔ اور آپ نفع میں رہیں گے

(۳) اگر کتابیں زیادہ ہوں گی تو ہم آپ کی مزید کفایت کے خیال سے ریلوے کے ذریعہ بھیجنا پسند کریں گے، اسلیے آپ زیادہ کتابوں کا آرڈر دیتے وقت اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیے اور اردو کے ساتھ انگریزی حروف میں بھی لکھئے۔

(۴) پہلی مرتبہ آرڈر دینے کی صورت میں کم و بیش بیس روپے کے آرڈر پر ۵؍ رقم ضرور پیشگی بھیجئے۔

(۵) پارسل کھول کر اگر آپ کو کوئی بات قابل شکایت نظر آئے تو براہ کرم بدگمانی نہ کیجئے، ہمیں لکھیے ہم آپ کی شکایت کی مناسب تلافی کرنا اپنا فرض سمجھیں گے اور اگر کوئی کتاب بدل جائے یا کم ہو تو ہمیں مطلع کرنا اپنا فرض سمجھئے۔

پاکستانی احباب کے لیے مخصوص ہدایات :-

(۱) اگر آپ کو ہماری مطبوعات منگوانی ہوں تو ان کی قیمت اس فہرست میں دیکھ لیجئے، پھر اس قیمت پر فی روپیہ دو آنے کے حساب سے محصول کم پوسٹ اور ۸ر رجسٹری فیس فی پیکٹ کا اضافہ کر کے کل رقم بذریعہ منی آرڈر "ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کے نام روانہ کر دیجئے اور ڈاکخانہ کی ابتدائی رسید تفصیلی فرمائش کے ساتھ ہم کو بھیج دیجئے، یہاں سے کتابیں رجسٹرڈ آپ کو فوراً روانہ کرا دی جائیں گی۔

(۲) دوسروں کی مطبوعات ہم سے طلب کرنا ہوں تو رقم بھیجنے سے پہلے ہم سے رجوع کیجئے۔

(۳) یاد رکھیے کہ ایک بنڈل میں مختلف کتابوں کے چند نسخے تو ہندوستان سے پاکستان جا سکتے ہیں لیکن ایک کتاب کے زیادہ نسخے نہیں جا سکتے۔

رہنمائے قرآن
اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کو سمجھنے کے لیے اپنے انداز کی بالکل نئی کتاب ۱/-

تدوین قرآن
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ جس میں قرآن کریم کے تحفظ کو تاریخی طور پر اس طرح بے غبار کر دیا ہے کہ اس کے بعد کوئی مغالطہ اور شک آفرینی آپ کو خلجان میں نہیں ڈال سکتی
قیمت مجلد ۱/۸

قرآن اور تعمیر سیرت
ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کے نہایت مفید مقالات کا مجموعہ۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے پڑھنے کی چیز ہے۔ صفحات ۲۲۰
قیمت غیر مجلد ۵/-

لغات القرآن (کامل)
اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ و لغات کی نہایت مفصل اور مبسوط تشریح، چھ جلدوں میں
جلد اول ۴/۸ جلد دوم ۵/- جلد سوم ۲/۸ جلد چہارم ۶/- جلد پنجم ۶/۸ جلد ششم ۴/۸ (مجلد کی قیمت میں فی جلد ایک روپیہ کا اضافہ)

الفوز الکبیر اردو
اصول تفسیر پر شاہ ولی اللہؒ کے محققانہ رسالہ کا اردو ترجمہ
قیمت ۱/-

کتب حدیث مترجم اور شرح احادیث اردو میں

بخاری شریف اردو
تیس جلدوں میں، مجلد قیمت مکمل ۲۵/-

موطا امام مالک مترجم
بخاری شریف سے بھی پہلا مستند مجموعہ حدیث ...... قیمت ۱۲/-

شمائل ترمذی مع خصائل نبویؐ
شمائل ترمذی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور آپ کے عادات و اطوار کا ایک روایتی مرقع ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی شرح خصائل نبوی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے ... ... قیمت ۶/-

مشکوٰۃ شریف اردو
مشکوٰۃ شریف کو بجا طور پر حدیث کے کتابچہ کا انتخاب کہا جاسکتا ہے۔ اس کا ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں قیمت مکمل مجلد ۱۶/-

زاد سفر
امام نووی شارح مسلم کے مقبول و مشہور حدیثی مجموعہ ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ از امۃ اللہ تسنیم۔ دو جلدوں میں۔ جلد اول قیمت ۳/۸ جلد دوم ۴/-

مشارق الانوار مترجم
بخاری اور مسلم کی ۲۲۴۲ قولی احادیث کا گرانقدر اور مقبول و معروف مجموعہ مجلد ۱۵/-

حصن حصین
رسول پاکؐ سے منقول دعاؤں کا مستند اور مقبول مجموعہ مجلد ۵/-

مختصر شعب الایمان اردو
از امام بیہقی قیمت ۱/-

مختصر خصائل نبویؐ
قیمت ایک روپیہ

لغات الحدیث اردو
مشہور خادم حدیث مولانا وحید الزماں صاحب کی مرتب کردہ لغات حدیث (عربی سے اردو) چھ جلدوں میں سے چار جلدیں
قیمت فی جلد مجلد ۱۳/-

صحیفہ ہمام بن منبہؒ
حضرت ہمام بن منبہؒ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنی ہوئی حدیثوں کو ایک کتابی شکل میں جمع کر لیا تھا لیکن یہ کتاب ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی تھی ہمارے زمانے کے مشہور اسلامی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اس کتاب کا ایک نسخہ کسی طرح ڈھونڈ نکالا اور پھر اس کو مع ترجمہ

اپنے ایک فاضلانہ مقدمہ اور تشریحی نوٹوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ المنزل تحفہ۔ قیمت ۲/۸

ترجمان السنہ از حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مقیم مدینہ طیبہ

یہ احادیث کا ایک جدید مجموعہ ہے جسے حضرت مولانا بدرعالم صاحب نے ایک خاص ترتیب پر مرتب کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک پورا اسلامی کتب خانہ ہے اور کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو خواہ وہ جدید تعلیم کا حامل ہو یا قدیم تعلیم کا اس کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اب تک تین جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ جلد اول -/۱۰ دوم -/۹ سوم -/۱۰ (مجلد کی قیمت میں فی جلد دو روپے کا اضافہ)

علم الحدیث از مولانا عبد اللہ العمادی۔ باوجود مختصر ہونے کے اپنے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے جس میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ قیمت ۱/۴

تدوین حدیث از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقہ پر پہونچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں۔ قیمت مجلد ۶/۸

تاریخ و سیرت

اصح السیر مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی نہایت مستند سیرت نبوی۔ مجلد -/۱۰

مقالات سیرت از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ یہ سیرت محمدی پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ ہے، جسکو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھول کر داد تحسین پیش کی۔ مجلد قیمت ۴/۸

رحمت عالمؐ مدارس اور اسکولوں کے طلبا کیلئے سیرت کی کتاب علامہ سلیمان ندوی کے قلم سے قیمت ۱/۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات یعنی شاہان عالم عرب کے حکمرانوں قبائلی سرداروں سے آپ کی سیاسی خط و کتابت اور معاہدات ـــــ از سید محبوب رضوی .... قیمت ۲/۴

عہد نبوی کے میدان جنگ جس میں غزوات نبوی پر فن حرب (جنگی سائنس) کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ متعدد جنگی میدانوں کے نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ ۱/۸

سیرت پاک از مولانا بشیر محمد شارق دہلوی مصنف گو مشہور و معروف نہیں ہیں۔ مگر کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے سیرت پر اس سے زیادہ کامیاب کتاب شاید ہی اس وقت کوئی اور ہو۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت ۱/۴

صدیق اکبرؓ از مولانا سید احمد صاحب اکبرآبادی صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مولانا شبلی کی الفاروق کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبرؓ کا جو خلا محسوس ہوتا تھا مولانا اکبرآبادی کی اس کتاب نے اسکو کما حقہ پر کردیا ہے۔ قیمت -/۶

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط اسلامی تاریخ کا ایک نادر و نایاب اور ایک بیش بہا دستاویز جسے ایک ریسرچ اسکالر نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے۔ ۳۰۰ سے اوپر خطوط ایک حصہ میں خالص اردو اور دوسرے حصہ میں عربی متن، ہر قیمت پر خریدنے کے لائق۔ مجلد -/۱۲، غیر مجلد -/۱۱

خطبات مدراس سید سلیمان ندویؒ کے معرکۃ الآرا خطبات سیرت کا مجموعہ۔ قیمت -/۳

امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ مجلد -/۱۲

تاریخ ملت شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ عہد رسالت سے سلاطین ہند تک قیمت مکمل سٹ (گیارہ حصوں میں) غیر مجلد ۳۳/۸ مجلد -/۴۱

تاریخ دعوت و عزیمت از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی حقیقی دعوت اور اس کی نصرت و حمایت کے لیے کون کون سی اہم شخصیتیں کس کس وقت پیدا ہوئیں اور انھوں نے کیا کیا کارنامے کس کس نہج سے انجام دیئے۔ یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ جلد اول بھی

صدی ہجری سے ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات کے بیان میں۔
قیمت علی الترتیب -/۶ - ۶/۸

مقدمہ ابن خلدون
فلسفۂ تاریخ کے موسس اور عظیم اسلامی مورخ علامہ ابن خلدون کی تاریخ کا شہرۂ آفاق مقدمہ جس کی عظمت آج تک کم نہیں ہو سکی۔ اردو زبان میں متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے مزین۔ قیمت صرف -/۱۵

بستان المحدثین اردو
کتب حدیث کا تعارف اور محدثین کرام کا تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے۔ مجلد -/۵

تاریخ مشائخ چشت
از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی۔ سلسلۂ چشتیہ کی نظامی شاخ کی چند اہم شخصیتوں کا مفصل اور محققانہ تذکرہ نیز تصوف اور خاص کر چشتی سلسلہ کے متعلق نہایت اہم اصولی بحثیں۔ قیمت غیر مجلد -/۱۲ مجلد -/۱۳

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنی
ہندوستان کے جلیل القدر محدث کا تذکرہ۔ قیمت مجلد ۱/۸

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
شیخ موصوف ہندوستان کی نہایت اہم علمی و دینی شخصیتوں میں سے ایک ہیں ان کی سوانح حیات کی کمی کو اس تحقیقی کتاب نے پورا کر دیا ہے (ایضاً از پروفیسر نظامی) قیمت مجلد -/۷

تذکرۃ الرشید
عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات زندگی اور فضائل و کمالات کا تذکرہ۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
قیمت -/۸

سوانح قاسمی
یعنی بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح حیات۔ مولانا گیلانیؒ کے قلم سے تین جلدوں میں۔ قیمت کامل -/۱۵

حیات انور
یعنی حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ کی حیات مبارکہ پر ان کے مایہ ناز تلامذہ کے گرانقدر مقالات کا مجموعہ۔ -/۴

تاریخ دیوبند
قصبۂ دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی تاریخ از سید محبوب رضوی
قیمت مجلد -/۲

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
ایک مفید تاریخی مطالعہ۔ از خلیق احمد نظامی
قیمت۔ غیر مجلد -/۸ مجلد -/۹

سفرنامۂ ابن بطوطہ
آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مسلمان سیاح شیخ ابن بطوطہ کے تاریخی سفرنامہ کا ملخص اردو ترجمہ
قیمت مجلد ۲/۸

دہلی اور اس کے اطراف
از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ
یہ فاضل مؤلف کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جس سے دہلی اور اس کے آس پاس کے شہروں کے بارے میں آج سے ۶۵ سال پہلے کے نہایت مفید علمی و دینی اور ثقافتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ قیمت -/۲

مختلف موضوعات پر قابل مطالعہ کتابیں

حجۃ اللہ البالغہ مترجم
شاہ ولی اللہ کی وہ لاثانی تصنیف جو اسلام کے پورے نظام کی گہری حکمتوں سے باخبر کرتی ہے۔ عربی متن مع ترجمہ دو جلدیں مجلد -/۲۰

طوفان سے ساحل تک
مشہور نو مسلم صاحب قلم محمد اسد (لیوپولڈ ویس) کے ذہنی اور دینی انقلاب کی مکمل سرگذشت "روڈ ٹو مکہ" کی تلخیص اور ترجمہ -/۵

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے
علوم و معارف

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے قلم سے

تجدید دین کامل ۵/-
تجدید تصوف و سلوک ۵/-
تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-
تجدید معاشیات ۵/-

حضرت تھانویؒ کی چند تالیفات

بہشتی زیور مکمل مدلل اختری ۱۳/۸
اصلاح الرسوم مع صفائی معاملات ۱/۱۲
حیات المسلمین ۱/۱۲
تعلیم الدین ۱/۱۲

اہل تبلیغ کی پسندیدہ کتابیں

مجموعہ تبلیغی نصاب مجلد ۷/۸
حکایات صحابہ ۲/-
فضائل صدقات ۲ جلد ۷/۸
فضائل رمضان -/۱۰/-
فضائل نماز -/۱۲/-
چھ باتیں -/۶/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا (کامل) ۲/۱۲
امت مسلمہ کی مائیں ۱/۸
رسول اللہ کی صاحبزادیاں ۱/-
چالیس سبق -/۴/-

فضائل ذکر ۲/۱۰
فضائل قرآن -/۱۲/-
فضائل تبلیغ -/۸/-
فضائل حج ۲/۸
ارکان اسلام ۱/۸
رفیق حج ۱/۸
مسنون اور مقبول دعائیں -/۸/-
ارشادات مولانا محمد الیاسؒ -/۱۲/-
دعوت علم و عمل -/۱۲/-
اسلامی نام -/۳/-
نظام عمل -/۵/-

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصانیف

مطبوعہ مکتبہ اسلام و مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۴/۸
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن (زیر طبع)
قادیانیت (اردو) -/۴
" (عربی) -/۳
دو ہفتے ترکی میں ۱/۸
شرق اوسط میں کیا دیکھا ۱/۸
نیا طوفان -/۶/-
ایک اہم دینی دعوت -/۶/-

مسلمانوں پر ایک نظر -/۲/-
مذہب یا تہذیب -/۲/-
مرد خدا کا یقین -/۲/-
اخلاقی گراوٹ کیوں -/۲/۶
آنکھوں کی سوئیاں -/۳/-
مقام انسانیت -/۱۰/-
طالبان علوم نبوت کا مقام -/۶/-
ہندوستانی سماج -/۲/۶
روشنی کا مینار -/۲/-

صورت و حقیقت -/۲/۶
دنیا کی سالگرہ -/۱/-
نیا خون -/۲/۶
انسان کی تلاش -/۲/-

عربی ادب

قصص النبیین ۳ حصے ۳/۴
القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے ۳/۱۲
مختارات ۴/-

تعلیم ترجمۂ قرآن کا نصاب

رحمانی قاعدہ (عربی) ۶/۵/-
〃 〃 (اردو) ۶/۵/-
مفتاح القرآن اول ۶/۵/-
〃 〃 دوم ۹/۶/-
مفتاح القرآن سوم ۱/۲
〃 〃 چہارم ۱/۴
〃 〃 پنجم ۱/۸
معلم القرآن ۱/۴

بچوں کا کامیاب اردو دینی نصاب

اچھا قاعدہ ۳ آنے
اللہ کے رسول ۷ 〃
حضرت ابوبکرؓ ۷ 〃
حضرت عمرؓ ۷ 〃
حضرت عثمانؓ ۷ 〃
حضرت علیؓ ۷ آنے
اچھی باتیں ۶ حصے کامل ۲/۱۵
اچھے قصے ۶ آنے
حضرت خدیجہؓ ۸ آنے
حضرت سودہؓ ۴ 〃
آسان فقہ ۷ آنے

سفر حج کے لیے بہترین کتابیں

آپ حج کیسے کریں؟ ...... مجلد ۲/-
آسان حج ۸/-
احیان الحجاج ۲/-
فضائل حج ۲/۸
معلم الحجاج ۳/۱۲
رفیق حج ۱/۸
حج کا مسنون طریقہ ۱/۴
تجلیات کعبہ ۲/-
تجلیات مدینہ ۲/۸
سفر حجاز۔ (از مولانا دریابادی) ۵/-
گلبانگ حرم۔ (زائر حرم حمید صدیقی کا روح پرور کلام ۳/۱۲

بچوں کی چند اور کتابیں

تعلیم الاسلام عکسی (از مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) ہر چہار حصص ۱/۶/-
سرالپے رسولؐ ۱/- ، ہمارے نبیؐ کے صحابہ ۱/- رسول اللہ کے دو محبوب ۸/-
رسول عربی ۱/۲/- ، خلافت راشدہ اول ۱/-/- ، خلافت راشدہ دوم ۱/-/- ، بچوں کی قصص الانبیاء ۶ حصے ۱/-/-

متفرق علمی و دینی کتابیں

فلسفہ کیا ہے (از ڈاکٹر میر ولی الدین) مجلد ۲/- غیر مجلد ۱/-
عروج و زوال کا الٰہی نظام ...... مجلد ۳/-
کتاب الصلوٰۃ (از امام احمد بن حنبلؒ) مجلد ۱/۸
علامات قیامت ۸/-
باب کرم ۵/- کلیا باب رحمت ۶/-
حسن معاشرت (لڑکیوں کیلئے) ۱۰/-
علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں ۲/۸
مقالات سیرت ، از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ۲/۸
مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری) ۱۶/-
بیان اللسان .... مجلد ۱۶/-
اردو عربی ڈکشنری ۶/-
آئینۂ نماز ۸/-
صلوٰۃ النساء ۸/-
نصیحۃ المسلمین ۵/-

الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

ادارہ الفرقان

مستقل

محمد منظور نعمانی

مرتبہ

عتیق الرحمن سنبھلی

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۵/
سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) ۶/

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی کاپی آٹھ آنے (۸/)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ۱۵/

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق مارچ ۱۹۶۱ء | شمارہ ۹

اگر دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہو تو

اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۶ مارچ تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار :- اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری :- خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔

تاریخ اشاعت :- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۳۰ تاریخ تک اندر آنی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت ____ دفتر الفرقان ____ کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

گذشتہ اشاعت میں تعلیمی اداروں کے موجودہ ماحول پر کچھ اظہار خیال کیا گیا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد جو ماحول ملک کے تعلیمی اداروں میں عام طور پر پیدا ہوا ہے اس نے طلباء اور طالبات کی جنسی رگوں کو چھیڑ کر اُن کے اخلاق و کردار کو غیر معمولی نقصان پہنچایا ہے۔ اور بدقسمتی سے مسلم تعلیمی اداروں نے بھی روش عام سے متأثر ہو کر انھیں سب باتوں کو اپنا لیا ہے جو ایسا تباہ کُن ماحول پیدا کرتی ہیں۔ حالانکہ ملک کا تمام سنجیدہ طبقہ اب اس ماحول کی تباہ کاریوں سے پناہ مانگ رہا ہے۔ اور مسلم تعلیمی ادارے اگر خود کو خلوص کے ساتھ اپنی سابقہ اسلامی روایات کا پابند بنالیں تو وہ اپنے نمونہ سے پورے ملک کو اشارہ کرسکتے ہیں کہ ان تباہ کاریوں سے بچنے کی راہ کیا ہے۔

ان معروضات کی اشاعت پر ابھی چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی ایک کتاب "علی گڈھ تحریک۔ آغاز تا امروز" دیکھنے میں آئی جو حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔ اس میں یونیورسٹی کے ایک فاضل استاذ کا مضمون ہے "علی گڈھ کدھر؟" جس میں یونیورسٹی کو نئے حالات کے ماتحت اپنے اندر کچھ ضروری تبدیلیاں کرنے کے مشورے دیئے گئے ہیں۔ اس مضمون کا ایک حصّہ ہمیں اپنی معروضات کے موضوع سے براہ راست متعلق بھی نظر آیا۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کا وہ طبقہ بھی جس کے متعلق ہمیں گمان نہیں تھا کہ طلبا کی

اخلاقی بے راہ روی اور جنس زدگی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہوگا، اور اِن تشویشناک رجحانات کی ذمہ داری اُنھیں چیزوں پر ڈالتا ہوگا جنھیں ہم اِن رجحانات کا باعث قرار دیتے ہیں ـــــ ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ ـــــ اُسکے ایک نمائندے کو ہم یہ کہتا ہوا دیکھتے ہیں کہ :۔

......" پھر سینما، عورتوں کی بے پردگی، مردوں اور عورتوں کے آزادی سے ملنے نے نئے نئے سوال کھڑے کر دیئے ہیں، چنانچہ ہمارے ادارے میں جو طالب علم آتے ہیں وہ نہ کوئی گہری مذہبی بنیاد رکھتے ہیں نہ زندہ اخلاقی قدریں۔ یہ جاسوسی ناولوں اور فلم اسٹاروں کی تصویروں پر پلے ہوئے نوجوان، فلمی گانوں کے رسیا اور سستی اور ہنگامہ پسند ریاست کے شکار نوجوان، جنھیں علم سے اس لئے شغف نہیں ہو پاتا کہ عام زندگی میں اسکی قدر نہیں، جو مذہب سے یونہی واقف ہیں، جو اپنے گرد و پیش نہ اخلاقی قدریں دیکھتے ہیں نہ خلوص نہ ریاض بلکہ جو سفارش، رشوت، ذاتی نفع کا کاروبار ضرور دیکھتے ہیں .... ان نوجوانوں کے لئے اقامتی زندگی کا تصور بدلنا ہوگا، اور اس کے لئے اساتذہ کو بھی بہتر نمونہ پیش کرنا ہوگا"........

صفحہ ۴۴-۴۷

کس قدر خوش آیند ہونی چاہیئے یہ بات کہ ہمارے مرکزی جدید تعلیمی ادارے کے ایک ایسے طبقے کا استاذ جس کے متعلق ہم نہ سمجھتے ہوں کہ سینما بینی، عورتوں کی بے پردگی، لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط کے نتائج کو وہ تشویش کی نظر سے دیکھتا ہوگا، اور طلباء میں مذہبی بنیادوں کے فقدان مذہب سے عدم واقفیت کو وہ کوئی نقصان وہ خلا سمجھتا ہوگا، ہم اُسکی ایک تحریر پڑھتے ہوئے محسوس کر رہے ہیں کہ وہ اِن چیزوں کو فکر و تشویش کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور اسی بنیاد پر طلباء کی اقامتی زندگی کے تصور پر از سرِ نو غور کی دعوت دے رہا ہے!

اس تشخیص کے بعد تجویز جو کچھ ہونی چاہیئے، اصولی اور بنیادی حد تک وہ بالکل ظاہر ہے اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ اسی عالمِ مسرت میں ہم آگے بڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

تشخیص میں مکمل ہم آہنگی کے بعد تجویز میں بھی بنیادی حد تک تو عدم اتفاق کا کوئی سوال ہی نہیں، مقالہ نگار نے طلباء کی اقامتی زندگی کی نئی تجویز میں یقیناً وہ باتیں رکھی ہوں گی جن سے بگاڑ کے اسباب کا ازالہ ہو ــــــ لیکن ہمیں تھوڑی سی مایوسی ہوتی ہے جب تجویز کی یہ عبارت ہمارے سامنے آتی ہے کہ

...... "اقامتی زندگی میں صحیح قدروں پر زور دینے کے لئے طلباء اور اساتذہ کو مل کر جد و جہد کرنا ہو گی۔ جس میں مرکزی حیثیت ڈائننگ ہال کی نہیں لائبریریوں کی ہو گی، جس میں باقاعدہ تعلیم، باقاعدہ ورزش، پہاڑوں کی پیدل سیاحت ملک کی سیر، فوجی تربیت ان سب کو پہلے سے زیادہ اہمیت دینی ہو گی" الخ

یہ مایوسی اس بنا پر نہیں کہ یہ باتیں تجویز میں شامل ہونے کی نہیں تھیں، بلکہ اس بنا پر کہ تشخیص کی رو سے جو اجزاء سب سے اول ہونے چاہئیے تھے وہ سرے سے غائب ہیں۔ کوئی ایسا جزو نہیں جو مذہب سے لگاؤ پیدا کرے، کوئی ایسا جزو نہیں جو طلباء کی شخصیت میں گہری مذہبی بنیادیں پیوست کرے، کوئی ایسا جزو نہیں جو سینما سے متنفر کرے اور کوئی ایسا جزو نہیں جو مردوں و عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو رد کرے ــــــ بہرحال تجویز ناقص اور بہت ناقص نظر رہی ہے، اور اس لئے مایوسی ناگزیر تھی، لیکن تشخیص سے متصادم کوئی بات اس میں نہیں تھی، سب باتیں اپنی جگہ پر کام ہی کی تھیں۔

لیکن یہ تجویز جب اختتام پر پہنچتی ہے تو ہمیں اس میں ایک جزو یہ ملتا ہے:۔

"ان کو (طلباء کو) صحیح معنی میں تہذیب سے آشنا کرنا ہو گا"

یہ جزو بھی متن کی حد تک کچھ انوکھا نہیں ہے، مگر اسکے بعد جو اسکی شرح سامنے آتی ہے تو ہماری خوشی و خوش فہمی کی ساری بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اچھا خاصا سیدھی راہ چلنے والا مسافر ایک دم سے کسی ترنگ میں آکر ایک بالکل ہی دوسری راہ پہ پڑ گیا ہو، اور بھول بیٹھا ہو کہ وہ چلا کس راہ پر تھا اور کہاں اسے جانا تھا۔

متن کے اس آخری فقرے کی شرح یہ ہے:۔

"اس لئے علی گڑھ کی اقامتی زندگی میں تہذیبی سرگرمیوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، ہمیں ڈاکٹر ذاکر حسین کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اپنی وائس چانسلری کے زمانہ میں اس ضرورت کو بھی محسوس کیا اور ان طلبا کی ہمت افزائی کی جو فنونِ لطیفہ سے ذوق رکھتے تھے۔"

مقالہ نگار کو غالباً اس کا اچھی طرح احساس تھا کہ اس تشخیص کے ساتھ تجویز کے اس جزو کا جوڑ لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح نہ آئے گا۔ اس لئے اس جزو کی افادیت پر ایک معرکہ آرا تقریر بھی ہمیں آگے پڑھنے کو ملتی ہے۔

"فنونِ لطیفہ کی جو اہمیت شخصیت کی تربیت میں ہے، جمالیاتی قدروں سے سماج اور اخلاق کو جو فائدے پہنچ سکتے ہیں، وہ اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ بڑے بڑے صوفیوں نے موسیقی کی نہ صرف سرپرستی کی ہے، بلکہ اس میں اجتہاد بھی کیا ہے حضرت امیر خسرو کی مثال اس سلسلہ میں کافی ہے۔ صوفیوں کے نزدیک سماع تزکیۂ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ مصوری اور فوٹوگرافی کے متعلق مولانا آزاد کے ایک مضمون کو ذہن میں رکھنا چاہیئے جو عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ذکرِ آزاد" میں شامل کر دیا ہے۔ اگر کچھ لوگوں کے نزدیک اِن مشاغل سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو یہ اُن لوگوں کی نظر کا قصور ہے۔ آج سینما کی لت کے کارن اور عریاں افسانوں اور سماجی بندشوں کے ڈھیلے پڑ جانے کی وجہ سے نوجوان طبقہ ویسے ہی جنس زدہ ہو۔ تہذیبی سرگرمیاں اس جنسی میلان کو جو غلط راہوں کا شکار ہو جاتا ہے صحیح راستے پر لاتی ہیں۔ آج ہندوستان کے بڑے شہروں میں ایسے نوجوانوں کا گروہ خاصی تعداد میں ملتا ہے جو سستی فلموں کے اثر سے لڑکیوں کا تعاقب کرنے یا اُن کے (سے ہونا چاہیئے) چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آتا۔ سینما پر اور ریٹ پٹے رسالوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لڑکوں کے لئے لڑکیوں سے ملنے کے مواقع بھی بڑھ رہے ہیں۔ والدین کا احتساب کمزور ہوتا جاتا ہے۔ لڑکوں لڑکیوں میں لباس کی آرائش اور فیشن کا شوق بڑھ رہا ہے اس لئے تہذیبی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کے بجائے اسکی ضرورت ہے کہ

ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی میں اُنھیں ایسے سنجیدہ مشاغل میں لگایا جائے جن سے
جنسی جذبہ پر مناسب بند باندھے جا سکیں۔ اور ڈراما، مصوّری، موسیقی، رقص
فوٹوگرافی، خطاطی، ادبی مجالس، سیاسی مکتب، آثارِ قدیمہ کے مطالعے کے ذریعہ کر
طلباء کی نظر کو وسیع اور اُن کے جمالیاتی احساس کو وقیع کیا جائے اور اُن کے جذباتی
سیلاب کو سماجی تربیت کی برقی رَو میں تبدیل کیا جا سکے۔" (ص ۴۴۸-۴۹)

اس تقریر افادیت کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیب کے نزدیک اُسکے نسخے کی جان یہی جزو ہے۔ اور وہ اس کے اعتماد پر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مذہبی بنیادیں ہل گئی ہیں تو انھیں جانے کی فکر مت کرو۔ اخلاقی قدریں مر گئی ہیں تو انھیں جلانے کے غم میں مت پڑو، مذہب سے طلباء کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے تو ٹوٹ جانے دو، اسکی استواری کی فکر مت پالو۔ بس فنونِ لطیفہ سے لگاؤ پیدا کر دو سینما کے بُرے اثرات اسی سے رُکیں گے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط کے نتائجِ بد پر یہی لگاؤ بند باندھے گا، بے پردہ آرائش و زیبائش کی فتنہ سامانیوں کی چارہ جوئی اسی سے ہوگی، والدین کے احتساب اور سماجی بندشوں کی کمزوری کی تلافی یہی ذوقِ جمال کرے گا اور فحش لٹریچر کے مارے ہوئے مُردوں کو اسی نفسِ مسیحائی سے نئی اخلاقی زندگی ملے گی ——— کیسی اخلاقی زندگی! معرفتِ حق کے چشمے اُبلیں گے، یونیورسٹیاں خانقاہوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور ایک ایک طالب علم تزکیۂ نفس میں جنید و شبلی کو شرما رہا ہوگا۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

نہیں نہیں! شاید یہ آخر میں ہم مبالغہ کر گئے۔ یہ مطلب صاحبِ مقالہ کا نہ ہوگا، صوفیا اور اُن کے تزکیۂ نفس کا ذکر محض اُن قاصر نظر لوگوں کے توڑ پر کر دیا گیا ہوگا، جو ان لطیف مشاغل کو لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق کے لئے مضر گردانتے ہیں ——— خیر نہ سہی یہ مطلب۔ پھر بھی جتنا دعویٰ صاف الفاظ میں ہے وہ کیا کچھ کم عجوبہ ہے؟۔ ہم مان سکتے ہیں یہ بات کہ اِن فنون کے

فنکاروں میں ایسے مخلص اور فنا فی الفن کبھی کبھی ہوئے ہوں گے جو مجرّد جمالِ فن کے تماشے میں ہی عمر بھر کھوئے رہے ہوں، اور اُن کے احساسِ جمال میں اس درجہ لطافت آگئی ہو کہ کوئی "کثافت آمیز" جلوۂ حسن اُن کے ذوقِ جمال کو تہ کندلانے میں کامیاب نہ ہو سکا ہو لیکن عام انسانی زندگی کا تجربہ تو روزِ آفرینش سے یہی بتلا رہا ہے کہ رقص اور موسیقی میں شباب کو بہکانے کی جس قدر صلاحیت ہے وہ شاید ہی کسی اور چیز میں ہو۔ انسانیت کی پوری تاریخ اِن "فنونِ لطیفہ" کی تباہ کاریوں کی ایک مسلسل داستان اپنے اندر رکھتی ہے اور کم ایسے بالغ نظر نکلیں گے جو اس داستانِ مسلسل کی شہادت کو نظرانداز کر کے مدّعی ہوں کہ یہ فنون معصوم ہی نہیں معصوم گر بھی ہیں! ــــــ ایسی مسلّمہ حقیقت کے علی الرغم دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ بینادلوں اور فلم اسٹاروں کی تصویروں پر مٹے ہوئے نوجوان، فلمی گانوں اور عریاں افسانوں کے رسیا نوجوان، لڑکیوں کے پیچھے دوڑتے پھرنے اور اُن کے درپے کھینچنے والے نوجوان اگر رقص و موسیقی کی مشق پر لگا دیئے جائیں، ڈرامے اور مصوّری کے تماشوں میں محو کر دیے جائیں تو یہ پاکبازی اور پاک نہادی کی اعلیٰ سطح پر نظر آئیں گے اور ان کے جنسی میلانات نامناسب ترغیبات کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے! ــــــ اتنا حیرت انگیز دعویٰ مسلّمات اور حقائق کے خلاف دعویٰ، اور دلیل کچھ بھی نہیں، نام کو بھی نہیں! ــــــ

رہی ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی کی بات، تو اوّلاً تو ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ خواص اشیاء کو بدل دے اور بزمہائے شباب کے لئے زہر کی گولیوں کو امرت میں تبدیل کر دے ــــــ پھر بُرا نہ مانیئے تو ہمیں اِن مشاغل سے دلچسپی رکھنے والے اساتذۂ کرام کی ذمہ داری کی حقیقت بھی معلوم ہے۔ اور ہم سے زیادہ اُن کے ہمنشینوں کو معلوم ہے، لیکن اگر سوال دل کے بہلانے کا ہو، تو پھر یقیناً یہ خیال اچھا ہے۔

اِن فنونِ لطیفہ کی حمایت بہتوں نے کی مگر یہ انداز آج تک شاید کسی کے حصہ میں نہ آیا ہوگا کہ اِن سے اشتغال مذہبی اور اخلاقی احساسات کے خانوں کو بھرتا اور مٹتی ہوئی مذہبی اور اخلاقی قدروں کی قائمقامی کر سکتا ہے، یہ تو بیسویں صدی کے لئے ایک نئی پیغمبری اور ایک نئی رسالت ہوئی! ــــــ مبارک ہے وہ ذات جس کو اس رسالتِ نو کا شرف ملا، اور جس نے

اس بیسوی صدی کی یاس انگیز اخلاقی فضا میں امید کا ایک نیا راگ چھیڑا۔ جس نے اخلاقی پاکیزگی کے مسئلہ کا وہ دلکش حل سامنے رکھ دیا کہ بوالہوسانِ دہر تسکین کی طلب میں دیوانہ وار لپکیں اور تزکیہ کی دولت لے کے پلٹیں۔

غضب کیا ہے مقالہ نگار نے، کہ ایک طرف تو ارشاد ہے کہ "یہ ادارہ ایک مخصوص کردار رکھتا ہے۔ اس کا مقصد مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلام کی اعلیٰ قدروں کی بنیاد کے ساتھ مزید زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت عطا کرنا ہے"۔ اور یہ کہ، اُن کی معروضات کا مقصد ہی یہ ہے کہ موجودہ علی گڑھ کے اساتذہ اور طلباء میں اپنے نصب العین کا احساس اور گہرا ہو" ——— لیکن انہی معروضات میں وہ رقص و سرود اور ڈرامہ و مصوّری کا معروضہ بھی شامل ہے!۔

ہوسکتا ہے کہ اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے انھوں نے یہ فقرہ لکھ دیا ہو کہ "اسلام کی ان قدروں اور جدید ضروریات میں کوئی ازلی تضاد نہیں ہے۔ ہاں حقیقی اسلام اور رواجی اسلام کو سمجھنا ہے"۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس معروضہ کو حقیقی اسلام کے نہیں، رواجی اسلام کے مخالف سمجھ رہے ہوں! ——— اگر ایسا ہے تو ہم اور کچھ نہیں قرآن کی یہ چند آیتیں اُن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو فیصلہ کر دیں گی کہ یہ معروضہ رواجی اسلام کے خلاف ہے یا حقیقی اسلام کے بھی خلاف ہے، بشرطیکہ وہ حقیقی اسلام کا سرچشمہ قرآن کو مانتے ہوں!۔

نبیؐ سے ارشاد ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا	کہو ایمان والوں سے کہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور پاک رکھیں دامن ..... اس میں پاکیزگی ہے ان کے لئے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کریں۔ اور کہو ایمان والیوں سے کہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں عصمت کی اور نہ نمایاں کریں اپنی زیبائش

(باقی ص ۴۹ پر)

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

تلخیص و ترجمہ ——— از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

بقیہ مکتوب (۲۶۶) بنام خواجہ عبداللہؒ و خواجہ عبیداللہؒ صاحبزادگان حضرت خواجہ باقی باللہؒ

.... بعثتِ انبیاء علیہم السلام "رحمت عالمیاں" ہے اگر ان بزرگوں کا توسطِ وجود نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کی واجب الوجود کی معرفتِ ذات و صفات کی طرف کون رہنمائی کرتا؟ اور مرضیاتِ خداوندی اور عدم مرضیات خداوندی میں کون تمیز دیتا؟ ——— ہماری ناقص عقلیں انبیاء کی دعوت کے بغیر اس حقیقت سے معزول و معطل اور ہمارے افہام نا تمام ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملے میں خوار کردہ شدہ ہیں ....

بعثت انبیاء ایک ایسی حجتِ بالغہ ہے کہ عذاب و ثوابِ اخروی و دائمی ——— اسی سے متعلق ہے....

(یقیناً) بعثتِ انبیاء عینِ رحمت ہے، کیونکہ "سببِ معرفتِ ذات و صفاتِ واجب الوجود" ہے اور یہ معرفت ہی "سعادتِ دنیویہ و اخرویہ" کو متضمن ہے اور اسی بعثت کی بدولت یہ تمیز ہوئی ہے کہ یہ چیزیں مناسب جنابِ قدس ہیں اور یہ نامناسب ہیں ——— ہماری لنگڑی اندھی عقل جو کہ "داغ امکان و حدوث" سے داغدار ہے کیا جانے کہ اُس حضرتِ واجب الوجود کے مناسب، کہ قدامت جس کے لوازم سے ہے، کون کون سے اسماء، صفات اور افعال ہیں اور کون کون سے نامناسب ہیں؟ تاکہ مناسب کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے اجتناب ہو ——— بلکہ بااوقات یہ عقلِ ناقص کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھ لیتی ہے۔

یہ مناسب و نامناسب کا امتیاز، نزدِ فقیر تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بالاتر ہے ــــــ وہ بڑا ہی کم بخت ہے جو امورِ نامناسبہ اور اشیاء ناشائستہ کے ساتھ حضرتِ حق سبحانہ کو منسوب کرے۔ ــــــ باطل کو حق سے اور غیرِ مستحقِ عبادت کو مستحقِ عبادت سے جدا و ممتاز کرنا ــــــ بعثتِ انبیاء کا ہی کارنامہ ہے ــــــ بعثتِ انبیاء ہی کے ذریعے راہِ حق کی جانب دعوت دی گئی ہے اور بندوں کو سعادتِ قرب و وصل تک پہونچایا گیا ہے ــــــ اسی بعثت سے مرضیاتِ خداوندی پر آگاہی میسر ہوئی ہے اور اسی کی برکت سے ملکِ خداوندی کے اندر جوازِ تصرف اور عدمِ جوازِ تصرف متمیز ہوتا ہے۔ پس یہ امر مسلّم ہے کہ بعثتِ انبیاء (سراپا) رحمت ہے جو شخص خواہشاتِ نفسِ امّارہ کا مطیع ہو گیا ہے وہ بحکم شیطانِ لعین، انکارِ بعثت کرتا ہے اور بمقتضائے بعثت عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا.........

حصول تصفیہ و تزکیہ ان اعمالِ صالحہ کے انجام دینے سے متعلق ہے جو مرضیاتِ مولیٰ ہوں، اور یہ بات بھی موقوف ہے بعثتِ انبیاء پر، پس بغیر بعثت، حصولِ حقیقتِ تصفیہ و تزکیہ بھی میسر نہیں ــــــ اور جو صفائی کفار و اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ (درحقیقت) صفائے نفس ہے نہ کہ صفائے قلب ــــــ صفائے نفس سے سوائے گمراہی اور خسارے کے کسی اور بات کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی ــــــ صفائے نفس کی حالت میں جو بعض امورِ غیبیہ کا کشف، کفار و اہلِ فسق کو ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے اور اس استدراج سے مقصود، جماعتِ کفار و اہلِ فسق کے خسارے کے علاوہ کچھ نہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلا سے بحرمتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نجات دے ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ از راہِ بعثت جو تکلیفِ شرعی ثابت و لازم ہوئی ہے وہ بھی رحمت ہی رحمت ہے ــــــ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تکلیفِ شرعی کے منکر بعض ملحد و زندیق گمان کرتے ہیں اور "تکلیف" کو "کلفت" تصور کر کے غیر معقول سمجھے ہوئے ہیں اور (برملا) کہتے ہیں (ارے صاحب) یہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو امورِ شاقہ کے ساتھ تکلیف دیں اور پھر کہیں کہ اگر بندے اس تکلیف کے مقتضیٰ پر عمل کریں گے تو بہشت میں جائیں گے ورنہ دوزخ میں جائیں گے ــــــ

(ان منکرین سے دریافت کرو کہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو (اعمالِ صالحہ کا) کیوں

مکلف نہ کریں؟ اور اپنے بندوں کو کیوں آزاد چھوڑ دیں کہ بس کھاؤ، سو جاؤ اور اپنے طور پر زندگی بسر کرو ــــ یہ کم نصیب و بے خرد منکرین شاید یہ نہیں جانتے کہ شکر منعم، عقلاً واجب ہے اور یہ تکلیفات شرعیہ اسی شکر کی ادائیگی کا بیان ہیں ــــ پس عقل کی رو سے بھی تکلیفِ شرعی واجب ہو گی ــــ نیز نظام عالم اسی تکلیف شرعی سے مربوط ہے۔ اگر ہر ایک کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو سوائے شرارت و فساد کے اور کچھ بھی ظہور میں نہ آتا ــــ ہر بوالہوس دوسرے کے نفس و مال میں دست درازی کرتا اور گناہ و خیانت کے ساتھ پیش آتا اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دوسرے کو بھی ضائع کرتا ــــ اگر شرع کے زواجر و موانع موجود نہ ہوتے تو پناہ بخدا (بُرا حال ہوتا) ــــ

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (تمھارے لئے قصاص میں اے عقل والو حیات مضمر ہے۔ یعنی قصاص کا حکم سبب حیات ہے۔

اگر چوب حاکم نہ باشد زپے
کند زنگئ مست در کعبہ قے

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور بندے اسکے مملوک ہیں، پس جو حکم و تصرف وہ ان میں فرمائے عین خیر و صلاح ہے اور شائبۂ ظلم و فساد سے مبرا و منزہ ہے ــــ

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (اس سے اسکے افعال کی باز پرس کا کسی کو حق نہیں) ــــ

کرا زہرہ آنکہ از بیم او
کشاید زباں جز بہ تسلیم او

وہ اگر سب کو دوزخ میں بھیجے اور عذاب ابدی کرے تو کوئی اعتراض کا موقع نہیں اور نہ یہ کسی غیر کی ملکیت میں تصرف ہے کہ اس میں شائبۂ ستم ہو ــــــــ بخلاف ہماری املاک کے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی املاک ہیں ان میں بدون تجویز خدا ہمارے جمیع تصرفات عین ستم ہیں ــــ البتہ صاحب شرع نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کی ہے ورنہ فی الحقیقت وہ اسی کی ملکیت ہیں، پس ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہو گا جتنا مالک علی الاطلاق

(خداوند کریم) نے تجویز فرما دیا اور مُباح قرار دے دیا ہے ـــــ ان انبیا علیہم السلام نے اللہ کی طرف سے مطلع ہو کر جو خبریں دی ہیں اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب صادق اور مطابق واقع ہیں۔ ...... قبر میں منکر و نکیر کا سوال مومنوں اور کافروں سے ہونا حق و ثابت ہے۔ قبر ایک برزخ ہے جو درمیانِ دنیا و آخرت ہے۔ قبر کا عذاب اس حیثیت سے تو عذابِ دنیوی سے تعلق رکھتا ہے کہ (ایک دن) ختم ہو جائے گا اور دوسری حیثیت سے وہ عذابِ اُخروی سے مناسبت رکھتا ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں عذابہائے آخرت سے ہے ـــــ اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (کافر صبح و شام آتش دوزخ پر پیش کئے جائیں گے) یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں ہے ـــــ اسی طرح راحت قبر بھی دو حیثیتیں رکھتی ہے، وہ شخص بڑا سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور جس کے گناہوں کو بکمالِ مہربانی معاف فرما دیں اور کوئی گرفت نہ فرمائیں ـــــ اگر مواخذہ فرمائیں بھی تو کمالِ رحمت سے دنیا کی تکالیف کو اسکے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں اور کچھ گناہ رہ جائیں تو فشارِ قبر کو اور اُن تکلیفوں کو جو قبر میں ہوتی ہیں کفارہ کر دیں تاکہ پاک و پاکیزہ ہو کر محشر میں اُٹھے ـــــ اور جس کے ساتھ ایسا نہ کریں اور اسکے مواخذے کو آخرت پر چھوڑ دیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ مگر ایسی صورت میں گناہگاروں اور شرساروں کا بُرا حال ہوگا.... لیکن اگر (وہ گناہگار) اہلِ اسلام و ایمان ہے تو آخر کار اُسکے ساتھ رحمت کا معاملہ ہوگا اور وہ عذابِ ابدی سے محفوظ رہے گا یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

رَبَّنَا اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ـــــ

ـــــ بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ

روزِ قیامت حق ہے، اور اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، دریا، حیوان، نباتات معادن، یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی ـــــ آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر، زمین اور پہاڑ پراگندہ ذرات کی طرح ہو جائیں گے ـــــ یہ نیست و نابود کرنا نفخۂ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے نفخۂ ثانیہ سے (مُردے) قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور محشر کی طرف روانہ ہوں گے۔
...... (قرآن کی بہت سی آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں)

...... حساب، میزان اور پل صراط حق ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر

دی ہے ــــ طورِ نبوت سے ناواقف لوگوں نے جو اِن باتوں کو بعید سمجھ کر انکار کیا ہے ان کا انکار درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسلئے کہ طورِ نبوت، طورِ عقل سے ماوراء ہے ــــ اخبارِ صادقۂ انبیاء کو نظرِ عقل سے موافق کرنے کی کوشش کرنا فی الحقیقہ انکارِ طورِ نبوت ہے، یہ معاملہ تو تقلیدِ انبیاء پر مبنی ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ طورِ نبوت، طورِ عقل کے مخالف ہے، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ عقل بغیر تقلیدِ انبیاء کے مطلب عالی تک راہ یاب نہیں ہوسکتی (عقل کو تقلیدِ انبیاء ضروری ہے) ــــ مخالفت دوسری چیز ہے اور عدمِ ادراک دوسری بات ہے ــــ مخالفت تو بغیر ادراک کے متصور ہی نہیں ہوتی (جب عقل بیچاری بعض احکامِ شرعیہ کو سمجھ ہی نہیں سکتی تو اسکی مخالفت کیا کرے گی)۔

بہشت و دوزخ موجود ہیں "بعد از محاسبہ روزِ قیامت" ایک گروہ کو بہشت میں داخل کریں گے اور ایک گروہ کو دوزخ میں۔ (مومنین کو) ثواب اور (کفار کو) عذاب، دائمی ابدی ہوگا۔ اس ثواب و عذاب کی انتہا نہیں ہے جیسا کہ نصوصِ قطعیہ اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں۔

.... ملائکہ خدا کے بندے ہیں وہ معاصی سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں ــ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (فرشتے اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام کے لئے مامور ہوتے ہیں اس کو انجام دیتے ہیں) ــــ

فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں اور تذکیر و تانیث سے مُبرّا و مُنزّہ ہیں ــــ قرآن مجید میں ان کے لئے ضمیریں مذکر جو آئی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ صنفِ ذکور کو شرف حاصل ہے صنفِ نساء کے مقابلے میں ــــ اللہ تعالےٰ خود اپنے لئے بھی ضمائر کی تذکیر ہی لائے ہیں ــــ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں میں سے بعض کو رسالت و پیغام رسانی کے لئے چن لیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہے ــــ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ تعالےٰ نے ملائکہ اور انسانوں میں سے فرستادوں کو چن لیا ہے) ــــ جمہور علماءِ اہلِ حق اس عقیدے پر ہیں کہ خواصِ بشر، خواصِ فرشتہ سے افضل ہیں ....

ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی کا، یعنی دین کی اُن باتوں کی (تصدیق) جو بطریقِ تیقّن اور بطورِ تواتر ہم تک پہونچی ہیں ــــ اقرارِ لسانی کو بھی جو احتمالِ سقوط رکھتا ہے رُکنِ ایمان کہا ہے ــــ اس تصدیق کی علامت، کفر و کافری اور خصائص و لوازمِ کافری سے بیزاری ہے ....

اگر عیاذاً باللہ تصدیق قلبی کا دعویٰ کرنے کے بعد (اپنے اعمال و افعال کے ذریعہ) کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے (بلکہ ایسے افعال اس سے سرزد ہوں جو کفر سے راضی ہونے پر دلالت کرتے ہوں) تو وہ دو دینوں کا قبول کرنے والا اور داغ ارتداد سے داغدار قرار دیا جائے گا اور فی الحقیقہ اس کا حال منافق کا سا ہے کہ لَا اِلٰی هٰؤُلَآءِ وَلَا اِلٰی هٰؤُلَآءِ ۔ (منافق نہ اس ہی طرف ہے نہ اُس ہی طرف) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

فائدہ جلیلہ (دوزخ کا عذاب ابدی جزائے کفر ہے اور بس (ایمان کے ہوتے عصیان دگنا کے بدلے میں ابدی عذاب نہ ہوگا) ـــــ اگر دریافت کیا جائے کہ ایک شخص ہے جو باوجود ایمان کے کچھ رسوم کفر بھی بجالاتا اور تعظیم مراسم کفر کرتا ہے جیسا کہ بہت سے مسلمانان ہند اس بلا میں مبتلا ہیں ـــــ علماء ایسے شخص کے کفر کا حکم لگاتے ہیں اور اہل ارتداد سے سمجھتے ہیں پس بفتوائے علماء ایسا شخص عذاب ابدی میں گرفتار ہونا چاہیئے حالانکہ احادیث صحاح میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اُس کو دوزخ سے (بالآخر) نکال لیا جائے گا اور عذاب دائمی میں نہیں چھوڑا جائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری تحقیق یہ ہے کہ اگر کافر محض ہے تب تو عذاب دائمی کا مستحق ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر ادائیگی مراسم کفر کے ساتھ ساتھ ذرۂ ایمان بھی رکھتا ہے تو عذاب دوزخ میں تو ضرور مبتلا ہوگا لیکن اس ذرۂ ایمان کی برکت سے اُمید ہے کہ دوام عذاب اور گرفتاری دائمی سے نجات پا جائے ـــــ فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی عیادت کو گیا تھا جس کے اوپر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا ۔ اس مرنے والے کی حالت پر توجہ کی گئی تو محسوس ہوا کہ اُس کا دل "ظلمات بسیار" رکھتا ہے ۔ فقیر ہر چند اُن ظلمات کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بہت کچھ توجہ کرنے کے بعد (از راہ کشف والہام) معلوم ہوا کہ یہ ظلمات اُن صفات کفر سے پیدا ہوئے ہیں جو اُس شخص کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان تمام کدورتوں اور تاریکیوں کا منبع اس کی دوستی کفر و اہل کفر ہے ـــــ توجہ سے یہ ظلمات دور نہ ہوں گے ـــ ان ظلمات کا تنقیہ، عذاب نار سے ہوگا جو جزائے کفر ہے ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص ایمان کا ذرہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے ۔ اس ذرۂ ایمان کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا ـــ جب یہ حال مشاہدے میں آیا تو پھر یہ خیال ہوا کہ اس

شخص کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ بعد از توجہ یہ بات ظاہر ہوئی کہ نماز جنازہ پڑھنا چاہیئے .... پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے، رسوم کفر بھی انجام دیتے ہیں اور کفار کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں اُن کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہیئے اور (مطلقاً) کفار سے ملحق نہ کرنا چاہیئے ...... اُمید ہے کہ ایسے لوگ سزا بھگت کر آخر کار ببرکت ایمان، عذاب دائمی سے چھٹکارا پا جائیں گے ....

زیادتی ونقصانِ ایمان کے بارے میں علمار کا اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں۔ الایمان لایزید ولاینقص ــــ (ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے ــــ اس میں شک نہیں کہ ایمان، تصدیق ویقینِ قلبی کا نام ہے اور اس تصدیق ویقین میں زیادتی ونقصان کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ جو قبولِ زیادت ونقصان کرے وہ داخلِ دائرۂ ظن ہے یقین نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوسکتی ہے کہ اعمالِ صالحہ کی ادائیگی، یقین میں روشنی پیدا کرے اور اعمال غیر صالحہ یقین کو تیرہ وتاریک کر دیں اس لحاظ سے زیادتی ونقصان کا ثبوت باعتبار اعمال، یقین کو روشن کرنے میں ہوا نہ کہ نفسِ یقین میں ــــ ایک جماعت نے جب کسی یقین کو روشن ومنجلی پایا تو اسکو اس یقین سے زیادہ کہہ، باجود انجلار اور روشنی نہیں رکھتا تھا ــــ گویا کہ بعض نے غیر روشن یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اُسی روشن یقین کو یقین جان کر غیر روشن یقین کو ناقص کہدیا ــــ دوسری جماعت جو چشمِ باطن تیز رکھتی ہے اُس نے دیکھا کہ یہ زیادتی ونقصان، صفاتِ یقین سے متعلق ہیں، نہ کہ نفسِ یقین سے، انھوں نے لامحالہ یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہا ــــ مثلاً دو برابر کے آئینے ہیں کہ اُن کے انجلار ونورانیت میں فرق ہے اب ایک شخص اُس آئینے کو دیکھتا ہے جو انجلار زیادہ رکھتا ہے اور جس میں نمائندگی چہرہ زیادہ ہے اور دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینے سے زیادہ ہے جس میں اتنی انجلار وتابندگی نہیں ہے ــــ دوسرا شخص کہتا ہے کہ دونوں آئینے برابر ہیں آپس میں کم وبیش نہیں، البتہ اگر فرق ہے تو انجلار وتابندگی میں ہے اور یہ انجلار وتابندگی آئینوں کی صفات میں سے ہے .... اس تحقیق سے جس کے اظہار کی فقیر کو توفیق ملی ہے وہ اعتراضات زائل ہوگئے جو عدم زیادتی ونقصانِ ایمان پر معترضین نے

کئے ہیں اور تمام مومنین کا ایمان تمام وجوہ سے مثل ایمان انبیاء علیہم السلام نہ ہوا۔ اس لئے کہ ایمانِ انبیاء تمام تر منجلی اور نورانی ہے۔ اسکے ثمرات ونتائج تو بہت ہی زیادہ ہوں گے بمقابلہ ایمانِ عامۃ المومنین کے کہ وہ ایمان ظلمات وکدورات بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی جو کہ وزن میں تمام امت کے ایمان سے زیادہ ہے (درحقیقت) انجلاء ونورانیت اور صفات کاملہ کے اعتبار سے زیادہ سمجھنا چاہیئے۔

دیکھیے انبیاء علیہم السلام نفسِ انسانیت میں تمام مومنین کے مساوی ہیں اور حقیقت وذات میں سب سے متحد ہیں لیکن صفاتِ کاملہ کی وجہ سے اُن کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے...... اور باوجود اس فرق کے نفسِ انسانیت میں کوئی زیادتی ونقصان نہیں ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسانیت قابلِ زیادتی ونقصان ہے ـــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تصدیق ایمانی سے مراد بعض کے نزدیک تصدیق منطقی ہے جو ظن ویقین دونوں کو شامل ہے اس صورت میں نفسِ ایمان میں زیادتی ونقصان کی گنجائش ہے" لیکن صحیح یہ ہے کہ تصدیق سے مراد اس مقام پر "یقین" واذعانِ قلبی ہے وہ عام یقین نہیں جو ظن کو بھی شامل ہو ـــــ

امام اعظمؒ فرماتے ہیں انا مومن حقاً ـــ (میں یقیناً مومن ہوں) امام شافعیؒ فرماتے ہیں انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ ـــ (میں ایمان والا ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے) یہ اختلاف فی الحقیقۃ نزاع لفظی سے زیادہ نہیں ہے ـــ پہلے قول کا تعلق ایمان حال سے ہے اور دوسرے مقولے کا تعلق مآل وعاقبت کار سے ہے.......

کراماتِ اولیاء حق وثابت ہیں...... معجزۂ نبی دعویٰ نبوت سے مقرون ہوتا ہے اور کرامتِ ولی متابعت نبی کے اقرار کے ساتھ مقرون ہوتی ہے.......

ترتیب افضلیت خلفاء راشدین کے درمیان، خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے ـــ لیکن افضلیت شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت ہوتی ہے چنانچہ اس حقیقت کو اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں ـــــ شیخ امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تفضیل پھر حضرت عمر فاروقؓ کی تفضیل ـــ بقیہ امت پر ـــ قطعی ہے ـــــ ذہبیؒ نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول انکی خلافت

کے زمانے میں جم غفیر کے سامنے تواتر کے ساتھ منقول ہے ـــ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ افضلِ اُمّت ہیں"۔ـــ اس روایت کو کچھ اوپر اسّی راویوں نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے .... بخاریؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں بہتر ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ الخ ـــــ ذہبیؒ وغیرہ نے سندِ صحیح سے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مجھے حضرات شیخین پر فضیلت دیتے ہیں ـــ جو بھی مجھکو اُن پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کے لئے وہ سزا ہے جو ایک مفتری کے لئے ہونا چاہیے ـــــ دارقطنیؒ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ میں جس کسی کو پاؤں گا کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر مجھے تفضیلت دے رہا ہے تو میں اُس کو اُتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کے لگنے چاہئیں ـــــ اس قسم کی روایتیں خود حضرت علیؓ سے اور دیگر صحابہ کرامؓ سے اس کثرت سے تبواتر آئی ہیں کہ اُن روایات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ـــــ یہاں تک کہ اکابرِ شیعہ میں سے عبدالرزاق نے کہا ہے کہ" میں حضرت علیؓ کے فرمانے کے بموجب شیخین کی فضیلت کا قائل ہوں ورنہ میں کبھی شیخین کو فضیلت نہ دیتا ـــــ میرے نزدیک یہ گناہ کی بات ہے کہ میں حضرت علیؓ سے محبت کا دعوٰی کروں اور اُن کے قول کے خلاف کروں"۔ یہ تمام اقوال صواعقِ محرقہ مولفہ علامہ، فقیہ محدث شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکّی سے لئے گئے ہیں ـــــ اب رہی تفضیلِ عثمانؓ برعلیؓ ـــــ سو اکثر علماء اہلِ سنت اس پر ہیں کہ بعد از شیخینؓ، افضل، حضرت عثمان ہیں پھر حضرت علیؓ ـــــ ائمہ اربعۂ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے ـــــ اور جو توقف امام مالکؒ سے تفضیلِ عثمانؓ برعلیؓ کے بارے میں منقول ہے ـــــ قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے رجوع کرلیا ہے اور وہ تفضیلِ عثمانؓ کے قائل ہوگئے تھے ـــ اسی طرح امام اعظمؒ کی اس عبارت سے توقف سمجھا گیا ہے ـــــ "من علاماتِ السنۃ والجماعۃ تفضیل الشیخین ومحبۃ الختنین"ـــ (علاماتِ اہلِ سنت وجماعت میں سے یہ بھی ہو کہ شیخینؓ کو فضیلت دی جائے اور حضرت علیؓ وحضرت عثمانؓ سے محبت رکھی جائے) ـــ فقیر کے نزدیک یہ عبارت ایک اور مطلب پر مشتمل ہے وہ یہ کہ (اتفاق سے) چونکہ فتنوں کا ظہور اور امورِ مردم میں اختلال، خلافت علیؓ وعثمانؓ کے زمانے میں بہت کچھ ہوا تھا اور لوگوں کے دلوں میں

اس بنا پر کچھ کدورت راہ پاگئی تھی امام اعظمؒ نے اس بات کو ملاحظہ فرما کر ان دونوں حضرات کے لئے محبت کا لفظ اختیار فرمایا اور ان کی دوستی کو علامات اہل سنت سے قرار دیا ــــ بغیر اسکے کہ توقف کا شائبہ بھی ملحوظ ہو ـــــ اور امام اعظمؒ توقف کیسے کرتے؟ جب کہ کتب حنفیہ بھری ہوئی ہیں اس قول سے کہ خلفاء راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ الغرض افضلیت شیخینؓ یقینی ہے اور افضلیت عثمانؓ بر علیؓ اتنی یقینی نہیں ہے ـــ اور احتیاط اسی میں ہے کہ منکرِ افضلیت حضرت عثمانؓ کو بلکہ منکرِ افضلیت شیخینؓ کو بھی کافر نہ کہیں ہاں بدعتی اور گمراہ جانیں اس لئے کہ علماء ایسے شخص کی تکفیر میں مختلف ہیں۔ . . . .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ـــ خدا سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں ـــــ دیکھو میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا ـــ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری دوستی و محبت کی بنا پر ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ میری دشمنی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے ـــ جو ان کو رنجیدہ کرتا ہے وہ مجھ کو رنجیدہ کرتا ہے اور جو مجھے رنجیدہ کرتا ہے وہ خدا کو ناراض کرتا ہے پس نزدیک ہے کہ اللہ تعالےٰ کا عذاب اس کو پکڑ لے ـــــ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ـــــ بے شک جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ دُنیا و آخرت میں (سورۂ احزاب) . . . . صحابہ کرامؓ میں جو منازعات و مشاجرات ہوئے ہیں ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور ان واقعات کو خواہش نفسانی اور تعصب سے دور رکھا جائے ـــــ علامہ تفتازانیؒ باوجود افراط حُبّ علیؓ کے فرماتے ہیں کہ جو کچھ مخالفات و محاربات اُن سے واقع ہوئے وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی تھی ـــــــ شرح عقائد کے حاشیۂ خیالی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت نے حضرت علیؓ کی اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ حضرت علیؓ اپنے زمانے میں افضل ہیں اور وہ خلافت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں ـــــ اور یہ وقتی ناچاقی ترکِ قصاصِ عثمانؓ کی بنا پر تھی ـــــ کمال الدین اسمٰعیل نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے وہ کافر و فاسق نہیں ہیں اس لئے کہ وہ تاویل کرتے ہیں" ـــــ اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی، ملامت اور طعن و تشنیع سے کوسوں دور ہے ـــــ

حقوقِ صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت کرکے تمام صحابہ کرام کو اچھائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور دوستی پیغمبرؐ کی بنا پر اُن کو دوست رکھنا چاہیئے۔

حضرت امیرؓ سے جنگ کرنے والوں سے ہماری کوئی رشتے داری نہیں ہے بلکہ بظاہر تو ہمارے لئے بھی یہ موقع تھا کہ ہم بھی رنجیدہ ہوتے لیکن وہ اصحابِ کرام پیغمبرؐ ہیں اور ہم کُل صحابہ کرامؓ کی محبت کا حکم کئے گئے ہیں اور بغض سے روک دیئے گئے ہیں اس لئے ناچار، دوستی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سب صحابہؓ کو دوست رکھتے ہیں اور صحابہؓ سے بغض رکھنے سے گریزاں ہیں کیونکہ صحابہؓ سے بغض وایذاء کا معاملہ، آنسرورؐ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے ــــ مگر حق بجانب کو حق بجانب کہتے ہیں اور بے قصد خطا کرنے والے کو مخطی ــــ اس سے زیادہ کہنا فضول بات ہے ــــ

بعد از تصحیح عقائد، احکام فقہ کے سیکھے بغیر چارہ نہیں ہے اور فرض، واجب، حلال، حرام سنت، مندوب، مشتبہ اور مکروہ کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اور ایسے ہی علم فقہ کے مقتضیٰ کے مطابق عمل کرنا بھی لابدی ہے۔ کتب فقہ کا مطالعہ ضروریات سے سمجھیں اور اعمالِ صالحہ کی ادائگی میں سعی بلیغ کریں۔ نماز (جوکہ ستون دین ہے) کے کچھ فضائل و ارکان تحریر کرتا ہوں۔ غور سے سُنیں ــــ سب سے پہلے پورا اور مکمل وضو کرنا ضروری ہے ــــ ہر عضو کو تین بار تمام وکمال دھونا چاہیئے تاکہ سنت کے مطابق وضو ہو ــــ (ادائگی سنت کی غرض سے) پورے سر کا مسح کرنا چاہیئے اور مسح گوش اور مسح گردن میں احتیاط کرنی چاہیئے ــــ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے انگلیوں کے نیچے کرنا آیا ہے، اس کا خیال رکھیں، کسی مستحب کے ادا کرنے کو تھوڑا نہ جانیں ــــ فعلِ مستحب، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ و محبوب ہے۔ اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اُسکے تقاضے کے مطابق عمل در آمد میسر آجائے تو غنیمت ہے (دنیا کے عوض میں ایک فعل مستحب مل جانا) یہ ایسا ہی کہ کوئی شخص چند ٹھیکرے دے کر جواہر نفیس کو خرید لایا، یا بے کار چیز کے بدلے میں جان کو حاصل کرلیا ــــ طہارتِ کامل اور مکمل وضو کے بعد نماز کا ــــ جوکہ معراج مومن ہے ــــ قصد کرنا چاہیئے اور اس امر کا اہتمام ہو کہ کوئی نمازِ فرض بے جماعت ادا نہ ہو بلکہ امام کے ساتھ

تکبیر اولی کبھی فوت نہ ہونے پائے ــــ نماز مستحب وقت میں ادا کرنی چاہیئے ــــ بقدر مسنون، قرأۃ ہو ــــ رکوع و سجود میں اطمینان کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ یہ فرض ہے یا بقول مختار واجب ہے ــــ قومے میں سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے اس طرح کہ ہڈیاں اپنی اپنی جگہ رجوع کرلیں ــــ سیدھا کھڑے ہونے میں بھی اطمینان درکار ہے اس لئے کہ یہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت ہے علیٰ اختلاف الاقوال ــــ امام، تسبیح (رکوع و سجدہ میں) مقتدیوں کے حال کے مطابق پڑھے ــــ (لیکن) یہ شرم کی بات ہے کہ (نوافل وغیرہ پڑھتے وقت) انفرادی حالت میں کوئی شخص قوت واستطاعت کے ہوتے کم درجے کی تسبیحات پر (تین کے عدد پر) اکتفا کرے (تنہائی میں) کم ازکم پانچ یا سات بار تو کہنا چاہیئے سجدے میں جاتے وقت جو اعضا زمین سے نزدیک ہیں (ترتیب سے) اوّل ان کو زمین پر رکھے پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے اسکے بعد دونوں ہاتھ اسکے بعد ناک اسکے بعد پیشانی رکھے زانو اور ہاتھ کو زمین پر رکھتے وقت دائیں سے ابتدا کی جائے ــــ سر اٹھاتے وقت جو عضو آسمان سے قریب ہے اوّل اسکو اٹھانا چاہیئے، پس پہلے پیشانی کو اٹھایا جائے ــــ بوقتِ قیام موضع سجود پر نظر رہنی چاہیئے، رکوع کرتے وقت اپنے قدموں پر نگاہ ہو ــــ سجدے کے وقت ناک کی نوک پر نگاہ ہو ــــ قعدے میں دونوں ہاتھوں یا گود پر نظر ہو ــــ جب نظر پراگندگی اور انتشار سے بچائی جاتی ہے اور جما دی جائے مذکورہ پر جمائی جاتی ہے تو نماز، حضورِ دل کے ساتھ میسر ہوتی ہے اور خشوع کے ساتھ ادا ہوتی ہے ....

ایسے ہی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا، رکوع کے وقت کھول دینا اور سجدہ کرنے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کا ملا لینا سنّت ہے ــــ اسکی بھی رعایت کرنا چاہیئے ــــ انگلیاں کھولنا اور بند کرنا بے فائدہ نہیں ہے ــــ صاحب شرع نے اس میں فوائد ملاحظہ فرماکر ہی اس پر عمل فرمایا ہے ـ ہمارے لئے کوئی فائدہ متابعت صاحب شریعت کی برابر نہیں ہے ــــ یہ احکام، کتب فقہ میں تفصیل و وضاحت مذکور ہیں یہاں پر ان کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ علمِ فقہ کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب ہو ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق تصحیح عقائد کے بعد ــــ اعمال صالحہ کی اور ان اعمال کی ادائیگی جو علومِ شرعیہ کے موافق ہوں ــــ توفیق دے ــــ

بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ــــ

ـــــ اگر فضائل نماز اور اسکے کمالات مخصوصہ کے جاننے کا شوق اپنے اندر پائیں تو یہ تین مکتوب[1] مطالعہ کریں (۱) مکتوب بنام فرزندی محمد صادق (۲) مکتوب بنام میر محمد نعمان (اکبرآبادی) (۳) مکتوب بنام مشیخت مآب میاں شیخ تاج (سنبھلی) ـــــ

بعد حاصل کرنے اعتقاد وعمل کے دو بازوؤں کے اگر توفیق ایزدی رہنمائی فرمائے تو طریقۂ صوفیاء کا سلوک ہے ـــــ یہ سلوک اس لئے نہیں کہ اس اعتقاد وعمل سے زائد یا نئی کوئی شئے حاصل کریں بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات کے بارے میں ایسا یقین واطمینان حاصل کریں کہ وہ یقین واطمینان کسی شک ڈالنے والے کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہوسکے اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو ـــــ پائے استدلال، چوبیں ہے اور استدلال کرنے والا سخت بے تمکین ہے ـــــ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آگاہ ہو جاؤ اللہ کے ذکر سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں) ـــــ (نیز سلوک سے یہ فائدہ بھی ہے کہ) اعمال کے لئے سہولت حاصل کریں اور سستی اور سرکشی جو نفسِ امارہ سے پیدا ہوتی ہے زائل کر دیں ـــــ طریقۂ صوفیاء پر چلنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور انوار والوان کا معائنہ کریں یہ تو خود داخلِ لہو ولعب ہے ـــــ یہ حسی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات ومجاہدات کرکے تمنائے صور وانوار غیبی کرے اسلئے کہ یہ (حسی) صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں ـــــ ....

---

[1] ان ہر سہ مکتوبات کا ترجمہ الفرقان بابت ماہ رجب میں شائع ہو چکا ہے۔

تحریک اشتراکیت کے غیر شعوری اثرات

(از، مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی)

دنیا کی بدنصیبی کہیئے یا مغربی جرائم کی پاداش، یہ واقعہ ناقابل انکار ہے کہ اشتراکیت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اور سرخ طوفان روز بروز شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ روس، چین، یوگوسلاویہ، البانیہ وغیرہ ممالک یورپ کو پامال کرتی ہوئی یہ بلا اب ایشیائی ممالک تک جا پہنچی ہے ہندستان، پاکستان، افغانستان میں اسے خاصا نفوذ حاصل ہو چکا ہے۔ عربی ممالک میں عراق اس کا میزبان بنا ہوا ہے۔ مصر میں بھی اسکے منحوس قدم پہونچ چکے ہیں۔ فرانس وامریکا کی حماقت غالباً الجزائر کو بھی اسی اژدھے کے منھ میں پناہ لینے پر مجبور کر دے گی۔ انھیں ممالک پر کیا موقوف ہے، اب تو دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جہاں کمیونزم کسی نہ کسی درجہ میں پہونچ نہ چکا ہو۔ یہاں تک کہ جو ممالک آج کل اشتراکیت سے نبرد آزما ہیں، ان میں بھی خاصی تعداد کمیونسٹوں کی پائی جاتی ہے، مثلاً امریکا، انگلستان، فرانس وغیرہ میں کمیونسٹ پارٹی موجود ہے اور اس کی طاقت ایسی نہیں ہے کہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھا جائے، اگر سرخ وسفید شیطانوں میں جنگ چھڑ گئی تو سرخ فوج کا یہ پانچواں کالم جو غضب ڈھائے گا وہ قابل دید ہوگا۔ ہندستان وپاکستان میں تو کمیونسٹ اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں کہ ان کا غلبہ چند سال کی بات معلوم ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ باوجود شدید مخالفتوں کے اشتراکیت کے اس غلبہ کی وجہ کیا ہے؟۔ اور اشتراکیت پسندوں کی تعداد میں اضافہ کیوں روز افزوں ہے؟۔

سوال کی اہمیت اور ہماری حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم اس واقعہ کی طرف نظر کرتے ہیں کہ اشتراکیت اپنے وعدے پورے کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے۔ آہنی پردے میں کچھ روزن ہو گئے ہیں جن میں سے جھانک کر سرخ زمین کا اصل حال کچھ نہ کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور بیان کیا کہ کمیونزم عملی صورت میں وہ نہیں ہے جو نظری صورت میں نظر آتا ہے۔ اسکے وعدوں کا خلاصہ اور ماحصل زندگی بسر کرنے کی عام سہولت اور ضروریات زندگی کی عام آسانی ہو لیکن خود اس کے مرکز یعنی روس ہی میں یہ دونوں وعدے عملاً بالکل جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں۔

اس ملک میں جسے مزدوروں اور غریبوں کی مملکت کہا جاتا ہے ایک ہزار سے بارہ سو روبل ماہانہ اُجرت بہت اچھی اُجرت سمجھی جاتی ہے۔ اور اسے دیکھ کر باہر کے ناواقف لوگ اسی فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ روس میں اُجرتوں کا معیار بہت بلند ہے، لیکن درحقیقت یہ محض اُجرت متعارفہ (NOMINAL WAGES) ہے۔ اُجرت صحیحہ (REAL WAGES) اس سے بہت کم ہے، اتنی کم کہ انسان کے لئے زندگی بہت ہی تلخ ہو جاتی ہے۔ یقین کیجئے کہ آپ کے یہاں معمولی مزدور کی اُجرت روسی مزدور سے زائد ہے۔ ثبوت کے لئے وہاں کی گرانی کا ایک نمونہ درج ذیل ہے۔[۵]

ایک وقت کے ناشتہ کا خرچ عموماً پندرہ روبل۔ دو وقت کا معمولی کھانا چالیس پچاس روبل۔ ایک اچھے سوٹ کی قیمت ایک ہزار سے دو ہزار روبل تک ہے۔ اوسط درجہ کا معمولی سوٹ ایک ہزار سے کچھ کم میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ مگر اسکی قیمت بھی کم از کم اوسط درجہ کی ایک ماہ کی اُجرت کے مساوی ہوتی ہے۔ ایک جوڑ جوتے کی قیمت تقریباً ایک ریڈیو سٹ کے برابر ہوتی ہے۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ بھاری صنعتوں نے چھوٹی صنعتوں کو کچل کر رکھدیا ہے، اور عوام کے استعمال کی چیزیں کمیاب ہیں۔ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے جس سے روس بلکہ بعض دوسرے کیمونسٹ ممالک بھی دوچار ہیں۔ اور اسی کو حل کرنے کی خواہش نے خروشچیف کو امریکا کا طواف

---

[۵] یہ واقعات دی جے جاوٗلا کے چشم دید ہیں جو انھوں نے اپنے سفرنامہ روس میں تحریر کئے ہیں۔ دیکھئے السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا مورخہ یکم مارچ ۱۹۵۹ء۔ دوسرے سیاحوں کے بیانات سے انکی تائید ہوتی ہے۔ ۱۲

کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آہنی پردے کے سوراخوں سے جھانکئے تو آپ کریملن کی سربفلک عمارتوں کے پیچھے غریبوں کے جھونپڑے بھی دیکھیں گے۔ یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ سرخ شیطان نے جو وعدے کئے تھے وہ جھوٹے تھے اور جو تمنائیں دنیا کے دل میں پیدا کر دی تھیں وہ پوری نہیں ہو سکیں۔ سچ فرمایا قرآن حکیم نے۔

یعدھم ویمنیھم ومایعدھم الشیطان الا غرورا

شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انھیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے محض دھوکہ اور فریب ہوتے ہیں۔

کمیونزم کی ان ناکامیوں کے ساتھ ان کے مظالم اور انکی انسانیت سوز روش کو بھی سامنے رکھئے تو اشتراکیت کی روز افزوں ترقی پر حیرت اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ سوچنے والے دماغ اس موقعہ پر فطرتاً اس امر پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوں گے کہ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ ان واقعات کے علی الرغم باوجود دنیا ہے کہ کمیونسٹ پروپیگنڈے سے متاثر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اور اس بلائے بے درماں کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے لئے آمادہ ہے؟

ایک سبب تو بالکل ظاہر ہے۔ امریکا، فرانس، برطانیہ، وغیرہ سرمایہ دار ملکوں کی چیرہ دستی، ناعاقبت اندیشی اور حقائق سے چشم پوشی۔ مظلوموں کا ٹوٹا ہوا دل طبعی طور پر ہر ہمدرد کی طرف مائل ہو جاتا ہے خواہ اسکی ہمدردی محض ریاکاری، فریب دہی اور ظاہر داری ہی پر کیوں نہ مبنی ہو۔ لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ خود ان چیرہ دست ممالک میں اشتراکی پروپیگنڈہ کیوں موثر ہو رہا ہے؟

یہ سوال پیدا ہو یا نہ ہو۔ مجھے اس مضمون میں درحقیقت اشتراکی پروپیگنڈے کی اسی تاثیر کو دکھانا ہے جسے ذہن و دماغ غیر شعوری طور پر قبول کر لیتا ہے۔ اور وہی درحقیقت اشتراکیت کے فروغ و عروج کا حقیقی سبب ہے۔ اگر اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا تو اس بلائے سرخ کو پھیلنے سے روکنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ سطور ذیل اسکی نقاب کشائی کر رہی ہیں۔

باطل کی دعوت دینے والے عام طور پر مغالطوں سے کام لیتے ہیں۔ اور مغالطہ انگیزی کے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر باطل کا فروغ ناممکن ہے اس لئے کہ اسکی بنیاد ہمیشہ

مغالطہ ہی پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن مہارت فن اور کامیابی کے لحاظ سے ائمہ ضلال کے مدارج قائم کرنا پڑیں گے۔ اس زاویہ سے تاریخ پر نظر ڈالئے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ابن سبا کے بعد مغالطہ انگیزی اور فریب دہی نیز کامیابی کے لحاظ سے مارکس ہی کو سر فہرست پر جگہ دی جا سکتی ہے۔ ظالم نے غضب کیا ہے۔ انسان کا دل و دماغ نکال کر انکی جگہ معدے اور آنتوں سے پر کی۔ تاریخ کی صورت معاشیات کے پلاسٹر سے بگاڑ دی۔ ادب کا چہرہ مسخ کیا۔ اور سب کا خلاصہ یہ کہ ایک دنیا پر ایسی ذہنیت مسلط کر دی اور ایسی طرز فکر بنا دی جو غیر شعوری طور پر اشتراکیت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ یہ طرز فکر درحقیقت اصل سبب ہے جو کیمونزم کیطرف کشاں کشاں لئے جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک شخص کیمونزم کا سخت مخالف ہے مگر غیر شعوری طور پر وہ بھی اسی نظام کی تبلیغ میں مصروف ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کیمونسٹ پروپیگنڈہ نفس انسانی کی بعض طبعی کمزوریوں اور عملی زندگی کے نقائص سے ساز باز کر کے آدمی کے دل و دماغ پر شبخون مارتا ہے اور بالکل غیر شعوری طریقہ سے اس پر غالب ہو جاتا ہے۔ اگر شعور بیدار اور عقل کا پہریدار وفادار و ہوشیار ہو تو یہ حادثہ فاجعہ کبھی نہیں واقع ہو سکتا۔

اس موقعہ پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ کئی سال ادھر کا ذکر ہے کہ چند حضرات نے جو کیمونزم کے سخت مخالف اور جماعت اسلامی سے وابستہ تھے ایک رسالہ جاری کیا جس کی نوعیت دینی بھی تھی اور ادبی بھی، ایک نمبر اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک انقلابی مضمون افسانوی رنگ میں نظر آیا۔ جو کسی دوسری زبان کا ترجمہ تھا، پڑھکر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ مضمون میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ اشتراکیت کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اور یہ تبلیغ اس رسالہ کے ذریعہ سے ہو رہی تھی جو کیمونزم کا سخت مخالف تھا۔ اس شدید غلطی کی نفسی وجہ یہ تھی کہ اشتراکی پروپیگنڈے نے ادارہ کے ذہن و دماغ پر "انقلاب" کو ایسا مسلط کر دیا تھا کہ وہ ہر انقلابی مضمون کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ انقلاب کا مبہم تصور ذہن پر غالب آنے اور پسندیدہ ہو جانے کے بعد اسکی نوعیت اور اسکے محاسن و معائب دیکھنے سے مانع ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے۔ ایک صاحب نے ایک مضمون اشتراکیت کے

خلاف لکھا۔ لیکن اس میں اشتراکیت کے اس دعوے کو تسلیم کر لیا کہ اشتراکی نظام میں نسل مذہب وطن وغیرہ کی بنا پر کسی امتیازی سلوک کی اصلاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مضمون نگار کا یہ کہنا درحقیقت اشتراکی پروپیگنڈے سے غیر شعوری تاثر کا نتیجہ تھا۔ طبقاتی کشمکش (CLASS STRUGGLE) کا اشتراکی مغالطہ پروپیگنڈے کی قوت سے اس درجہ انکے ذہن پر غالب آیا کہ وہ اسے حقیقت سمجھنے لگے۔ یعنی وہ سمجھنے لگے کہ واقعی نظام اشتراکیت کا محور صرف معاش کا مسئلہ ہے۔ اور کسی چیز سے اسے واسطہ نہیں ہے۔ یہی تاثر تھا کہ جس نے ان سے اسی مضمون میں یہ بھی لکھوا دیا کہ اشتراکیت اور اسلام میں ابھی تک براہ راست کوئی تصادم نہیں ہوا ہے حالاں کہ کمیونزم کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے اور اسکی غلطی بالکل واضح ہے۔ ہنگری کے باشندوں سے جا کر پوچھئے کہ روس اور ہنگری کے باشندوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ خود روس میں کمیونسٹ وغیر کمیونسٹ اہل مذہب اور لا مذہب کے درمیان جو امتیاز کیا جاتا ہے وہ بھی اب راز نہیں رہا ہے۔ مغربی اور مشرقی روس کا فرق بھی ناقابل انکار ہے۔

رہا اسلام سے تصادم کا مسئلہ تو یہ سوال ہی تعجب خیز ہے۔ نظری اعتبار سے تو بات بالکل بدیہی ہے۔ مذہب دشمنی اور اسلام میں تصادم نہ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ عملی اعتبار سے اسکی حقیقت ان لاکھوں بخارا و سمرقند کے مہاجرین سے پوچھئے جو اپنا دین و ایمان بچانے کے لئے مختلف ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ یوگوسلاویہ کے ان بدنصیب مسلمانوں سے پوچھئے جو سرخ شیطان سے بھاگ کر امریکا وغیرہ دوسرے ملکوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تازہ واقعہ چین و تبت کا ہے وہاں کے مسلم مہاجرین سے انکی دردانگیز کہانی سن لیجئے۔

یہ چند نمونے ہیں جن سے کمیونسٹ پروپیگنڈے کی قوت تاثیر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ اثرات تو ان لوگوں پر مرتب ہو رہے ہیں جو دینی شعور رکھتے ہیں۔ اور اشتراکیت کے دشمن ہیں جو لوگ دینی شعور سے محروم یا صحیح دین سے بیگانہ ہیں ان پر اسکے اثر کا اندازہ کرنے کے لئے اس اثر کو کسی بڑے عدد سے ضرب دینا پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی پروپیگنڈے نے اس قسم کے لوگوں پر اپنا خاص طرز فکر مسلط کر دیا ہے اشتراکیت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ پوری زندگی کا محور و مرکز پیٹ و تن ہے۔ نفس پرستی اور

تن آسانی ہی زندگی کا مقصد ہے، اس لئے مسائل زندگی کو صرف اسی نقطۂ نظر دیکھنا چاہیئے، کوئی دوسرا نقطۂ نظر اختیار کرنا شدید غلطی، اور ایسی معصیت ہے جو اشتراکی شریعت میں نا قابل عفو ہے۔

یہ ہے اشتراکی طرز فکر جسے موافقین و مخالفین دونوں پر مسلط کرنے میں وہ بلاشبہ کامیاب ہوئی ہے۔ یہ اسکی بہت بڑی کامیابی اور فتح ہے جس کا اقرار باوجود ہزاروں ناگواریوں کے ہمیں کرنا پڑے گا۔

باطل کی اس کامیابی کی نظیریں تاریخ میں بہت کمیاب ہیں ایک قریبی نظیر ڈارون کی پیش کی جا سکتی ہے۔ جس کا نظریہ ارتقار سائنٹفک ثبوت اور منطقی استدلال دونوں سے محروم ہے۔ لاپلاس وغیرہ کی کوشش بھی نظری اعتبار سے اسے ثابت کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض سائنٹفک دلائل اسکی لغویت کو واضح کر رہے ہیں۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے باوجود یہ نظریہ یورپ و امریکا کی ایک خاص ذہنیت بنانے اور انکی پوری زندگی میں رچ جانے میں اس قدر کامیاب ہوا ہے کہ شاید ہی کوئی نظریہ اس قدر کامیاب ہوا ہو۔ اہل مغرب کو ڈارونزم کی صحت و غلطی سے بحث نہیں ان کے دل و دماغ پر اس کا ماحصل کہ انسان ایک ترقی یافتہ دو ٹانگوں والا حیوان ہے عقیدہ کی طرح مسلط و غالب ہے۔ اور اس عقیدے کی غذا انکی حیوانی زندگی ہے جو اسکی توانائی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔

اس نظیر سے آپ اشتراکیت کے اثر کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اشتراکی پروپیگنڈا بہت سے ذہنوں کو غیر شعوری طور پر متاثر کرتا ہے اور ان پر اپنا طرز فکر مسلط کر دیتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو دینی شعور سے محروم ہوتے ہیں، یا نفس دین ہی سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ یہ طرز فکر انھیں کشاں کشاں کمیونزم ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی قوت ارادی سے کام لے کر کمیونسٹ ہونے سے بچ بھی جاتے ہیں تو باوجود مخالفت انکا طرز فکر دوسرے لوگوں کو جن کی قوت ارادی اتنی قوی نہیں ہوتی سرخ جال میں پھنسا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ہزاروں مخالفتوں اور علاجوں کے یہ سرخ وبا تیزی کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔

سرخ ممالک کو چھوڑیے، مثالیں درکار ہوں تو خود امریکا اور یورپ کے مخالف اشتراکیت ممالک کو دیکھئے، اخبارات و رسائل، تقریروں اور تحریروں، سیاسی بیانات

وتوضیحات کو دیکھ لیجئے۔ سب کا محور تن و پیٹ ہی ملے گا۔ عملی زندگی میں تو یہ طرز اس قدر گھناؤنے انداز میں نمایاں ہے کہ اسکی تشریح ہی حساس انسان کے لئے متلی کا باعث ہو جائے۔ حد یہ ہے کہ خالص مذہبی عنصر بھی اسی بلا میں مبتلا ہے۔ اور ان کے بیانات میں بھی روحانیت کا نام شاذ و نادر ہی سنائی دیتا ہے۔ یہ لوگ اشتراکی عفریت سے کشتی لڑنے کے لئے بار بار خم ٹھونکتے ہیں مگر طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اسے مقوی غذائیں دیکر طاقتور بنا رہے ہیں اور خود اس کا دیا ہوا زہر پی پی کر کمزور ہو رہے ہیں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

مشرقی ممالک کی طرف آئیے۔ شاید حجاز کو تو مستثنیٰ کرنا پڑے، باقی سب اسلامی و غیر اسلامی ممالک کا حاکم عنصر اسی تن و پیٹ کے راستہ پر گامزن ہے۔ اشتراکی پروپیگنڈے کے اثر نے ان حکومتوں کے اثر سے ملکر عوام کے ایک بڑے طبقہ کا طرز فکر بھی یہی بنا دیا ہے۔ ہر مسئلہ پر معاشی زاویہ نظر سے غور و فکر، معیار زندگی بلند کرنے کی خواہش نہیں ہوس، جا و بیجا غریبی و امیری کے معاملہ کو اصل معاملہ قرار دینا۔ یہ ذہنیت ہے جسے آپ ان ممالک پر کابوس کی طرح مسلط پائیں گے۔

نمونہ کے لئے دور کیوں جائیے خود ہندستان و پاکستان کو لے لیجئے۔ یہ دونوں ملک ابھی اس ہلاکت خیز راستہ کی ابتدائی منزل میں ہیں لیکن اس پر بھی حال یہ ہے کہ سارے ملک میں آپ تن و پیٹ ہی کا تذکرہ دیکھیں گے۔ روحانیت و اخلاق کا تذکرہ ارباب اقتدار میں تو گویا ایک جرم ہے۔ ہاں عوام میں ابھی پایا جاتا ہے۔ مگر روز بروز کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

ابھی چند روز کی بات ہے کہ لکھنؤ کے ایک اخبار نے ایک طویل مضمون لکھا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اصل مسئلہ غریبی یا بالفاظ دیگر تن اور پیٹ کا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی کام کیا جائے تو اسے کام کرنا کہا جائے گا۔ لیکن اسکے علاوہ اعلیٰ اخلاق کی اشاعت و تعلیم، یا روحانیت کی تبلیغ یہ کوئی کام نہیں ہے نہ اسکو قابل اعتنا سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اخبار کمیونزم کا مخالف ہے، لیکن باوجود اسکے خالص اشتراکی طرز فکر اختیار کئے ہوئے ہے۔ حکومت نے متعدد ترقیاتی منصوبے بنائے، لیکن ایک منصوبہ میں بھی کہیں اخلاق اور روحانیت کی ترقی کا ذکر آپ نہ پائیں گے۔ سب کی بنیاد صرف تن و پیٹ کے مطالبات پر ہے۔ یہ کوئی مکمل فہرست نہیں ہے محض نمونے ہیں۔ آپ سائنس، آرٹ، ادب، فن وغیرہ جس شعبۂ حیات کو دیکھیں گے

یہ طرزِ فکر اس میں موجود پائیں گے۔ پاکستان میں اس سے زیادہ غضب ڈھایا جارہا ہے۔ وہاں اسلام کا نام لے کر اسلام پر ظلم ہو رہا ہے، یعنی اسے بھی اسی فکری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اسلامی ثقافت کے نام سے حکومت جو کچھ کر رہی ہے اسے دیکھئے اور بہت سے رسائل و اخبارات جس چیز کی اشاعت کر رہے ہیں اسے ملاحظہ فرمائیے۔ نمونہ کے لئے رسالہ "ثقافت" لاہور ہی کے چند نمبروں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اشتراکی طرزِ فکر کا مانیا کس شدت کے ساتھ ان لوگوں کے ذہن و دماغ پر مسلط ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر پیٹ و تن ہی جو ہر زندگی اور مرکزِ حیات ہے اور انسان دنیا میں صرف اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنی مادی خواہشوں کو پورا کرتا رہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ معاشیات ہی کو زندگی کے ہر شعبہ پر غالب نہ رکھا جائے؟ کیا وجہ ہے کہ اخلاق و روحانیت کے معیار نہ بدلے جائیں، کس دلیل سے مارکس کی تعبیرِ تاریخ کو باطل سمجھا جائے؟ دین و مذہب کو کیوں اولیت دی جائے؟ پرانے مذہب سے چمٹے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب تن و پیٹ ہی اصل ٹھہرا تو طبقاتی کشمکش کا نظریہ تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی۔ اور اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد معاشی پرقان دنیا کے ہر حادثہ و تعلق کو معاشی رنگ میں دکھاتا ہے۔ اور انسان کو پورا نظام زندگی اسی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ دین و مذہب، اخلاق و روحانیت، رسوم و رواج، وطن و ملک سب کی محبت رخصت ہو جاتی ہے۔ اور فضائے زندگی خود غرضی کے بادلوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

میرے معروضات کا مقصد یہ ہے کہ تن و پیٹ کو محورِ حیات تسلیم کرنے اور مندرجہ بالا طرزِ فکر اختیار کر لینے کے بعد افکار کا دھارا اس رخ پر بہنے لگتا ہے، یہ صحیح ہے کہ اس میں سب ہی نہیں بہہ جاتے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ بہنے کے امکانات قائم رہنے کے امکانات سے زائد ہوتے ہیں۔ بہنے سے محفوظ رہنے والے درحقیقت وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین کی مستحکم چٹان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں۔ اسکے علاوہ بھی ایک گروہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ لیکن اس کا قیام بھی کسی چٹان کے سہارے کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ مثلاً رسوم و رواج، یا وطن وغیرہ کی محبت۔ اگرچہ یہ سہارے کمزور ہوتے ہیں۔ ان مستثنیات کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بہنے والوں

کی اکثریت ہوتی ہے۔

یہ طرز فکر ہے جو انسان کو بسا اوقات غیر شعوری طریقہ سے کیمونزم کی طرف لے جاتا ہے۔ جب تک اس میں صحیح تبدیلی نہ ہوگی، اس وقت تک اشتراکیت کی روز افزوں ترقی کو روک دینا غیر ممکن ہے۔ ہاں صرف ایک صورت اس حالت میں کیمونزم کو ختم کر سکتی ہے۔ یعنی تباہ کن جنگ بشرطیکہ مخالف اشتراکیت طاقتیں مکمل غلبہ حاصل کر سکیں۔ لیکن جنگ کوئی آسان شئے نہیں ہے موجودہ ایٹمی دور کی جنگ کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ اور اسکے متعلق یہاں بحث بھی فضول ہے اس لئے کہ اس کا فیصلہ تو سلطنتیں کر سکتی ہیں نہ کہ ہم اور آپ۔

بڑے دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو طرز فکر تو اشتراکی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دوسروں کے ذہن و دماغ پر بھی اسی کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اسکے ساتھ کمیونسٹوں کی مذمت بھی کرتے رہتے ہیں، اور معاشی ترقی کے منصوبے بنا بنا کر مطمئن ہیں کہ ہم اس طرح کیمونزم سے اپنے ملک کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے اس مضحکہ خیز طرز عمل پر کیمونسٹ مسکراتا ہے۔ اور طنز آمیز شکریہ کے ساتھ انکے رویہ کا خیر مقدم کرتا ہے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے پروپیگنڈے کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں اور پبلک کو اسی راستہ پر لئے جا رہے ہیں جس پر ہم انھیں لے جانا چاہتے ہیں۔

اشتراکیت کے عفریت سے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ پیٹ کے مسئلہ کو اس درجہ سے نیچے اتارا جائے جس کا وہ ہرگز مستحق نہیں ہے اور اسے زندگی میں وہی درجہ دیا جائے جس کا وہ حق دار ہے اور دین و مذہب، اخلاق و روحانیت کو ان کا صحیح مقام دیا جائے۔

مغربی تہذیب
ایک نفسیاتی جائزہ

سید محمد الحسنی، ــــــ اڈیٹر البعث الاسلامی)

مغربی تہذیب اس وقت جس دور یا جس مرحلے سے گزر رہی ہے وہ شاید اس کا تاریک ترین دور ہے۔ وہ اپنی رعنائیوں، دلفریبیوں، ترقیات اور علوم و فنون کے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک ایسے خطرناک انجام سے دوچار ہے جس نے اس کی تمام ترقیات کو بہت حقیر اور بے قیمت بلکہ وبال جان بنا دیا ہے۔

اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں مغربی تہذیب نے جس نقطہ سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اس وقت اس کے بانیوں کے حاشیہ خیال میں کبھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ یہ طرب انگیز نقطۂ آغاز کبھی ایسے حسرت انگیز اور تلخ انجام کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ڈارون، میکاولی اور فرائڈ نے حیاتیاتی، اخلاقی اور جنسی تینوں میدانوں میں بنی نوع انسان کو حیوان کی ایک اعلیٰ قسم بندۂ نفس اور ابن الوقت قرار دے کر اپنے نزدیک اس کو عیش و آرام اور لذت و راحت کی جنت سجا کر دے دی تھی۔ لیکن یہ پھول اب اس کے حق میں کانٹے بن گئے ہیں اور اسی راحت و لذت کے اندر عذاب اور اذیت کی ایک خطرناک صورت پیدا ہو گئی ہے، بظاہر اس کا جسم بہت تر و تازہ اور صحت مند معلوم ہوتا ہے لیکن اندر سے وہ ایسے مہلک امراض کا شکار ہے جس نے اسکی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دیا ہے۔

مغربی دنیا نے جس وقت ترقی کے میدان میں اپنا سب سے پہلا قدم رکھا تھا اس وقت اسکے سامنے مستقبل کا بہت درخشاں حسین اور خوش آئند پہلو تھا۔ جس طرح پہاڑ کی چوٹی پر برف کی موٹی تہہ جم جاتی ہے اور سورج کی شعاعوں سے اس میں طرح طرح کے رنگ پیدا ہو جاتے ہیں اور اسکی وجہ سے

اس کا منظر بہت دلفریب اور سحر آگیں ہو جاتا ہے لیکن ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب برف پگھلنے لگتی ہے اور بسا اوقات کھردری اور چٹیل چٹانیں بے پردہ ہو کر سامنے آجاتی ہیں اسی طرح مغربی دنیا کے سامنے ایک بلند و شوار اور حسین چوٹی تھی، مادی ترقی کی، لذت و راحت کی، تعیش کی جس نے اس کے سارے سفر اور ساری جد و جہد کو ایک دلچسپ اور پرلطف ایڈونچر بنا دیا تھا۔ اس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت ہی نہ تھی کہ جس منزل کی طرف ہم اتنی محویت اور سرعت کے ساتھ بڑھ رہے ہیں اسکی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک نشہ تھا جس میں مغربی دنیا کا ہر فرد ڈوبا ہوا تھا۔ ہر فرد کھتا تھا کہ اس چوٹی کو سر کرنے کے بعد اسکی ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ وہاں اس کو وہ چشمہ حیوان مل جائے گا جو اس کو زندگی کی حقیقی کامرانی اور لطف سے ہم کنار کر دے گا، اور وہ ہوگی بنی نوع انسان کی آخری منزل، زندگی کے پرلطف سفر کا آخری اسٹیج، انسان کی سب سے بڑی کامیابی اور منتہائے پرواز!

لیکن اب جب کہ مغربی دنیا اس بلند چوٹی پر پہنچ چکی ہے یا پہنچنے والی ہے، اور مادی طاقت کا وہ سرچشمہ حیوان اسکی دسترس میں ہے اور وہ اس کو بڑی حد تک آزما چکی ہے، دیکھ چکی ہے پرکھ چکی ہے اب جب کہ سررشتہ تلافی اسکے ہاتھ سے تقریباً نکل چکا ہے اور وہ صرف دوسروں کے لئے سامان عبرت ہے اسکو مایوسی نے گھیر لیا ہے، مایوسی اسکے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ اکتاہٹ اور احساس تنہائی نے اسکے پورے نظام زندگی میں اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں۔

اس نے جس منزل کی طرف رُخ کیا تھا اور جس کے لئے اس نے صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی تھی جس کے لئے اس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ صرف کر دیا تھا۔ اپنی ساری صلاحیتوں کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس منزل کے آگے، اس چوٹی کے سامنے اب صرف خلا ہی خلا ہے۔ ظلمت ہی ظلمت ہے، ایک مہیب لامتناہی خلا، ایک ابدی ظلمت۔

اس نے اپنے لئے جس منزل کا انتخاب کیا تھا وہ منزل بہرحال مادی تھی اس لئے محدود تھی، فانی تھی، عارضی تھی، اب مغربی دنیا کے پاس زندگی کا کوئی جواز نہیں ہے، اور نہ کوئی اس کی منزل ہی ہے

اُکتاہٹ اور مایوسی

یہ شاعری نہیں حقیقت ہے کہ آج مغربی زندگی کی ساری جد و جہد ساری تگ و دو، ساری ترقیات، سارے علوم و فنون، اور مختصر الفاظ میں اس کے ہر فعل اور ہر حرکت کا محرک صرف اکتاہٹ ہے اور مایوسی، نتیجہ کو جانے بغیر ایک

کام کرتے رہنا، حقیر مقاصد کے لئے جن کو مقاصد کہنا بھی درست نہیں، جان پر کھیل جانا، اور بڑے سے بڑے اصول، اخلاق اور بلند سے بلند مقصد کے لئے جنبش بھی نہ کرنا، ایک مقصد تک پہونچ کر پھر اسی کے لئے کوشاں ہو جانا، یہ ہیں مغربی زندگی کے خصائص اور اوصاف۔

نئے نئے افکار و خیالات تیزی سے بدلتے ہوئے نظریات، انقلابات اور جوابی انقلابات تصادم اور کشمکش، ان سب کے اسباب جو کچھ بھی ہوں، لیکن ان کا سب سے بڑا بنیادی سبب یہی وہ مایوسی اور اکتاہٹ ہے جو اس وقت مغربی زندگی کا سب سے نمایاں وصف ہے اور جس نے مغرب کو حقیقی لطفِ زندگی سے محروم کر دیا ہے۔

یہ مایوسی اکتاہٹ مغربی طرزِ فکر، مغربی تعلیم، اور مغربی ثقافت کا طبعی پھل ہے، مغربی تہذیب نے جس انداز فکر کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا تھا اسکے بعد یہ اکتاہٹ اور مایوسی حیرت انگیز اور تعجب خیز نہیں۔ انسان فطرتاً مقصد پرست واقع ہوا ہے، اس کو ہر وقت ایک ایسا مقصد چاہیئے جس کے لئے وہ اپنی ساری صلاحیتیں، ساری طاقتیں، سارے جذبات وقف کر دے۔ اس مقصد کا عشق اسے ہر لمحہ سرگرم عمل اور مصروف نشاط رکھے اور وہ اپنے جسم و روح کے پورے مجموعے کے ساتھ اس مقصد یا اس منزل کی طرف دیوانہ وار دوڑتا رہے، بھاگتا رہے۔

جب یہ منزل آجاتی ہے تو اسکی ساری بے تابیاں اسکی ساری برق تابی اور سیماب وشی، اسکا سارا ولولہ یک لخت سرد پڑ جاتا ہے۔ ایک بلند ہمت انسان کو اس وقت یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوتی ہے کہ کیا یہی اینٹ و پتھر یا المونیم اور پلاسٹک کی دنیا تھی جس نے اس کو اپنے نازک سے نازک جذبات کا کعبۂ شوق اور مرکز محبت بنا دیا تھا، کیا اس کی ساری جدوجہد اسکی ساری قربانی اس کا سارا علم و فن اسکی ساری عقل و دانائی اور علم و حکمت اسی روز کے لئے تھی۔

مغربی تہذیب کے ساتھ دوہری ٹریجڈی پیش آئی جب اس نے صدیوں کے خواب غفلت سے بیزار ہو کر صنعتی ترقی کی طرف اپنا گرمجوش سفر شروع کیا اس وقت بدقسمتی سے مادی قوت کے بارے میں اس کا ذہنی رویہ صحیح نہ تھا اور اب جب کہ ایک طویل عرصہ کی جدوجہد کے بعد اس نے منزل کو پا لیا ہے تو وہ حیران ہے کہ کیا کرے، ہتھیاروں کی یہ دوڑ دھوپ کے میدان میں یہ زبردست مقابلے نئے نئے فیشن زندگی کے ہر دم بدلتے ہوئے طور و طریق آداب و نظریات

یہ سب درحقیقت اسی مایوسی اور اکتاہٹ کی غمازی کرتے ہیں جس کا نام لیتے ہوئے تو وہ گھبراتی ہے لیکن اس سے اپنا دامن وہ کسی صورت نہیں چھڑا سکتی،

دور جانے کی ضرورت نہیں آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں مغربی زندگی بے حجاب ہو کر ہمیں اپنی اصل صورت میں نظر آتی ہے اور اس کا وہ ملمع اترتا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے اسکے رنج دہ پہلو کو چھپا رکھا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی مصروف زندگی اور عجلت پسندی کی وجہ سے ان خبروں کی تہہ میں پہونچے بغیر اور ان سے کوئی سبق حاصل کئے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بظاہر ان حقیر اور چھوٹے چھوٹے واقعات کے اندر مغرب کی پوری داستان غم و الم پوشیدہ ہے۔

یہ واقعات دراصل عنوانات ہیں جو ہمیں مغربی تہذیب کے نئے مطالعے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ وہ جھروکے ہیں جن سے ہم مغربی زندگی کی گہرائیوں میں جھانک سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ آج کی مغربی دنیا کن مسائل سے دوچار ہے، اور اپنی زندگی کے کس دور، اور اپنے سفر کے کس مرحلے سے گزر رہی ہے۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ آسٹریلیا سے ایک خبر آئی تھی کہ ایک شخص نے بہت ہی حقیر رقم غالباً چند پیسوں کی شرط پر کئی چوہے نگل لئے۔ پولیس نے اس پر دوہرا جرم عائد کیا، ایک جانور کے ساتھ بے رحمی کا اور دوسرے خودکشی کا۔ اسکے پیٹ کا آپریشن کیا گیا تو اس میں سے وہ مردہ چوہے برآمد ہوئے۔

اس سے پہلے عرصہ ہوا ایک خبر آئی تھی کہ کسی یورپی یونیورسٹی کے پروفیسروں نے ایک دن طے کیا کہ جانوروں کے طرز پر گھاس چبائی جائے اور تجربہ کیا جائے کہ اس میں کتنا لطف آتا ہے۔ چنانچہ مقررہ وقت پر پروفیسروں کی جماعت ایک کھیت میں گھس آئی اور گائے بکری کی طرح سب نے چرائی شروع کر دی۔ ان پروفیسروں کا خیال تھا کہ کھانے کی مروج طریقوں کی پابندی کئے بغیر اسی طرح آزادی کے ساتھ چرنے میں کھانے کا زیادہ لطف آسکتا ہے۔

واقعہ جتنا بھی بظاہر مضحکہ خیز اور احمقانہ معلوم ہو لیکن حقیقت میں اس میں مغرب کے موجودہ ذہنی انتشار روحانی اکتاہٹ اور مایوسی کی صحیح عکاسی ہے۔ یہ تصویر ہے اس شخص کی جس کے ہاتھ

میں اس وقت کچھ نہ ہو اور نہ آگے کچھ ملنے کی توقع ہو اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس سے اکتا چکا ہو عاجز آچکا ہو اور ایک یاس آمیز کوشش اور جنوں کے ساتھ ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

جس چیز کے لئے اس نے کوشش کی تھی وہ اس کو مل چکی جس کے لئے اس کے حکما، فلاسفہ، ادبا، نقاد سیاست داں اور ماہرینِ اقتصادیات نے اپنی ساری صلاحیتیں اور توتیں صرف کردی تھیں وہی چیز اب اسکے حلق کا کانٹا اور پیر کی بیڑی بن گئی ہے۔

سچی روحانیت کی تلاش

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے اپنی تازہ کتاب من روائع حضارتنا میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک صاحب جو دعوت کا خاص جذبہ رکھتے تھے فرانس میں مقیم تھے۔ ایک مرتبہ ان کو کچھ غیر مسلموں سے خطاب کرنے کا موقع ملا، انھوں نے ان کے سامنے اسلامی نظامِ حیات کی خصوصیات اس کے اعتدال اور توازن اور جامعیت پر روشنی ڈالی اور یہ بھی کہا کہ اسلام نے مادی طاقت کو بہت اہمیت دی ہے چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الخ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم جدید سامانِ جنگ اور اسلحہ کی تیاری کی طرف توجہ دیں۔ ان لوگوں نے اس پر کہا آپ مادی ترقیات اور ٹینک ہوائی جہاز کا نام ہمارے سامنے نہ لیجئے۔ اسی مشینری کی دنیا سے تو تنگ آکر، بیزار ہوکر ہم آپکے سامنے آئے ہیں۔ ہوائی جہاز مشینری سے ہمارا دل بھر چکا ہے، آپ ہمیں یہ بتائیے کہ انسانیت اخلاق اور روحانی قدروں کے میدان میں اسلام ہمیں کیا دے سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف چند افراد کا حال نہیں بلکہ ساری مغربی دنیا کا یہی حال ہے۔ ان تمام مادی ترقیات اور اس خوش حالی اور فارغ البالی کے باوجود اسکی روح کو سکون کا ایک ذرہ نصیب نہ ہوسکا۔ اسکے جذبات نے ایک بار بھی زندگی کی صحیح لطافت اور حلاوت کا مزہ نہیں چکھا اس نے بہت دن اپنی روح کی مخالفت کی، ہر موقع پر اسکو نظر انداز کیا، ہر جگہ اور ہر میدان میں اسکی حق تلفی کی، لیکن آج وہی روح صدائے احتجاج بلند کررہی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہے کہ مجھے میرے مالک نے اس لئے نہیں پیدا کیا ہے کہ میں برق و بخار بجلی اور ایٹم بم کی پرستش کروں۔ میں ان کی محکوم بننے نہیں، ان کی حاکم بننے آئی ہوں۔ تم مجھے قید کرسکتے ہو، کچھ

عرصہ کے لئے میری زبان بند کر سکتے ہو، مجھے کمزور و ناتواں بنا سکتے ہو لیکن تم مجھے فنا نہیں کر سکتے، میرے وجود کو ختم نہیں کر سکتے جب تک انسان زندہ ہیں۔ یہ روح، یہ روح، یہ بے چین روح ہمیشہ ان کو چھیڑتی رہے گی، ابھارتی رہے گی، جگاتی رہے گی۔

ڈاکٹر سباعی نے آگے چل کر اپنی کتاب میں ایک فرنچ لیڈی کا واقعہ لکھا ہے، جس نے سچی روحانیت کی تلاش میں اپنی پُرعشرت زندگی کو ترک کر کے ایک ہندو عورت کے یہاں ملازمت کر لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مشرقی قوموں میں روحانیت زیادہ ہوتی ہے اس لئے شاید اس کے کچھ ذرات اس ہندو عورت کی رفاقت میں اسکو حاصل ہو سکیں۔

ان دونوں واقعات سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آج مغربی سوسائٹی کی صحیح تصویر کیا ہے اور وہ کس چیز کی پیاسی ہے اور کس چیز کی متلاشی ہے۔

غالباً ایک سال ہوا میں نے ایک خبر پڑھی تھی، بادی النظر میں وہ خبر اجتماعی لحاظ سے کچھ زیادہ اہم معلوم نہیں ہوئی لیکن جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھ کو اسکے اندر بہت سے حقائق پوشیدہ نظر آئے اس میں مغربی زندگی کے اس افسوس ناک پہلو کی طرف اشارہ تھا، جو یورپ و امریکا، ہر جگہ بہت نمایاں طریقہ پر نظر آ رہا ہے۔

خودغرضی یا روحانی بے چینی

امریکا کی ایک بلند عمارت کی بالائی منزل سے ایک صاحب نے کود کر خودکشی کر لی، پولیس کو اطلاع کی گئی، اور وہ اس شخص کے فلیٹ میں تلاشی کے لئے پہونچی وہاں ایک صاحب نظر آئے جو پلنگ پر بہت اطمینان و سکون کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ پولیس کی پوچھ گچھ کا انھوں نے جو جواب دیا وہ قابل ذکر ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اس شخص کو کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے اور پھر وہاں سے کودتے ہوئے دیکھا تھا لیکن میں اس وقت آرام کر رہا تھا، میں نے سوچا بلا وجہ کیوں اپنے آرام کو خراب کروں، چنانچہ میں اسی طرح لیٹا رہا، اور کتاب دیکھتا رہا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا محرک حد درجہ بڑھی ہوئی خودغرضی اور نفسانیت ہو لیکن معاملہ اتنا ہی نہیں ہے، درحقیقت یہ واقعہ ایک ایسے شخص کی روحانی بے چینی ذہنی انتشار اور نفسانی اکتاہٹ پر دلالت کرتا ہے جس کو مادی طور پر ہر طرح کی راحت و آسائش حاصل ہے، لیکن اس کی

روح کی تسکین اور قلب کی راحت کا کوئی سامان نہیں چنانچہ وہ اسی مادی دائرہ کے اندر رہتے ہوئے، اس قلبی راحت و آسائش کی خاطر (خواہ وہ اس کا نام نہ لے) ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور جو طریقہ اور جو بات بھی سمجھ میں آتی ہے کر گزرتا ہے ایسے شخص سے اسی قسم کے افعال و حرکات کا سرزد ہونا بعید از قیاس نہیں اور نہ اسکو صرف نفسانیت اور خود غرضی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یورپ میں جنون کے واقعات میں ہولناک اضافہ دراصل اسی ذہنی حالت کا نتیجہ ہے۔

ذرا تصور کیجئے کہ ایک شخص ہے جس کے پاس کئی کاریں ہیں، کئی بنگلے ہیں، کافی بنک بیلنس ہے اب اگر ایسے شخص کو روحانی طور پر کوئی خلا محسوس ہوتا ہے اور وہ خلا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو بتائیے کہ وہ شخص کیا کر سکتا ہے، روحانیت کا وہ انکار کر چکا، مادیت اسکو سکون عطا کرنے سے قاصر رہی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے اسی قسم کی طفلانہ اور احمقانہ بات ظہور میں آتی ہے، جس کو دیکھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی، اسکے لاشعور میں ایک نامعلوم خوف پیدا ہو جاتا ہے، مایوسی اسکے دل میں بیٹھ جاتی ہے، دماغ کو جکڑ لیتی ہے اور رفتہ رفتہ اسکے سارے نظام عصبی و عقلی کو متاثر کرتی ہے۔

وہ اپنے اس سارے ساز و سامان سے اکتانے لگتا ہے جو بہت شاندار، بیش قیمت اور پرعشرت ہونے کے باوجود اس کو سکون کا ایک لمحہ اور محبت کا ایک ذرہ نہ عطا کر سکا۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کا حشر کیا ہوگا، دنیا میں اس کا مشن کیا ہے وہ انسان ہے یا حیوان یا جمادات کی کوئی اعلیٰ و متحرک قسم، چنانچہ وہ کبھی کتوں کے لئے ایر کنڈیشن عمارتیں بنواتا ہے کبھی اپنی جائداد کتوں کے لئے وقف کرتا ہے، اس سے بھی سکون نہیں ملتا تو ہوائی جہاز سے چھلانگ لگانے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی فوٹوگرافروں اور اخبار نویسوں کو اپنے فلیٹ میں مدعو کر کے ان کے سامنے بہت اطمینان سے خودکشی کا مبارک فرض انجام دیتا ہے۔

یہ سب خیالی باتیں نہیں، مغربی تہذیب اور مغربی زندگی کے ٹھوس واقعات ہیں جو برابر پیش آتے رہتے ہیں۔ شائد کوئی مغربی خاندان اور گھرانہ اس سے مستثنیٰ ہو۔

زبردست خلا یہ واقعات اگر ایک طرف خود غرضی اور مادیت، حرص، ہوس اور لذت پرستی کے آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف وہ مغربی زندگی کے اس زبردست روحانی خلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے پوری مغربی دنیا میں مایوسی اور اکتاہٹ ....)

زہر کی طرح سرایت کر گئی ہے۔ اسکی ہر جدو جہد، ہر کوشش اور فعل اکتاہٹ کے ساتھ شروع ہوتا ہو
اور اکتاہٹ اور مایوسی پر ختم ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور جب تک مغربی تہذیب
"مادی طاقت" کی پرستش کرتی رہے گی، یہ مہیب اور لا متناہی چکر برابر جاری رہے گا۔ مغرب کی
روح بے چین رہے گی، تڑپتی رہے گی۔ اور اسی کے ساتھ مغرب کا انسان بھی ہمیشہ بے چین رہے گا
بے قرار رہے گا، اور تباہ و برباد ہوتا رہے گا۔

تعارف و تبصرہ

(تبصرہ کے لئے کتاب بھیجنے سے پیشتر کتاب کا موضوع، اسکی ضخامت اور مصنف کا نام لکھ کر دریافت کر لیجئے کہ کتاب تبصرہ کے لئے قبول کی جاسکتی ہو یا نہیں۔ اس شرط کے بغیر موصول ہونے والی کتابوں پر تبصرہ کی ذمہ داری نہیں۔)

عظیم الشان قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ

ناشر جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب ناظم ادارۂ علوم شرعیہ کراچی لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط، سائز ۲۰×۲۶/۸ (یعنی الفرقان کا دوگنا) ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحات، ہدیہ مع جلد بیس روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ علوم شرعیہ، رحیم منزل ۶۲ حاجی چاندر روڈ، متصل جاج چوک، کراچی۔

اس قرآن مجید میں دو ترجمے اور دو حاشیے ہیں۔ ترجمہ اول حضرت شاہ عبدالقادرؒ۔ ترجمہ دوم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حاشیہ اول "موضح قرآن" از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ حاشیہ دوم موضح فرقان از حضرت شیخ الہند و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ یہ دونوں ترجمے اور دونوں حاشیے جس درجہ مستند اور مفید ہیں اسکے بیان کی حاجت نہیں، عوام و خواص میں اِن کی غیر معمولی مقبولیت اس کی بہت کھلی ہوئی دلیل ہے۔ جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب نے ان چاروں مفید ترجموں اور حاشیوں کو یکجا کرکے طالبان فہم قرآن کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بیش از بیش جزا عطا فرمائے۔

قاری صاحب موصوف نے تراجم و حواشی کی تصحیح کے سلسلہ میں ایک خاص اہتمام یہ بھی فرمایا ہو کہ حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ و حاشیہ کی ایک بہت قدیم نسخہ (مطبوعہ سنہ ۱۲۱۳ھ) سے مطابقت کی ہے

جس کی وجہ سے ان کے فرمانے کے مطابق ایسی بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہوگئی ہے جو آجکل کے مطبوعہ نسخوں میں عام تھیں۔

قرآن کے نام پر حدیث کے انکار کا جو فتنہ پاکستان میں روز افزوں ہو اس کی رعایت سے ناشر نے ایک خاص جدت یہ بھی کی ہے کہ ایک مشہور عالم دین یعنی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ایک مفصل مضمون تصنیف کرا کے شروع میں شامل کیا ہے جس میں حضرت قاری صاحب نے اپنے خاص انداز میں فہم قرآن کے لیے حدیث کی حاجت اور خود قرآن سے روایات حدیث کی قبولیت کا اثبات فرمایا ہے۔ یہ مضمون اسی بڑے سائز کے ۴۲ صفحات کا ہے۔

۱۔ تقویۃ الایمان	مولفہ شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ، صفحات ۵۱۹، سائز کلاں قیمت -/۸ روپے
۲۔ خدائی وعدہ	مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔ مترجم معراج محمد بارق۔ صفحات ۳۶۰ سائز خورد، قیمت ۳/۸

ناشر:- نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی

۱۔ توحید مومن کی زندگی کی اساس اور اسلامی زندگی کا لب لباب ہو۔ توحیدی شعور جہاں کمزور پڑتا ہو، اسلام کے دعوے کے باوجود انسان صراط مستقیم سے ہٹنے لگتا ہے اور ایسے ایسے خیالات و اعمال ایمان کے ساتھ جمع ہونے لگتے ہیں جو توحید کے مزاج کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے، اگلی تمام امتوں کا بگاڑ اسی بنیادی نقطے سے شروع ہوتا ہے کہ وہ توحید کی حقیقت کو بھولتی تھیں اور پھر پیغمبروں کی نام لیوائی کے باوجود ان کے لیے ضرورت ہوتی تھی کہ کوئی پیغمبر آکر انھیں توحید کی حقیقت سے آگاہ کرے ــــــ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پیغمبر کی آمد کا سوال نہیں رہا لیکن اس اصلاحی کام کے لیے جس کی ضرورت بہرحال اس کی امت کو بھی پڑنا تھی، اس نے ضمانت دی کہ اس کی امت ہی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو حقیقت توحید کے حامل ہوں گے اور امت کے افکار و اعمال کو توحید کے معیار سے پرکھ کر بلاخوف لومۃ لائم بتاتے رہیں گے کہ کہاں کہاں توحید سے انحراف ہو رہا ہے اور امت کے

دامن پر کہاں کہاں شرک و بدعت کی گرد جم گئی ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی نوراللہ مرقدہٗ اُمت محمدیہ کے انھیں بزرگوں میں تھے کہ ایک طرف تو انھوں نے مسلم دشمن طاقتوں کے خلاف شمشیر اٹھائی اور اپنی زندگی کا آخری سانس اسی شمشیر کے سائے میں پورا کیا۔ دوسری طرف اپنی زبان و قلم کی تمام طاقت سے اُمتِ مسلمہ کے اس اندرونی بگاڑ کے خلاف جہاد کیا جس کی وجہ سے توحید مضمحل ہو رہی تھی اور عامۃ المسلمین کی زندگی شرک و بدعت کے سانچوں میں ڈھلتی جا رہی تھی ——— خدا ہی جانتا ہے کہ ان کی اس بے نایہ جد و جہد سے کتنوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور کتنوں کی آنکھیں کھلیں۔ اللہ کے اس بندہ کا فیض آج تک چل رہا ہے اور پتہ نہیں کب تک چلتا رہے گا، اس کے قلم سے نکلی ہوئی "تقویۃ الایمان" آج بھی شرک و توحید اور بدعت و سنت کے خطِ امتیاز پر روشنی کے مینار کا کام دے رہی ہے۔ اور ایسی مقبولیت اہلِ حق کے دلوں میں اس کی ڈالی گئی ہے کہ ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے چلے آتے ہیں اور خدا کرے کہ نکلتے ہی چلے جائیں۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ہر مسلمان اس کا لازماً مطالعہ کرے۔ شرک و توحید کی جامع و مانع حقیقت اچھے اچھوں کو نہیں معلوم ہے، یہ کتاب شرک و توحید کی پوری پوری حقیقت آیات کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے ذریعہ سے کھول کر سامنے رکھ دیتی ہے۔ یہ موضوع اس کے پہلے باب کا ہے، دوسرے باب کا موضوع بدعت و سنت کا بیان ہے اس میں عقائد و ایمانیات سے لے کر رسوم و عادات تک کے ان تمام گوشوں میں بدعت و سنت کی مختلف راہوں کو بیان کیا گیا ہے جہاں کم شعوری اور دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے عام مسلمان عموماً بدعت کی راہوں پر پڑتے رہے ہیں۔

اس کتاب کی بعض عبارتوں پر شروع ہی سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں، ان میں سے بعض کا جواب خود مصنف علیہ الرحمہ ہی کے قلم سے اور بعض کا دوسروں کے قلم سے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے موضوع اور مقصد سے مناسبت رکھنے والے چند چھوٹے چھوٹے رسالے اور بھی (جو دوسروں کے لکھے ہوئے ہیں) آخر میں شامل کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح یہ کتاب مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی صفائی کا ایک مکمل کورس بن گئی ہے ——— کتابت و طباعت کا معیار ناشر کے مشہور معیار کے مطابق ہے۔

دیہاتی معالج

دو حصوں میں۔ شائع کردہ ہمدرد (وقف) لیبوریٹریز، دہلی۔
قیمت حصہ اوّل -/۳ صفحات ۱۳۱۔ قیمت حصہ دوم ۲/۵۰ صفحات ۲۲۲

ہمارے دیہاتوں میں علاج معالجہ کی شہری سہولتیں ابھی تک مفقود ہیں، اور تعلیمی و تمدنی پسماندگی کی وجہ سے حفظانِ صحت کے اصولوں سے بھی ناواقفیت ہے۔ ہمدرد (وقف) لیبوریٹریز نے اسی حقیقت کے پیش نظر یہ کتاب تیار کی ہے۔ جس کے حصہ اوّل میں حفظانِ صحت کے عام اصول خاص طور سے دیہاتی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز کوئی پونے دوسو کے قریب دیہات میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں اور دوسری چیزوں کے دوائی خواص بتائے گئے ہیں، کہ یہ چیزیں کس کس مرض اور کس طبّی ضرورت میں کام آسکتی ہیں ـــــ حصہ دوم کا تعلق تدابیر و علاج سے ہے۔ اوّلاً ان اتفاقی حادثات کے سلسلہ میں طبّی تدابیر بتائی گئی ہیں جو دیہاتی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔ اسکے بعد بچّوں، عورتوں اور مردوں کے تمام عمومی اور خصوصی امراض و عوارض کے علاج اور طبّی امداد کا طریقہ، زیادہ تر انھیں جڑی بوٹیوں اور انھیں چیزوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے جن کے خواص حصہ اوّل میں بیان ہوئے ہیں۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک مصوّر ہے، جڑی بوٹیوں اور دیگر دوائی اشیاء، حادثات، امراض کی محسوس علامات اور عملی طبّی تدابیر غرض جس جس چیز کی ممکن ہوئی ہے تصویر دی گئی ہے۔ عورتوں کے مخصوص امراض و عوارض سے متعلق ہمارا خیال ہے کہ بعض تصاویر میں اخلاقی احتیاط نہیں ملحوظ رکھی گئی۔ بعض تصویریں بالکل بے ضرورت عُریانی کا مصداق ہیں۔

کتابت و طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے کتاب کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ اہلِ دیہات کے علاوہ شہری لوگ بھی اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

دہلی اور اسکے اطراف

از مولانا حکیم سید عبدالحیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء)
ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ـــ و ـــ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ۔ صفحات ۱۷۲ ـــ مجلد قیمت -/۲

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کے والد ماجد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی علمی، ادبی اور دینی

حلقوں کی ایک معروف شخصیت ہیں، اردو ادب میں گل رعنا اور مشاہیر ہند پر عربی میں نزہۃ الخواطر اُن کی قابل فخر تصنیفات ہیں، موصوف کی عمر ۲۶ سال کی تھی کہ (۱۳۱۲ھ میں) اپنے وطن رائے بریلی سے دہلی، پانی پت اور سہارنپور وغیرہ کے علماء و مشائخ اور آثار اسلامی کی زیارت کے سفر پر نکلے، یہ اسی سفر کا روزنامچہ ہے جو مرحوم کے قلمی مسودات میں سے نکل کر پہلے ماہنامہ معارف اعظم گڈھ میں بالاقساط شائع ہوا اور اب ۲۰ سال بعد مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

مولانا سید عبدالحیؒ نے کوئی دو ہفتے دہلی میں گزارے، کچھ کچھ وقت پانی پت اور سرہند میں، چند دن دیوبند میں، پھر سہارنپور اور گنگوہ میں، علیٰ ہذا کلیر، نگینہ اور نجیب آباد وغیرہ ہوتے ہوئے قریب ڈیڑھ ماہ بعد وطن مراجعت فرمائی۔ اس دوران میں مرحوم نے جو کچھ دیکھا جن بزرگوں سے ملے، اُن سے جو کچھ سنا اور جو کچھ کہا، سفر میں جو کچھ اچھی بری گزری بے تکلفی کے ساتھ سب کچھ قلمبند کرتے چلے گئے۔

اس سفری روزنامچہ کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا عبدالحیؒ ۲۶ سال کی عمر میں کس قدر پختہ کار، صاحب علم و نظر اور آثار بزرگی کے حامل ہو چکے تھے۔ مرحوم کے ان اوصاف نے اس سفرنامہ کو بڑے کام کی چیز بنا دیا ہے۔ دہلی میں اُن دنوں مولانا سید نذیر حسین صاحب (اہلِ حدیث) بقیدِ حیات تھے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب دہلی کے دورانِ قیام میں اکثر و بیشتر اُن کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتے رہے اور بے لاگ طریقہ پر اپنے تاثرات قلمبند کرتے رہے یہ تاثرات پڑھنے کی چیز ہیں۔ اکابر کے مزارات اور تاریخی عمارتوں کی سیر کرتے ہوئے وہ نہایت مفید معلومات بہم پہنچاتے اور حسب موقعہ تاثرات کا اظہار فرماتے ہیں۔ ان تاثرات میں ایسے ایسے دلآویز ٹکڑے بھی ملتے ہیں۔ لال قلعہ کی سیر میں دربار خاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بڑے ظرف تھے ان کے جو اس میں رہتے تھے اور پانچ وقت خدا کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ تف ہے فرعون پر جس نے صرف مصر کی آن گر دہ بے جوڑ عمارتوں پر خدائی کا دعویٰ کیا، آفریں ہے شاہجہاں پر، جس نے تختِ طاؤس پر چار کروڑ روپیہ صرف کر کے بنایا اور اس پر بیٹھتے ہی خدا کے سامنے نہایت عاجزی و فروتنی

کی راہ میں سر جھکا دیا۔ یعنی دو رکعت نماز ادا کی"۔ (ص ۴۷)

دیوبند پہنچے تو اُس وقت کے بزرگوں میں حاجی محمد عابد صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ مولانا کی شخصیت اور زندگی کے جتنے پہلو اُن کے سامنے آئے سب بے تکلفی سے قلمبند کر دئیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں :۔

"اس میں شک نہیں کہ دہلوی صاحب بقیۃ السلف ہیں، اُن کا وجود مغتنمات میں سے ہے، اس تورع و استقامت کا دوسرا شیخ اُن کے سوا اس زمانہ عالم آشوب میں نظر نہیں آتا۔ علم الٰہی میں جو کوئی ہو اسکی خبر نہیں"۔

(ص ۱۳۷)

اس سفر میں بجنور کے ایک گاؤں میں پہنچ کر مولانا عبدالحی صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک ایسے مرید سے بھی ملے ہیں جو جہاد میں سید صاحبؒ کے ساتھ رہے تھے، اُن کی زبانی سید صاحب اور آپ کے رفقاء کے واقعات و حالات پڑھنے کی چیز ہیں۔

اعلام القرآن

از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی (مدیر صدق) صفحات ۲۰۸ کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر، قیمت ۲۵/۲

ملنے کا پتہ :۔ صدق بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ (۲) دارالمصنفین شبلی منزل اعظم گڈھ۔

محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ایک مدت سے گویا قرآن کی خدمت کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ انگریزی اور اردو کی مستقل تفسیروں کے علاوہ ادھر چند سال کے اندر قرآن کے مختلف علوم پر انکے قلم سے کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب ارض القرآن (یا جغرافیہ قرآنی) کے نام سے اُن مقامات کی مختصر جغرافی تحقیق و تفصیل پر ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ایک حیوانات فی القرآن (یا حیوانات قرآنی) نام کی ہے جس میں ان تمام حیوانات کے سلسلے میں ضروری معلومات بہم پہونچائی گئی ہیں جو کسی مناسبت سے قرآن میں مذکور ہوئے ہیں۔ اسی طرح پیش نظر کتاب قرآن میں مذکور انسانی اور غیر انسانی اشخاص و اعلام کی

گویا ایک مختصر ڈکشنری ہے جس میں ان اشخاص و اعلام سے متعلق خود قرآن سے اور قرآن کے باہر صحف سابقہ، تفاسیر اور کتب تاریخ سے اخذ کردہ تعارفی معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ یہ لفظ قرآن میں کتنی جگہ، کس کس مقام پر اور کس کس موقع سے آیا ہے۔ کتاب کا دائرہ صرف معروف معنی میں اعلام تک محدود نہیں ہے، بلکہ کسی بھی عنوان سے خواہ وہ عَلَم کا عنوان ہو یا اسم مفرد کا یا مرکب کا اگر کسی متعین شخص یا اشخاص کا ذکر آیا ہے تو اس عنوان کو اعلام ہی میں شمار کر لیا گیا ہو مثلاً آل ابراہیم یا الذی تولّٰی کبرہٗ منھم یا اُختٰک ــــــ کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کے طالبعلموں کے لیے یہ بڑی کارآمد کتاب ہو۔

امام احمد بن حنبل از جناب نصر اللہ خاں عزیز، صفحات ۱۱۰، قیمت ۱/۵۰
ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ۔ لاہور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو فقہ کے چار اسکولوں میں سے ایک اسکول کے امام ہیں، اپنی غیر معمولی عزیمت و استقامت علی الحق کی بنا پر اسلامی تاریخ میں وہ مقام پا گئے ہیں جو کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا، اور کم ہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ایک طرح سے اہلسنت کا شعار بن گئی ہے۔ ان کے تذکرہ میں ایک خاص لذت و دلآویزی ہے، چنانچہ اہل قلم اکثر ان کے تذکرہ سے انبساط روح و کیف قلب کا سامان کرتے رہے ہیں۔ جناب نصر اللہ خاں عزیز نے بھی اسی داعیہ کے ماتحت امام رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں یہ کتابچہ مرتب کیا ہے جس سے مختصر طور پر آپ کے سوانح حیات، اخلاق و عادات، ذوق و مزاج اور ایک صاحب عزیمت کی حیثیت سے آپ کا مقام سامنے آجاتا ہے۔

اذکار آزاد مرتبہ مولانا سید عباس حامی مدراسی۔ ناشر شیخ محمد قمر الدین تاجر کتب۔ گوجر گلی موچی گیٹ۔ لاہور۔ صفحات ۲۸۸، مجلد قیمت ۳/۸

کتاب پر سنہ طباعت درج نہیں ہو لیکن پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۳۶۵ھ کی یعنی مولانا آزاد کے دور حیات کی مرتب شدہ ہے۔ اس میں مولانا آزاد مرحوم کے الہلال و البلاغ کے ان بہت سے مضامین کے اقتباسات چار عنوانات کے ماتحت جمع کر دیئے گئے ہیں۔

جو بحیثیت اسلامی فکر اور دینی دعوت پر مشتمل تھے۔ مرتب کا مقصد اس کاوش سے یہ تھا کہ مولانا آزاد کو اب بھی جو لوگ ، الہلال والے مولانا آزاد سمجھتے ہیں اُن کے سامنے اصل حقیقت آجائے اور وہ لوگ کوشش کریں کہ مولانا پھر اپنے پچھلے موقف کی طرف واپس جا دیں۔ اس مقصد پر نظر اب بیکار ہے کہ مولانا ترک و اختیار کی دنیا ہی میں اب نہیں۔ البتہ اور لوگوں کے لیے یہ مجموعہ بہت مفید ہو سکتا ہے۔
وہ چار عنوانات جن کے تحت الہلال و البلاغ کے بچاسوں اقتباسات جمع کر دیے گئے ہیں۔ یہ ہیں۔
مقاصد الہلال اور مسلمانوں کے لیے شاہراہ عمل۔ مسئلہ تجدید و احیاء دین اور مسئلہ قیام جماعت ، حزب اللہ کا قیام۔ اسلام کیا ہے۔

رکعاتِ تراویح (جدید اڈیشن)

از مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی۔ شائع کردہ مجلس علمی مدرسہ مفتاح العلوم ، مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ۔

صفحات ۲۲۴ ، درمیانی سائز ، کتابت وطباعت اور کاغذ عمدہ۔ قیمت ۲/۵۰

چند سال ہوئے کہ رکعات تراویح کے نام سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک مختصر رسالہ اہلحدیث کے اس دعوے کی تردید میں تصنیف فرمایا تھا کہ تراویح کی رکعتوں کا مسنون عدد آٹھ ہے۔ اس رسالہ کو اہلحدیث حلقوں میں بڑی اہمیت دی گئی اور بعض کافی موٹی کتابیں تک اس کی رد میں لکھی گئیں۔ اور پھر ان کا بڑا عظیم الشان استقبال اہلحدیث حلقوں میں ہوا۔ سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ جو کتاب اس رسالہ کے مقابلہ میں آئی اس کا نام تھا انوار مصابیح اس کتاب کے تیور اس قدر جارحانہ تھے کہ ہمیں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھنا پڑا تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی حنفی بھی اسی زبان میں جواب دینے کے لیے کھڑا ہو جائے ـــــ افسوس یہی ہو کر رہا۔

" رکعاتِ تراویح " کا یہ جدید اڈیشن جو ہمارے سامنے ہے اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ متن کے طور پر اصل کتاب کی عبارت ہو اور حاشیہ پر انوار مصابیح کا جواب ہے۔ یہ حاشیے مولانا عبدالباری صاحب قاسمی مدرس مفتاح العلوم کے قلم سے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نفس جواب کے لحاظ سے کتاب مجموعی طور پر بہت کامیاب ہو۔ اور بعض مباحث علمی موشگافیوں کے لحاظ سے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ جواب کی کامیابی پر ہی قناعت نہیں کی گئی ہو بلکہ لہجہ میں ترکی

بہ تر کی جواب کا بھی التزام کیا گیا ہو۔ افسوس ہے کہ ہم اس سے کسی طرح اغماض نہیں کر سکتے۔ علماء کے مابین علمی مباحث کا یہ لہجہ کسی بھی طرح قابلِ تحسین نہیں، بلکہ ہم تو یہ بھی عرض کریں گے یہ وقت رکعات تراویح کے مسئلہ پر لڑنے کا نہیں۔ یہ وقت تو پوری یکسوئی کے ساتھ ان فتنوں سے لڑنے کا ہو جو دین کی بنیادیں ہی ہلائے دے رہے ہیں۔ اہلِ دین اور اہلِ کتاب وسنت کی ان فروعی معرکہ آرائیوں سے ان فتنوں کو جتنی تقویت ملتی ہے وہ کچھ بیان کی محتاج نہیں۔ کاش مقلدین اور غیر مقلدین اس پر غور کریں اور اس میدانِ جدال کو خیرباد کہہ دیں۔

بہر حال جن حضرات کو ان مباحث سے دلچسپی ہو ان کے لیے یہ کتاب یقیناً دلچسپ ثابت ہوگی۔ خصوصاً احناف جو رکعات تراویح کے باب میں اپنے مسلک پر اہلحدیث حضرات کے اعتراضات کا جواب چاہتے ہوں اُن کے لیے یہ کتاب یقیناً کارآمد ہے ـــــ واضح رہے کہ ابھی کتاب کا ایک حصہ باقی ہے۔ یہ صرف حصۂ اول ہے۔

تفسیری رسائل

از مولانا حمید الدین فراہیؒ ، ناشر۔ دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (ضلع اعظم گڑھ)

قرآن پاک جس قدر آسان ہو اسی قدر مشکل بھی ہے، عام نصیحت وموعظت کے نقطۂ نظر سے پڑھیے تو اس کی ایک ایک آیت یہ فائدہ دیتی چلی جائے گی۔ لیکن طالبعلمانہ نقطۂ نظر سے غور کرنے لگئے تو مطالب کی ملبذیاں ہر کس وناکس کا حصہ نہیں۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنے کو تدبر قرآن کے لیے وقف کیا تھا اور اس کے تمام شرائط اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی تھی اس کے نتیجہ میں اللہ نے اُن کو فہم قرآن کا بہت ہی خاص حصہ نصیب فرمایا، اُن کا ایک خاص مذاق ہے جس کے ماتحت اُن کے ہاں بعض تفردات بھی پائے جاتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہو کہ ان کے نتائج فکر کے مطالعہ سے قرآن میں گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے ـــــ افسوس کہ مولانا مرحوم پورے قرآن کی تفسیر نہیں کر سکے۔ البتہ بعض متفرق سورتوں کی تفسیریں انھوں نے لکھیں جو قریب قریب سب عربی میں تھیں۔ اور ان کا اردو ترجمہ مولانا کے فاضل تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا، یہی تفسیری رسالے اس وقت ہمارے سامنے ہیں جن کی تعداد چودہ[۱۴] ہے۔

ان کی تفصیل مع قیمت حسب ذیل ہے ۔

تفسیر بسم اللہ و سورۂ فاتحہ ۳۸/- تفسیر سورۂ ذاریات ۱۳/- تفسیر سورۂ تحریم ۱۲/- تفسیر سورۂ قیامہ ۵۰/- تفسیر سورۂ مرسلات ۵۰/- تفسیر سورۂ عبس ۱۲/- تفسیر سورۂ والشمس ۴۴/- تفسیر سورۂ والتین ۱۲/- تفسیر سورۂ والعصر ۵۰/- تفسیر سورۂ فیل ۸۱/- تفسیر سورۂ کوثر ۹۱/- تفسیر سورۂ کافرون ۳۸/- تفسیر سورۂ لہب ۱۲/- تفسیر سورۂ اخلاص ۳۸/-

ان میں سے صرف آخری رسالہ مصنف ہی کے قلم سے اردو میں ہے۔ باقی سب مولانا امین احسن صاحب کا ترجمہ ہیں ترجمہ کی خوبی پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، مترجم نہ صرف اردو کے بہترین انشاپرداز بلکہ مولانا فراہی کے تفسیری معارف کے حامل بھی ہیں، چنانچہ ترجمہ میں اصل کا لطف ہے۔

موخرالذکر دو رسالے پہلی بار شائع ہوئے ہیں، باقی سب کی دوسری اشاعت ہے کتابت طباعت اور کاغذ کا معیار اچھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شرائط داخلہ

(۱) دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے والے طالب علم (خواہ قدیم ہوں یا جدید) کو ضروری ہوگا کہ وہ اپنے سرپرست کی جس کو وہ فارم داخلہ میں سرپرست درج کرے گا تحریری تصدیق پیش کرے جس میں اس کی وطنیت اور اخلاق و کردار و تعلیم وغیرہ کا ذکر ہو اور ہر طریقہ کی ذمہ داری کی صراحت ہو ـــــــــ

(۲) جو طلبہ مغربی بنگال یا آسام سے آئیں وہ مذکورہ بالا تصدیق نامہ کے ساتھ کسی مجسٹریٹ یا اپنے حلقہ کے ممبر اسمبلی یا ممبر پارلیمنٹ یا تھانہ سے اپنے ہندستانی ہونے کی تصدیق لکھی لائیں مجسٹریٹ یا تھانہ کی تصدیق مہرشدہ ہونا ضروری ہے اور ممبران مذکور کی تصدیق ان کے لیٹر فارم پر ہونی چاہیے ـ

(۳) ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ حسب معمول قدیم اپنا نام و پتہ فارم داخلہ میں صحیح درج کرے۔ نام یا ولدیت یا سکونت کا اندراج غلط ثابت ہونے پر مستوجب اخراج ہوگا ـــــــ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

بقیہ نگاہِ اولیں

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ	مگر وہ کہ جو ظاہر ہی ہو۔ اور ڈالا کریں
عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ	اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر، اور
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ	نہ ظاہر کریں اپنی زیبائش مگر اپنے شوہروں
اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ	کے آگے یا اپنے باپ کے، یا خاوند کے باپ کے،
اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ	یا اپنے بیٹوں کے یا (دوسری عورت سے)
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ	اپنے شوہر کے بیٹوں کے یا اپنے بھائی کے
اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ	یا بھتیجوں کے، یا بھانجوں کے، یا اپنی
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ	عورتوں اور باندیوں کے یا ایسے خادم
غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ	مردوں کے آگے جنھیں (عورتوں سے)
اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى	غرض نہیں۔ یا ان بچوں کے آگے جو
عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ	عورتوں کے (جسمانی) اسرار سے واقف
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ	نہیں۔ اور کہو، کہ نہ ماریں زمین پر اپنے
مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ	پاؤں کہ پتہ چل جائے اُن کی پوشیدہ
جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ	زیبائش کا۔ اور رجوع کرو سب کے سب
تُفْلِحُوْنَ ۝	اللہ کی طرف اے ایمان والو تاکہ تمھیں
(سورۂ نور آیات ۳۰-۳۱)	فلاح ملے۔

ان دو آیتوں میں بہت زیادہ نہیں، تھوڑا سا غور کر کے دیکھ لیجئے کہ اسلام حقیقی اسلام کا فتویٰ رقص و سرود اور ڈرامہ و مصوّری کے باب میں کیا نکلتا ہے؟ ان آیتوں میں جن قدروں کو تمدن کی بنیاد میں پیوست کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ان اعلیٰ اسلامی قدروں کا کس طرح کوئی جوڑ آپ کی مجوزہ تہذیبی سرگرمیوں کے ساتھ بیٹھتا ہے؟ ——— اگر یہ اشارہ ناکافی ہو تو ہم شرح کی خدمت انجام دینے کے لئے بھی حاضر ہیں!۔

TIBBIYA COLLEGE ALIGARH
"بچے ملک و قوم کی دولت ہیں" (نہرو محبوب بہنا)
نشانِ اعتماد
ان کی
ہم سب کو مل کر حفاظت کرنا چاہیئے
بہار نو
بچوں کو ہر قسم کی بیماری سے محفوظ رکھتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۳ آؤنس عہ
رسالۂ "بچوں کی صحت اور ان کی پرورش" مفت طلب فرمائیے۔
دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
ایجنسیاں
(۱) الہ آباد۔ روشن باغ۔ ایس سی ورکس (۲) لکھنؤ ——— امین آباد
(۳) کانپور ——— چمن گنج (۴) بنارس ——— دال منڈی

جبل پور کی قیامت

(از، مرتب)

[اس دفعہ کی نگاہ اوّلین کی مستحق دراصل وہ قیامت صغریٰ تھی جو جبل پور اور اس کے ڈیڑھ دو سو میل کے گرد و نواح پر گزر گئی، لیکن گزشتہ شمارہ کی گفتگو کے سلسلہ میں ایک قابل توجہ بات سامنے آگئی تو تسلسل کے خیال سے مناسب معلوم ہوا کہ .... نگاہ اوّلیں میں اسی سلسلہ کو برقرار رکھ جبل پور پر مستقلاً لکھا جائے۔ — مرتب۔]

جبل پور، ساگر اور ان کے گرد و نواح میں جو کچھ ہوا اسکی تفصیل ہم سب کے علم میں آچکی، اب اسکو دوہرانے کا محل نہیں۔ ان تفصیلات میں جانا اخبارات کا موضوع تھا۔ ہمارا موضوع اس سلسلہ میں بس چند ضروری باتیں ہیں — جن میں سے بعض شاید مسلمانوں کے لئے تلخ ہوں اور بعض دوسروں کیلئے۔

۱۔ اس دنیا میں اگر بدون اذن خداوندی کچھ نہیں ہوتا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ حکمت کے ماتحت ہوتا ہے تو جبل پور کا یہ دلدوز حادثہ ہمیں اس قرآنی آگاہی کی یاد دلاتا ہے جو مسلمانوں کو دی گئی تھی کہ:-

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔	اس ابتلاء (سزا) سے ڈرو جو تم میں کے خطاکاروں ہی تک محدود نہیں رہے گی اور جانے رہو کہ اللہ بڑی سخت پکڑ والا ہے۔

جبل پور کے دو ... مسلمان نوجوانوں نے ایک غیر مسلم دوشیزہ کے دامن عصمت پر بیہیا نہ دست درازی کی، اور اسکے نتیجہ میں اس نے فرطِ غیرت سے اپنا وجود نذر آتش کر دیا، قانون کی رو سے ان اوباشوں کے اس فعل کی سزا ان کے کسی قریبی سے قریبی عزیز کو بھی نہیں دی جاسکتی تھی لیکن مسلمان جن کو عصمتوں کا محافظ بنا کر خدا نے اپنی اس زمین پر کھڑا کیا تھا، اور جن نے زنا کاری کے متعلق آگاہ کیا تھا کہ:۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّہٗ کَانَ	قریب بھی نہ جاؤ زنا کے، کہ یہ بہت ہی
فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِیْلًا	شرمناک، اللہ کے لئے ناقابل برداشت

اور بدانجام راہ ہے۔

اور ایسی عبرت ناک سزا اسکے لئے مقرر کی تھی جس کی نظیر کسی مذہب اور تہذیب میں نہیں پائی جاتی۔ اور نام نہاد مہذبوں کے نزدیک وہ آج تک قابل طعن ہے ـــــ اس ستار عیوب مالک الملک کو شاید یہ بیہیا نہ حرکت زنا غضبناک کر گئی جو بذات خود ہی انتہائی پاپ تھی کہ ساتھ ساتھ ایک معصوم جان کی دردناک موت اور اسکے گھر والوں کے نالہائے دلفگار کا باعث بھی بن گئی۔

کیا یہ کچھ بعید ہے کہ پروردگار عالم کی یہی غضبناکی مدھیہ پردیش کے خونیں سانحہ کی تہ میں کام کر رہی ہو؟ اور اسکی حکمت مقتضی ہوئی ہو کہ ہم پر کچھ دیر کے لئے ایسا بے پناہ تازیانہ عبرت برسائے کہ ہم از سر نو جان لیں کہ ایک مسلمان سے ارتکاب زنا اس کی بارگاہ میں ناقابل برداشت ہے، اور اس کا انجام بہت ہی بُرا ہے، ہم جان لیں کہ دوسری قوموں کی طرح ہمارے ہاں بھی زانیوں کی کثرت ہوتے ہوئے، رحمت خداوندی کسی حال ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتی، ہم سمجھ لیں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر وہ راستہ جو بدکرداری کی طرف لے جاتا ہے، ہر وہ دلچسپی جس میں جنسی بدکاری کے دواعی پوشیدہ ہیں، اور ہر وہ ہمارا اختیاری ماحول جس میں جنس زدگی کی ترغیبات پائی جاتی ہیں ہمارے لئے شجر ممنوعہ کا حکم رکھتا ہے ـــــ اے کاش ہم اس تازیانہ خداوندی سے سبق لیں!۔

۲۔ یہ تو خدا اور اسکے بندوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ رہا اس دنیا میں بسنے والے انسانوں کا معاملہ

تو کسی بھی قانون اور انصاف کے کسی بھی معروف پیمانے سے ناپا جائے۔ ایک لڑکی کی عصمت دری کا واقعہ، خواہ وہ اسکی غم انگیز موت اور اسکے اعزہ کے کیسے ہی درد والم کا باعث کیوں نہ ہوا ہو، ہرگز اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتا کہ مجرم جس فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اس فرقہ ہی کے خلاف بزن بول دیا جائے۔ بستیاں کی بستیاں مع زندہ انسانوں کے پھونک دی جائیں اور قتل و غارتگری کے وہ منظر پیش کر دیے جائیں کہ پتھروں کے دل بھی پگھل جائیں۔ وہ اگر ایک لڑکی کی عصمت دری تھی تو یہ مادر انسانیت کی عصمت دری ہے! وہ اگر من بھر کا پاپ تھا تو اس جوابی پاپ کی پوری پوری تول کے لئے دنیا کے کسی باٹ کا نام لینا کافی نہیں ہے۔!! ـــــ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بدکاری کا واقعہ اخلاقی اور قانونی اعتبار سے ایک سنگین جرم تھا، لیکن اس بات کے کہنے میں ذرہ برابر بے انصافی اور جنبہ داری نہیں ہے کہ اس ظلم کے مقابلہ میں وہ جرم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کسی بھی انصاف پسند کے لئے اس کا ادنیٰ جواز نہیں ہو کہ وہ دونوں واقعوں کو مذمت کی ترازو میں برابر سرابر دکھائے، یا اس جرم کا ذکر کر کے اس ظلم کو ہلکا دکھانے کی کوشش کرے۔ ہمیں اس ملک کی مذہبی اکثریت اور حکمراں جماعت کے ضمیر پر انتہائی افسوس ہے کہ اس بے پناہ ظلم وستم کی مذمت یا اس پر اظہار ندامت کرتے ہوئے اس بدکاری کے واقعہ کا ذکر کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ جیسے یہ بیمانہ مظالم اس واقعہ کا ردِ عمل ہوں[۵]۔ اور ان کے بیا حصہ ہی کی سہی (قانونی نہ سہی عادتی ہی سہی) وجہ جواز نکلتی ہو۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ یہ ردِ عمل تھا، نہ ہو سکتا تھا اور نہ کبھی ایسے واقعات پر اس طرح کا ردِ عمل آج تک ہوا ہے۔ یہ ایک بالکل الگ چیز تھی، کچھ پہلے سے بنے ہوئے، عرصے سے پکتے ہوئے منصوبے تھے جن کو بروئے کار لانے کے لئے اس واقعہ کو نہایت چابکدستی سے بہانہ بنایا گیا ـــــ اور پھر ہوا اس سرزمین ہند پر ایک خونیں تماشہ جس میں منصوبہ کے ہر شریک ہی نے بقدر امکان حصہ لیا ـــــ

۴۔ ہمارے نزدیک اس مدتوں یاد رہنے والے خونیں حادثہ کی تمامتر ذمہ داری اس ملک کی برسر اقتدار پارٹی اور اسکی مرکزی اور ریاستی حکومتوں پر ہے، بارہ سال سے اکثریت کے فرقہ پرستوں کو ان خداوندان ملک کی طرف سے ایسی کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ ان کے معاملہ میں قطعاً یہ نہیں معلوم

---

[۵] جہاں تک ارباب حکومت کا تعلق ہے ان کے بعض ابتدائی بیانات کا یہی رنگ تھا۔ لیکن ان سطروں کی کتابت کے بعد جو بیانات آئے ہیں ان کا تقاضہ ہو کہ حکمراں جماعت کو اب اس زمرہ سے نکال دیا جائے۔ ع۔

ہوتا کہ یہاں کوئی غیر فرقہ پرست حکومت ہے۔ یہ پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلاف مستقل زہر اگلتے ہیں، ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف بغض و نفرت سے بھرتے ہیں، مسلمانوں کی طرف روئے سخن کر کے اس طرح احکامات سناتے ہیں جس سے ہر ہندو کو خیال ہو کہ مسلمان یہاں اُن کے قومی غلام کی حیثیت سے رہتے ہیں، اور ہر ہندو کا حق ہے کہ وہ اُن کو ان احکام کی نافرمانی کی سزا دے۔ ایسی تقریریں کھلے عام ہوتی ہیں، بے گنتی ہوتی ہیں، لیکن ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ کسی ریاستی یا مرکزی حکومت نے اس کا نوٹس لیا ہو ــــ اسی طرح ان مسلم دشمنوں کی زہر افشانیوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت رہ رہ کر فرقہ وارانہ کشت و خون کا چکر کبھی کسی ریاست میں کبھی کسی ریاست میں چلتا رہتا ہے، جن میں صاف طور پر اقلیت مظلوم ہوتی ہے، لیکن نہ صرف ان تخریبی عناصر کی گرفت کوئی حکومت نہیں کرتی بلکہ ان کی کہیں کھلی کہیں چھپی مددگار پولیس اور اس کے افسران تک کی خلاف منصب حرکتوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ پچھلے ہی سال ہولی کی برکت سے متعدد ریاستوں میں جو مار دھاڑ ہوئی اس میں اسی مدھیہ پردیش کی راجدھانی (بھوپال) کو بھی بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ مدھیہ پردیش کی اسی حکومت نے جو آج وہاں ہے اس سلسلہ میں جس قدر دھاندلی اور انصاف و ذمہ داری کے تقاضوں سے جس حقارت کے ساتھ روگردانی کی وہ ایسی بے غبار حقیقت ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کانگریس پارٹی سے وابستگی کے باوجود جبل پور کی بحث کے دوران بھری پارلیمنٹ میں اس گزری ہوئی کہانی کا ذکر کیا۔

سوال یہ ہے کہ جب ریاستی حکومتوں کے یہ ڈھنگ ہوں گے۔ اور مرکزی حکومت یا کانگریس ہائی کمانڈ ریاستی حکومتوں کے اس مجرمانہ رویہ کے خلاف کسی شکایت فریاد رسی احتجاج کا کوئی نوٹس نہیں لے گی تو پھر ہندوستان کی مسلم اقلیت کسی کے بھی ہاتھوں اور کسی کی بھی سازشوں سے تباہ ہوتی ہو، اسکی ذمہ داری کس پر ہو گی؟ قیام امن کی ذمہ داری کس پر ہے؟ نقض امن کے اسباب کا سدباب اور اسکی نگرانی کس کا منصبی فریضہ ہے؟ انصاف اور دادرسی کے لئے کون جوابدہ ہے؟ اگر یہ سب اپنی اپنی جگہوں پر ریاستی حکومتوں کی اور مجموعی طور پر مرکزی حکومت کی ذمہ داریاں ہیں تو پھر ان مسلسل بارہ سالہ کوتاہیوں، چشم پوشیوں اور فرض ناشناسیوں کی موجودگی میں بالکل جھوٹ ہے، یہ کہنا کہ ہمارا سب کچھ پنڈت نہرو اور اُن کی حکومت کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ خدا کے لئے ذرا

کھلنے دو پنڈت جی کی آنکھیں ۔ ہماری کم سے کم توقع کے مطابق انھوں نے آج بارہ سال بعد انگڑائی لی ہے۔ اب تم انھیں غلط فہمی میں مبتلا کر کے پھر سے غافل کر دینے کی کوشش مت کرو۔ ذرا انھیں پوری طرح بیدار ہو جانے دو۔ پھر البتہ تم توقع کر سکتے ہو اور مستقبل قریب میں یہ کہنے کے قابل ہو سکتے ہو کہ پنڈت جی اور اُن کی حکومت کے سایہ میں مسلمان ہر طرح بخیر و عافیت ہیں۔

پنڈت جی سے توقعات یقیناً بجا ہیں۔ وہ اقلیتوں کے حق میں سب سے زیادہ غنیمت انسان ہیں لیکن ابتک تو انھیں شاید پوری طرح خبر ہی نہیں تھی آج جبلپور نے انھیں پہلی بار سمجھایا ہے کہ اُن کے راج سنگھاسن کے نیچے ایک اقلیت پر کیا بیت رہی ہے۔ اب اگر اتفاق سے ہماری قسمت بھی بارہ برس بعد پھرنے کو آرہی ہو اور پنڈت جی کی یہ چونک اور یہ بیداری جبلپور کے مسئلہ میں آخر تک رہ جائے اور بحیثیت وزیر اعظم ـــــ اور ہر دلعزیز وزیر اعظم ـــــ کے وہ حکومت کی سطح اور بحیثیت کانگریس کے عظیم لیڈر کے عوامی سطح پر، اپنی حکومت اور اپنی پارٹی کی متحدہ طاقت سے اس بے لگام فرقہ پرستی کے خلاف کھلی جنگ کا آغاز کریں تو یقیناً وہ تمام اشیربادوں کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اور پوری توقع کی جا سکتی ہے کہ ملک کو فرقہ پرستی کے شکنجے سے نجات مل جائے۔

۴ کانگریس الکشن کی مصلحت کے فریب میں آزادی کے بعد سے ابتک بہت ہی خسارے کا سوداکرتی رہی ہے۔ وہ اکثریت کی نامناسب رضا جوئی کر کے چاہتی ہے کہ اسکے ووٹوں پر اس کا اجارہ رہے۔ لیکن اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اکثریت میں ایسی ذہنیت پیدا کرتی ہے کہ پھر اسکی رضا جوئی بغیر کھلی فرقہ پرستی کے ممکن نہیں۔ چنانچہ ہمارے [illegible] کو [illegible] پر لگا دیتی ہے، باوجود یہ کہ کھلی فرقہ پرستی نہیں اختیار کر سکتی اس لئے اس کے ڈالے ہوئے بیج کا پھل جن سنگھ کی جھولی میں گر رہا ہے، اور کانگریس اپنی ساری رضا جوئیوں کے، باوجود اکثریت کے اندر پارٹی اور جن سنگھ پرستی چلی جا رہی ہے۔ دوسری طرف مسلمان جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور ایک پاسنگ ہیں، وہ قدرتی طور پر کانگریس کی ان نامناسب رضا جوئیوں سے جو اُن کے خلاف پڑتی ہیں، شاکی ہوتے ہیں اور کانگریس میں پنڈت نہرو جیسا لعل لگانے کے باوجود دوسری پارٹیوں کا رُخ کرتے ہیں ـــــ افسوس اتنی سیدھی بات کانگریس کے نیتاؤں کی سمجھ میں نہیں آتی، اور یہ نا بھی کانگریس کے ساتھ ملک کو بھی لئے ڈوب رہی ہے۔

کاش جبلپور کے مظلوموں کا خون اسی کام آ جائے کہ کانگریس ہوش میں آئے۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ملکیت و دیگر امور سے متعلق وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ اعلان

فارم ۴۔ ملاحظہ ہو رول نمبر ۸

مقام اشاعت ... ... لکھنؤ

وقفۂ اشاعت ... ... ماہانہ

پرنٹر پبلشر ایڈیٹر اور مالک کا نام ... محمد منظور نعمانی

قومیت ... ... ہندستانی

پتہ ... ... کچہری روڈ، لکھنؤ

میں محمد منظور نعمانی بذریعہ ہذا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجۂ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل صحیح ہیں۔

دستخط محمد منظور نعمانی

یکم مارچ ۱۹۶۱ء
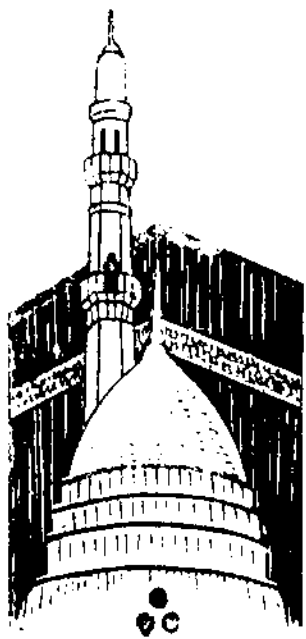
درویش صفت رئیس تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

لانا الحاج رفیع الدین صاحب مرادآبادیؒ کا سفرنامۂ حرمین سنہ ۱۲۰۱-۱۲۰۳ھ

مدیر مسئول
منظور نعمانی
مرتب
الرحمن سنبھلی

خاص اشاعت

مولانا حاجی رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ

قیمت ایک روپیہ

سالانہ چندہ :- ہندستان سے 5/= پاکستان سے 6/- غیر ممالک سے 10,5sh

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :- سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ، لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

بغیر کسی اعلان اور بلا کسی پروگرام کے الفرقان کی یہ ایک خاص اشاعت حاضر ہے۔ الفرقان کے خاص قلمی معاون مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی دامت عنایاتہم نے گذشتہ ماہ مطلع فرمایا تھا کہ وہ الفرقان کے لئے ایک غیر مطبوعہ (قلمی) سفرنامۂ حجاز کا ترجمہ فرما رہے ہیں جو قریباً پچاس صفحے کا ہوگا اور وسط مارچ تک پہنچ جائے گا۔ اس اطلاع پر ہمارا پروگرام یہ تھا کہ اسکی دو قسطیں کرکے اپریل اور مئی کی اشاعتوں میں شائع کر دیا جائے گا، لیکن مسودہ موصول ہوا تو قریب سو صفحے کی ضخامت کا نکلا۔ اسکو اگر عام شماروں میں بالاقساط شائع کیا جاتا تو کم سے کم چار اشاعتیں درکار ہوتیں اور موسم حج گزر جانے کے بعد یہ سلسلہ تمام ہوتا۔ اس لئے فوری طور پر طے کیا گیا کہ جتنے صفحات پر بھی جائے اسے الفرقان کی ایک ہی اشاعت میں دیدیا جائے۔ چنانچہ قریب دو چند ضخامت کی یہ اشاعت پوری کی پوری اسی سفرنامہ کی نذر ہو۔ اور حق یہ ہے کہ یہ سفرنامہ اسی قابل تھا جیسا کہ ناظرین اسکے مطالعہ سے محسوس فرمائیں گے۔

سفرنامہ کے تعارف میں کچھ کہنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ یہ کام مولانا فریدی صاحب نے باحسن وجوہ انجام دیدیا ہے۔ اب یہ ہدیہ ہے ادارہ الفرقان اور فاضل مترجم کی طرف سے عام ناظرین کی خدمت میں عموماً، اور ان خوش نصیبوں کی خدمت میں خصوصاً، جو امسال عازم حج ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ وہ اپنے ایک پیشرو کی اس روداد سفر کو اس راہ میں بہت ہی لذت آمیز اور نشاط انگیز پائیں گے۔ اور امید ہے کہ ارکان ادارہ الفرقان اور مولانا فریدی دام مجدہم کو اپنی بہترین دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

اس موقع پر اس کا اظہار بھی مناسب ہے گا (اگرچہ مولانا فریدی زاد مجدہم کے ذوقِ اخفاء پر کچھ شاق گزرے، اور اس کے لئے ہم اُن سے معذرت خواہ ہیں) کہ امسال مولانا موصوف بھی عازم حرمین ہیں اور امید ہے کہ الفرقان کے اس نمبر کی اشاعت کے ساتھ ہی ساتھ ان کا جہاز بھی ساحلِ بمبئی سے لنگر اٹھائے گا۔ خوب ہے، اس سفرنامہ کے ترجمے اور اسکی اشاعت کا یہ موقع! خدا انہیں اس سفر مقدس کی برکتوں سے مالامال فرمائے۔

اعلان: — (۱) یہ خاص اشاعت اپریل اور مئی کے حساب میں ہے، لہٰذا اسکے بعد رسالہ جون میں شائع ہوگا، جون سے پہلے اب کسی مزید اشاعت کا انتظار نہ کیا جائے۔ (۲) فروری کے شمارہ میں ۸ صفحے کم گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ اپریل کے رسالہ میں اس کسر کو پورا کر دیا جائے گا۔ مگر سفرنامہ کی خصوصی اشاعت کی بنا پر اس دو ماہی اشاعت کے اپنے واجبی صفحات میں کچھ کمی رہ گئی۔ انشاء اللہ یہ سب کمی جون کی اشاعت میں پوری کر دی جائے گی۔ (مینجر)

مرادآباد سے حجاز مقدس تک

سفرنامہ

مولانا حاجی رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حاجی رفیع الدین فاروقیؒ مرادآباد کے صاحب تصانیف بزرگ گذرے ہیں۔ [1] خاندانی وجاہت کے لحاظ سے بھی اُن کی نمایاں شخصیت تھی، وہ نواب عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مرادآباد کے پوتے تھے۔۔۔ ذاتی اوصاف وکمالات کی حیثیت سے بھی بلند پایہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے براہ راست شاگرد تھے، حضرت مولانا خیر الدین سورتیؒ سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی۔ اپنے زمانہ کے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور استفادہ کیا۔ اور تذکرۃ المشائخ میں ان مشائخ کے حالات تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب اب کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ ابھی تک کسی کتب خانے میں اس کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔ صاحب انوار العارفین نے امروہہ، مرادآباد اور دہلی کے مشائخ کا ذکر کرتے ہوئے، تذکرۃ المشائخ کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے اور اس سے اقتباسات بھی لئے ہیں۔۔۔ حضرت [2] مرزا مظہر جانجاناںؒ صاحب کبھی مرادآباد

---

[1] مولوی محمد حسین چشتی مرادآبادیؒ آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

از بزرگان و بزرگان این شہر مرادآباد بودہ اند (انوار العارفین ص ۲۲۴)

[2] چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں۔۔۔ (مرزا مظہر جانجاناںؒ) با فقیر بسیار مہربانی وشفقت می فرمودند وہر گاہ بمرادآباد آمدے غریب خانہ را بقدوم خود مشرف میساختے و یکبار ہم اینجا اقامت فرمودہ۔

(انوار العارفین بحوالہ تذکرۃ المشائخ ص ۴۲۵)

تشریف لاتے ان کے مکان کو اپنے قدم سے ضرور مشرف فرماتے تھے اور ایک مرتبہ ان کے ہی مکان پر انھوں نے قیام فرمایا تھا۔

منجملہ دیگر تصنیفات و تالیفات کے آپ کا سفرنامہ بھی تاریخی، جغرافیائی اور ادبی حیثیت سے ایک شاہکار ہے — جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ سفرنامہ کہیں طبع نہیں ہوا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی سلمہ سے مجھے دستیاب ہوا۔ — اس نسخے کے کچھ اوراق کہیں کہیں سے کرم خوردہ ہو گئے ہیں۔ میں نے اس نسخے کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد رضا لائبریری رامپور کے نسخے سے ان ناقص اوراق کی عبارتوں کا پتہ چلایا اور دیگر بعض مقامات کتاب کی مطابقت بھی کی — میں اس کتاب میں سے تاریخِ حرمین اور جن حکایات و واقعات کو چھوڑ کر اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

سفرنامے میں اپنے چشم دید واقعات اور حالات قلمبند کرنے کے علاوہ ان کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

(۱) مناسک شیخ عبدالحق دہلوی (۲) منسک شیخ محمد ہاشم سندھی (۳) رسالہ شیخ حسین محمد دیار بکری (۴) تاریخ مکہ (علامہ قطب الدین) (۵) مناسک مولانا جامی (۶) تاریخ مصر (علامہ جلال الدین سیوطی) (۷) وفاء الوفا (سمہودی) (۸) سفرنامہ مصر (شیخ ابراہیم مدنی) (۹) عمدۃ الاخبار تالیف احمد بن عبدالحمید الہاشمی المدنی۔

نواب خاندان کے اس مرادآبادی درویش نے بڑے عاشقانہ انداز میں سفرِ حرمین کیا ہے، سفرنامے کے لفظ لفظ سے کیف و سرشاری آشکارا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ حاجی صاحب کا دل کیفِ عبدیت اور عشقِ رسول سے لبریز ہے، ان کی عبارت حریم کعبہ و حجرۂ نبویہ سے گہرے ربط و تعلق کی آئینہ دار ہے — اس سفرنامے میں اپنے زمانے کے اکابر حرمین کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔ یہ سفرنامہ اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ اس کے مؤلف نے فارسی زبان میں بطرز سادہ بغیر عبارت آرائی کے وضاحت کے ساتھ اپنے سفری معلومات اس میں تحریر کیے ہیں۔

میں اپنے اس دعوئی میں شاید مبالغہ کرنے والا نہ ہوں کہ ہندوستان میں سفرنامۂ حج کی داغ بیل مرادآباد کے ای بزرگ نے ڈالی ہے جو مدرسہ ولی اللہی کا فیض یافتہ اور جید عالم، محدث، فقیہ اور مورخ و ادیب تھا، اس سے پہلے کا کوئی سفرنامۂ حج و زیارت کسی ہندوستانی کا اس تفصیل کے ساتھ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔

میرے پیش نظر نسخے پر اس سفرنامہ کا نام سوانح الحرمین ہے۔ رامپور کے نسخے پر آداب الحرمین لکھا ہوا ہے اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اس کا نام حالات الحرمین لکھا ہے۔

اب میں براہ راست صاحب سفر کی زبان سے اُن کے حالات سفر سنوائے دیتا ہوں مگر اس سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اُن کے مختصر سوانح حیات لکھدوں۔ جو کچھ حالات مل سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

مختصر سوانح حیات

شیخ رفیع الدین فاروقی ابن فرید الدین بن نواب عظمت اللہ خاں مرادآبادی ۱۱۶۴ھ میں مرادآباد کے اندر پیدا ہوئے۔ اپنے شہر کے علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کرکے دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی خدمت میں پہونچے اور مدتوں اُن سے فیض حاصل کیا پھر مرادآباد آئے اور مدت تک یہاں درس دیا اور مجلس افادہ کو گرم رکھا۔ پھر حرمین شریفین کا سفر ۱۲۰۱ھ میں کیا اور دو سال دو ماہ دو ہفتے کے بعد ۱۲۰۳ھ میں مرادآباد واپس آئے۔ شاہ غلام غوث قادری لاہوریؒ سے بیعت تھے۔

سفر حج کے سلسلے میں جب سورت پہونچے تو وہاں مولانا خیر الدین محدث سورتیؒ سے بھی سند حدیث حاصل کی، حرمین شریفین میں بھی وہاں کے محدثین، اکابر علماء سے مستفیض ہوئے۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۲۳ھ کو مرض استسقاء ۵۹ سال کی عمر میں انتقال کیا، قبر مرادآباد میں ہے۔ علاوہ سفرنامہ حرمین آپ کی تصنیفات و تالیفات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قصر الآمال بذکر الحال والمآل (۲) سلو الکئیب بذکر الحبیب (سیرت نبویؐ) (۳) شرح الاربعین (۴) کنز الحساب (۵) تذکرۃ المشائخ (۶) تذکرۃ الملوک

(۸) تاریخ الافاغنہ (۸) کتاب الاذکار (۹) ترجمہ حصن الحصین (۱۰) شرح غنیۃ الطالبین (۱۱) افادات عزیزیہ (جس کو اسولہ واجوبہ بھی کہا جاتا ہے حاجی صاحب مراد آبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے علوم تفسیر و حدیث کے متعلق اہم استفسارات کرتے رہتے تھے ان استفسارات کے جوابات کا مجموعہ یہ کتاب ہے ــــ دارالعلوم ندوہ کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے) ــــ

[ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ، انوار العارفین، اتحاف النبلاء]

پیش لفظ

بعد حمد و صلوٰۃ ــــ محررِ سطور رفیع الدین کہتا ہے کہ مجھ کو عنفوانِ سن شعور سے تمنائے زیارت حرمین تھی اور شوقِ دیدار غالب تھا۔ بشارات و اشارات، حصول مطلب کے سلسلے میں پاتا تھا لیکن کچھ موانع درپیش تھے اور علائق سدِ راہ ــــ اس بنا پر یہ آرزو دل کی دل ہی میں رہتی تھی ــــ ایک مدت کے بعد جب خدائے بے نیاز کا ارادہ متوجہ ہوا تو رفتہ رفتہ موانع، برطرف اور علائق منقطع ہوتے چلے گئے اور اس دارِ فانی سے دلبستگی کے اسباب برہم اور "موجبات افسردگی و دل سردی" فراہم ہو گئے ــــ دیدۂ بصیرت کو خوابِ غفلت سے بیداری حاصل ہوئی اور مستلزات فانیہ کی جانب سے توجہ ہٹ گئی ــــ اب اپنے حال پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ عمرِ عزیز، طلبِ آمال و امانی دنیا میں ضائع ہو چکی ہے، بارِ گناہ کے پہاڑ گردن پر آ پڑے ہیں اور آفتابِ عمر، لبِ بام آ گیا ہے۔

رباعی

یک نیمۂ عمر در مطالب بگذشت — یک نیمہ بہ تشویر و خجالت بگذشت
(ذشو ساریجی)
عمریکہ از و شدے جہانے آزرد — بنگر بچہ حیلہ و چہ حالت بگذشت

نہ تمتعت ز دنیا نہ زدیں نصیب مظہر — بفنونِ بے کمالی چہ قدر کمال داری
(مرزا مظہر جانجاناںؒ)

بعد شدت حسرت و حیرت اور بعد ندامت و پشیمانی اسکے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا

کہ دل کو' یارودیا ۔ سے جدا کرکے وادیٔ غربت میں قدم رکھا جائے، اور شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین سید ابرار، محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ کی طرف توجہ کی جائے اور اپنے درد کی دوا اُن کے دارالشفائے رحمت کاملہ و شفاعت شاملہ سے چاہی جائے ـــــ اس قصد کے بعد "ہواجس نفسانی" اور "تسویلات شیطانی" مزاحمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور سفر کی مشکلات کو سامنے لا کھڑا کیا ـــــ لیکن اللہ کی اعانت و نصرت سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ جب دل میں زادِ راہ کا خطرہ آتا تھا تو کہتا تھا کہ جو شخص خانۂ ارحم الراحمین اور روضۂ جناب رحمۃ للعالمین کی جانب متوجہ ہو اس کو اسبابِ ظاہر پر نظر رکھنا اور مسبب الاسباب سے غافل رہنا، انتہائی کوتاہ نظری ہے۔

؎ فانَّ الزاد اقبحُ کلِّ شیٔ اذا کان الوفود علی الکریم

(جب آدمی ایک کریم کے دربار میں حاضر ہو رہا ہو، تو زادِ راہ کی فکر سے بری کوئی چیز نہیں)

جب نظر ضعفِ بدن پر پڑتی تھی تو کہتا تھا کہ کچھ غم نہیں ہے ۔ (اور یہ آیت یاد آتی تھی) ـــــ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ـــــ الآیۃ

(جو شخص اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرکے نکلا، اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہو گیا۔)

؎ چو حکم ضرورت بود کار برو
بریز آبروئے بر آل خاک کوئے

جب سفر کے رنج و مصائب کا ہراس ہوتا تھا تو دل میں خود کو مخاطب کرکے کہتا تھا، یاد کر! تو نے سعیٔ باطل میں عمر بھر کس قدر خونِ جگر پیا ہے اور کس قدر رنج جھیلے ہیں، اور آخر کار پشیمانی حاصل کی اور شربت ناکامی نوش کیا ہے ـــــ شاید اسی مقدس سفر کے رنج و مصائب سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے ـــــ حدیث شریف میں آیا ہے۔ حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّھَوَاتِ ـــــ (جنت کی راہ میں ناگواریاں ہیں اور دوزخ کے آگے سبز باغ)

در بیاباں گر بہ طوفِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

جب مہلت طلبی اس بات کی طالب ہوتی تھی کہ ابھی کچھ اور توقف کرو پھر چلے جانا تو میں جواب میں کہتا تھا۔

صد ہزاراں دے دریں سودا مرا امروز شد
نیست صبرم بعد ازیں کار وز را فردا کنم

خواہم از سودائے پاپوشش نہم سر در جہاں یا بپائش سر نہم یا سر دریں سودا کنم

آرزوئے جنت الماویٰ بدر کردم ز سر
جنتم ایں بسکہ بر خاکِ درش ماویٰ کنم

للہ الحمد کہ کریم کارساز نے دستگیری فرمائی اور قیدِ ایں و آں سے رہا کر کے نفس و شیطان کے ہاتھ میں سے نکالا اور اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اب داعیۂ شوق باعث ہے اس امر کا کہ جو کچھ سوانح سفر اور منازل و مراحلِ بحر و بر کا مشاہدہ و معائنہ کروں اور جن مواضع متبرکہ اور اماکن مشرفہ کی زیارت کروں اور جن علماء اور صلحاء عصر کی ملاقات سے فائز ہوں یہ سب کوائف و حالات نیز دیگر عجائب حکایات اور نوادر روایات اور فوائد متفرقہ کہ کسی معتبر و ثقہ سے سُنے یا کسی کتاب میں دیکھے ہوں ان کو قیدِ کتابت میں لے آؤں ـــــ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ اس فقیر بے نام و نشان کی یہ ایک نشانی برائے یاراں و عزیزاں باقی رہ جائے اور ان دونوں عظیم الشان آستانوں کے شوق کی محرک ہو ـــــ زادھما اللہ شرفاً و تعظیما ـــــ اور اگر بمقتضائے بخت ناساز اس فقیر کو ان مواطنِ نور و سرور (حرمین) سے دوری پیش آجائے تو ان اوراق کے مطالعہ سے ان حالات کو یاد کر کے فراقِ حرمین میں آہ و زاری کر لیا کرے۔

حضرت واہب جل جلالہ سے التجا یہ ہے کہ وہ آخر عمر تک مجاورت حرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موقع عنایت فرمائے اور اگر اس کے علم قدیم میں اس بار وطن کی طرف رجوع کرنا مقدر ہو تو پھر دوبارہ توفیقِ معاودت و مجاورتِ مدینۂ طیبہ نصیب فرمائے ـــــ واللہ علی کل شیٔ قدیر ـــ وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم تسلیما کثیرا ـــ

آغازِ سفر و منازل سفرِ خشکی

بقصد سفر حرمین شریفین۔ اپنے وطنِ مالوف، بلدہ مراد آباد ــــ عمرۃُ اللہ وحما ساکنیہا عن الآفات والفساد ــــ سے صبح شنبہ ۱۸ محرم ۱۲۰۱ھ[1] کو زادِ توکل، راحلۂ عزیمت اور بدرقۂ توفیق کے ساتھ نکلا اور سنبھل پہونچا۔ یہاں سے سات منزلیں طے کرکے بندرابن کے متصل لشکر پٹیل سیندھیہ میں اترا۔ صبح کو اس جگہ سے کوچ کرکے دو منزل پر ۲۸ محرم کو ڈیک[2] پہونچا اور عماراتِ سورجمل جاٹ کو جو نمونۂ ارم عاد ہیں دیکھا۔ سورجمل کے عہد حکومت میں بھی جب کہ یہ شہر بہت آباد تھا اور یہ عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں میں نے اس شہر کو دیکھا تھا۔ اس وقت ویرانی شہر اور خرابی عمارت اولوالابصار کے لئے محل عبرت ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ (الی) وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِيْنَ[3] (سورۂ قصص)

پردہ داری می کند بر طاقِ کسریٰ عنکبوت
چغد نوبت می زند بر قلعۂ افراسیاب

مکن طولِ امل اندر عمارت عرض من بشنو
بنا را قصر می گویند باید مختصر باشد

میں نے اس مقام کو تین مرتبہ تین مختلف حالتوں میں دیکھا ہے، پہلی مرتبہ اب سے تیس سال

---

[1] سفر ناخیر ۱۲۰۱ھ یہ عبارت عربی تاریخ آغاز سفر کا پتہ دے رہی ہے جس کو خود حاجی رفیع الدین مراد آبادیؒ نے اپنے سفرنامے میں اسی وضع پر درج کیا ہے۔ [2] ڈیک بھرت پور سے آٹھ کوس پر واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف پختہ شہر پناہ قلعہ کی شکل کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں کئی بھون ہیں جن میں ایک گپتو بھون ہے جس میں ۵۰۰ فوارے لگے ہوئے ہیں ــــ یہ مکانات سنگ مرمر، سنگ سرخ، سنگ موسیٰ اور سنگ زرد سے بنے ہوئے ہیں۔ (جغرافیہ راجپوتانہ) [3] ہم نے کتنی ہی بستیوں کے ایسے باشندوں کو ہلاک کردیا جو اپنی گزران میں حد سے گزر گئے تھے۔ اُن کے یہ مکان ہیں جو خالی پڑے ہیں۔ ان کے بعد یہاں کوئی نہیں رہا مگر تھوڑے اور ہم ہی ان کی میراث و ترکہ کو قبضے میں لانے والے۔

پہلے، دوسری مرتبہ عہد نجف خاں میں تیسری مرتبہ اس سال ۔

جمعہ کے دن ۹ صفر ۱۲۱۲ھ کو ڈیک سے چل کر بھوساور کے راستے سے چھ منزل کے بعد نئے شہر[1] میں پہونچا۔ اس شہر کو راجہ مادھو سنگھ کچھواہہ نے بنایا ہے۔ یہ نیا شہر ایسے مقام پر ہے کہ اس کے ہر چہار طرف دشوار گزار پہاڑ محیط ہیں اور بجز چند متعین راستوں کے کہ محکم و مضبوط دروازے ان پر بنائے گئے ہیں کوئی اور راستہ نہیں رکھتا۔ — چشمہ ہائے آب، پہاڑوں سے نکل کر شہر میں جاری ہیں۔ اس شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر قلعہ رنتھنبور ہے جو کہ ہندوستان کے مشہور اور مضبوط قلعوں میں سے ہے۔

۱۰ صفر کو دریائے چنبل کو عبور کر کے چار منزل کے بعد ۱۴ صفر کو کوٹہ پہونچے جو کہ ریاست ہاڑوتی کا صدر مقام ہے۔ اس ریاست کے راجہ راجپوتان ہاڑہ میں سے ہیں — یہ سر زمین مضافات صوبہ اجمیر سے ہے اور یہ شہر دریائے چنبل کے کنارے ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ تمام کا تمام مثل زمین مسطح و ہموار ہے، نشیب و فراز کچھ نہیں رکھتا، المختصر خوبی فضا میں کوٹہ اس نواح کے اندر بے نظیر ہے — یہاں حکام، غیر مسلم ہیں اور سلطنت اسلام یہاں ضعیف ہے۔ جو مسلمان قدیم سے ان شہروں میں ساکن ہیں وہ بجز نام کے اسلام کا کوئی نشان نہیں رکھتے۔ ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ یہاں ایک بت خانہ ہے، ایک معین دن مردم شہر اس بت خانے میں پرستش کے لئے جاتے ہیں اور بتوں سے طلب حاجت کرتے ہیں۔ ایک دن قاضی شہر بھی وہاں برائے پرستش گیا تھا — پناہ بخدا!

دریائے چنبل پہاڑ کو کاٹ کر زیر شہر بہتا ہے اور دوسرے چشمے بھی ہر طرف جاری ہیں۔ یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جو اَدھر سلا کے نام سے مشہور ہے — یہاں پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے جو لمبائی میں کم و بیش تیس چالیس گز اور موٹائی میں نو دس گز ہے — یہ پہاڑ کا ٹکڑا دریا کی طرف کو مثل سائبان معلق ہے اور اس کا وسط پہاڑ کے ایک دوسرے ٹکڑے سے جو کہ دریا کے کنارے ہے، پیوستہ ہے۔

---

[1] اس نئے شہر سے مراد بوندی ہے۔ شہر بوندی کا ایک حصہ پرانا اور ایک نیا کہلاتا ہے۔ نئی بوندی شہر پناہ کے اندر ہے۔ (جغرافیہ راجپوتانہ)

مراد آباد سے کوٹہ تک ۳۴۲ کوس اور انیس منزلیں طے ہوئیں۔ راہ آگرہ کے مقابلے میں یہ راستہ دو دن کی راہ کے بقدر کم تھا ——— ۱۱ صفر کو بروز شنبہ کوٹہ سے کوچ ہوا۔ ——— دو منزل پر مکندرا[1] جو عجیب کوہستانی سلسلہ ہے ——— نظر آیا۔ سلسلۂ مکندرہ کوٹہ سے دو روزہ راہ کے فاصلے پر ہے۔

آگے کو نو منزلیں طے کر کے ۲۵ صفر کو اجین پہونچے ۔ اجین ایک قدیم شہر ہے، صوبہ مالوہ کا صدر مقام اور راجہ بکرماجیت کا تخت گاہ ہے۔ اس راجہ کی جود و سخاوت اور شجاعت کی حکایات ہندوستان میں مشہور ہیں اور بکرمی تاریخ جو کہ معمول اہل ہند ہے اس راجہ کے عہد سے ہے اور اب اس کو ۱۸۴۳ سال شمسی گذر چکے ہیں ——— اس زمانے میں یہ شہر زیر تصرف رؤسائے مرہٹہ ہے۔ شہر اجین بہت زیادہ آباد ہے۔ عمارات شہر سہ منزل، چہار منزل بلکہ اس سے بھی زیادہ منزل کی ہیں ——— قبر مولانا مغیث الدینؒ، جو کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مرید تھے، اس شہر میں کنار دریا پر واقع ہے، وہ ایک مصفا اور دلکش مقام ہے۔ یُزار وَ یُتبَرَّک ———

تین روز اجین میں قیام کیا اور ربیع الاول کی چاندرات کو جمعہ کے دن اندور پہونچنا ہوا جو کہ اجین سے دو منزل پر ہے اور سولہ کوس کا فاصلہ رکھتا ہے۔

اندور اندور بہت بڑی آبادی ہے اور بڑی منڈی ہے۔ بندرگاہ سورت و دیگر بندرگاہوں کا مال یہاں لایا جاتا ہے اور یہاں سے دیگر بلادِ ہندوستان کو لے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی اشیاء یہیں سے بندرگاہوں کو جاتی ہیں ——— شہر برہان پور، کہ قافلے اس راستے سے جاتے ہیں ——— اندور سے سات روز کے راستے پر ہے۔ اور سورت، برہان پور سے پندرہ دن کی راہ ہے ——— اور جس راہ سے تاجر آتے جاتے ہیں اس راہ سے شہر بھروچ ——— جو کہ گجرات کے عمدہ بندرگاہوں میں سے ہے اور جس کے نیچے سے دریائے نربدا بہتا

---

[1] سلسلہ کوہ مکندرا جو ہاڑوتی اجنیٹی اور مالوہ کے درمیان واقع ہے اور اوسط درجے کی بلندی سے کچھ اونچا ہو گوشۂ جنوب مشرق سے گوشۂ شمال مغرب کی طرف چلا گیا ہے۔ (جغرافیہ راجپوتانہ)

ہو کر سمندر میں گرجاتا ہے ــــــ ایک سو بیس کوس ہے ــ اور بھروچ سے سورت کچھ کوس ہے ۔ لیکن بجز تجار کے کہ یہاں کے زمینداروں سے میل ملاقات رکھتے ہیں ــ دوسروں کی آمد و رفت اس راہ سے بغیر رفاقتِ تجار مشکل ہے ۔ اگرچہ بسبب کوہستان کی دشوار گزار گھاٹیوں کے اس راستے میں بہت تاخیر ہوتی ہے لیکن با آرام و امن تمام طے ہو جاتا ہے ۔ یہ راستہ اپنی نصف مسافت تک حد صوبہ مالوہ ہے اور اسکے بعد صوبہ گجرات ہے ــــــ ان ترجیحات کی بنا پر جو اندور کے لوگوں نے بیان کیں یہ راہ اختیار کی گئی ۔

اندور سے دوشنبہ کے دن ۳ ربیع الاوّل کو بسمتِ بھروچ روانہ ہوئے ۔ سات منزل طے کر کے تیس کوس پر راج گڈھ میں اُترے ــــــ مانڈو ، جو کہ عرصہ تک تخت گاہ سلاطین غوریہ رہ چکا ہے اور جن کے حالات ، تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہیں ــــــ یہاں سے چار کوس رہ گیا ہے ــ شہر مانڈو ویران ہے ، تھوڑی سی آبادی ہے اور وہ بھی شہر سے باہر ـ کہتے ہیں کہ وہاں سلاطین مذکورہ کی عماراتِ عظیمہ کے آثار اب بھی محلِ عبرتِ بینندگان ہیں ۔

آں قصر کہ با چرخ ہمی زد پہلو ـــ بر درگہ او شہاں نہادندے رو
دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ ـــ بنشستہ ہمی گفت کہ کوکو کوکو

دریائے چنبل کوہستان مانڈو سے نکلا ہے ــ اندور سے چند کوس کے فاصلے پر دھار ہے جو مشہور شہر ہے ــــــ راج گڈھ میں دو دن قیام رہا ــ ۱۶ ربیع الاوّل کو کوچ ہوا ــ پچاس کوس تک ویرانہ سامنے آیا ، دشوار گزار کوہستان ، اور جنگل ہی جنگل ہے ــ اسی قسم کے علاقے کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے :-

مصرع ـ بیہے بغایت پُر خطر خالی ز راہ و راہ بر
نے در وے از جنّے اثر نے در وے از انسے نشاں

مگر بعض جگہ بانس کے چند گھر نظر آئے ــــــ یہاں کے باشندے اگرچہ صورتاً آدمی ہیں لیکن سیرت حیوان رکھتے ہیں ــ اُن کی زبان سمجھی نہیں جاتی ــ ان پہاڑوں میں چند جگہ ، لوہے ، ابرق اور مردار سنگ وغیرہ کی کان دیکھی گئی ۔

شنبہ ، ۲ ربیع الثانی ــ دبوی (؟) ، جو بھروچ سے تیس کوس کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے ،

پہونچے ــــــ ۹ ربیع الثانی کو وہاں سے کوچ کر کے ۱۱ ربیع الثانی کو بھروچ آگئے ــــــ
۱۳ ربیع الثانی کو نربدا پار کر کے انکلیسر میں رہے یہاں پر شیخ حلیمؒ کا مزار ہے، وہاں حاضر ہوئے
شیخ حلیمؒ، معاصر جہانگیر تھے ــ ان بزرگ کے خوارق، یہاں کے باشندوں کی زبان پر تواتر کے
ساتھ ہیں ــ انکلیسر سے چل کر ۱۴ اور ۱۵ کی درمیانی شب میں دریائے تاپتی کو عبور کر کے
سورت کے بیرونی حصے میں رات گزاری ــــــ ۱۵ ربیع الثانی کو اندرون شہر میں مدرسہ خواجہ
دیوانہ علیہ الرحمہ کے اندر اترنے کا اتفاق ہوا۔

خواجہ دیوانہ خواجہ دیوانہؒ دو واسطوں سے خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ وہ توران سے اس دیار میں آئے ہیں اور ان کے فیض ظاہر و باطن سے ایک عالم مستفیض ہوا ہے، انھوں نے ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی ہے اور اب تک انوار ولایت ان کے مزار، ان کی مسجد اور مدرسے سے ظاہر ہیں ــــــ قاصدان حرمین شریفین کا درود گاہ اکثر و بیشتر یہی جگہ ہے۔

شہر سورت شہر سورت پیش از زمانہ خواجہ دیوانہ ایک ویرانہ گاؤں تھا خواجہ مذکور نے ولایت سے آکر یہاں سکونت اختیار کی اور آبادی شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ موجودہ ترقی کو پہونچ گیا ــــــ اس سے پہلے شہر نادیر (غالباً راندیر) بندر گاہ تھا، جو کہ سورت کے سامنے تاپتی کے اُس طرف ایک قدیم شہر ہے۔ نادیر (راندیر) کے مقابر میں ایک تابعی کی قبر بھی ہے، لیکن اس قبر کی جگہ متعین نہیں ہے۔ دیگر بزرگوں کے مزارات بہت سے ہیں ــ اس کی مسجد اب سے نو سو سال پہلے تعمیر ہوئی ہے ــ لیکن اب نادیر (پہلے کے مقابلے میں) ویران ہو گیا ہے، تھوڑی آبادی رکھتا ہے، البتہ سورت میں بہت رونق ہے اور وہ آبادی سے معمور ہے، تمام ملک ہندوستان، چین، فرنگ، عربستان اور ایران کے امتعہ و نفائس اور ان کے علاوہ جو اشیاء درکار ہوں یہاں حاصل ہو جاتی ہیں عشر اسلام اور رونق مساجد جو سورت میں دیکھی گئی وہ اس زمانے میں شاید تمام ہندوستان میں نہ ہوگی ــــــ غالباً یہ برکات، مجاورت و ہمسائگی حرمین شریفین کی بنا پر ہیں اور اسی بنا پر سورت کو باب مکہ کہتے ہیں۔

مولانا خیر الدین محدث سورتی رح[1]

سورت میں پہونچنے کے دن مجمع کمالات ظاہر و باطن مولوی خیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالٰی وابقاہ کی خدمت میں پہونچا اور ان کے حلقۂ درس حدیث میں حدیث پڑھی — اُن کی ذات بڑی متبرک اور مغتنمات روزگار سے ہے — اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اُن کا وجود باعث افتخار ہے — انھوں نے دو بار سفر حرمین کیا ہے۔ قریباً پچاس سال سے درس حدیث و افادہ طالبان راہ حق میں مشغول ہیں بہت سوں نے ان کی خدمت میں علوم ظاہر و باطن حاصل کئے ہیں — زائرین حرمین شریفین کے لئے اُن کی ذات عالی، ملجا و ملا ذہے — اللہ تعالٰی نے اُن کو اس قدر عزت عنایت فرمائی ہے کہ شریف مکہ اور تمام حکام دکن، تعظیم و توقیر کے ساتھ ان کو مکاتیب لکھتے ہیں اور ان کے مراسلات کو احترام تمام کے ساتھ وصول کرتے ہیں اسکے باوجود ان پر تواضع و انکسار اس قدر غالب ہے کہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ مہمانوں اور فقراء کے لئے کھانا خود لاتے ہیں اور ان کے سامنے لاکر اپنے ہاتھوں سے رکھتے ہیں — محتاجوں کی حاجت روائی کے لئے سعی بلیغ فرماتے ہیں۔ اور بہ نفس نفیس پیادہ یا سواری سے اس شخص کے مکان تک تشریف لے جاتے ہیں جس کے ذریعے سے کسی کی حاجت کو پورا کرنا ہوتا ہے اور حتی الامکان صاحب حاجت کی مہم کو انجام دیتے ہیں۔ اقامت سورت کے زمانے میں میں نے چند پارے صحیح بخاری کے، اور صحاح کی ہر کتاب کا کچھ کچھ حصہ جلدی جلدی ان سے پڑھا اجازت حاصل کی۔ چونکہ موسم کشتی قریب آگیا تھا اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا میسر نہ آیا۔

کشتی پر سوار ہونے کے ایام میں فقیر کو ان سے کچھ عرض معروض کرنا تھا — بعد نماز ظہر خدمت اقدس میں آیا عشا تک مجلس کا سلسلہ رہا فقیر کی طرف متوجہ رہے اور بات چیت فرماتے رہے، لیکن

---

[1] مولانا خیر الدین محدث بن محمد زاہد بن حسن محمد زبیری۔ زبیر بن عبد المطلب، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں تھے۔ سورت میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی — مولانا عبد الغفور اور شیخ محمد بن عبد الرزاق حسینی اکبر آبادی سے علم حاصل کیا اور طریقہ نقشبندیہ، شیخ نور اللہ سے پھر شیخ ... اللہ سے حاصل کیا حرمین شریفین کو حج و زیارت کے لئے گئے اور شیخ محمد حیات سندھی سے علم حدیث حاصل کر کے پھر سورت کو لوٹ آئے اور پچاس سال سورت میں درس حدیث دیا شواہد التجدید، ارشاد الطالبین اور رسائل سلوک ان کے مصنفات ہیں۔ ۱۰ رجب ۱۲۰۶ھ کو وفات پائی اور سورت ہی میں دفن ہوئے — (نزہۃ الخواطر جلد ۶)

فقیر سے اس دن اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہ ہو سکا۔ جب مجلس سے اٹھا تو یہ شعر آپ نے پڑھا۔

آسمان سجدہ کنند بہر زمینے کہ درو
یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

اس شعر نے ایک عجیب تاثیر دل میں پیدا کی ۔ صبح کو پھر خدمت عالی میں گیا اور جو کچھ مجھے عرض کرنا تھا میں نے عرض کیا اور جو کچھ انھیں فرمانا تھا انھوں نے ارشاد فرمایا ۔ جو کچھ بتایا اس کی اجازت بھی عطا فرمائی اور کلاہ مبارک اپنے سر سے اتار کر فقیر کے سر پر رکھی اس وقت یہ شعر مولوی صاحب کی زبان سے سُنے :۔

نسبتِ پاکاں طلب کن در پئے ایشاں برو غرقِ دریا میشود فرعون، موسیٰ پیشواست

بحرِ صوت میسّر نگردد آزادی بہ بیں اسیرِ قفس طوطیانِ گویا را

ایک عجیب انکشاف جن دنوں فقیر وارد راہین تھا، ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ حج کو جاتے ہیں مدینہ منورہ بھی جانا اور اسکی زیارت کی سعادت بھی حاصل کرنا، اس قول سے مجھے سخت تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اس قدر سفر کرے اور بغیر حصول زیارت مدینہ منورہ ۔ گھر کو لوٹ آئے ۔ اُس دوست نے کہا کہ اس شہر میں بہت سے اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے حج تو کیا ہے لیکن بغیر مدینہ منورہ حاضر ہوئے گھر کو واپس ہو گئے ہیں ۔ میں نے ایک دن تعجب کے ساتھ اس بات کو مولوی صاحب سے ذکر کیا تو انھوں نے اس قسم کا ایک واقعہ سنایا ۔ اور ساتھ ہی ساتھ فرمایا کہ خود مکہ میں ایسے لوگ ساکن ہیں کہ وہ معمّر ہو گئے ہیں اور حج اسلام بھی نہیں کیا ہے ۔ ان کو امور معاش میں اس قدر مشغولیت ہے کہ ایام حج میں، ادائے مناسک حج کی فرصت ہی نہیں پاتے ہیں ۔

وما التوفیق الا من عند اللہ العزیز الحکیم ۔

ذاتی تجربہ اور بعد وصول مکہ معظمہ میں نے خود دیکھا کہ ایک ہندوستانی فقیر جو میری کشتی میں سوار تھا، مکہ میں آیا، حج میں ابھی ڈیڑھ ماہ باقی تھا وہ فقیر دو روز مکہ معظمہ میں رہا اور

بے صبری کرکے جدے کو لوٹ گیا ہرچند اس کو ملامت کی گئی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ـــــ اس نے کہا کہ مکہ میں نے دیکھ ہی لیا اور طواف بھی کرلیا اب میرا یہاں کیا کام رہ گیا؟ انھیں دنوں کشتیاں سورت کی طرف روانہ ہو رہی تھیں وہ ایک کشتی میں بیٹھ کر چلتا بنا۔

مولانا خیر الدین محدث سورتیؒ کے صاحبزادے

محدث سورتی کے دو صاحبزادے ہیں بڑے صاحبزادے مولوی محمد صالح ہیں جن کا عرف قاضی میاں ہے، یہ "مجمع محاسنِ اخلاص و مکارمِ شیم" اور اپنے باپ کے خلف الصدق ہیں۔ علوم وفنون کی تحصیل کی ہے اور کتب علوم دینیہ پر عبور حاصل کیا ہے۔ اس سال کہ فقیر وارد سورت ہوا ہے انھوں نے ایک کشتی بنائی ہے جس کا نام سفینۃ الرسول ہے۔ وہ اسی میں سوار ہوکر سفر حج کے لئے روانہ ہوئے ـــــ مولوی صاحب کی فرط شفقت ومحبت اور خود صاحبزادے کی محبت والفت باعث اس امر کا ہوا کہ آتے جاتے اسی سفینۃ الرسول پر سوار ہوا اور اول سے آخر تک اُن کے ساتھ ساتھ رہا صاحبزادے کے اخلاص کا مظاہرہ ہر روز زیادہ ہی ہوتا رہا۔

دوسرے صاحبزادے کا نام نظام الدین ہے۔ یہ ابھی تحصیل علوم کر رہے ہیں اور صفات حمیدہ میں اپنے بڑے بھائی کے مشابہ ہیں۔

محدث سورتیؒ کی تصنیفات

مولوی صاحب کے چند رسالے آداب طریقت، تربیت سالکان اور اذکار و اشغال میں ہیں۔

مولانا غلام محمد اور مولانا ولی اللہ سورتیؒ

مولوی ولی اللہ دراصل احمد آباد گجرات کے رہنے والے ہیں ـــــ ان کے والد مولانا مولوی غلام محمد تمام علوم میں ایک متبحر عالم اور مولانا نظام الدین لکھنوئیؒ (فرنگی محلی) کے شاگرد تھے ـــــ مولانا غلام محمد نے عارف باللہ شیخ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ سے استفادۂ علم باطن کیا تھا۔ فن قرات میں یگانۂ عصر تھے۔ انھوں نے مراد آباد میں چند روز اقامت کی ہے بالآخر برہان پور میں آکر قیام پذیر ہوگئے تھے۔ آخر ایام زندگی تک اُن کے علوم ظاہر و باطن کے فیض سے خلق کثیر مستفیض ہوئی۔ اس کمال ظاہر و باطن اور رجوع خلق کے باوجود اپنا مشغلۂ قدیم جو کہ بافندگی (کپڑا بننا) تھا ترک

نہیں کیا، اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گذر اوقات اسی پیشے سے کرتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔
مولوی ولی اللہ بعد تکمیل تحصیل علم اپنے والد ماجد کے ساتھ دو مرتبہ سفر حرمین میں گئے اور مدینہ منورہ میں شیخ ابوالحسن سے حدیث کی سند لی اور سورت میں آکر پائے ہمت کو دامن قناعت میں لپیٹ کر یہیں کی سکونت اختیار کرلی، افادۂ طلبا علم میں مشغول رہتے ہیں اور استقامت و توکل کے ساتھ موصوف ہیں۔[1]

ایک عجیب واقعہ مولوی ولی اللہ سے میں نے یہ واقعہ سنا کہ پٹن گجرات میں ایک شخص تھا محمد واسع نام۔ وہ صالح اور کامل انسان تھا۔ صنعت پارچہ بافی اس کا پیشہ تھا اور اسی سے اپنی گذر اوقات کرتا تھا اس شخص کی عادت تھی کہ جب آوازِ اذان کان میں آتی تو فوراً کام چھوڑ دیتا تھا اور مسجد کی طرف چلا جاتا تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اپنے کام میں مشغول تھا اور صرف ایک تار نلی میں باقی رہ گیا تھا کہ آوازِ اذان کان میں آئی۔ اس نے سوچا کہ ایک تار کو معطل نہ چھوڑوں چنانچہ اس کو نمٹا کر پھر کھڑا ہوا جب مسجد میں آیا اور وضو کے لئے پانی حاصل کرنے کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو ڈول بجائے پانی کے زرِ سرخ سے بھرا ہوا نکلا۔ اس نے سمجھا کہ یہ میرے اوپر عتاب ہوا ہے یعنی میں نے طلب دنیا میں نماز کی طرف چھٹنے میں تاخیر کردی اس لئے مجھے دنیا دی جا رہی ہے، فوراً استغفار کیا اور درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے یہی بافندگی بہت ہے میں اور کچھ نہیں چاہتا آئندہ نماز میں تاخیر نہ کروں گا اس کے بعد ڈول کنوئیں میں ڈالا تو حسب معمول پانی سے بھرا ہوا برآمد ہوا۔

شیخ علی متقیؒ کی احتیاط (مولانا) مولوی ولی اللہ نے یہ بھی سنایا کہ شیخ علی متقیؒ باب لقمہ میں احتیاط بلیغ کرتے تھے اور اپنی کمائی کا نانِ خشک کھاتے تھے۔ اتفاقاً ان کا گذر گجرات میں ہوا اور شیخ وجیہہ الدین گجراتی سے جو کہ خود متقی علماء میں سے تھے۔ ملاقات کے لئے گئے۔ شیخ وجیہہ الدین اس وقت کھچڑی تناول فرما رہے تھے۔ انھوں نے شیخ علی متقی کو کھانے پر بلایا، شیخ علی متقی سے ایک قسم کا انکار ظاہر ہوا اس پر شیخ وجیہہ الدین نے

---

[1] مولانا ولی اللہ سورتیؒ نے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۶)

فرمایا کہ "وجیہہ الدین کی کھچڑی تمھاری خشک روٹی سے (کسی طرح) کم نہیں ہوگی" یہ سن کر شیخ علی متقیؒ نے کھچڑی کھانی شروع کر دی اور اس کھانے کی برکت سے اپنے باطن میں پہلے سے زیادہ نورانیت پائی ۔ جب ایک مقدار کھا چکے تو شیخ وجیہہ الدین نے از راہ خوش مزاجی فرمایا" جناب بس کیجئے اسی قدر کھچڑی کھانا کافی ہے"۔

شیخ محمد طاہرؒ کی خدمت میں اکبر بادشاہ کی ایک حاضری (مولانا) مولوی ولی اللہ نے ایک واقعہ یہ بھی سنایا کہ جب اکبر بادشاہ نے گجرات کو فتح کیا اور پٹن میں شیخ محمد طاہرؒ سے ۔ جو کہ علوم ظاہر و باطن میں اکابر عہد سے تھے اور شیخ علی متقیؒ سے مرید تھے اور مجمع البحار وغیرہ کتابوں کے مصنف تھے ۔ ملاقات کے لئے آیا اور ان سے کہا کہ کوئی خدمت ہو تو فرمائیے شیخ محمد طاہرؒ نے فرمایا کہ میری آرزو صرف یہ ہے کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی تمھارے پاس یا تمھارے فرزندوں میں سے کسی کے پاس آئے تو اس کو دربار میں جگہ نہ دی جائے بلکہ نکال باہر کیا جائے ۔ پھر تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا کہ میرے اس کہنے سے کوئی فائدہ نہیں وہ دربار میں جائیں گے اور تم جگہ دو گے ۔ آخر ان کے پوتوں میں سے ایک شخص اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس آئے اور شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے اور جاہ عظیم پایا[1]۔

شیخ محمد سمانؒ مولانا مولوی ولی اللہ نے ان خصوصیات کو بھی بیان کیا جو شیخ محمد سمان مدنیؒ سے ان کو تھیں ۔ شیخ محمد سمان مذکور قادری تھے ۔ مدینہ منورہ میں مسند افاضہ و افادہ پر فائز رہ کر طالبین کو فائدہ پہونچاتے تھے ۔ ایک مدت تک سالکان طریقت ان کی طرف کوچ کر کے جاتے تھے ، چند سال ہوئے کہ وہ انتقال کر گئے ہیں رحمۃ اللہ علیہ وعلی سائر عباد اللہ الصالحین ۔

بوہرہ قوم بوہرہ ایک قوم ہے بڑی تعداد میں ۔ ان کی اصل صوبہ گجرات ہے ۔

---

[1] دراصل ان سے پہلے ان کے والد یا جد قاضی عبدالوہاب ، عالمگیرؒ کی خدمت میں باریاب ہو کر مفتی عسکر پھر صدر قاضی ہوئے دیکھو ایام تاریخ گجرات مولفہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی مرحوم

یہ سب کے سب تاجر اور اہل حرفہ ہیں۔ ان کا لقب بوہرہ غالباً اسی تجارت کے مشغلے کی وجہ سے پڑا ہے اس لئے کہ ہندی میں بیوہار تجارت کو کہتے ہیں۔۔۔ بوہروں کے دو فرقے ہیں ایک شیعہ اسماعیلیہ (ان کے عقائد وغیرہ تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کو بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے، فریدی) یہ فرقہ جماعت خورد کہلاتا ہے۔ اجین، سرونج وغیرہ میں یہ لوگ آباد ہیں۔

دوسرا اہل سنت وجماعت ہیں اس جماعت کو جماعت کلاں کہتے ہیں اور یہ لوگ پٹن گجرات اور احمد آباد میں ساکن ہیں اور ان میں کی جماعت کثیر بندرگاہ سورت، جارہ اور حرمین شریفین میں تجارت وصنعت وحرفت میں مشغول ہے۔۔۔ یہ لوگ فضائل دینیہ سے متصف ہیں اور ان کی رسوم وعادات بہ سبب ان اکابر علماء کی تاکید کے جو اس قوم میں گزرے ہیں، موافق سنت ہیں۔۔۔ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ مذکور، سنی بوہروں میں سے تھے۔ سابق زمانے میں دونوں قسم کے بوہرے آپس میں خلط ملط تھے اور کوئی امتیازی خط درمیان میں نہیں تھا۔ شیخ محمد طاہرؒ نے پٹن میں اور سید محمد جعفرؒ نے (جو کہ عالم و بزرگ تھے) احمد آباد میں باشارۂ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں فرقوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ اور اس سلسلے میں بڑی جدوجہد کی، یہاں تک کہ دونوں فرقے ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئے۔

بزبان مولوی ولی اللہ اس قوم کی عجیب عجیب حکایتیں سنی تھیں اور ان کی تصدیق محمد بن جمال الدین سے ہوئی جو اسی قوم کے ہیں اور سفر سمندر میں شریک کشتی بھی تھے۔۔۔ ان حکایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ محمد طاہرؒ کے وقت میں پٹن میں ایک درویش وارد ہوا، وہاں کے ساکنین میں سے کسی نے اسکے ساتھ کچھ بدسلوکی کی، اس درویش نے بددعا کی اور کہا خداوندا اس قوم کی روزی سفر میں مقدر کرنا۔ جب یہ خبر شیخ محمد طاہرؒ کو پہونچی اور انھوں نے جان لیا کہ دعائے درویش محل قبولیت تک پہونچ گئی ہوگی تو انھوں نے دعا کی، خداوندا اس قوم کی روزی سفر حرمین میں مقدر کرنا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، اس قوم میں یہ رواج ہے کہ تولد پسر کے بعد سے جس طرح دوسری قوم کے والدین تقریب ختنہ اور تقریب نکاح کی فکر میں رہتے ہیں یہ لوگ بچے کو حرمین شریفین پہونچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ بچہ بارہ تیرہ برس کا ہوا اور انھوں نے اسے پٹن سے مکہ معظمہ بھیجا۔۔۔ ہر سال ان کے چند بچے

حرمین جاتے ہیں اور وہاں پہونچ کر قوم کے بڑے آدمیوں میں سے کسی ایک کے پاس خواہ وہ اقربا میں سے ہو یا اجنبی ہو ـــــ بطور خدمت گزاری رہتے ہیں اور خدمتگاروں کی طرح اسکی خدمت بجالاتے ہیں ـــ اس زمانۂ خدمت گزاری میں زبان عربی اور تجارت کے معاملات سے واقف ہوجاتے ہیں۔ پھر اگر اس خادم بچے کا باپ غریب ہے، تو بچے میں آثار رُشد معائنہ کرنے کے بعد وہ مخدوم رئیس اپنے مال میں سے ایک رقم اس کو بطور قرض دیتا ہے تاکہ وہ اس کو راس المال قرار دے کر خود تجارت کرے۔ وہ جتنے سال میں قرض کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے ادا کر دیتا ہے اور اپنے منافع کو راس المال بنا لیتا ہے ـ اور اگر بچے کا باپ مالدار ہو تو وہ حسب استطاعت کچھ مال زر ہمراہ پسر بھیجتا ہے اور وہ روپیہ مخدوم کے حوالے رہتا ہے اس کے منافع میں سے پانچ مخدوم کو حق التعلیم کے طور پر ملتا ہے باقی بچے کا ہوتا ہے۔ خدمت مخدوم میں دوسرے بچوں کی طرح یہ مالدار کا لڑکا بھی مشغول رہتا ہے بعد ازاں دس سال، بیس سال یا تیس سال کے اندر جب بھی یہ بچے سرمایہ بہم پہونچا لیتے ہیں گھر واپس آتے ہیں اور شادی کرتے ہیں پھر اگر چاہیں تو ہندوستان میں دوکان کریں، اور چاہیں تو عربستان جائیں وہاں تجارت کریں ـــــ اسی وجہ سے اس قوم میں کوئی بھی ایسا نہیں الا من شاء اللہ ـــ کہ اس نے مکرر حج نہ کیا ہو اور زبان عربی نہ جانتا ہو (اسکے بعد بوہروں کی دعوت طعام کا ذکر کیا ہے جو ہفتے میں یا عشرے میں ایک مرتبہ یکجائی ہوتی ہے اور سال بھر میں اس کا حساب ہوجاتا ہے۔ فریدی)۔

مولانا سید عبداللہ تجرّدؔ سورت میں ایک عالم متقی سید عبداللہ ہیں ان کا اصل وطن لاہور ہے انھوں نے برہان پور میں مولوی غلام محمد صاحب مذکور سے تحصیل و تکمیل کی ہے۔ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد کچھ اوپر تیس سال سے سورت میں بطریق توکل مقیم اور افاضۂ علوم دینیہ میں مشغول ہیں۔ چند سال سے نابینا ہوگئے ہیں لیکن چونکہ تمام فنون میں متبحر عالم ہیں اس لئے اب بھی درس میں خلل نہیں آیا ہے۔ فن فارسی میں بہت قدرت رکھتے ہیں خود بھی عربی وفارسی زبان میں فکر سخن کرتے ہیں ـــ تجرّد تخلص ہے ـ چند شعر دوسرے شعرا کے آپ کی زبان سے سُنے تھے (ان میں سے دو شعر یہ ہیں)

جاں بلب از ضعف نتواند رسید ما بزور ناتوانی زندہ ایم

۵ عقیق و لعل دگر، اشکِ لعل گوں دِگر است
دِگر دِگر بود اے دِلستان، جگر جگر است

مندرجۂ ذیل دو شعر آپ کے نتائج فکر سے ہیں۔

از زُد سیم، تجرّد مطلب جمعیت گل شد آشفتہ از اں رو کہ زر پیدا کرد

جو تجھ میں لطف ہے سو مَلَک کو خبر نہیں خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

سورت سے جانے کے بعد میں مولوی صاحب (سید عبداللہ تجرّد) کی خدمت میں پہونچا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا اور ان کے فوائدِ صحبت سے مستفیض ہوا۔ فقیر کی مفارقت پر بہت کچھ اظہار ملال فرمایا۔

سورت میں مزارات و مقابر سورت میں سادات عیدروس کے مقابر ہیں ان حضرات کی اصل عدن یمن ہے ان کے اجداد میں اکابر اولیاء گزرے ہیں جن کے فضائل مشہور و معروف ہیں۔ ان کو سادات باعلوی[۵] بھی کہتے ہیں ابو علی کی طرف منسوب کر کے ـــــ عیدروسیوں کے طریقے کا خلاصہ احیاء العلوم (غزالیؒ) پر عمل کرنا ہے اور اس کو بطور وظیفہ پڑھنا ـــــ یہ لوگ عدن سے احمد آباد گجرات آئے ہیں وہاں سے سورت، سورت میں اس خاندان کی تعظیم و توقیر تمام عوام و خواص کرتے ہیں۔ اس وقت سید محمد بن سید عبداللہ بن سید زین العابدین ـــــ حسنِ اخلاق میں یادگارِ اسلاف ہیں۔

مزار خواجہ محمد دہدارؒ خواجہ محمد[۶] دہدارؒ، خواجہ دیوانہ کے معاصر تھے ۱۰۲۲ھ میں وفات ہوئی۔ خورد و بُرد (۱۰۲۲) تاریخ وفات ہے۔ نفحات الانس مولفۂ مولانا جامیؒ

---

۵ دراصل باعلوی علوی کی طرف نسبتہ ہے۔ جیسا کہ بانقیہ محمد نقیہ کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے۔ سادات باعلوی حسینی جعفری ہیں۔

۶ مولانا عبدالرحمن جامیؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ تان سین زمیندار کا مرتبہ ان ہی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ (یادایام تاریخ گجرات مولفۂ حکیم سید عبدالحیؒ)

پر آپ کا حاشیہ ہے جو بہت سے حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔ فقیر نے اس حاشیے کا مکہ معظمہ میں مطالعہ کیا ہے ۔۔۔ (مولانا) مولوی خیرالدین صاحب (محدث) فرماتے تھے کہ ان بزرگ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ جب مجھے قبر میں رکھیں تو موئے مقدس کو میری آنکھ میں رکھ دیں، چنانچہ وہ موئے مبارک ان کی آنکھ میں رکھ دیا گیا ۔۔۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ ان بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے جاؤ، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا ایک جز (موئے مبارک) دفن ہے۔" جب احقر اُن کی قبر پر گیا تو انشراح قلب ہوا اور وہ حضوری جو ثمرۂ صحبت اہل اللہ ہے محسوس کی ۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

نانديڑ میں قبر معلّم حسن

ناندیڑ (راندیر) میں بیرون شہر معلّم حسن کی قبر ہے وہ معلّم نتاسی کے نام سے مشہور ہیں، درحقیقت یہ نیاس (چاہ آب جہاز) کی تصحیف (بگاڑ) ہے۔ یہ بزرگ کاملین میں سے تھے ان کا واقعہ جیسا کہ ثقات سے ورثہ ناندیڑ سے سنا گیا ہے یہ ہے ۔۔۔ واللہ اعلم بصحتها ۔۔۔ کہ یہ ایک جہاز میں تھے کہ اتفاقاً نیاس میں پانی ختم ہو گیا لوگوں نے ان سے اس کا ذکر کیا انھوں نے فرمایا کہ سمندر کا کھاری پانی نیاس میں بھر کر اس کو مقفل کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا صبح کو معلّم حسن کو فرش خواب پر مردہ پایا گیا۔ لوگوں کو فقدان آب نے تو سراسیمہ کر ہی دیا تھا موت معلّم اسکے اوپر اور طرہ ہو گئی، ناگاہ معلّم حسن کے سرہانے سے ایک رقعہ اُن کے قلم کا لکھا ہوا بایں مضمون پایا گیا۔ میری اجل موعود قریب پہونچ گئی ہے تم لوگ نیاس سے پانی حاصل کرو اور مجھ کو صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دینا اور صندوق کے پیچھے پیچھے جہاز چلانا جہاں صندوق پانی میں ڈوبے وہیں لنگر کر لینا ۔۔۔ ادھر نیاس کو کھولا تو اس میں میٹھا پانی پایا۔ معلّم حسن کو بعد تجہیز و تکفین و نماز، صندوق میں رکھ کر پانی میں ڈال دیا ۔۔۔ رات کو ایک فانوس صندوق پر رکھتے تھے اور اسکی روشنی میں چلتے تھے بعد چند دن کے صندوق پانی میں نیچے کو چلا گیا۔ اس جگہ لنگر کیا گیا جب دیکھا تو وہ جگہ بارہ ناندیڑ ۔۔۔ تھی ۔۔۔ جہاز سے چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر ناندیڑ آئے۔ ناندیڑ پہونچنے سے پہلے صندوق گھاٹ کنارے پر ظاہر ہو گیا تھا وہاں سے نکال کر معلّم حسن کو دفن کیا گیا۔۔۔

ہیں ان کی زیارت سے بھی گیا ان کی قبر کی لوح پر یہ مرقوم تھا، "توفی فی سنۃ احد وعشرین وسبعمأۃ" (۷۲۱ھ)

سورت کے کچھ اور حالات

سمندر، سورت سے بارہ کوس ہے اور اس جگہ کو بارہ کہتے ہیں دریائے تاپتی برہان پور کے متصل پہاڑوں سے نکلا ہے، اور سورت کے نیچے سے ہوتا ہوا سمندر میں گر جاتا ہے ـــ بڑے بڑے جہاز بارہ پر رہتے ہیں سورت تک نہیں آسکتے مگر موسم برسات میں جب کہ امواج سمندر طوفان خیز ہو جاتی ہیں، اور شدت تلاطم سے لنگر ٹوٹ جاتے ہیں ـــ جہازوں کو تاپتی کے اندر داخل کر کے متصل شہر لاتے ہیں تاکہ صدمات امواج سے محفوظ رہیں ـــ ایک دو سفر کے بعد جب کہ جہازوں کے بیرونی حصے پر رنگ و روغن کرنا ہوتا ہے تو اس وقت بھی جہازوں کو نزدیک شہر لاکر خشکی پر لاتے ہیں۔ نئے جہاز بھی تاپتی کے کنارے تیار ہوتے ہیں جب تیار ہو جاتے ہیں تو مد آب کے وقت دریائے تاپتی میں ڈال دیتے ہیں ـــ یہ جہازوں کا دریا سے خشکی میں اور خشکی سے دریا میں لانا ایسا عجیب پر صنعت کام ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ـــ ان ایام میں جب کہ فقیر سورت میں وارد ہوا ہے دو نئے جہاز تیار ہوئے ہیں، ان کا سمندر میں پہونچانا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عجائب قدرت حق کا معائنہ کیا۔

(دریا کے ذریعے) سورت میں رات دن میں دو بار سمندر کا مد آتا ہے اور بالائے شہر تک پہونچتا ہے۔ اور دریا کا پانی میٹھا رہتا ہے ـــ مگر موسم گرما میں دو ماہ جب کہ آب تاپتی کم ہوتا ہے اور آب شور کا غلبہ ہو جاتا ہے ـــ اس زمانے میں لامحالہ آب شور ہی شہر تک پہونچتا ہے دو ماہ تک دریا کا پانی کھاری ہوتا ہے مردم شہر ان دنوں آب دریا کا پینا موقوف کر دیتے ہیں اور میٹھے کنوؤں کا پانی (جو کہ بیرون شہر ہیں) استعمال کرتے ہیں ـــ بلکہ زیادہ تر آب باراں کا استعمال کرتے ہیں ـــ بڑی بڑی مسجدوں میں اور اغنیاء کے گھروں میں زیر زمین سر پوش حوضیں ہوتی ہیں اور اس کو "ٹانکہ" کہتے ہیں ـــ آب باراں، موسم برسات میں چھپروں سے (نلوں کے ذریعے) ان برکوں (حوضوں) میں جمع ہو جاتا ہے اور اہل شہر کو تمام سال کفایت کرتا ہے ـــ مگر بعض برکے دوسری برسات آنے سے پہلے ہی خالی ہو جاتے ہیں۔

مساجد میں اور گھروں میں ٹانکہ بنانے کی یہ رسم تمام صوبہ گجرات کے امصار و بلاد میں رائج ہے۔

سورت کی عمارتیں شہر سورت کی عمارات (زیادہ تر) چار منزلی ہوتی ہیں اور بود و باش اکثر بالائی طبقات میں ہوتی ہے نیچے کے طبقے میں سامان رکھتے ہیں۔ بالاخانے بہت ہی خوشنما اور پُر زینت بناتے ہیں۔ عمارتوں کا دارو مدار چوب ساج پر ہے جس کو ساگون کہتے ہیں۔ چھوٹی بڑی کشتیاں بھی چوب ساج ہی سے بنائی جاتی ہیں۔ اس لکڑی میں یہ خاصیت ہے کہ پانی اور دیمک کے ضرر سے محفوظ رہتی ہے۔

فن جہاز رانی فقیر نے اس فن کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اس فن کے جزئیات اس سفر میں شیخ محمود معلم سے سیکھے اور شیخ محمود نے علم حساب مجھ سے سیکھا ہے۔ درحقیقت علم جہاز رانی متممات نعم الٰہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں تسخیر بحر اور جریان کشتی کا احسان بندوں پر ظاہر فرمایا ہے۔ اگر وہ اس علم کا الہام نہ فرماتا تو لوگوں کو سفر سمندر ممکن نہ تھا۔ فرماتا ہے:۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1]۔ الآیہ۔ نیز فرماتا ہے:۔ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ[2]۔ الآیہ۔ اس علم کی بنا محض اس ظن و تخمین پر ہے جو کثرت تجربہ سے مرتبۂ یقین پہونچ گیا ہو۔ ہرچند کہ بادی النظر میں یہ علم مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر کوئی شخص چند بار سفر سمندر کرے اور فن ہیئت و حساب سے واقف ہو تو اس علم کو بخوبی جان سکتا ہے۔ اس کی مثال فقیر کے زعم میں بارہا خشکی میں سامنے آتی ہے کہ ایک ریگستانی زمین ہے یا لق و دق جنگل درپیش ہے اور نشان راہ کچھ نہیں ہے نہ کوئی جادہ ہے۔ مسافر اس جگہ حیران و سراسیمہ ہو جاتا ہے ناگاہ ایک تجربہ کار آدمی جو بارہا اس راستے سے گزر چکا ہے، پہونچتا ہے اور بلا تامل سیدھا ایک طرف کو چلتا ہے اور

---

[1] اللہ وہ ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ اُن کے ذریعے ظلمات بر و بحر میں راستہ پاؤ۔

[2] اور اللہ کی نشانیوں میں کشتیاں بھی ہیں، سمندر میں پہاڑوں کی طرح۔

منزلِ مقصود پر پہونچا دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرنگیوں کی فن جہاز رانی میں مہارت

(اس زمانے میں) جہاز رانی درحقیقت فرنگیوں کا کام ہے۔ ہوا کتنی ہی تیز چلے وہ بادبانوں کو کھول دیتے ہیں اور جہازوں کو تیز چلاتے ہیں۔ وہ بالکل اس چابک سوار کی مانند ہیں جو سرکش گھوڑے پر بے خوف وخطر سوار ہو جاتا ہے۔ ان فرنگیوں کی اس بارے میں جو حکایتیں سُنی جاتی ہیں اُن سے تعجب ہوتا ہے اور مبالغے پر محمول کی جاتی ہیں۔ ایک ہمارے ہندوستان کے ملاح ہیں کہ وہ علم جہاز رانی میں کیسے ہی بے بدل ہوں لیکن تیز ہوا چلنے پر ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور بادبانوں کو کم کر دیتے ہیں۔

سورت سے روانگی

۹ جمادی الثانیہ بروز پنجشنبہ ـــــ سورت سے نکل کر سفینۃ الرسول نامی کشتی پر سوار ہوئے ـــــ ۱۲ کو لنگر اٹھایا گیا ـــــ ۱۶ کو لنگر گاہ سے نکلے ـــــ ہماری کشتی دوسری کشتیوں کے مقابلے میں چھوٹی تھی اس میں ۱۶۲ آدمی سوار تھے ـــــ مولوی صاحب (مولانا خیر الدین محدث) فرماتے تھے کہ دوسرے سفر حج میں بوقت مراجعت ہم جس کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ اتنی بڑی تھی کہ اس میں گیارہ سو آدمی، چالیس گھوڑے سوار تھے اور ایک لاکھ من بوجھ لدا ہوا تھا۔

مچھلیاں

بعد چند روز کے ایک آبنوس مچھلی شکار کی گئی اس کا نیلام ہوا ـــــ آبنوس رہو کلاں کی مانند ہوتی ہے خوش رنگ اور خوش ذائقہ ـــــ مچھلیوں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک مچھلی سقوطرہ کے قریب نظر آئی جو قامت وجثہ میں گائے کے بچے کے برابر تھی۔ بڑے بڑے جسم والی مچھلیوں کے قصے سُنا کرتا تھا وہ مچھلیاں مجھے نظر نہ آئیں تو معلم سے دریافت کیا انھوں نے کہا کہ اس سمندر میں بڑی مچھلیاں کم نظر آتی ہیں، دریائے چین میں ساٹھ ساٹھ ستر ستر ہاتھ کی مچھلیاں ہوتی ہیں ـــــ ایک ساتھی نے جو ہماری کشتی میں تھا اور اس نے بہت سے سمندری سفر کئے تھے مجھ سے کہا کہ میں نے ہاتھی کے جسم کے برابر مچھلیاں اس سمندر میں دیکھی ہیں۔

سقوطرہ

۱۰ رجب ـــــ دوشنبہ ـــــ جزیرہ سقوطرہ نمودار ہوا ـــــ سقوطرہ میں آبادی ہے، جب اہل کشتی کو پانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے وہاں جا کر آب شیریں لے لیتے ہیں

اور کبھی اہلِ سقوطرہ بھی کشتی پر سوار ہو کر مرکب کے قریب پانی لے کر آجاتے ہیں۔

۱۱ رجب کو جزیرہ ہائے شامی صبح کے وقت ظاہر ہوئے۔

۱۳ رجب کو دو بڑی پہاڑیاں ابوالجوزا نام کی نمایاں ہوئیں۔

ان ایام میں چند روز ہوا کم چلی اس لئے بیشتر اوقات کشتی کھڑی رہی لوگ اس سال کو دیکھ کر اور قلت آب کی وجہ سے بیتاب و مضطرب رہے۔ ایک روپے کے آٹھ آبخورے پانی خریدتے تھے۔ اس وقت فقیر کے دل میں گزرا کہ محتکر طعام[1] کے لئے تو وعید آئی ہے۔ محتکرِ آب کا حال خدا جانے کیا ہوگا؟

۱۴ رجب کو باد مراد چلی ــــ ۱۵ کو ہوا پھر ساکن ہوگئی اور یک روزہ راہ پانچ دن میں طے ہوئی ــــ ۱۹ رجب کو سہ پہر کے وقت برابر جبل کاکی پہونچ کر متوجہ عدن ہوئے۔ عدن، کاکی سے قریب ہے، لیکن سستی ہوا کی وجہ سے تھوڑی سی مسافت چار روز میں قطع ہوئی ــــ (بالآخر) ۲۲ رجب بروز شنبہ دوپہر کو کوہ عدن نمودار ہوا۔

عدن عدن بلادِ یمن میں مشہور شہر ہے اور سادات عیدروس کی اصل جگہ ہے اور ان کے قدیم مشائخ کے مزارات یہیں ہیں ــــ بوقت شب مخا کی طرف متوجہ ہوئے جو عدن سے ایک سو بیس کوس ہے ــــ چونکہ ہوا موافق تھی اس لئے ۲۴ رجب کو دوپہر کے وقت باب المندب پہونچے۔ یہ ایک پہاڑی ہے اندرون سمندر ــــ یہاں سے مخا چھبیس کوس ہے ــــ باب المندب کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی سلسلہ ساحل یمن سے متعلق ہے اس کو باب صغیر کہتے ہیں اور سمت جنوب میں دور تک ساحل حبش ہے اس کو باب کبیر کہتے ہیں۔ عوام دونوں کو باب سکندر کہتے ہیں حالانکہ یہ شہرت غلط ہے باب سکندر نواحی روم میں ہے۔ چونکہ اس مقام میں پانی کی گہرائی کم ہے اور پانی کے نیچے پتھر ہیں جن سے کشتی کو مستقل خطرہ رہتا ہے اس لئے معلم اس جگہ سے گذرتے وقت بہت احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور خیال رکھتے ہیں کہ مقررہ گذرگاہ سے کشتی دائیں بائیں کو تھوڑی سی منحرف نہ ہونے پائے ــــ اللہ کا شکر ہے کہ باب صغیر سے سلامتی

---

[1] ذخیرہ اندوز۔

کے ساتھ گزر گئے اور شام کے وقت مخا سے بارہ کوس کے فاصلے پر لنگر کیا۔ صبح کو روانہ ہوکر وقت شام بندرگاہ مخا پر کشتی نے لنگر کیا۔ مخا سے جدہ چھ سو کوس ہے کل مسافت سورت سے جدہ تک دو ہزار چار سو کوس ہے۔

ملاحوں کے کرتب عجائب سفر سمندر میں سے ملاحوں کا حال بھی ہے کہ وہ اصطلاح کا کام انجام دیتے ہیں کہ ایک نٹ بھی اس طرح انجام نہ دے سکے۔ جس وقت بھی معلوم ہوتا ہے اگرچہ شب تاریک ہو، رسیوں کے ذریعے بالائے چوب کشتی۔ جس کا ارتفاع بہت ہے۔ چڑھ جاتے ہیں۔ وہ کبھی بادبان کھولتے ہیں کبھی طے کرتے ہیں۔ اور بہت سے کام پھرتیلے پن سے اس طرح کرتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر کام میں خصوصاً لنگر کے اٹھاتے وقت اپنے محاورے اور لہجے میں کچھ الفاظ بولتے ہیں جو زیادہ تر عربی فقرے ہوتے ہیں۔ نعت و درود پر مشتمل ــــ ہرچند وہ کلمات ان کی زبان پر تصحیف پاگئے ہیں اور ان میں سے اکثر مہمل ہو گئے ہیں، لیکن نعت سے متعلق ہوتے ہیں اور لہجہ ایسا ہوتا ہے کہ دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔

بحری سفر کے مصائب محنت و تعب اگرچہ سفر خشکی میں بھی کم نہیں ہے لیکن یہ سفر خشکی بار بار ہوتا ہے اس لئے اسکی مشقت برداشت ہو جاتی ہے۔ سفر دریا میں تنگیٔ جا۔ جوع و عطش کی تکالیف اور خوف غرق یہ سب کچھ ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں ناز و نعمت میں پلے ہوئے لوگوں کو ــــ جو کہ قوت شکیبائی نہیں رکھتے اور گھبراہٹ جن کی طبیعت پر غالب ہے۔ تنگدل کر دیتی ہیں ــــ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ باتیں ہر بار اور ہر شخص پر گذریں۔ علاوہ ازیں ایک شخص ایسا ہے کہ اس پر جو کچھ گذرتا ہے اس کو مطابق واقعہ بیان کر دیتا ہے دوسرا شخص مبالغے کے ساتھ اصل واقعہ پر اضافے کر کے بیان کرتا ہے۔ سب سے بڑی مشقت سفر بحری میں یہ ہے کہ کشتی کی روانی ہوا پر موقوف ہے اور ہوا پر سوائے خدا کے کسی کو اختیار نہیں ہے۔

سہ قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد وگر ناخدا جامہ برتن درد

اس موقع پر آدمی کو اپنی عاجزی و بیچارگی اور قدرتِ قادرِ حقیقی جلّ جلالہٗ واضح

ہو جاتی ہے۔ اور یقین سے جان لیتا ہے کہ فاعل و مؤثر حقیقی بجز خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں کئی جگہ تسخیر کشتی کا بندوں پر احسان جتایا ہے فرماتا ہے ـــ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ[1] ـــــــــــ (بنی اسرائیل)

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بہ قصد زیارت حرمین شریفین جو مصیبت بھی جھیلی جائے گی، موجب اجر عظیم ہوگی ـــــ مولوی صاحب (مولانا خیر الدین سورتی) فرماتے تھے کہ ہرچند اس سفر میں مصیبت ہو لیکن اس مصرع کا مضمون اس راہ پر صادق ہے۔

ع: یک قدم بر نفس خود نہ یک قدم در کوئے دوست

حدیث شریف میں آیا ہے حُفَّتِ الجنۃ بالمکارہ ـــ (جنت خلاف طبیعت امور اور مشقتوں سے ڈھانپ دی گئی ہو ـــ فقیر کے نزدیک دو قسم کے آدمی لذت سفر حرمین پاتے ہیں۔ بشرطیکہ جاذبۂ شوق نے سفر پر آمادہ کیا ہو۔

(۱) صاحب استطاعت جو کہ بقدر ضرورت سامان رکھتا ہو۔

(۲) فقیر صابر جو کہ ہر حال میں تقدیر ازلی پر نظر رکھتا ہو، اور جب کھانے پینے کو نہ ہو تو صبر اس کو اپنی جگہ پر قائم رکھے ـــــــــ اور جو شخص کہ ان دو حال سے خالی ہو اور اس کو محض گردش آب و دانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہی ہو یا اسکی نیت میں ریا و سمعہ (دکھاوے، سناوے) کا شائبہ ہو تو دیکھا گیا ہے کہ ایسے شخص سے سختی کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی ظاہر ہو جاتی ہے اور ایک طاعت کا ارادہ اس کے لئے بہت سی معاصی کا باعث بن جاتا ہے ـــ اعاذنا اللہ تعالیٰ مما لا یرضاہ۔

---

[1] تمہارا پروردگار وہ ہے جو رواں کرتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو تاکہ تم سمندر میں طلب معیشت کرو اس کے فضل سے۔ بیشک وہ تم پر مہربان ہے اور جب تم کو سمندر میں سختی پہونچتی ہے تو جن کو تم پہلے پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا۔ یعنی ایسے وقت میں تم سوائے خدا تمام معبودان باطل کو بھول جاتے ہو۔

اس سفر میں اپنا حال

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی محمد رسول اللہ وآلہٖ واصحابہ ــــــ یہ فقیر اس سفر میں انواع نعمت واحسانِ حضرت باری سے مالامال ہے ــ مجھے کچھ بھی مصیبت نہیں پہونچی ــ تمام اوقات واحوال میں عافیت ورفاہیت کے ساتھ رہا اور راحت سے وقت گذرا مگر ایک دن جب کہ کشتی ستوطرہ سے گزر رہی تھی تشنگی کی تکلیف محسوس ہوئی ۔ نماز ظہر میں تھا کہ حالِ امام المسلمین حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو کربلا میں ہوا تھا یاد آیا، فوراً میرے دل کو تسلّی ہوئی اور پیاس سے تسکین پائی ۔ پھر اس کیفیت نے کبھی عود نہیں کیا ۔

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

جس وقت امتدادِ مدت کا اندیشہ اور خوفِ فوتِ موسمِ حج آتشِ شوق کو تیز تر کرتا ہے تو سوائے تفویض ورضا کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا ۔ یہ شعر ہمارے کس قدر مناسبِ حال ہے ۔

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم
کہ نو پروازم و شاخے بلندے آشیاں دارم

ہم اس کے حکم پر راضی رہیں اسی میں ہماری راحت ہے ۔ جو اس کی عادت ڈال لے گا اس کا دل راحت میں رہے گا اور جو شخص راضی برضا نہ ہوگا وہ وردِ قضا سے رنجیدہ ہوگا ۔

رُباعی

اے در خم چوگانِ قضا ہمچو گو ۔۔۔ چپ بخور و راست برو ہیچ مگو
آنکس کہ ترا فگندہ اندر تگ و پو ۔۔۔ او داند و او داند و او داند و او

جذبۂ رضا و تسلیم، طریقت میں اصلِ قوی ہے جس کسی کو یہ دولت عطا کر دیں جان لو کہ اسے دو جہان کی راحت و خوشی عطا کر دی ــــ جو اندوہ و غم جہاں میں کسی کو پہونچتا ہے (یعنی غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے) سمجھو کہ رضا و تسلیم کے نہونے کی وجہ سے ہے ۔

رفیق ناموافق

اس سفر کی اذیتوں میں سے ایک رفیق ناموافق بھی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فقیر کو اس مسافرت میں یاران و مصاحبان موافق کی

مصاحبت میسر ہوئی ——

اصل بات یہ ہے کہ دنیاوی اسفار میں تو منافع دنیوی کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہیں کسی کی زیادتی دیکھتے ہیں تو اس پر صبر کرتے ہیں لیکن اس سفر میں چونکہ یہ توقعات (منافع دنیوی) نہیں ہوتیں اس لئے ساتھی کی ذراسی تقصیر سے جو اس سے واقع ہو جائے بلکہ بغیر تقصیر ہی کے — کسی خارجی اذیت سے متاثر ہوکر شکایت سے آگے بڑھ کر قطع تعلق تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نااتفاقی اور بداخلاقی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

کتب اخلاق میں لکھا ہے کہ حسن اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ بدی کرے تو اس کا نیکی سے بدلہ دے۔ اگر یہ نہیں کرسکتا تو تحمل و بردباری کو اپنا شعار بنائے کبھی ایسا نہ کرے کہ منھ در منھ ملامت کے لئے زبان کھولے یا پیٹھ پیچھے شکایت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ —— ایک حکیم سے دریافت کیا گیا کہ کسی شخص کو کس طرح جانا جا سکتا ہے کہ وہ بدخلق ہے اس نے کہا کہ جب وہ ایسے شخص کی شکایت کرے جس نے اس کے ساتھ برائی کی ہو ——

۵ زخوش معاملگی شمع دود مان خودم رسد بغیر ز من سود و در زیان خودم

(حکیم)

کچھ لوگ کشتی سے اُتر گئے

ایک سو سے زیادہ آدمی مخا و حدیدہ میں قلت آب سے تنگ آکر اُتر گئے اور کم و بیش ایک سو آدمی مع کارکنان کشتی باقی رہے ——

مُخا

۲۶ رجب کو بہ زیارت مُخا کے لئے گئے —— اور وکالۃ المدینہ نامی رباط میں اُترے۔ اس رباط کے بانی نے اس کے کرایہ کو وقف مدینہ منورہ کر دیا ہے۔ مُخا یمن کے بندرگاہوں میں مشہور اور بڑا بندرگاہ ہے —— یہ ایک مختصر سا شہر ہے، اسکی عمارتیں سہ منزلہ اور چہار منزلہ ہیں۔ ایک حصار رکھتا ہے۔ یہاں کے مشہور مزارات یہ ہیں (۱) مزار شیخ صندلی، اندرون شہر (۲) مزار شیخ جوہر، بیرون شہر نخلستان میں

مگر ان دونوں بزرگوں کا کچھ حال نہ معلوم ہو سکا۔

یہاں کا بادشاہ سید حسنی ہے شرفائے مکہ کے بنی اعمام سے ہے۔ اس کو امام کہتے اور امیرالمومنین کے ساتھ ملقب کرتے ہیں۔ امام حال کے سکے میں یہ لفظ ہیں امیرالمومنین المنصور باللہ۔

زیدیہ بادشاہ اور اکثر عوام و رعایائے یمن، مذہب زیدیہ رکھتے ہیں اور اکثر ساکنین امصار و بنادر شافعی ہیں اور مردم سندھ جو کہ اس ملک میں توطن اختیار کئے ہوئے ہیں حنفی ہیں اور امام مسجد، شافعی ہے ۔۔۔ بادشاہ اور تمام زیدی، شافعی اور حنفی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ زیدیوں کے بعض مسائل مجملاً تو پہلے سے معلوم تھے۔ یہاں اتنا ٹھہرنا نہ ہوا کہ کسی عالم سے تفصیل معلوم کر لی جاتی ۔۔۔

یہاں عوام تو عوام، خواص بھی عریاں ہو کر غسل کرتے ہیں ذرا شرم نہیں کرتے۔

مخا سے روانگی ۲۰ رجب ۔ کشتی میں واپس آئے ۔۔۔ مخا سے جدہ تک دو سمندری راستے ہیں ایک بحر کبیر یعنی وسط بحر یمن سے جو بہت گہرا ہے۔ اگر باد مراد چلے تو سات آٹھ دن میں منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور باد مخالف ہو تو کشتی الٹے پاؤں واپس جاتی ہے ۔۔۔ دوسرا راستہ بحر صغیر ہے ۔۔۔ متصل ساحل یمن، اس کا پانی اس قدر عمیق نہیں ہے، اس راستے میں زیر آب پتھر ہیں اور جہاز کو ان سے ہر وقت خطرہ ہے، اگر ہوا موافق ہو تو پندرہ سولہ دن میں جدہ پہونچتے ہیں۔ مگر کشتی کے رجوع کرنے کا خوف نہیں ہے ۔۔۔ اس لئے کہ دن کو چلتے ہیں اور شام کو منازل معینہ میں کہ ان کو مرسا کہتے ہیں لنگر کر لیتے ہیں، اگر ہوا مخالف ہو تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر پانی کی ضرورت ہو تو ان قریوں سے جو کنارے پر ہیں پانی لے لیتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساحل پر اتر کر خشکی کے راستے چلیں مگر اس میں مسافت اور رنج راہ بہت ہے ۔۔۔ لہذا مخصوص اوقات میں بحر صغیر میں سفر کرتے ہیں۔ اس راستے میں معلمان ہندوستان جہاز نہیں چلا سکتے اس لئے کہ وہ سنگہائے زیر آب اور مواضع خطر سے واقف نہیں ہوتے۔ مخا سے یا حدیدہ سے معلم عرب کو ہمراہ لیتے ہیں تاکہ وہ جدہ تک پہونچائے۔

۲۹ رجب، بروز جمعہ، بوقت شام ۔۔۔ مخا سے لنگر اٹھا لیا گیا اور براہ بحر صغیر روانہ ہوئے۔

جبلِ ذکر

جبلِ ذکر کے قریب بادِ مخالف اس طرح چلی کہ ایک قدم آگے بڑھنا دشوار ہوا اور میٹھا پانی اس حد تک کمیاب ہوا کہ رات دن میں ایک دو گھونٹ پر اکتفا کی جاتی تھی۔ یہی حال غذا کی کمیابی کا تھا ـــ بالآخر زندگی سے ناامیدی ظاہر ہوئی اور چہرہ مرگ نمودار ہوا بہت سوں نے بے صبری کی بنا پر آب، شور پینا شروع کیا اور اذیت جھیلی ـــ کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر جبلِ ذکر کے قریب بادِ ناموافق کی وجہ سے کشتیوں کو ٹھہرنا ہی پڑتا ہے اور یہ حال موجب ذکر و دعا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس پہاڑ کا نام جبل ذکر پڑ گیا ہے۔ اس حال میں سب چھوٹوں بڑوں نے اللہ تعالےٰ سے التجا کی اور جناب رحمۃ للعالمین کا توسل کیا ـــ خدا خدا کر کے بادِ مراد چلی اور اس مہلکہ سے نجات پائی۔ جو چھوٹی کشتی حدیدہ گئی تھی وہ واپس آئی اور ساحل سے پانی لے آئے پیاسے سیراب ہو گئے۔

حدیدہ

روز جمعہ ۱۲ر شعبان ـــ حدیدہ پہونچ گئے ـــ حدیدہ یمن کی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ ہے ـــ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ ـــ

۲۳ر شعبان کو یہاں سے روانہ ہوئے ـــ اگرچہ موسم سفر سمندر ختم ہو گیا ہے، ایام برسات نزدیک آ گئے ہیں ہوا بہت مخالف ہے اور کشتی کی رفتار بھی سست ہے لیکن ہمیں اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ہم کو حج بیت الکرام اور زیارت روضۂ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ـــ نصیب کرا کے ہم پر فضل فرمائے گا۔

ایک ساحلی قریہ

روز چہار شنبہ ـــ ۲۶ر شعبان کو جس جگہ لنگر ہوا تھا ساحل پر ایک قریہ تھا فقیر وہاں گیا تھا وہاں چند گھر خس پوش دیکھے کہ ان کی دیواریں لکڑی کی اور چھتیں پھونس کی تھیں ـــ زراعت نہیں تھی بس چند درخت کھجور کے اور کچھ ایک قسم کے چھپر کے درخت پائے گئے جن کے پتوں سے بوریے بن لیتے ہیں ـــ ان لوگوں کی اور دیگر ان لوگوں کی جو ساحلی قریوں میں رہتے ہیں، اکثر غذا مچھلی ہے ـــ اناج دوسری جگہ سے لاتے ہیں ـــ ان لوگوں کا حب وطن ان مقامات پر سکونت کا سبب بنا ہوا ہے ـــ اس قریے میں عیسیٰ بن احمد زیلعیؒ کا مزار ہے اس کی زیارت کی گئی۔ لوگوں نے ان کے بہت سے

مناقب بیان کئے۔

کامران جمعہ ۸ ؍شعبان ـــ کامران پہونچے۔ یہ ایک جزیرہ ہے اندرونِ سمندر ـــ ساحلِ یمن سے تھوڑے فاصلے پر حدیدہ و لحیہ کے ادھر پر ـــ پہلے کامران بندرگاہ تھا اب ویران ہوگیا اور لحیہ بندرگاہ قرار پاگیا ـــ یہاں ایک قلعہ ہے بہت مختصر اس میں حاکم لحیہ کا تھانیدار رہتا ہے اور قلعہ سے بہت دور آبادی ہے۔ یہاں اب چند خس پوش مکانات رہ گئے ہیں۔ ایک بڑی مسجد بھی ہے جو انہدام کی طرف مائل ہے ـــ آبادی سے باہر نخیل میں آبِ شیریں کے کنویں ہیں۔ اہلِ مراکب یہیں سے پانی لیتے ہیں تاکہ سفر جدہ میں لوٹتے وقت تک کام آئے۔ اس جگہ نہ زراعت ہے، نہ مویشی، نہ گھاس ـــ گذر اوقات کا ذریعہ میٹھے پانی کی اجرت ہے۔ جس کو نخیل سے لاکر جہازوں اور کشتیوں میں پہونچاتے ہیں۔ یہاں کے باشندے وقتِ ضرورت سوارِ کشتی ہوکر اناج اور دیگر ضروریات یمن سے لاتے ہیں۔ یہاں ایک قسم کا نمک ہوتا ہے جس کو ملح کامرانی کہتے ہیں۔ اسکی کان مقابل کامران ایک ساحل پر ہے۔ یہ نمک اہلِ کشتی کو اناج کے تبادلے میں دیتے ہیں ـــ صبح کے وقت بقصدِ غسل نیز پانی لینے اور کپڑے دھونے کے لئے اس بستی میں جانا ہوا ـــ ان لوگوں کی معیشت کا حال دیکھ کر دل میں دکھ پیدا ہوا، اور اللہ کا یہ احسان یاد آیا کہ اس نے ہمارے شہروں میں طرح طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دئے ہیں۔ میں نے یہاں کے ایک شخص سے کہا کہ تم اپنی زندگی کس طرح بسر کرتے ہو؟ تو اس نے عربی میں جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے ـــ کہ کیا یہ میٹھا پانی اور مچھلیاں اور کچھ کھجوریں اللہ کی طرف سے ہمارے لئے نعمت نہیں؟ ـــ میرے دل میں یہ گزرا کہ دیکھو لطیف خبیر و رزاق قدیر نے اس دریائے شور میں اپنے بندوں کے لئے آبِ شیریں پیدا کر دیا تاکہ جہاز والے یہاں سے میٹھا پانی حاصل کریں، پھر ایک جماعت کو یہاں لاکر ٹھہرا دیا تاکہ وہ لوگ پانی لاکر اہلِ جہاز کو دیں ـــ اس تدبیر سے فریقین کی حاجت کو پورا کیا ہے ـــ اس جزیرے کے قریب مروارید برآمد ہوتا ہے لیکن مرواریدِ بصرہ زیادہ اچھا ہوتا ہے ـــ یوں بیان کرتے ہیں کہ گرمیوں کے چار مہینے موتی نکالنے کا زمانہ ہے۔

فقیر کو یہ جگہ (کامران) بہت پسند آئی ۔ اس شخص کے رہنے کے لئے جو کہ

ع ۔ بہ جاں بلب آمد کہ بروکس نگریست

کا مصداق ہو ۔۔۔ اس سے بہتر گوشہ تنہائی نہ ہوگا ۔۔۔ لیکن ہماری منزل مقصود تو آگے ہے۔

جزائر اس سمندر میں چھوٹے بڑے ویران جزیرے دائیں بائیں بہت سے نمودار ہوئے ۔ کہتے ہیں کہ مخا سے جدہ تک تین سو سے کچھ اوپر جزیرے ہیں۔ بعضے جزیرے پہلے نہیں تھے، چند سال سے ظاہر ہوئے ہیں۔ بعضے بڑے تھے اب چھوٹے ہوگئے میں نے ایک دن معلم سے حوالِ جزائر کو دریافت کیا، اس نے کہا کہ جزیرے شمار سے باہر ہیں، بحر ہند و بحر عرب کے دو بڑے جزیروں کا ذکر کرنے کے بعد اس نے جزائر جاوہ کا ذکر بھی کیا جزائر جاوہ کے باشندے سب شافعی المسلک مسلمان ہیں، وہ حجاج کی بہت تعظیم کرتے ہیں ان جزائر میں چند مستقل حاکم حکومت کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ سب دیندار اور شجاعت میں بے مثل ہیں، چار پانچ جاوی جو بقصد حج آئے ہیں، اس کشتی میں بھی سوار ہیں ۔۔۔ ان کی زبان بالکل سمجھ میں نہیں آتی، البتہ ان کے ایک آدمی سے کہ وہ کچھ عربی زبان سے واقف ہے اس ملک جاوا کے کچھ حالات معلوم ہوئے۔

شاہ احمد اللہ جو کہ مخدوم زادگانِ امیٹھی میں سے ہیں، انھوں نے شروع میں عزت جاہ کے ساتھ ضلع لکھنؤ، مرادآباد اور دکن میں اوقات بسر کئے، تیس سال سے زائد ہوگئے کہ انھوں نے بہت کچھ سیاحی (جزائر وغیرہ کی) کی ہے، چند سال سے وہ احمدآباد، گجرات اور پٹن میں رہتے ہیں اور بہت سے اوصافِ حمیدہ اور اخلاق عالیہ سے متصف ہیں، امسال مکہ معظمہ آئے تھے وہاں ان کو مجھ سے پچھلے تعارف کی بنا پر موانست حاصل ہوئی انھوں نے بھی جزیروں کے عجائب وغرائب مجھے سنائے۔

فسبحان الذی من آیاتہ خلق السمٰوات والارض واختلاف

السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات للعالمین ۔۔۔۔۔۔

عبدالرحمٰن فرانسیسی ہماری کشتی کے ایک معلم عبدالرحمٰن فرانسیسی ہیں وہ اپنے علم میں مہارت کاملہ رکھتے ہیں ۔۔۔ چند سال ہوئے کہ مسلمان ہوگئے ہیں

میں نے ایک دن اُن سے ملکِ فرنگ کے حالات دریافت کئے انھوں نے وہاں کے بہت سے عجائب وغرائب نقل کئے ـــــ اور کہا کہ اب سے قریب چالیس سال کے گذرے کہ فرانس کے رئیسوں میں سے ایک شخص کو تمام دنیا کے سمندروں کے سیر کی ہوس دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ وہ جہاز پر سوار ہوکر ملکِ فرانس سے روانہ ہوا اور انگلستان، پرتگال، استنبول، مغرب، ہند وحبش، دکن وبنگالہ کے بندرگاہوں سے گزرتا ہوا چین میں جا پہونچا اور وہاں سے بسمتِ شمال روانہ ہوا، اور اس جگہ تک پہونچا جہاں چار پانچ ماہ آفتاب نظر نہیں آتا ـــــ رفتہ رفتہ سات سال کی مدت میں تمام بنادرِ رُبعِ مسکوں کی سیر کرکے اپنے ملک کو واپس ہوا، اور اسکے بعد تمام احوالِ سفر، خصوصیاتِ ہر بندرگاہ اور راہِ ہر جانب کو ایک کتاب میں جمع کیا پھر چین اور آرام سے گھر بیٹھا، اب وہ کتاب جہاز رانوں کا دستورالعمل ہے۔

بندرگاہ لحیہ

۶ رمضان ـــــ کامران سے روانہ ہوئے ظہر کے وقت بندرگاہ لحیہ پر لنگر ہوا، یہاں معلم وغیرہ اربابِ کار کو موسمِ سفر کا اختتام دیکھ کر کشتی کے جدے تک پہونچنے سے ناامیدی ہوگئی اور سب کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ مالکِ کشتی کا ارادہ ہوا کہ اموال کو فروخت کرکے کشتی کو سورت واپس بھیج دیں اور پھر کشتی لحیہ میں سوار ہوں چنانچہ اس قصد سے شہر کو گئے بھی مگر چونکہ تدبیر، تقدیر سے مطابق نہ تھی، بیعِ اموال، موافقِ مطلوب ہوئی ناچار واپس آکر متوکلاً علی اللہ ۵ رمضان کو اسی کشتی میں روانہ ہوئے۔

۸ رمضان ـــــ مقابل بندرگاہ جاذان پہونچے، اس جگہ تک حدِ زمین یمن تھی ـــــ یہاں زیادہ تر حکومت شریفِ مکہ ہے ـــــ تندیٔ بادِ مخالف کی وجہ سے بجز ائی تمام تھوڑا سا فاصلہ طے ہوجاتا ہے اور سوائے مرسا کے جو مواضع معینہ ہیں کسی جگہ اس راستے میں لنگر نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ تندیٔ باد سے اور زورِ امواج سے اگر رسنِ لنگر ٹوٹ جائے تو ہوا بے اختیار جس قدر چاہے گی واپس لیجائے گی ـــــ مرسا میں موج پست ہوتی ہے اور مرکب کو صدمہ نہیں پہونچتا ہے۔

۱۲ رمضان کو بسبب تیزیٔ ہوا و شدتِ تلاطمِ امواج کشتی عجیب حرکت و اضطراب میں رہی۔ موجیں کثرت سے درونِ کشتی آتی تھیں۔ بہت سے آدمیوں کے حواس میں اختلال آگیا

اور جس دن سوار ہوئے تھے اُس دن کی طرح سر گھومنے لگے اور متلی لاحق ہوئی۔ ۱۳ر کو اُس مرسا میں جو کہ جزیرہ کمتن کے کنارے ہے لنگر ہوا۔ دن کے آخری حصہ میں چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر اس جزیرے میں پہونچے، یہ ایک پہاڑ ہے اس کا دَور کمتر ہے اور ارتفاع زیادہ ہے۔ دامن کوہ کے ایک طرف ایک قطعۂ زمین ہے ہموار اور سنگریزے ہیں۔ اس جگہ ایسے درخت تھے جن کے تّے جھاؤ کے مشابہ تھے۔ یہاں عجیب عجیب رنگوں کے پتھر اور گھونگے دیکھے گئے۔ اس سرزمین میں مقابر بھی بہت نظر آئے۔ شام تک یہاں توقف کیا۔ بعد افطار کشتی میں آئے۔

۱۴ر رمضان کو لنگر اُٹھایا مخالف ہوا اتنی تیز چلی کہ ایک قدم آگے بڑھنا ممکن نہ تھا، بلکہ کمتن تک پہونچنا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ناچار مراجعت کی اور اس مرسا میں کہ جہاں ۱۲ر کو تھے، پہونچے۔ دو روز کی رفتار ضائع ہوگئی۔ ۱۵ر رمضان کو مقام ہوا۔ ۱۶ر کو پھر کمتن پہونچے۔ جاذان سے بندرگاہ کنفدا[1] ۹۶ کوس ہے، سات دن ہوگئے ہنوز اس مسافت کا نصف حصہ بھی قطع نہیں ہوا۔ اب خیال یہ ہے کہ جب کنفدا پہونچیں تو اس کشتی سے اتر جائیں اور وہاں سے چھوٹی کشتیوں میں سوار ہوکر براہ سمندر جدہ جائیں۔ جدہ، کنفدا سے ایک سو اسّی کوس ہے اور ہوا موافق ہونے کی صورت میں چار دن کا راستہ ہے ورنہ براہ خشکی۔ کہ کنفدا سے مکہ معظمہ تک نو دن کا راستہ ہے۔ روانہ ہوں گے۔ لیکن بظاہر راہ خشکی سے جانا مشکل ہے۔ اور اللہ چاہے تو ہر مشکل آسان ہے۔

خلافِ شرع رسم تمام ملک یمن و حجاز میں یہ امر خلاف شرع رائج ہوگیا ہے کہ بچوں کی ختنہ بعد بلوغ کرتے ہیں؛ و ختنہ میں کھال زیادہ کھینچتے ہیں۔ میں نے عبداللہ نامی شتربان سے کہ اسکے اونٹ کو کنفدا سے کرایہ پر لیا تھا اس بات کو دریافت کیا اُس نے تصدیق کی۔ میں نے کہا اس امر غیر مشروع کے تم عادی کیسے ہوگئے؟ اس نے کہا کہ اگرچہ غیر مشروع ہے اور مخالف سنت ہے، لیکن ہمارے ملک میں یہ رسم شائع ہوگئی ہے۔

---

[1] قنفذہ۔

کنفدا ۸ رمضان کو ــــ کنفدا کے کنارے پہونچے یہ ایک بندرگاہ ہے، توابع جدہ سے ۔ اسکی آبادی ساحل پر ہے، گھر اور بازار سب خس پوش ہیں اور بجز ایک دو مسجدوں کے دیوارِ خشت و سنگ کہیں دیکھنے کو بھی نہیں ــــ یہاں گھر عرب کے طریقے پر بہ تکلف بنے ہوئے ہیں، صحن کے پردے کی دیوار لکڑی کی ہے یا بوریے کی ــــ تمام سرزمین میں درخت سایہ دار یا گھاس کا نشان تک نہیں ۔ آبِ شیریں چند کوس سے یہاں لاتے ہیں ۔ مقابل آبادی اندرون سمندر ایک جزیرہ ہے مختصر سا اس میں ایک قلعہ ہے جس میں ایک برج اور چند گھر ہیں ۔ امیرانِ شریف مکّہ کا قیدخانہ یہیں ہے ــــ جدّہ میں اور دیگر بندرگاہوں میں نائب شریف مکّہ کو وزیر اور دَولہ کہتے ہیں ــــ مکّہ معظمہ یہاں سے براہ خشکی نو دن کا راستہ ہے چونکہ سورت کی کشتیوں کی واپسی کا موسم قریب پہونچ گیا ہے اور بادِ شمال شدت سے چل رہی ہے اس لئے کشتی کا جدے جانا موقوف ہو گیا اور صاحب کشتی اور دیگر حضرات کنفدا میں اُتر لئے ۔

بروز دوشنبہ ــــ سلخ رمضان کو ــــ فقیر بھی ایک سو دس دن سوار رہنے کے بعد کشتی سے اُتر آیا اور کرایے کے مکان میں رہنے لگا ۔

نمازِ عید الفطر سہ شنبہ یکم شوال بروز عید ــــ مبارک نام وزیر کنفدا نماز عید کے لئے جنگل کو گیا ۔ ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ حاضر جماعت ہوئے ــــ میں چاہتا تھا کہ خطبہ آسانی سے سننے کے لئے خطیب کے پاس بیٹھنا میسّر ہو جائے ۔ اتفاقاً وزیر نے مجھے بہت دور دھوپ میں بیٹھا دیکھ کر نزدیک بلا لیا اور سایے کے نیچے اپنی برابر جگہ دی ــــ قاضی نے امامت کی اور موافق مذہب شافعیؒ دونوں رکعتوں میں قبل قرأت سات سات تکبیریں کہیں ــــ بعد نماز، پھر قاضی نے خطبہ پڑھا بغایت فصیح تھا اور طویل بقدر ایک جزو کے تھا اس خطبے کے مضمون نے دل پر بہت اثر کیا ۔ بعد فراغت نماز دیکھا گیا کہ رسم معانقہ نہیں ہے بلکہ فقط ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا ہے ۔ بعضے آگے اور سرِ وزیر کو بوسہ دیا ۔

۵ شوال ۔ بروز شنبہ ۔ شترانِ کرایہ پر سوار ہو کر بوقت شام کنفدا سے روانہ ہوئے

اس ملک میں یہ عادت ہے کہ دن کے آخری حصے میں سوار ہوکر تمام رات سفر کرتے ہیں، اور پیش از صبح یا بعد طلوع شمس ایسی منزلوں میں جہاں پانی ہوتا ہے اترتے ہیں۔ دن میں راستہ چلنا دشوار ہے اس لئے کہ بادسموم سے ہلاکت تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔

یہاں دیکھا گیا ہے کہ اونٹ خود چلتا ہے اسکی مہار پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر پیادوں میں سے کوئی اونٹ کے آگے آگے چلتا ہے تو شتربان اس کو منع کرتا ہے کہ آگے نہ چل اونٹ راستہ بھول جائے گا۔ جب منزل آئی اگلا اونٹ بیٹھ گیا اور دوسرے اونٹ بھی اسکے بعد بیٹھ گئے۔

صبح پنجشنبہ ۱۰ شوال ــــ مرسا ابراہیم میں ــــ کہ ایک قریہ ہے ساحل بحر پر ــــ اترنے کا اتفاق ہوا ــــ ۱۲ شوال ــــ سعدیہ میں اترے ــــ یہاں پہاڑ کے نیچے ایک بڑا کنواں ہے۔ اس کا پانی اتنا میٹھا ہے کہ ملک یمن میں داخل ہونے کے دن سے اب تک ایسا پانی نہیں چکھا تھا۔

پہاڑ کے اوپر ایک قبر ہے۔ اور ایک قبے کے اندر ایک قبر ہے اور اسکے سرہانے پتھر کا کتبہ ہے۔ اسکے حروف فرسودہ ہونے کی وجہ سے اور تاریکی کے باعث پڑھے نہ جاسکے، اس قبر کو حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ منازل بنی سعد (قوم سعدیہؓ) یہیں ہیں ــــ اس سرزمین میں آبادی کا نام ونشان نہیں ہے ــــ مکہ معظمہ پہونچ کر علمائے عصر سے میں نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ سعدیہ اس موضع کا نام ہے۔ بنی سعد کی طرف نسبت نہیں ہے ــــ بنی سعد (قوم حلیمہؓ) کے منازل ہوازن متصل حنین میں درمیان طائف ومکہ تھے اور حلیمہ سعدیہؓ کی قبر، مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے اندر ہے ــــ اسی سعدیہ میں یلملم واقع ہے جو کہ اہل یمن کا میقات ہے یہ ایک پہاڑ ہے ــــ اسی یلملم کے محاذ میں ہندوستان سے جدہ جانے والے کشتی سوار بھی احرام باندھتے ہیں ــــ دن کے آخری حصے میں اسی جگہ سے احرام باندھا گیا۔

مسجد سیدنا علیؓ یہاں سے مکہ کے راستے میں مسجد سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہے اسکے پاس ایک کنواں ہے۔ بعد احرام باندھنے کے فقیر پیادہ پا اس

مسجد میں آیا اور دوگانہ ادا کیا۔ بدویوں سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا یہ سیدنا علیؓ کی مسجد ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا۔ لیکن فقیر کے دل میں یہ بات آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ تشریف لائے، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن میں تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد حج کی خبر سن کر ہدی ساتھ لے کر یمن سے آئے اور مکہ میں آنحضرتؐ سے آکر مل گئے چونکہ انھوں نے یلملم سے احرام باندھا ہوگا اس لئے بقصد تبرک بعد کو اس جگہ مسجد بنا دی ہے جب یہ بات مفتی عبدالملک سے کہی تو انھوں نے میری تائید کی۔

جمال کعبہ سعدیہ سے دو دن میں بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۱۴ر شوال کو مکہ معظمہ میں حاضری ہوئی، چونکہ چار کوس سے زیادہ پیادہ پا اور سر و پا برہنہ چلا تھا اور آفتاب بہت گرم تھا، سنگریزے اور ریگ راہ جل رہے تھے اس لئے بہت مشقت برداشت کی۔ لیکن دیدار جمال کعبہ سے تمام عمر کی کلفتوں کا ازالہ ہوگیا۔

؎ جمال کعبہ مگر عذر رہروان خواہد کہ جان زندہ دلان سوخت در بیابانش

نماز ظہر حرم میں ادا کی ۔ بعد طواف وسعی وحلق، احرام سے نکل آیا۔

اس مورد سعود میں آنے کے وقت مشتاقان جمال مصطفویؐ کو مواضع اقدام نبویؐ کے مشاہدے سے اور آنحضرتؐ کے اس مقام پر رونق افروز ہونے کے تصور سے دل میں وہ نور اور باطن میں وہ سرور پیدا ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

؎ تو بہر رہے کہ رفتی ہمہ سر خود آنجا بامید آنکہ روزے قدمے نہادہ باشی

طالب صادق پر کہ جس کی چشم بصیرت، کحل ہدایت سے سرمگیں ہو اور اس کا دیدۂ باطن نور عنایت سے منور ہو ۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام حرمین اور اسکے نواحی کے پہاڑوں، جنگلوں، وادیوں اور مکانوں میں جو کہ منظور نظر سعادت اثر رہے ہیں اور ناظر جمال بہجت مآل ہوئے ہیں ۔ کس قدر نورانیت و روحانیت، جمال محمدیؐ کے اثر سے نمایاں ہے۔

؎ بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است ہنوز از دم آں بوئے عشق می آید

خدا کا شکر ہے کہ پنجگانہ نمازیں مسجد الحرام میں ادا کی جا رہی ہیں۔

مسجد الحرام میں مذاہب اربعہ کی جماعتیں

مدتوں سے اہل مکہ کی قرار داد یہ ہے کہ نماز فجر اوّل شافعی امام پڑھائے اور بعد سلام شافعی، مالکی اقامت کہے اور بعد مالکی کے حنبلی اور بعد حنبلی حنفی ــــ ظہر، عصر اور عشاء میں مالکی ابتدا کرتا ہے اسکے بعد شافعی اسکے بعد حنفی ــــ اور مغرب میں حنفی ابتدا کرتا ہے اسکے بعد شافعی پڑھتا ہے ــــ مالکی کی مغرب اور حنبلی کی علاوہ فجر کے باقی چار نمازیں دوسروں کے تابع ہیں۔ ان وقتوں میں ان کی جماعت جدا نہیں ہوتی ہے ــــ ان تمام نمازوں میں ایک کا سلام اور دوسرے کی اقامت متصل ہوتی ہے مگر فجر میں کہ حنفی بعد سلام حنبلی، اسفار تک تاخیر کرتا ہے اور باقی نمازیں حنفی، اوائل اوقات میں پڑھتا ہے۔ اور اکثر مصلی اس بات کے مقید نہیں ہیں کہ اپنے ہم مذہب امام ہی کی اقتدار میں نماز ادا کریں ــــ جو جماعت بھی پہلے ہوتی ہے اسکے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن بعض متعصب اپنے امام کے منتظر بیٹھے رہتے ہیں اس بارے میں علماء کا بھی اختلاف ہے اور مخالف مذہب، امام کی اقتدار میں جواز وعدم جواز کے اندر بہت سے رسالے تحریر کئے گئے ہیں، فقیر نے اُن رسائل کا مطالعہ کیا ہے ــــ خلاصہ اِن رسالوں کا یہ ہے کہ صدرِ اوّل میں صحابہ و تابعینؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانے میں اور اُن کے بعد بھی حرمین میں اور دیگر بلاد میں تعددِ جماعات نہ تھا اور تمام مسلمان ایک امام کی اقتدار کرتے تھے جس مسلک کا بھی وہ ہوتا ــــ اور اب تک نمازِ جمعہ اس مدعا پر شاہد عدل باقی رہ گئی ہے۔ یہ تعدد جماعات، تقرر مصلیٰ جات اور اپنے ہم مسلک کے اقتدار کی قید ایک بدعت ہے جو صدر اوّل کے بعد متعصبان مذاہب نے اختراع کی ہے۔ طرفین کے محققین کا مختار مسلک یہ ہے کہ مخالف مذہب کے پیچھے بھی اقتدا جائز ہے ــــ محققین نے کہا ہے کہ امام مخالف مذہب اگر مراعاتِ مواضع خلاف کرتا ہے تو اسکی اقتداء بلا کراہت صحیح ہے اور اگر رعایت نہیں کرتا اور مقتدی جانتا ہے کہ اِس نماز میں امام نے میرے مذہب کے خلاف، ارتکاب کیا ہے تو بعضوں نے ایسی صورت میں بھی اقتدا کو جائز رکھا ہے اور بعضے اس صورت میں عدم جواز اقتدار کے قائل ہوئے ہیں ــــ فقیر نے بعض ائمہ مکہ سے سُنا کہ حرمین میں ائمہ چہار مذاہب، باب جماعت

میں تمام مذاہب کی رعایت کرتے ہیں اور اس امر میں تساہل نہیں کرتے وہ سلطان کی طرف سے بتاکید اس عادت پر مامور ہیں اور اس بارے میں مچلکے لکھ کر دیوانِ سلطان کے سپرد کئے ہیں تاکہ بالاتفاق سب کی نمازیں شائبۂ کراہت سے خالی ہوں۔ اس زمانے میں علماءِ وقت کی عادت یہ ہے کہ جو جماعت بھی حاضر ہو اس کے ساتھ نماز ادا کر لیتے ہیں مفتی عبد الملک حنفی سے ـــــ جو کہ اکابر علماء عصر میں سے ہیں ـــــ میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا، انھوں نے فرمایا کہ ہم ہر جماعت کے ساتھ جس کو پہلے پا لیتے ہیں نماز پڑھ لیتے ہیں ـــــ پانچوں وقت کی جماعت میں زیادہ کثرت جماعت حنفی میں ہوتی ہے خصوصاً مغرب میں کہ گرداگرد بیت اللہ صفوف منعقد ہو کھڑی ہوتی ہیں ـــــ جماعت شافعیہ میں بھی کثرت ہوتی ہے لیکن حنفیہ کے برابر نہیں۔ اور جماعتِ مالکی میں بھی بسبب اس کے کہ تین نمازوں میں وہ ابتدا کرتے ہیں خصوصاً نمازِ عشاء میں ـــــ ہجوم ہوتا ہے ـــــ مصلائے حنبلی پر فقط نمازِ فجر ہوتی ہے اس میں دیکھا جاتا ہے کہ کم و بیش بیس آدمی ہوتے ہوں گے ـــــ

مسجد الحرام میں یہ ہجوم مردم جماعت کی نمازوں میں خصوصاً ایام حج میں بالخصوص جمعہ اور مغرب میں ـــــ جو ہوتا ہے معمورۂ عالم میں کسی جگہ نہ ہوتا ہوگا ـــــ بارہا ایسا ہوا کہ جب نظر کثرتِ مردم پر اور اس بات پر ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک کی توجہ، بیت اللہ کی جانب ہے اور یقین سے جانا کہ اس مجمع عظیم میں چند اشخاص ضرور، خواص بندگانِ خدا میں سے ہوں گے تو اس جماعت کثیر کو وسیلہ بنایا اور درگاہِ حق سے خیر دارین چاہی ـــــ

عالمِ تصور ایک رات طواف میں تھا اور ہجوم بہت تھا، میں نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کیا کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام، طواف فرما رہے ہیں اور جماعتِ صحابہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کر رہی ہے اور میں آنحضرتؐ کے طفیل میں اس مجمع کے اندر حاضر ہوں ـــــ ایک روز میں دروازۂ بیت اللہ کھڑا ہوا دعا کر رہا تھا کہ قصہ روزِ فتح مکہ اپنے دل میں یاد کیا اور تصور کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازۂ بیت اللہ پر کھڑے ہیں، اور صحابۂ کرامؓ حسبِ مرتبہ و مقام، حاضرِ خدمتِ اقدس ہیں اس وقت کہ قریش تر سال و ہراساں حاضر ہوئے ہیں، آنحضرتؐ نے ان کو معاف فرما دیا ہے اس کیفیت کے پیدا ہونے پر میں نے بتوسلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حق جل مجدہٗ کی

جناب میں اپنے لئے اور اپنے جمیع اقارب و احباب کی مغفرت[1] اور قضاء حوائج دارین کے لئے دُعا کی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس دُعا کو قبول فرمائے گا۔

؎ دوستاں را کجا کُنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

دروازۂ بیت اللہ پر بیشتر اوقات، فقیر، باب کعبہ پر کھڑا ہوتا تھا اور سر آستانے پر رکھ کر یہ شعر پڑھتا تھا۔

؎ جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست
سرِ مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

اور کبھی کبھی اثنائے طواف میں اور دروازۂ بیت اللہ کے سامنے اور ملتزم کے قریب نظامی علیہ الرحمۃ کے ان اشعار سے لذت حاصل ہوتی تھی:۔

اے عقلِ مرا کفایت از تو جُستن زمن و عنایت از تو
من بیدل و راہ بیم ناک است چو راہ نما توئی چہ باک است
یک ذرہ زکیمیائے اخلاص گر بر مسِ من نہی شوم خاص
از خوانِ تو با نعیم ترچیست و ز حضرتِ تو کریم ترکیست؟

یارب دل پاک، جانِ آگاہم دہ آہِ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
از یادِ خود اوّل زخودم بیخود کن وانگہ بیخود زخود بخود راہم دہ

داخلی بیت اللہ پنجشنبہ ۔۔۔۔ ۱۵ ذی قعدہ کو عام داخلی بیت اللہ ہوئی یہ ضعیف بھی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوا اور اندرون بیت اللہ اپنے لئے اور اپنے تمام اقارب و احباب، احیا و اموات کے لئے حضرت واہب العطیات سے مغفرت[1] و رحمت اور خیر دارین کا سوال کیا ۔۔۔ قاضی الحاجات سے اُمید قبولیت ہے۔ ایسے ہی تمام اماکنِ شریفہ، مواقفِ رفیعہ اور اوقاتِ مرجوّۃ الاجابۃ (وہ اوقات

---

[1] بمعنی ثانیہ۔

جن میں قبولیت کی خاص امید ہو) میں دعا کے اندر میں نے بخل نہیں کیا تمام عزیزوں، دوستوں اور ذوی الحقوق کے لئے نام بنام تفصیلاً اور بغیر نام کے مجملاً دعا کی۔ واللہ المجیب ــــ

تمام سال میں آٹھ بار بیت اللہ کے اندر مردوں کی عام داخلی ہوتی ہے۔ (۱) روز عاشورا (۲) ۱۲ ربیع الاول ۔ (۳) و (۴) دو بار رجب میں ــــ (۵) ۱۵ شعبان (۶) و (۷) اول و آخر جمعہ رمضان۔ (۸) ۱۵ ذی قعدہ ــــ ان ایام کے دوسرے دن عورتوں کی داخلی ہوتی ہے۔

خواب میں دیدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے جن کا شکر اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی رو سے لازم ہے یہ انعام خاص بھی ہے کہ ــــ یک شنبہ کو بتاریخ ۲۰ شوال ــــ حرم میں نماز صبح کے اور مقام ابراہیم میں تلاوت قرآن کے بعد زمزم کی طرف گیا اور سقے کو راضی کر کے کنوئیں کے اوپر آیا اور پانی پر نظر ڈالی کہ اس کو بھی عبادت شمار کیا گیا ہے ــــ اور ڈول اپنے ہاتھ سے نکالا اور بموجب حدیث خوب جھک کر زمزم پیا اور اپنی منزل پر آیا، قیلولہ کیا ــــ خواب میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک راستہ پر چل رہے ہیں اور میں پیچھے پیچھے چل رہا ہوں اور قصد کر رہا ہوں کہ نشان قدم مبارک پر چلوں اسی اثنا میں آنحضرتؐ نے چلنے میں جلدی کی اور درون پردہ تشریف لے گئے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دی کہ توقف فرمائیے اور میری آرزو کو پورا کیجیے ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر طلب فرمالیا، حاضر ہوا اور التماس کیا کہ میری آرزو یہ ہے کہ کف پائے مبارک کو بوسہ دوں ــــ بمقتضائے کرم پائے مبارک کو دراز فرمایا، میں نے کف پا کو بوسہ دیا اور دونوں آنکھوں سے اس کو ملا ــــ اسکے بعد جو عنایات فرمائیں احقر اپنے کو ان عنایات کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور ان عنایات کا اظہار بھی مصلحت وقت نہیں۔

ع :۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اسی طرح کی خواب ۱۰ رجب کو ــــ جبکہ جہاز سقوطرہ کے قریب تھا ــــ دیکھی تھی لیکن وہ مجمل تھی اور یہ مفصل ــــ اور ایک بار راہ کوہستان میں یہ سعادت حاصل ہوئی تھی اور

مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد شب چہاردہم ربیع الثانی کو بھی یہ سعادت میسر ہوئی اس میں بھی عجیب شان اور عجیب کیفیت تھی۔

منا، عرفات اور مزدلفہ میں حاضری

۵ ذی الحجہ کو زمزم شریف پر غسل کر کے زیر میزاب رحمت احرام باندھا۔ ۷ ذی الحجہ کی شب میں سعی صفا و مروہ سے فراغت حاصل ہوئی۔ یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) میں جمعہ کے دن نماز جمعہ مسجد الحرام میں پڑھ کر منا کو روانگی ہوئی۔ بوقت عصر منا میں پہونچنا ہوا۔ تھوڑے سے حاجیوں کے علاوہ تمام حجاج اسی روز عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں اور منا کی شب گزاری جو کہ سنت ہے ترک کر دیتے ہیں ۔۔۔ احقر نے منا میں مسجد خیف کے اندر رات گزاری صبح کو عرفات روانہ ہوا اور بعد ادائے ظہر و عصر جمع تقدیم (در مسجد ابراہیم) متوجہ جبل رحمت ہوا اور ایک چبوترے پر متصل امام، شام تک وقوف کیا، اس وقت عجیب حال مشاہدے میں آیا کہ جم غفیر، صغیر و کبیر، غنی و فقیر کا جن کا شمار سوائے علیم و خبیر کوئی نہیں جانتا ۔۔۔ اس موقف میں حاضر اور دست بدعا تھا آنکھیں گریہ و زاری میں اور دل بیقراری میں تھے۔ وہ عرصہ قیامت کا ایک نمونہ تھا اور عرفات سے مسجد الحرام کو لوٹنا اہل قیامت کا محشر سے جنت دار السلام میں لوٹنے کے مشابہ تھا۔ بعد غروب شمس، عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ میں رہا مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھا اور یوم النحر کی چاشت میں منا پہونچا ۔۔۔ بعد رمی و ذبح و حلق ۔۔۔ برائے طواف زیارت، حرم شریف آیا ۔۔۔ بعد از طواف، داخلی خاص سے بھی مشرف ہوا ۔۔۔ اس دن شیبی، صاحب المفتاح دروازہ کعبہ کھولتے ہیں۔ بعض لوگوں سے حق المفتاح لیتے ہیں اور ان کو اندرون بیت اللہ پہونچاتے ہیں۔ فقیر ظہر و عصر مسجد الحرام میں پڑھ کر منا واپس آ گیا اور روز نفر ۱۲ ذی الحجہ کو بعد رمی جمار، منا سے روانہ ہوا، اور محصب میں اس جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی نماز عصر پڑھی ۔۔۔ محصب میں اب ایک مسجد ہے اور صحن مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محل نزول تھا، وہاں ایک علامت بنا دی ہے اس جگہ نزول و توقف سنت ہے نماز شام مسجد الحرام میں آکر پڑھی اور دو صالح آدمیوں سے بہ نیابت والدین حج کرایا،

اور خود بھی از طرف والدین اور بعض دیگر ذوی الحقوق کی طرف سے طواف ہائے مکرر اور عمرے کر گئے۔

نہر زبیدہ یہ نہر — زبیدہ زوجہ ہارون رشید خلیفہ عباسی نے بنوائی ہے اس نہر کا بڑا فیض ہے (جس کی تفصیل بھی درج کی ہے) — صاحب تاریخ مکہ نے لکھا ہے کہ اس خیر جاری پر زبیدہ نے سترہ لاکھ اشرفیاں خرچ کیں اور جب کارندوں نے اس کام کی فراغت کے بعد نہر کا حساب، بغداد میں پیش کیا زبیدہ اس وقت دجلہ کے کنارے بیٹھی تھیں حساب کے دفتر کو دریا میں یہ کہہ کر ڈال دیا۔ ترکنا الحساب لیوم الحساب — ہم نے حساب یوم الحساب کی خاطر چھوڑا — یہ بھی کہا کہ جس شخص کے پاس ہمارا کچھ رہ گیا ہو ہم نے اس کو معاف کیا اور جس کسی کا حق ہمارے اوپر باقی رہا ہو وہ آئے اور لے جائے یہ کہا اور سب کو خلعت و انعام دیا — اور یہ خیر جاری اپنے بعد یادگاری چھوڑی۔

سلاطین اسلام اور حرمین شریفین جو کچھ سلاطین و ملوک زمانہ ماضی نے — خیرات و صدقات، تعین وظائف و اوقاف اور بنائے مدارس و مساجد نیز خانقاہات و رباطات کا انتظام حرمین شریفین میں کیا ہے کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد اس انتظام سے واقف ہو کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، تمام ملک مصر بعض توابع شام کے ساتھ بادشاہ روم کی طرف سے حرمین شریفین پر وقف ہے۔ اگرچہ وہاں کے حاکم ادائے مال واجب میں کوتاہی کرتے ہیں تاہم جو کچھ اب بھی پہونچتا ہو اور خدام دائمہ، موذنین و مدرسین اور قضاۃ و مفتین اور دیگر ساکنین حرم پر اور فرش و قنادیل میں صرف ہوتا ہے وہ ایک بڑی رقم ہے — مکہ معظمہ میں ۸۵ حنفی اماموں، ۵ شافعی اور اسی قدر یعنی ۱۵ مالکی اور دو ایک حنبلی اماموں کو — وظیفہ سلطان کی طرف سے معین ہے — سوائے موذنین و مکبرین و مذکورین و دیگر اہل خدمت کے اس سال صوبہ دار مصر کے وکلا نے بعد حج چند روز تک حرم شریف میں لوگوں کو وظائف تقسیم کئے — ہر روز زر سرخ کے انبار ان وکلا کے پاس دیکھے جاتے تھے اور شام تک تقسیم ہو جاتے تھے۔ اُن بدویوں اور اعراب کے وظائف بھی جو راہ شام و مدینہ و مکہ

میں ساکن ہیں ___ مقرر ہیں ___ تاکہ وہ حجاج کے قافلوں کو سلامتی سے پہونچا دیں ___ یہ دولت سعادت تمام دنیا کے بادشاہوں میں سے اللہ تعالیٰ نے بادشاہ روم (سلطان ترکی) کے حصے میں رکھی ہے ___ اس وقت سلطان عبدالحمید خاں شاہ روم ہیں ___ خدمت حرمین کی برکت سے اور حرمین کے باشندوں کی دعا سے ابھی تک اس بادشاہ کے خاندان کی شان و شوکت، مثل روز اوّل باقی ہے۔ سنہ ۶۹۹ھ سے لے کر جب کہ ان کے جد اعلیٰ عثمان ترکمان نے ملک روم پر غلبہ پایا تھا ___ اب تک کہ عبدالحمید خاں بادشاہ ہیں۔ پانچسو دو ۵۰۲ سال گزر چکے ہیں مگر ارکان سلطنت میں کوئی ضعف و تزلزل واقع نہیں ہوا۔ ہمیشہ کفار سرحد سے غزوہ و جہاد کرتے رہتے ہیں اور فتح و ظفر کا جھنڈا اونچا رہتا ہے ___ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ___ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اعمال خیر یعنی صلوٰۃ و صیام اور صدقہ وغیرہ کا ثواب، حرمین میں چند درچند ہو جاتا ہے دوسرے مقامات کے مقابلے میں ___ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک لاکھ کا ثواب ہے اور مدینہ منورہ میں دس ہزار کا ___ قطع نظر اس کے ان لوگوں پر احسان و انعام کا اجر، جو مجاورت خدا و رسول خدا اختیار کئے ہوئے ہیں، بہت ہی بڑا ہے ___

دیگر ملوک و امراء

دیگر ملوک و امرا بھی بقدر حال، توفیق خدمت اہل حرمین رکھتے ہیں۔ مثلاً تیمور شاہ، نصیر خاں بلوچ، نظام علی خاں اور دیگر امرائے دکن اکثر یہاں صدقات بھیجتے رہتے ہیں۔ محمد علی خاں ہر سال دو لاکھ بھیجتے تھے اہل حرمین ان کے لئے دعا گو ہیں ___ بادشاہ مغرب نے امسال برائے حرمین و دیگر شرفا، واہل بدو۔ جو کہ حرمین سے یمن تک ساکن ہیں ___ ایک رقم کثیر بھیجی ہے جو کہ تقسیم ہوئی، فقیر نے دیکھا کہ ان مغربی درہموں پر ایک طرف الذین یکنزون الذھب والفضۃ الآیہ آیت قرآنی نقش تھی۔

حرمین شریفین اور سلاطین ہندوستان

سلاطین ہندوستان ہر سال ایک بڑی رقم حرمین بھیجتے تھے ___ تین بڑے شاہی جہاز، حجاج کے پہونچانے کے لئے مقرر تھے ان کا خرچ سرکار بادشاہ کی طرف سے

ہوتا تھا۔ محمد شاہ نے اپنے ایام سلطنت میں ۔ باوجود امور مملکت میں غفلت کے ۔ اس بارے میں تاکید رکھی ۔ بعد محمد شاہ کے ہمارے زمانے کے ہندوستانی بادشاہوں اور امیروں میں سے کسی کو خدمت حرمین کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، نہ یہاں کے کسی بادشاہ امیر کا نام حرمین میں اس سلسلے میں لیا جاتا ہے ۔ جن رئیسوں نے علم صرف کا کوئی حرف نہیں پڑھا اور علم نحو میں بھی فقط منع صرف کا مسئلہ پڑھا ہے وہ روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کا وبال اپنے ساتھ لیجاتے ہیں آخر کار ان کا اندوختہ نصیب فرنگی و مرہٹہ ہوجاتا ہے

کریماں رابدست اندر درم نیست ۔ خداوندان نعمت را کرم نیست

مکہ معظمہ میں کثرت رزق

یہ وادی غیر ذی زرع تمام تر کوہستان ہے اس جگہ نہ میوہ دار اور سایہ دار درخت ہے، نہ کھیتی باڑی ہے حق سبحانہ نے دعائے ابراہیمی، وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ (ان کو پھلوں سے رزق دینا) کو قبول فرمایا ۔ طائف اور دیگر نواحی سے اس قدر میوہ ہر قسم کا ہر موسم میں مکہ میں آتا ہے کہ افراط کے ساتھ مل جاتا ہے خصوصاً، انگور، انار، اور تربوز دسفر جل ۔ ایک دن ایک معتمد سوداگر نے ذکر کیا کہ آج ایک سو چھتر اونٹ تربوز سے لدے ہوئے بازار مکہ میں آئے اور شام تک سب فروخت ہوگئے ایک تربوز باقی نہ رہا ۔ یہاں گیہوں مصر اور ہندوستان سے کشتی کے ذریعے چاول بھی ہندوستان اور مصر سے اور پھل حجاز، یمن اور مسقط سے آتا ہے ۔ بفضلہ تعالیٰ نرخ غلہ امسال بہت ارزاں ہے، اہل مکہ کہتے ہیں کہ ایسی ارزانی سالہا سال کے بعد ہوئی ہے ایک ریال کا نو کیل گندم آتا ہے جو ہمارے شہر (مراد آباد) کے اعتبار سے ایک روپیہ کا نو سیر پختہ ہوتا ہے ۔ یہاں دوسری چیزیں، کپڑا، برتن جواہرات اور اسکے علاوہ جتنی چاہیں اور جہاں سے چاہیں مل جاتی ہیں ۔ غلامان وکنیزان حبشی بھی نخاس میں فروخت ہوتے ہیں۔

منظر منا

منا کا منظر بھی عجیب ہے نفیس نفیس کپڑوں کے تھان اور عجیب عجیب اور تحفہ تحفہ چیزیں اور عمدہ برتن اور بہترین پھل اتنے کہ کمیاں خیال میں نہیں سما سکتے اور قوت متخیلہ اس کو میزان قیاس میں نہیں تول سکتی ۔ وہاں موجود ہیں ۔ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے :-

سوئے منا آ د کرامت بہ بیں | گرمی بازار قیامت بہ بیں
بسکہ ز دہ نعرۂ جوش و خروش | (بود) بکہ بود از غلغلۂ خلق گوش
بسکہ بہم ریختہ ہمیان زر | گشتہ دکا ہنائے منا کان زر
اشرفی سرخ کہ آتش وش است | گرمی بازارش ازاں آتش است

منا اور عرفات میں، کثرت مردم و حیوانات خصوصاً دنبوں کی کثرت اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ اُن کا شمار سوائے علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا جس طرف نظر کریں آدمی و شتر نظر آتے ہیں۔

شرفائے مکہ شرفائے مکہ، کہ چند صد سال سے حکومت و سلطنت اس ملک کی ان کے دست تصرف میں ہے، سادات حسنی ہیں اسب اہل سنت و جماعت ہیں اور ان میں سے بعض کو زیدیہ و بنی زید کہتے ہیں۔ یہ ان کے جد اعلیٰ کی طرف نسبت ہے جو شریف زید بن حسنؓ تھے[۱] ——— زیدیہ مذہب سے ان شرفا، کو کچھ نسبت نہیں ہے ——— ان میں اکثر و بیشتر حنفی ہیں۔

شریف سرور اس وقت شریف سرور بن ساعد شریف مکہ ہیں ——— سترہ سال ہوئے کہ انکے باپ ساعد نے وفات پائی اور ان کے بھائی احمد اُن کی جگہ بیٹھے۔ سرور شریف اس وقت خورد سالی کے عالم میں بمقتضائے شجاعت جبلی و جرأت خدا داد، مکہ سے بھاگ کر جدہ پہونچ گئے، رفتہ رفتہ وہاں ایک فوج فراہم کی، اور چند بار چچا سے محاربہ کیا، بالآخر غالب ہوئے اور چچا کو قید کر کے مسند حکومت پر بیٹھ گئے ——— روز بروز ان کا اقبال ترقی پر ہے عرب کے سرداروں کو جو اُن کے آباؤ اجداد سے لڑتے رہتے تھے ——— مطیع کر لیا ہے اور اُس وقت سے اس وقت تک کہ سترہ سال گذر چکے ہیں بتائید و توفیق الٰہی، عدل و انصاف کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہیں۔

---

[۱] در اصل شرفائے مکہ کا نسبی تعلق زید بن حسن بن علیؓ سے نہیں ہے وہ موسیٰ الجون ابن عبد اللہ المحض ابن حسن مثنیٰ بن حسن کی اولاد ہیں۔

اپنی ہمت کو رفاہ خلق، معموری بلاد اور ازالۂ رسوم ظلم و فساد میں مصروف رکھتے ہیں۔ اور اُن بیجا جرمانوں کو جو زمانۂ سابق میں خصوصاً اُن کے باپ شریف ساعد کے زمانے میں تھے۔ موقوف کر دیا ہے ــــ ارباب ظلم اور رہزنوں کو خوب سزائیں دی ہیں، کتنے اپنے خاندان والوں کو ــ جو کہ بلندی و برتری کے زعم میں سرزمین حرم میں مسافروں اور غریبوں کو جور و ایذا پہونچاتے تھے ــ اور اکثر عاملین قدیم کو جو اُن کے باپ کے زمانے میں شیوۂ ظلم و تعدی بر پا کئے ہوئے تھے ــــ شریف سرور نے جان سے ختم کر دیا ہے ان کے حسن نیت کی وجہ سے اُن کے ملک کی راہیں مامون و محفوظ ہیں۔ کسی بدوی کی مجال نہیں کہ غربا و مساکین پر ظلم کر سکے ــ حاجی اور زائر لوگ فارغ البال ہو کر راستہ چلتے ہیں اور اہل مکہ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں ــــ شریف سرور کی جد و جہد اور ظالمین و مفسدین کے قلع قمع کرنے کی حکایتیں مشہور ہیں ــــ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت اور مخلوق کی رفاہیت کے لئے ان کی غیبی تائید فرمائے۔

شریف سرور نے سعی بلیغ کر کے چند سال سے مدینہ منورہ کو بھی اپنے زیر تصرف کر لیا ہے اور وہاں کے باشندوں پر بہت کچھ انعام و احسان کئے ہیں ــــ ان کے آباء و اجداد کے زمانے میں بجز اسکے کہ شریف کا خطبہ میں نام ہوتا تھا اور بیت المال پر ایک نائب مقرر ہوتا تھا ــــ مدینہ منورہ پر اور کوئی تصرف و اختیار نہ تھا ــــ اب شیخ الحرم، لشکری، شہری اور بدوی کسی کی مجال نہیں کہ شریف کی خلاف ورزی کر سکے۔

شریف سرور کے دیگر اوصاف حمیدہ

شریف سرور ہر روز نماز صبح حرم میں جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اسکے بعد طواف کرتے ہیں اس وقت غلام اور نوکر کوئی ساتھ نہیں ہوتا عام مخلوق خدا کے ساتھ طواف بیت اللہ کرتے ہیں اس طرح کہ جو اُن سے واقف نہ ہو وہ جان بھی نہیں سکتا کہ یہ شریف مکہ ہیں ــــ طواف کرتے کرتے جب حجر اسود کے قریب آتے ہیں اور ہجوم مردم وہاں ہوتا ہے تو یہ کھڑے رہتے ہیں جب موقع دیکھتے ہیں استیلام حجر کرتے ہیں۔ کوئی اس کام کے لئے مقرر نہیں کہ ہٹو بچو کرے اور مسافروں کو اُن تک آنے سے روکے ــــ یہ امور اُن کے سعادت و اقبال کے آثار ہیں۔

ویسے جاہ وشوکتِ ظاہری، مثل دیگر بادشاہوں کے رکھتے ہیں اور تمکین و وقار ان پر غالب ہے سوائے قاضی اور مفتی کے اُن کی مجلس میں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا ۔

ایک دن فقیر بعد فراغ طواف، نزدیک ملتزم آیا۔ دیکھا کہ شریف سرور، بیت اللہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اور خانہ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے بہ نیاز تمام دعا کر رہے ہیں۔ اور دوسرے غرباء و فقراء سے جو اس وقت اس مقام میں تھے کچھ بھی امتیاز نہیں رکھتے ۔ اس وقت اس احقر کے دل پر عظمتِ ربُّ البیت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ متاعِ دنیا اور اہل دنیا کی تحقیر دل میں بیٹھ گئی ۔

ع درویش وغنی بندۂ ایں خاک درند آنانکہ غنی ترا ند محتاج ترا ند

وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ۔

علماء و اکابر مکہ

(۱) مولانا سید محمدی مغربی ۔ یہ ابو الحسن شاذلیؒ کے خاندان سے ہیں۔ ان کے بہت مریدین ہیں، تمام اہلِ مغرب خواہ اغنیاء ہوں خواہ فقراء ان کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں ۔ بیس سال سے مجاورِ حرم مکہ ہیں ۔ آثار بزرگی ان کی پیشانی سے ظاہر ہیں ۔ فقیر کی اُن سے چند بار ملاقات ہوئی ۔ میرے حال پر مہربانی و لطف فرماتے ہیں ۔ حزب البحر، حزب البراور دیگر احزاب، اذکار اور اورادِ شاذلیہ کی اجازت انھوں نے مجھے عنایت فرمائی اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھا اور دعا کی اللہ تعالےٰ قبول فرمائے ۔ ایک دن بعدِ حج اُن کے پاس مسجد الحرام میں بیٹھا تھا وہ میرا حال دریافت کر رہے تھے میں نے مجملاً اپنی سرگزشت ان کو سنائی ۔ فرمایا ۔ اب کیا ارادہ ہے ؟ میں نے کہا کہ ایک عشرے کے بعد مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں وہاں زیارتِ روضۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف اندوز ہوں گا، فرمایا بعد حصولِ زیارت اپنے وطن کو لوٹ جاؤ گے ؟ ۔ میں نے کہا یا سیدی ۔ میں مدینہ منورہ سے لوٹنا نہیں چاہتا۔ میری تمنا ہے کہ وہیں مجاورت اختیار کر دں اور موت وہیں آئے لیکن حکم خدا غالب ہے میں نے اپنے معاملے کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ اس کے ارادے پر میں راضی ہوں ۔ سید حسین مفتی مالکی اس وقت اُن کے برابر بیٹھے تھے، اُن سے فرمایا۔ اس شخص کو

شوقِ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیقرار کر دیا ہے اور یہ شوق دور دراز وطن سے اس عمر میں نکال کر لایا ہے۔ پھر دونوں نے میرے لئے دعا کی ۔۔۔ ایک اور دن بھی حرم میں ایک مکی سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں بیس سال سے مکہ معظمہ میں رہتا ہوں مجھے اہل ہند میں سے کسی سے اس شخص کے علاوہ انس نہیں ہوا۔ یہ شخص ایسا ہے ایسا ہے کہہ کر میری تعریف کی۔

(۲) مفتی عبد الملک حنفی ۔۔۔ اپنے زمانے کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ علوم دینیہ میں مرتبۂ عالی رکھتے ہیں ۔۔۔ بہ سبب ہمسائگی میری ان سے ملاقات رہتی تھی۔

(۳) مفتی عبد الغنی شافعی ۔۔۔ منا میں فقیر کی ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ایک مسئلہ ان سے دریافت کیا تو انھوں نے مجھ سے معلوم کیا کہ اس سے پہلے بھی حج کو آئے تھے میں نے کہا کہ پہلی مرتبہ آیا ہوں ۔۔۔ اس بات سے تعجب کیا اور ساتھیوں سے کہا کہ پہلے ہی سفر میں عربی کے اندر ان کا اس قدر تکلم ۔۔۔ یہ عجیب بات ہے۔

(۴) ملا امیر داد ۔۔۔ ان کی اصل پنجاب ہے، خود مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے ہیں ۔۔۔ فن قراءت میں اس زمانے میں یہاں ان کا نظیر نہیں ہے ۔۔۔ حسن اخلاق میں بے بدل ہیں اور علوم حدیث وغیرہ میں بہرۂ تام رکھتے ہیں۔

(۵) مولوی محب اللہ شاگرد مولوی عبد العلی ۔۔۔ چند سال سے مجاور حرم مکہ ہیں تمام علوم میں متبحر اور اخلاق مرضیہ سے متصف ہیں۔

طریقۂ درس یہاں کے علماء کا طریقہ یہ ہے کہ تلامذہ، حلقہ کر کے پیش استاد بیٹھتے ہیں ۔۔۔ اور استاد کتاب کو خود اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھتا ہے اور تقریر مطلب کرتا ہے اگر کوئی شاگرد شبہ ظاہر کرتا ہے تو اس کا جواب دیتا ہے ۔۔۔ شاگرد کی قراءت کرنے کا رواج کم ہے ۔۔۔ ایک دن مسجد حرام میں متصل باب السلام ایک شخص کو بیٹھا دیکھا اسکے گرد ایک جماعت حلقہ کئے ہوئے مودّب بیٹھی تھی وہ اس جماعت سے ایک مسلسل کلام بزبان فصیح و بآوازِ خوش تر کر رہا تھا اور پوری جماعت خاموش بیٹھی سن رہی تھی، چونکہ میں نے ایسی مجلسِ درس نہیں دیکھی تھی اسلئے سمجھا کہ کوئی وعظ کہہ رہا ہے یا دعا مانگ رہا ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مفتی عبدالغنی ہیں درس دے رہے ہیں۔ میں اُن کے حلقے کے پاس گیا اور وہاں
کے پیچھے بیٹھ گیا کتاب فقہ کا باب الصلوٰۃ سے درس دے رہے تھے۔
(۶) سید عقیل ــــــ ان کے دعویٰ مہدویت یا نیابت مہدی کی خبر بلاد ہند میں سُنی گئی
تھی یہ ایک عالم ہیں تصانیف رکھتے ہیں ان کے توابع بھی ہیں اور یہ ظاہری ثروت بھی رکھتے
ہیں ــــ گذر اوقات تجارت سے ہے ــــ چند بار عوام بدو اور جہال ہند، ان کے معتقد ہو گئے
ہیں اور ہجوم کیا ہے ــــ شریف سرور نے فتنے کے اندیشے سے ان کی جماعت کو منتشر کر دیا ہے لیکن
خود اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ اُن کا گھر درون باب ابراہیم، حرم میں ہے ــــ چند سال سے
بیرون دروازہ حرم نہیں نکلتے بلکہ حج کے لئے بھی نہیں نکلتے ــــ شام کو برائے نماز حرم میں
آتے ہیں اور تنہا نماز پڑھتے ہیں ــــ اس بارے میں شریف نے ان پر اعتراض کیا تھا انھوں نے
اس کا جواب دیا ــــ ایک دن میں بوقت شام مقام ابراہیم میں بیٹھا تھا ــــ کسی نے کہا کہ سید عقیل
حطیم کے اندر بیٹھے ہیں۔ میں گیا اور سلام و مصافحہ کیا اور صرف دو تین باتیں ہوئیں اسی درمیان
میں موذن نے اذان مغرب کہی اور میں مصلائے مغرب میں آ گیا اور نماز پڑھی ــــ دوسرے دن سید عقیل
نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ ایک ہندی شخص اس اس حلیے کا حرم میں ہوگا اس کو دیکھو اور میرا سلام
شوق اس سے کہو میں یہ اطلاع پاکر ان کے گھر پر گیا بہت دیر تک بیٹھا۔ بہت سی باتیں درمیان
میں آئیں ــــ تواضع اُن کے ظاہر پر غالب ہے ــــ ان کے کلام میں سلوک و ریاضت اور سلف
کے طریقے پر مجاہدے کی ترغیب بہت ہے۔ ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس کا ایک جزو دیکھا عبارت تفسیر
کو الفاظ قرآن کے ساتھ ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ اعراب قرآن متغیر ہو گئے ہیں اور معنی بھی بدل گئے
ہیں۔ میں نے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ میری غرض موعظت و نصیحت ہے نہ تفسیر ــــ
میں نے کہا کہ اپنے علاقے میں میں نے آپ کا نام سنا تھا ــــ انھوں نے کہا ہندوستان میں
علماء اور ارباب کشف ظہور امام مہدی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے اس کا جواب
نہ دیتے ہوئے خود اُن سے یہ سوال کیا کہ میں نے سنا تھا کہ پہلے آپ دعویٰ مہدویت کرتے
تھے پھر اس سے رجوع کر کے اب اِدّعائے نیابت مہدی کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دعویٰ مہدویت
کی نسبت میری طرف کرنا میرے اوپر ایک تہمت ہے۔ میں نے تو فقط دعویٰ نیابت مہدی کیا ہے۔

اس قسم کی بہت سی باتیں ہوئیں جن کا ذکر طول سے خالی نہیں علماء عصر اُن کے مخالف ہیں خصوصاً اس تفسیر کی وجہ سے۔

(۷) شیخ عبدالوہاب ـــــ یہ اعیان مکہ میں سے ہیں ایک رات مطاف میں باہم بیٹھ کر وسعتِ رحمتِ حق کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے بھی ایک حکایت سنائی۔

(۸) سید حسین مفتی مالکی ـــــ عالم ہیں اور اپنے مسلک کی کتابوں کا درس متصل باب الزیادہ صبح کے وقت دیتے ہیں۔

میں ایک دن درمیان مولانا محمد مہدی مغربی و مفتی سید حسین مالکی مذکور بیٹھا ہوا تھا باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے ان سے بعض مسائلِ مذہب مالکی دریافت کئے اور یہ بھی دریافت کیا کہ یہ چار مصلّے کب سے قائم ہوئے؟ نیز جماعتِ مالکی مغرب کے وقت جُدا کیوں نہیں ہوتی؟ اسی طرح حنبلی سوائے نماز فجر باقی نمازوں میں کیوں تابع دیگران ہے ـــ انھوں نے فرمایا کہ مصلوں کی ایجاد چھٹی صدی ہجری میں بعض خلفاء عباسی کے زمانے میں ہوئی اس سے پہلے فقط ایک جماعت ہوتی تھی اور سب مسلمان ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ بعد تفرّ مصلیٰ جات و تعدد جماعات، مالکی، ظہر، عصر اور عشاء کی طرح مغرب میں بھی تقدیم کرتے تھے اس لئے کہ وقتِ مغرب نزد مالکیہ بہت تنگ ہے۔ اور ان کی تحقیق میں نمازی اوّل وقت کی تاخیر کرنے سے گنہگار ہو جاتا ہے ـــ نویں صدی ہجری میں بادشاہ وقت نے کہا کہ تم لوگ تین وقت میں تقدیم اقامتِ نماز کرو اور حنفی مغرب میں تقدیم کرے اور چونکہ تا فراغ حنفی و شافعی، نماز مغرب کا وقتِ مختار مذہب مالکی میں باقی نہیں رہتا ہے، اس بنا پر علمائے مالکیہ نے جماعتِ جداگانہ موقوف کرکے ہمراہِ حنفی نماز پڑھنا شروع کیا۔ اور اہلِ مذہب امام احمد حنبلؒ پہلے ہی سے تھوڑے تھے لہٰذا اُن کی جماعت سوائے فجر کے جُداگانہ مقرر نہیں ہوئی ـــــ اسی مجلس میں جوازِ اقتداء، خلفِ امام مخالفِ مذہب کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ ہمارے مذہب میں مطلقاً جائز ہے بلا کراہت ـــــ اگرچہ امام مراعاتِ موضعِ خلاف نہ بھی کرے ـــــ اس لئے کہ یہ مسائلِ خلافیہ موضعِ اجتہاد میں ہیں اور حق ان مذاہب میں دائر ہے، خطائے مجتہد، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور مجتہد خطاء میں معذور بھی ہے علاوہ ازیں صواب و خطا ہر طرف محتمل ہے۔

بعد ان مذاکرات کے فقیر نے مولانا محمد مہدی مغربی سے اور آپ سے دعا چاہی۔ ان دونوں نے دعائے طویل مشتمل بر خیر دارین کی۔ ان دعاؤں سے دل کو بہت راحت حاصل ہوئی۔ والحمد اللہ علی ذالک۔ باقتضائے کرم و حسن اخلاق انھوں نے فقیر سے کہا کہ تو بھی ہمارے لیے دعا کر۔ میں نے کہا کہ میں اس لائق کہاں ہوں؟ آپ لوگ سادات ہیں، اللہ کے گھر کے پڑوسی ہیں، ہم مسافر ہیں آپ کے پاس ملتمس دعا ہو کر آئے ہیں۔

بلدِ امین کے عوام و خواص کی خوش اخلاقی

تمام باشندگانِ بلدِ مکہ، مخالطت اور مصاحبت میں حسنِ اخلاق کے ساتھ متصف ہیں۔ علما و سادات، مسافرین کے ساتھ حسنِ خلق اور تواضع کا معاملہ کرتے ہیں۔ باوجود وفورِ علم و فضل، کبر و غرور سے آشنا نہیں ہیں۔ ایک دن بعد طوافِ عمرہ اور بعد ادائے دوگانہ، برائے سعی بین الصفا والمروہ آیا، ابھی متصل حجرِ اسود، مطاف ہی میں تھا کہ ایک بزرگ میاں ان بلدِ مبارک کے ساکنین میں سے جن کو میں اکثر دیکھتا تھا میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔ میں نے کہا سیدی! میں اس قابل کہاں؟ تم لوگ جیرانِ خدا ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو ہم پر فضیلت دی ہے۔ تم ہمارے لیے دعا کرو، انھوں نے کہا نہیں تم زیادہ مستحق دعا ہو تم وفد اللہ[ف۱] ہو تمھارے لیے شرف ہے۔ اُن کے اس قول نے میرے دل پر عجیب اثر کیا، بے اختیار رونا آگیا اور میں نہیں سمجھا کہ اُن بزرگ کے کلام میں کیا تاثیر تھی کہ صفا تک جانے اور صفا سے مروہ تک آنے کے وقت تک وہ رقت باقی تھی۔

(۸) (مولانا) محمد مراد سندھی متبحر اور متقی عالم تھے۔ آخر میں سندھ سے حرمین آگئے تھے۔ حاکم جدّہ کو آپ سے عقیدت تھی اس نے ایک مکان، ایک خانقاہ اور ایک مسجد آپ کے لیے بنوادی تھی، چند سال بعد جدّہ ہی میں وفات پائی۔ علوم دینیہ میں آپ کا تبحر آپ کی بیاض سے ظاہر ہوتا ہے جس کی ضخیم ضخیم چار جلدیں ہیں۔ فوائدِ علوم تفسیر و حدیث و فقہ، کتبِ معتبرہ سے چن چن کر اپنے خط سے اس بیاض میں جمع کیے ہیں۔ ان کے دو پسر تھے۔ محمد حسین اور محمد یٰسین۔ دونوں تقویٰ اور حسنِ خلق میں باپ کے خلف الصدق تھے، دونوں کو فقیر سے انتہائی محبت تھی ___ چھوٹے بھائی محمد حسین بعد ادائے حج، اوّل ماہ محرم میں فوت ہوگئے۔ محمد یٰسین برادرِ کلاں جدّہ میں سکونت پذیر ہیں۔ کتابہائے عجیب و غریب اُن کے کتب خانے میں دیکھیں ___ مشاہیر مشائخ طریقت جو اس ملک میں تھے اور ابھی چند سال ہوئے جو انتقال کر گئے ہیں اُن کی قبور کی زیارت بھی کی ___ مثلاً شیخ محمد سمان جو کہ قادری تھے مدینۂ منورہ میں ___ اور میر عبد الغنی ___ طائف میں ___ ان دونوں بزرگوں کے کمالات اہلِ زمانہ کے نزدیک مسلّم ہیں ___

اہلِ مکہ کے بعض مراسم

تمام مردم مکہ معظمہ کے رخساروں پر تین تین خط دیکھے گئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مدت سے یہاں کے ساکنین کی قرارداد یہ ہے کہ جو لڑکا یہاں پیدا ہوتا ہے بعد چالیس روز کے اس کے دونوں رخساروں پر اُسترے سے مزید تین

ف۱ اللہ کے مہمان

نشان کردیتے ہیں۔ تاکہ ان خطوط کا نشان تمام عمر باقی رہے۔ اور مکہ کا پیدا شدہ دوسری جگہ کے مولود سے ممتاز ہو ــــ سب سے پہلے جو یہ رسم ایجاد ہوئی اس کو بھی بیان کیا گیا ــــ اسی دن بچے کو مسجد حرام میں لاکر آستانۂ باب بیت اللہ پر ڈال دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، پھر وہاں سے اٹھاکر زمزم پر لے جاکر غسل دیتے ہیں اور پھر گھر لے جاتے ہیں ــــ جنازے کو اندرون مطاف لاکر باب بیت اللہ کے قریب زمین پر رکھ دیتے ہیں اور نماز پڑھ کر دفن کو لے جاتے ہیں۔ فقیر نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ فقہاء جنازے کو اندرون مسجد لانے کو منع کرتے ہیں۔ مسجد حرام میں اس کے خلاف عمل درآمد کیوں ہے؟ انھوں نے کہا کہ مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں تبرک اور استشفاع (طلب شفاعت) کے لیے اندر لاتے ہیں اور یہ عمل ان دونوں مسجدوں کی خصوصیات سے ہے۔ مسجد دیگر میں اقوال علماء مختلف ہیں۔

شام و روم وغیرہ کے حاجیوں کی بعض خصوصیات

بلاد شام، روم، مصر، دیار مغرب، یمن، عراق، کردستان اور اسکے آس پاس کے لوگوں کی ابتدائے اسلام سے یہ عادت ہو کہ اغنیاء اور اہل ثروت حج کرنے اور زیارت روضۂ رسول اللہؐ کو لازم و ضروری جانتے ہیں۔ ان ممالک میں شاید کوئی ہوگا جو باوجود استطاعت کے حج نہ کرے ــــ یہاں کے قافلے کے قافلے ہر سمت سے حج کو آتے ہیں۔ اور جن لوگوں کا گذر مدینہ منورہ سے نہیں ہوتا وہ مراجعت کے وقت راہ مدینہ سے گذرتے ہیں۔ اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے ہیں ــــ ترکمان جو شام و روم سے آتے ہیں اس سفر میں راہ خدا میں مال کثیر صرف کرتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ لوٹتے وقت تمام نقد و جنس یہاں تک کہ ملبوس و مفروش اور برتن جتنے اپنے ساتھ رکھتے تھے ــ سب کے سب فقراء کو دیتے ہیں۔ سوائے خرچ راہ کے اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتے ــ یہ لوگ حرمین میں جس کسی سے دوستی کرلیتے ہیں ہر سال اس کو ہدیہ بھیجتے ہیں۔

تکروری

دوسرے ممالک اور جزائر میں سے بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہو کہ وہاں کے باشندے قلیل یا کثیر تعداد میں موسم حج کے زمانے میں مکہ معظمہ کے اندر پائے جاتے ہوں۔ خصوصاً اہل تکرور۔ باوجودیکہ ان کا ملک اقصائے مغرب میں ہو یہ بلد سوڈان کی سرحد پر ــ لیکن ان کی کثیر جماعت ٹڈی دل کی طرح حج کے لیے آتی ہو ــ سب سیاہ فام و مسکین اور غریب ہوتے ہیں۔ منا کی قربانیوں کا گوشت جس سے منا کی تمام وادی اور اسکے کوچے بھر جاتے ہیں زیادہ تر یہی اہل تکرور اس گوشت کو کھاتے ہیں۔ گوشت کا قیمہ کرکے لے جاتے ہیں ــ عجیب بات یہ ہو کہ ان میں جاہل کوئی بھی نہیں ہوتا کم و بیش ہر ایک پڑھنے لکھنے کی استعداد رکھتا ہو۔ یہ لوگ ارکان اسلام کا تقید و التزام رکھتے ہیں۔ تمام اہل مغرب و تکرور، مالکی ہیں ــ

اہل ہند

ہندوستان میں جو غنی اور اہل استطاعت ہیں یعنی جن پر شرعاً حج فرض ہو وہ تو عیش و عشرت

وجوہ معاش اور خوف زوال مال میں ایسے مشغول ہیں کہ فرصت ادائگی امور دین ہی نہیں رکھتے ۔ ان دنیا میں جو کم از کم نماز پنجگانہ اور صوم رمضان کی ہی توفیق رکھتا ہو اُس کے متعلق کہا جا سکتا ہے وہ تقویٰ و ورع کے اعلیٰ درجے پر ہو ۔ اور فرضیت ، حج و زکوٰۃ تو گویا اُن کے کانوں تک پہونچی ہی نہیں ۔ حدیث میں ایسے شخص کے متعلق سخت وعید آئی ہے جو مالک زاد و راحلہ ہو اور حج نہ کرے ۔

ہندوستان سے چل کر جو لوگ یہاں آتے ہیں اُن میں اکثر فقراء ہوتے ہیں ۔ اُن فقراء میں وہ لوگ جو محض شوق زیارت حرمین کی وجہ سے آمادۂ سفر ہوئے ہوں اور صبر و قناعت رکھتے ہوں کم ہوتے ہیں ۔ ان صبر و قناعت والوں کا اللہ تعالیٰ اپنے لطف جمیل اور فضل سے کفیل ہوتا ہے اور یہ لوگ عرب میں جہاں جاتے ہیں معظم و مکرم رہتے ہیں ۔ سچ ہے جو قناعت کرتا ہے وہ عزت پاتا ہے اور جو طمع کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے ۔ اکثر ہندوستانی وہ ہیں کہ غلبۂ فقر ، تنگیٔ سینہ اور صبر کا کم ہونا اُن کو جگہ جگہ لیے پھرتا ہے اور یہاں آ کر گدائی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں ۔ بعضے تو ایسے پائے گئے [illegible] مر گئے اور ان کے مرنے کے بعد زر و سیم اُن کے پاس سے برآمد ہوا ۔ اسی بنا پر عرب میں انھیں ہندی [illegible] بے دینی کے ساتھ اور فقراء ہند گدائی و بے صبری کے ساتھ ضرب المثل اور مشہور ہیں ۔ ایسے لوگ چونکہ بسبب تہیدستی ، بہت سی اذیت ، سفر بر و بحر میں جھیلتے ہیں لہٰذا ہندوستان پہونچ کر ان مشقتوں اور تکلیفوں کو اور زیادہ مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس سے سامعین کی ہمتیں ضعیف اور ارادۂ حج سست ہو جاتا ہے ۔

لوگوں نے سفر حرمین کو بلائے عظیم اور مصیبت جسیم قرار دے رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچی ہے کہ اگر کوئی بارادۂ طلب معاش دور دراز ملکوں کو جانا چاہے تو اس کو کوئی نہیں روکتا اور جب سفر حرمین کا ذکر زبان پر لاتا ہے تو اُس کے اہل و عیال اس کے مرنے کے دن سے زیادہ ماتم کرتے ہیں ، اس سے ناامید ہو جاتے ہیں اور حتی الامکان اس کو اس سفر سے باز رکھتے ہیں ۔

سمندری سفر آرام دہ ہے فقیر نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے اس کی رو سے کہتا ہے کہ کوئی سفر سمندری سفر سے زیادہ آرام دہ نہیں ہے ۔ "سفر در وطن" کے معنی اس سفر میں واضح ہوتے ہیں ۔

راہِ مکہ و مدینہ میں نے سنا تھا کہ راہ مکہ و مدینہ میں صعوبتیں بہت ہیں لیکن میرے لیے تو یہ سفر بھی خوشگوار تھا ۔ پہاڑوں اور ٹیلوں کے مشاہدے سے ، قرب مزار سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر دیدہ و دل میں ایک نور و سرور حاصل ہوتا تھا ۔ کسی قسم کی حسی و معنوی اذیت فقیر کو تو محسوس ہوئی نہیں ۔ [illegible] سے مکۂ معظمہ تک اور مکۂ معظمہ سے مدینۂ منورہ تک دو شتر بان ۔ جو بدخلقی اور درشتی طبع میں مشہور ہیں مثل خادموں اور غلاموں کے خدمت کرتے چلے گئے ۔ یہ تمام چیزیں [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فضل و انعام سمجھتا ہوں الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

قصد مدینۂ منورہ نصف ماہ صفر کو قصد سفر مدینۂ منورہ و زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا۔ کوچ سے دو روز پہلے بعد نماز عشا، متصل مصلائے مالکی، مطاف میں بیٹھا ہوا تھا اور رات چاندنی تھی۔ اور کعبۂ معظمہ کا اس وقت جاہ و جلال عجیب شان سے نظر آرہا تھا۔ اتفاقاً ایک درویش، علی نام جو بغداد کے رہنے والے ہیں، بعد سیاحت مصر و شام، چند سال سے مجاور حرمین ہیں ــــ مرد صالح اور عالم ہیں ــــ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، بعد مکالمہ و حصول تعارف میں نے اُن سے کہا کہ تم مرد صالح ہو میرے لیے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میری مغفرت کرے اور میرا یہ سفر قبول فرمائے۔ انھوں نے کہا کہ "کیا تم اس شخص کو جس سے راضی نہیں ہو ـ اپنے گھر آنے دیتے ہو؟"۔ میں نے کہا کہ نہیں ــــ انھوں نے کہا بس اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو اپنے گھر بلاتا ہے جن سے راضی ہوتا ہے اور بیگانوں کو اپنے گھر داخل نہیں ہونے دیتا۔ پھر کہا کہ حق تعالیٰ اپنے علم قدیم کی رو سے ہمارے ایک ایک عیب کو جانتا ہے۔ اور جب کوئی کسی غلام کو اس کے کسی عیب پر مطلع ہو کر خریدتا ہے تو اس عیب کی وجہ سے اُس غلام پر عتاب نہیں کرتا۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار ہیں کہ ہمارے ان عیبوں کو جن سے وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے واقف ہے ـ پوشیدہ رکھے گا اور اُن کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ اُس درویش کے کلام سے اس وقت دل کو ایک راحت پہونچی، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے ــــ اس کے بعد میں طواف کے لیے کھڑا ہوا اُس وقت غلبۂ شوق و ذوق میں یہ اشعار زبان پر آرہے تھے۔

تو بعلم ازل مرا دیدی ... دیدی آنگہ مرا بخریدی
تو بعلم آں و من بعیب ہماں ... رد مکن آنچہ خود پسندیدی

اب وقت وداع نزدیک پہونچ گیا تھا ـ نصف شب کے بعد تک طواف میں رہا۔ دل نہ چاہتا تھا کہ قیام گاہ پر آؤں ـ

طوافِ وداع حرم بیت جلیل سے حرم نبی نبیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کوچ کا ارادہ مصمم ہونے کے بعد شب پنجشنبہ ۲۰ صفر ۱۲۰۲ھ کو بعد نماز مغرب، طواف وداع کیا اور اور براہ جدہ روانہ ہوا۔ اس وقت فراق بیت اللہ کا رنج، شوق زیارت روضۂ رسول کے ساتھ جمع ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ ہ

عید رمضان آمد و ماہِ رمضان رفت

صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

درحقیقت ایجادِ عالم و آدم سے مقصود ظہورِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھا ۔۔۔ جس کسی چیز میں جس قدر شرف و کرامت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب و اختصاص کے بقدر ہے۔ مکہ معظمہ ان کا مولد و منشا ہے۔ مدینہ منورہ اُن کا مستقر ہے زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً ۔۔۔ ایک شاعر نے ذیل کے قطعے میں وداعِ کعبہ کے متعلق خوب کہا ہے، اور رعایتِ ادب کو ملحوظ رکھ کر موتی پروئے ہیں۔

از مکہ سوئے مدینہ چوں کردم تک ۔۔۔ رفتم بوداعِ کعبۂ انس و ملک

از رکن و مقام و حجر و زمزم یک یک ۔۔۔ آواز آمد کہ لیتنی کنت معک

یعنی جب میں مکہ سے مدینہ جانے لگا اور طوافِ وداع کیا تو رکن، مقام اور حطیم ایک ایک سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ کاش ہم بھی تیرے ساتھ مدینہ منورہ چلتے۔

حدّہ وقتِ سحر حدہ پہونچنا ہوا۔ یہ ایک قریہ ہے مکہ اور جدہ کے درمیان۔ حدیبیہ جہاں پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی اور جس کا واقعہ مشہور ہے اسی مقام کے متصل ہے لیکن موضع نزولِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب تعین کے ساتھ معلوم نہیں ہے۔

جدّہ جُدّہ ۔ بضم جیم و تشدید دال ۔۔۔ بمعنی ساحل ۔۔۔ اسی وجہ سے یہ بندرگاہ اس نام سے موسوم ہوئی ۔۔۔ مکہ جدہ سے بجانب مشرق ہے۔

جدّے کی آبادی، خلافتِ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ہوئی اس سے پہلے مکہ کا بندرگاہ دوسرا تھا ۔۔۔ اس وقت جدّہ بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ ہے۔ ممالکِ اسلامیہ سے تجار، عمدہ عمدہ چیزیں سمندری راستے سے یہیں لاتے ہیں اور یہاں سے اطراف کو لے جاتے ہیں۔ شریف مکہ کو بڑا محصول اسی بندرگاہ سے حاصل ہوتا ہے ۔۔۔ وہ قہوہ کا محصول ۔۔۔ جو کہ یمن سے آتا ہے، بلا شرکت اپنے اخراجات کے لیے لیتا ہے اور وہ دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور دیگر اجناس کا محصول آدھا شریف کو پہونچتا ہے اور آدھا سلطان روم کی جانب سے مکہ و مدینہ کے مصارف و وظائف کے لیے وقف ہے۔

بیرون شہر شمال کی جانب اُم البشر حوا علیہا السلام کی قبر ہے ـــــ عوام یہی وجہ ہے اس شہر کو بفتح جیم (جدہ یعنی دادی) بولتے ہیں ـــ

سید علویؒ کی قبر اندرون شہر زیارت گاہ ہے ـــ جس کسی پر کسی کا کوئی حق مال وغیرہ کا ہو اور وہ اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو سید مذکور کے مزار کے قریب آکر بیٹھ جاتا ہے، پھر حاکم اور صاحب حق اُس سے مطالبہ نہیں کرتے ـ

راہ مدینہ کے بقیہ منازل بروز دوشنبہ ـــ ۲۲ صفر کو ـــ شہر سے باہر نکلے اور دو روز قافلے کے درست کرنے کے لیے حضرت حواؑ کے مزار کے قریب ٹھہرنا ہوا ـ

۲۴ صفر کو بسمت مدینہ منورہ کوچ کیا ـــ ۲۰ صفر کو ـــ رابغ میں اُترے ـــ رابغ ایک چھوٹا گاؤں ہے اور ایک مختصر سا بازار رکھتا ہے ـــ اس کے قریب جحفہ ہے ـــ جو اہل مصر وشام کا میقات ہے ـــ اب جحفہ ویران ہے ـــ رابغ سے احرام باندھتے ہیں ـــ جحفہ سے مدینہ کا وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے حج چلے تھے اب مدت سے چھوٹا ہوا ہے ـــ اب جو راستہ ہے وہ ابوار سے ـــ کہ بقول صحیح قبر آمنہ اُم رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہے ـــ ہو کر گزرتا ہے اور مسجد غزالہ میں ـــ جو کہ کنار وادی روحا ہے ـــ پہلے راستے سے متصل ہو جاتا ہے ـــ اس موجودہ راستے میں بعض شتربان جو کہ ساکنین بدر ہیں قافلے کو بدر کو لے جاتے ہیں اور بدر سے صفرا میں لاتے ہیں اور صفرا کے شتربان بدر نہیں جاتے ہیں۔ بدر صفرا میں تین چار میل کا فاصلہ ہے۔ ہم نے جن شتربانوں کے اونٹ کرایہ پر لیے ہیں وہ باشندگان صفرا ہیں اسی وجہ سے بدر جانا نہ ہوا اور چونکہ یہ راستہ سوائے رات کے نہیں چلا جاتا ـــ اور شتربان کسی کے کہنے سے کہیں ٹھہرتے نہیں اسی وجہ سے اکثر مواضع متبرکہ جو اس راستے پر ہیں اُن کی زیارت میسر نہ ہوئی ـــ

ایک ابتلاء عربستان میں یہ ابتلاء واقع ہوتا ہے کہ بعد ظہر وعصر کوچ کرتے ہیں۔ وقت مغرب تھوڑا سا ٹھہرتے ہیں اور تمام رات چلتے ہیں پھر منزل کے قرب وبُعد کے لحاظ سے فجر سے پہلے یا بعد فجر اُترتے ہیں اور اس معاملے میں شتربانوں کے علاوہ کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ لہذا حنفیہ کو نماز عشا کا ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ بعضے سواری پر ہی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ صورت اُس وقت جائز

تو ہے جب کہ ظن خوف غالب ہو، لیکن جماعت فوت ہو جاتی ہے ـــــ اور بعض لوگ تقلید شافعی، مغرب کے ساتھ، نماز عشار کو جماعت کے ساتھ جمع کر لیتے ہیں ـــــ بوقت ضرورت اس تقلید کا جواز در مختار میں مذکور ہے ـــــ مفتی عبدالملک حنفی نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ان شرائط کے ساتھ جو نزد شافعیہ لازمی ہیں ـــــ

صفرا

۲۰ صفر کی شام کو رابغ سے کوچ ہوا ـــــ سحر چہار شنبہ یکم ربیع الاول کو صفرا میں ورود ہوا۔ صفرا ایک قریہ ہے، ایسی وادی میں واقع ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں بازار ہے۔ کھجور کے باغات بہت ہیں ـــــ کھجور کے درختوں کے نیچے ترکاریاں اگاتے ہیں۔ اور آب جاری کی وہ نہر جس سے باغات کو پانی دیتے ہیں ایک دلچسپ سیرگاہ ہے ـــــ

سید سمہودیؒ نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند بار اس راہ صفرا سے گزرے ہیں۔ اسی کے متصل حضرت عبیدۃ بن الحارث مطلبیؓ کی قبر ہے جو بدر میں مجروح ہوئے تھے اور اس جگہ انتقال کیا تھا ـــــ صفرا کے لوگ اس کو قبر ابوذر غفاریؓ بتلاتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی قبر ربذہ نواحی نجد میں، مدینہ منورہ سے چار روز کے راستے پر ہے ـــــ

وادئ خیف

بعد دو دن قیام کرنے کے بروز جمعہ ـــــ ۳ ربیع الاول کو، دن کے آخری حصہ میں صفرا سے کوچ ہوا ـــــ آدھی رات کو وادئ خیف پر گذر ہوا ـــــ اس وادی میں بھی آبادی، بازار، باغات اور نہر آب، مثل صفرا کے ہے ـــــ اس راہ میں جدہ سے صفرا تک زمین ہموار تھی ـــــ پہاڑ داہنی طرف بہت دور تھے اور دریائے شور (سمندر) بائیں طرف تھا ـــــ صفرا کے قریب دونوں سمت کوہستان ہے خصوصاً خیف میں ـــــ شنبہ کے دن وادی روحا کے کنارے مسجد غزالہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب ادا کی ہے ـــــ نماز پڑھی گئی۔

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

صبح دوشنبہ، ۶ ربیع الاول کو ـــــ قافلہ مدینہ منورہ پہونچا اور بیرون شہر مناخہ میں متصل عیدگاہ نبویؐ اترا ـــــ اور یہ کمینہ، بعد ادائے فجر وہاں سے ملاذ عالمیان، ملجائے جہاں، شفیع امم، سرور بنی آدم، سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ عالم پناہ کی جانب متوجہ ہوا ـــــ باب السلام سے داخل ہوا ـــــ مصلائے مصطفوی پر تحیۃ المسجد پڑھ کر مواجہہ شریف میں آیا۔ سلام اور آداب زیارت کو حسب قاعدہ

ادا کیا۔ اور غلبۂ شوق میں یہ اشعار سلسلۃ الذہب (جامی) وغیرہ کے پڑھے۔

سوئم افگن ز مرحمت نظرے — باز کن بر رُخم ز لطف درے
زاریٔ من شنو، تکلم کن — گریۂ من شنو، تبسم کن
لب بجنباں پئے شفاعتِ من — منگر در گناہ و طاعتِ من
کہ زرفتم طریقِ سنتِ تو — ہستم از عاصیانِ اُمتِ تو
ماندہ ام زیر بارِ عصیاں پست — افتم از پا اگرم نگیری دست
رحم کن بر من و فقیریٔ من — دست دہ بہر دست گیریٔ من
خود بدستِ تو کے رسد دستم — اینقدر بس کہ در رہت پستم
پست بودن براہِ تو خوشتر — کز بلندی بعرش سودن سر

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام — بر درت ایں بارِ بایشتِ دوتاہ آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا، موئے سفیدِ من ببیں — گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں نیگویم کہ بودم سالہا در راہِ تو — ہستم آں گمرہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
عجز و بیہوشی و درویشی و دلریشی و درد — اینہمہ بر دعوئے عشقت گواہ آوردہ ام
دیو رہزن در کمیں، نفس و ہوا اعدائے دیں — زیں ہمہ در سایۂ لطفِ پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگذاشت گستاخی مرا — کردہ گستاخی زبانِ عذر خواہ آوردہ ام

دولتم ایں بسکہ بعد از مدتِ دور و دراز — بر حریمِ آستانت می نہم روئے نیاز

یا رسول اللہ نمی گویم کہ مہمانِ تو ام — ما فقیرے طعمہ خوارِ ریزہ خوانِ تو ام

پس از ادائے آدابِ زیارت، شیخین کبیرین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اور سیدۃ النساء (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) کے مواجہہ میں آیا اور سلام عرض کیا۔ پھر

مواجہ شریف میں آیا ـــــ خدائے عظیم کی قسم اگر میرا ہر بُن مو زبان بن جائے اور ہر زبان ہزار ہا شکر اللہ تعالیٰ کے ادا کرے پھر بھی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں ہوسکتا کہ مجھ جیسے کمینے گناہ گار تباہ کار کو محض اپنے فضل و انعام سے اس موقف عظیم میں حاضر ہونے کا موقع دیا۔

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست ــــ آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ را ــــ غیر خاموشی چہ گوید لعل ہمچو آفتاب

خدا کی قسم یہ وہ جگہ ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے حبیب مکرم کے لیے انتخاب کیا، اور تمام فتوحات و برکات اور انوار جنھوں نے مشرق و مغرب کا احاطہ کرلیا اسی جگہ سے ظاہر و ناشی ہوئے ہیں یہ وہ میدان ہے جو مہبط وحی ہے اور مورد ملائکہ اور مسکن سید انس و جان رہا ہے ـــ یہ وہ سرزمین ہے جو اقدام خیر الانام سے نوازی گئی ہے۔

جنت البقیع کی زیارت سے جہاں اہل بیت، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر امت رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ اور جبل اُحد اور وہاں کے شہداء کی زیارت سے نیز مسجد قبا اور اُن دیگر مساجد متبرکہ و آثار مقدسہ کی زیارت سے جو شہر مدینہ اور نواحی مدینہ میں منتشر ہیں ـــ مشرف ہوا ـــ چند بار دخلے اندرون گنبد حجرۂ منورہ بھی میسر آئی ـــ یکم رجب کو جب کہ دروازہ کھلا اپنے سر اور چہرہ کو دیوار سے مل رہا تھا اور ڈاڑھی کو اس زمین رشک علیین کے لیے جھاڑو بنائے ہوئے تھا ـــ اس وقت اس احقر کے موقف سے قبر مکرم و معظم، ایک ذراع کم و بیش ہوگی ـــ

اس وقت احقر نے ارحم الراحمین سے بوسیلۂ رحمۃ للعالمین یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اس کمینے کو جب اس درگاہ میں داخلے کا موقع دے دیا ہے تو اب اس کے بعد کسی مخلوق کے دروازے پر حاجت طلب کرنے کے لیے نہ لے جانا ـــ اور بار آخرت میں نیز اپنی پناہ میں رکھنا۔ یہ دعا بیت اللہ شریف کے اندر بھی الحاح و زاری سے مانگی تھی ـــ بفضل خدا اور شفاعت رسول کریم سے امید قبولیت ہے ـــ وہاں سے آکر قبر سیدۃ النساءؓ کے قریب اس جگہ کھڑے ہوکر جو زیر ستون ہے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھیں اور باہر چلا گیا ـــ

اب جبکہ احقر راقم، شرف مجاورت بلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائز ہے ــــ اخبار و آثار اور مشاہد و مزارات کی واقفیت کے شوق نے آمادہ کیا کہ وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ کا مطالعہ کیا جائے ــــ یہ کتاب امام علامہ نور الدین علی بن عبد اللہ سمہودی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جو ۹۱۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے ــــ یہی کتاب ہے جو شیخ عبد الحق دہلویؒ کی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب (تاریخ مدینہ) کا ماخذ ہے ــــ عمدۃ الاخبار مولفہ احمد بن عبد الحمید الہاشمی السندھی جو ۱۰۳۵ھ میں تالیف ہوئی ہے ــــ کا بھی مطالعہ کیا ــــ ان کے علاوہ دیگر کتابوں پر بھی عبور حاصل کیا گیا ــــ فضائل زیارت، فضائل مدینۂ منورہ اور خصائص مدینۂ منورہ کو ان کتابوں سے اخذ کیا ــــ

حاضری کے دوسرے دن ایک بزرگ کے پاس جو ہندوستان سے آکر مدت مدید سے یہاں قیام پذیر ہیں ــ گیا ــــ اور اللہ کے اس فضل و کرم کا جو اس نے مجھ پر فرمایا ہے، اُن سے ذکر کیا ــــ انھوں نے یہ شعر پڑھا ــــ

نازم بچشم خود کہ روئے تو دیدہ است رفتم برپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اس شعر کو سن کر ایک خاص ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر مکرر یہ شعر پڑھا اور گریہ و زاری نے زور باندھا غلبۂ شوق میں اپنے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں کو اس سے ملا ــ

یا فتم در گذرے خاک کف پائیش را چوں نمالم رخ خود یافتہ ام جائیش را

مسجد نبوی میں خطبۂ جمعہ منجملہ اُن اوقات کے جن میں ذوق و حضور اور لذت و سرور حاصل ہوا ایک خطبۂ جمعہ کا وقت ہے ــــ خطیب بالائے منبر کھڑے ہو کر ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے تو کہتا ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا اَحْمَدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ــــ اور کہتا ہے ــــ قَالَ هٰذَا الَّذِیْ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ الْمُعَطَّرِ ــــ اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنا چہرہ بسوئے حجرۂ شریفہ کر لیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے ــــ اگر کسی کو حضور قلب کی کیفیت حاصل ہو تو اس وقت تصور کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا اور آپؐ کی شکل مبارک کا اور اس بات کا کہ آپ بالائے منبر جلوہ فرما ہیں، تمام مہاجرین و انصار، زبانِ مبارک

سے احکام و اخبار سننے کے لیے کان لگائے بیٹھے ہیں ___ آنحضرت اثنائے خطبہ میں ان کو طاعت حق کی ترغیب دے رہے ہیں اور شرائع و احکام بیان فرما رہے ہیں ___ اور یہ بھی خیال کرے کہ میں اس محفل مجد و جلال میں، صفِ نعال کے اندر بیٹھا ہوا ہوں ___ پھر جو سرور و کیف حاصل ہوگا وہ بیان نہیں ہو سکتا ___

خطبائے حرمین

خطبائے حرمین ہر جمعہ کو نیا خطبہ پڑھتے ہیں ___ لکھا ہوا خطبہ پڑھنا عیب سمجھتے ہیں ہر خطبے میں ہر مہینے اور موسم کا خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً عاشورا، رمضان، خصوصاً ایامِ حج ___ کوئی زبردست حادثہ واقع ہوا ہو جیسے کسی بڑے شخص کی موت اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ہر خطبے میں ذکر بیت اللہ بھی کرتے ہیں۔ چونکہ یہ خطیب اہلِ زبان ہوتے ہیں اس لیے خطبے میں کمال دکھاتے ہیں ___ فصاحت بیان، تجوید، طلاقتِ زبان کے ساتھ جمع ہو کر قوتِ سامعہ کو لذت قوی عطا کرتی ہے۔ ہر چند خطبہ طویل ہوتا ہے لیکن فصاحت کلام اور حسنِ صوت کی وجہ سے دل اس کے سننے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کوئی بے لطفی نہیں پیدا ہوتی ___

فضیلت شیخین

ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں کہ خداوند کریم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو ایک ہی طینت "سے پیدا کیا ہے اور ان کو اسی طینت میں واپس کیا ہے ___ تو میں بلاشبہ اپنی قسم میں صادق ہوں گا" ___ یہ دونوں گرامی قدر خلیفہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دفن ہیں ___ اور راہِ انصاف پر چلنے والے کے لیے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جب کہ مسلمان اپنے مُردوں کو بقصدِ تبرک، صلحاء و اولیاء کے زیرِ سایہ دفن کرتے ہیں اور اُن بزرگانِ دین کی برکت سے امید مغفرت رکھتے ہیں، پس ہمسائگی سید المرسلین، شفیع الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ کتنا اونچا ہوگا؟ جس کی بصیرت نورِ توفیق سے منور ہوگی اور دل روشن ہوگا، وہ اہل بیت اطہار، صحابۂ کبار اور مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب کا ضرور معترف و مصدق ہوگا، اُن سوابق خدمات اور مساعی مشکورہ کی بنا پر جن سے کتبِ احادیث و سیر بھری ہوئی ہیں۔ ___ تعجب ان لوگوں پر ہے جو صحابہ کے حقوقِ صحبت اور اُن کی خدمات عالیہ کو فراموش کر کے زبانِ طعن و انکار دراز کرتے ہیں ___ سبحان اللہ ___ اگر یہ تمام سعی و کوشش ___ جو کہ صحابۂ کرام ابتدائے اسلام میں برائے

تقویت دین، سید المرسلین کے رو برو کر چکے ہیں ـــــ منکروں کے زعم باطل کی رو سے ضائع و بے فائدہ رہی اور وہ شفاعت رحمۃ للعالمین سے نعوذ باللہ محروم رہے ـــــ تو ہم کو باوجود ان افعال قبیحہ، طاعت غیر صحیحہ، عبادت کاسدہ اور اعمال فاسدہ کے اپنے حال پر رونا چاہیے ہم کس منھ سے نجات و شفاعت کی توقع کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اعمال کے عیوب تلاش کرنے کی توفیق دے اور سلف صالحین بلکہ جمیع مسلمین سے بدگمانی کرنے سے محفوظ رکھے ـــــ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ـــــ ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ـــــ

مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں۔

غافلند ایں خلق از خود اے پسر — لاجرم گویند عیب یک دگر

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس — کم زند در عیب معیوباں نفس

ہر کرا افعال دیو و دد بود — با کریماں ہم گمانش بد بود

ہر کسے کو عیب خود دیدے ز پیش — کے بُدے غافل ز اصلاح خویش

خواجہ فرید الدین عطّار فرماتے ہیں۔

چند گوئی مرتضیٰؓ مظلوم بود — از خلافت راندہ و محروم بود

چوں علیؓ شیر حق است و تاج سر — ظلم نتواں کرد بر شیر اے پسر

در تعصب میزند جان تو جوش — مرتضیٰ را جاں چنیں نبود خموش

مرتضیٰ را ایں مکن بر خود قیاس — زانکہ در حق بود غرق آں حق شناس

اہل مدینہ کے جنازے

جنازے کو اندرون مسجد نبوی مواجہ شریف میں لاتے ہیں۔ اور اس دریچے کے قریب رکھ کر جو کہ محاذی مواجہ شریف ہے ـــــ مُردے کے لیے طلب شفاعت

توسل کرتے ہیں بعدہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھ کر، روضۂ جنت سے گذر کر جنت البقیع کو لے جاتے ہیں۔
میں ایک دن مواجہ شریف میں بیٹھا ہوا درود خوانی میں مشغول تھا کہ ایک جنازہ اسی طرح لایا گیا۔ مجھ کو اس مردے پہ رشک آیا، کاش یہ مُردہ میں ہوتا۔

نوزائیدہ اطفال مدینہ اطفال نوزائیدہ کو ان کی مائیں چالیس دن کے بعد روز پنجشنبہ حرم نبیؐ میں لاتی ہیں۔ اور خواجہ سرا بچوں کو ہاتھوں پر رکھ کر شباک (جالی) کے اندر لیجاتے ہیں اور مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر دعائے برکت عمر و صلاح عمل کرتے ہیں۔

دُعا بہ توسّل اہل مدینہ کی عادت ہے کہ جب کوئی مہم عظیم مثل استقاء یا دفع مظالم کے درپیش ہوتی ہے تو اکابر و اعیان عصر، مواجہ شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور اس دروازہ کو جو بجہت قبلہ شباک حجرہ میں ہے کھولتے ہیں۔ مصحف عثمانی کو باہر لاتے ہیں اور جناب باری تعالیٰ میں بتوسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع بلا کی درخواست کرتے ہیں۔ یہ مصحف عہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے از روئے قول صحیح اسی جگہ موجود ہے۔ ان دنوں کہ احقر مدینہ منورہ آیا ہوا ہے سلطان روم عبد الحمید خاں کا نامۂ مبارک باشندگان حرمین کے نام پہونچا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ لشکر اسلام کا کفار بنی اصفر سے مقابلہ ہے۔ چاہیئے کہ جماعت مسلمین برائے نصرت اہل اسلام و مقہوری کفار دُعا کریں۔ اس پیغام کے آنے کے بعد ہر دوشنبہ پنجشنبہ کو شیخ الحرم، قاضی، مفتی اور دیگر اعیان کے ساتھ بعد نماز فجر نزدیک شباک آتے ہیں اور قاری سورۂ اِنَّا فَتَحْنَا پڑھتا ہے اور حاضرین حجرۂ شریفہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ بروز جمعہ ۱۷ ربیع الثانی کو بعد نماز جمعہ یہ سب مواجہ شریف میں آئے اور مصحف مذکور کو باہر لا کر صحیح بخاری کا ختم کرایا اور مصحف سے سورۂ فتح پڑھی گئی۔ پھر دعا ہوئی۔ خطیب نے ایک فصیح و بلیغ دُعا پڑھی اور جناب مصطفویؐ سے توسل و استشفاع کیا۔ فقیر اس مجمع میں حاضر تھا اس وقت عجب حال مشاہدے میں آ رہا تھا۔ مگر بسبب ہجوم، زیارت مصحف سے محروم رہا۔ دوستوں میں سے ایک جو اُس مصحف کے قریب تھا اُس نے کہا کہ میں نے مصحف کی زیارت کی اور اس کو سر پہ رکھا۔ اس کا خط کوفی ہے اور اس کے اوراق جھلّی کے ہیں۔

بنو الاصفر بنو الاصفر ایک قوم ہے اُس کی کثرت سوائے علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا اُن کا

ملک انتہائے بلغار سے لے کر سرحد روم تک ہے سلطان روم کو اُن سے مقابلہ رہتا ہے۔ وہ عساکر اسلام کو ان سے جہاد کرنے میں ہمیشہ مشغول رکھتا ہے۔

احوال ملک روم سُنے

شیخ علی نام ایک عالم دہر ہیں وہ سالہا سال اسلامبول (استنبول) میں جس کو قسطنطنیہ بھی کہتے ہیں رہے ہیں ــــ اب مجاور مدینۂ منورہ ہیں ــــ ایک دن مدینۂ منورہ کے ایک باغ میں کہ چاہ ابوایوب انصاریؓ اس میں ہے ــــ بقصد سیر و تفریح میں اور وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سے احوال ملک روم، اطوار سلطان، دیگر خصوصیات قسطنطنیہ اور کفار مذکورین کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے بہت سے عجائب و غرائب ذکر کیے ــــ

شریف سرور کی خبر وفات

۱۸ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ کو شریف سرور نے مکہ معظمہ میں وفات پائی ان کا مجمل تذکرہ اوراق سابق میں گزر چکا ہے ــ ابھی وہ کچھ اوپر تیس سال کے تھے کہ صرصر اجل نے ان کے نہال عمر و زندگانی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ــــ مدینۂ منورہ میں جب یہ خبر پہونچی ــــ خطیب نے جمعہ کے دن خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے دوام و بقا، اہل دنیا کی موت و فنا اور زوال ملک و دولت کا ذکر ابتدا میں اس انداز میں کیا کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی ــــ بعد نماز جمعہ، مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ غائبانہ شریف سرور پر پڑھی گئی ــــ امام شافعیؒ مذہب تھا سب نے اس کی اقتدا کی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب نجاشی بادشاہ حبشہ نے اپنے ملک میں وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز مدینۂ منورہ میں صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ مرد صالح اصحمہ نجاشی فوت ہوگیا ــــ اس کے بعد صحابہ کے ساتھ نجاشیؓ پر غائبانہ نماز پڑھی ــــ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، سفر تبوک میں تھے کہ معاویہ لیثی صحابیؓ نے مدینۂ منورہ میں وفات پائی، جبرئیل علیہ السلام نے ان کی موت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اُن پر بھی آپ نے غائبانہ نماز پڑھی ــــ نماز جنازہ غائبانہ مذہب شافعیؒ میں جائز ہے ــــ نزد حنفیہ جائز نہیں ــــ ان احادیث سے استدلال کے جوابات جو حنفیہ نے دیئے ہیں وہ اپنی جگہ کتابوں میں موجود ہیں ــــ

حرمین شریف میں یہ قاعدہ ہے کہ جب اکابر میں سے کسی کی خبر موت سنتے ہیں تو نداکرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شہر میں وفات پائی ہے اے مسلمانو! اس پر نماز جنازہ پڑھو ــــ پس شافعی

امام، امامت کرتا ہے اور اکثر حنفیہ بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں۔

شریف نو کی خوشی بحکم شیخ الحرم شریف نو کے جلوس سے خوشی کا اظہار کرنے کے لیے بازار مدینہ کی چند دن زینت کی گئی۔

شیخ الحرم شرفائے مدینہ سادات حسینی ہیں، زمانۂ سابق میں اس بلدۂ طیبہ کی حکومت ان کے ہی کف اقتدار میں تھی۔ جب ہتک حرمت حرم شریف، اُن سے ظہور میں آئی اور اندرون مسجد متصل شباک حجرۂ شریفہ، کرسیاں بچھا بچھا کر بیٹھنے لگے اور وہاں بیٹھ کر قہوہ پیتے تھے۔ سلطان روم کو اس حال کی خبر ہوئی۔ ایک شخص کو بھیج کر ان کو ان اعمال سے باز رکھا اور حکومت سے ان کا دست تصرف کوتاہ کر دیا۔ اس دن سے شیخ الحرم، سلطان کی جانب سے مقرر ہوا، چند سو آدمی اہل لشکر سے برائے محافظت قلعہ و شہر متعین ہو گئے۔ اب چند آدمی ان شرفا میں سے یہاں موجود ہیں اور اُس وظیفے سے جو سلطان کی جانب سے آتا ہے اور بعض باغوں کی آمدنی سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اب فقط خطبے میں بعد نام سلطان و شریف مکہ، شریف مدینہ کا نام ان الفاظ سے مذکور ہوتا ہے۔ اللھم اصلح امیر المدینۃ شریف صالح

سلاطین روم خدام مدینہ کی فہرست میں آثار سعادت سلاطین روم سے یہ بھی ہے کہ منجملہ خدام حرم مدینہ، فراشین کا جو گروہ ہے اور جس کا کام اندرون شباک گنبد خضرا جاروب کشی کرنا اور قنادیل روشن کرنا ہے۔ اس گروہ کا سردار سلطان نے خود کو قرار دیا ہے۔ اور اپنا نام بھی دفتر خدام میں ثبت کرایا ہے، نیز اپنے نام کا وظیفہ بھی دیگر خدام کی طرح مقرر کیا ہے۔ نائب سلطان اس کام کی انجام دہی کے لیے مدینہ میں رہتا ہے۔ اس زمانے میں نائب سلطان شیخ حسین عباسی ہیں جو شیخ ابوالفتح مفتی حنفی کے چچازاد بھائی ہیں۔ وہ نیابت سلطان میں اندرون حجرہ جا کر اول خود جاروب کشی کرتے ہیں اور قنادیل روشن کرتے ہیں اُن کے بعد دوسرے خدام اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ جب نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو اپنے نائب کو روم سے صلہ و عطا بھیجتا ہے۔ سلاطین روم اس عہدۂ خدمت جاروب کشی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

سلطان دیار مغرب کی داد و دہش شریف عبداللہ بن محمد، سلطان دیار مغرب نے امسال،

حرمین کو جو ہدایا بھیجے ہیں اُن میں ایک لاکھ تیس ہزار زر سُرخ جو کہ ہندوستان کے تقریباً دو لاکھ روپے ہوتے ہیں برائے اہل مدینہ تھے ——— ان میں سے پچپن ہزار حصہ سادات و شرفا کا تھا جس کو سید السادات نے تقسیم کیا اور سادات کے مرد و زن میں سے ہر ایک کو اسی اسمٰعیلی سے کم نہ پہونچا ہوگا ——— اہل امتیاز کو ایک سو اور ہزار تک دیا گیا ——— پچپن ہزار دیگر ساکنین مدینہ میں سے غنی و فقیر، زن و مرد، صغیر و کبیر، مملوک و آزاد سب کو پہونچا اور سات اسمٰعیلی سے کم کسی کو نہ ملا۔ بیس ہزار حجرۂ شریفہ میں امانت ہیں، چالیس آدمیوں کے صرف کے لیے جن میں سے دس آدمی قرآن، دس دلائل الخیرات، دس درود شریف اور دس قصیدۂ بُردہ پڑھتے ہیں۔ سو اسمٰعیلی ماہانہ تنخواہ ان چالیس کو دی جاتی ہے

سلطان مغرب اور فن حدیث سلطان مذکور نے دو کتابیں حدیث کی تالیف کی ہیں، اُن کے چند نسخے حرمین بھیجے ہیں اور اُن کتابوں کے درس دینے والوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ حرمین میں بعض اشخاص اُن کتابوں کا درس دیتے ہیں ——— شہر مراکش جو دیار مغرب کا دارالسلطنت ہے، خشکی سے پانچ ماہ کا راستہ ہے اور اسکندریہ و مصر ہو کر کچھ کم ہے ———

اہل مدینہ کے اطفال اہل مدینہ کے اطفال خورد سال جو قرآن مجید حفظ کرتے ہیں، بعد مغرب مسجد شریف میں نزد منبر و محراب بیٹھتے ہیں، اپنا سبق دُہراتے ہیں اور اچھی آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں میں ایک رات اُستوانۂ اُم المومنین عائشہ کے قریب مشغول تلاوت کلام اللہ تھا کہ ایک لڑکا جس کا قرآن میں نے سنا تھا، میرے پاس آیا اور کہا اَقرءُ علیكَ ——— (کیا میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں) میں نے کہا اِقرءْ ——— (پڑھو)۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا۔ اس کو دیکھ کر دو لڑکے اور آکر بیٹھ گئے، میں نے ان کو کچھ دیا اور کہا کہ اس کو آپس میں برابر برابر تقسیم کر لو وہ لڑکے خوش ہوئے۔ ان میں سے ایک بہت چھوٹی عمر کا تھا، شاید آٹھ سال سے زیادہ نہ ہو، اس چھوٹے بچے سے میں نے دریافت کیا کہ تم نے آج کیا کھایا تھا؟ اُس بچے نے جواب دیا کہ میں تم کو اس کا جواب نہیں دوں گا، اپنے عمل کے ضائع ہو جانے کے خوف سے! ۔ اُس کے بھائی نے کہا کہ یہ حدیث کا مضمون بیان کر رہا ہے کہ جس نے مسجد میں دنیا کی بات کی اُس نے اپنا عمل ضائع کر دیا ——— مجھ کو اس کی اس بات سے تعجب ہوا کہ یہ لڑکا جزئیات

آداب شرعیہ پر اتنی اطلاع رکھتا ہے ـــــ بڑی عمر والوں کو بھی ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا۔

مسجد نبوی میں مجالس علم و ذکر

مسجد نبوی میں چند حضرات، مجلس درس و تذکیر منعقد کرتے ہیں بعض علماء کتب تفسیر و حدیث و فقہ اور علوم آلیہ کا درس دیتے ہیں۔ بعض تذکیر کے طور پر کتاب حدیث یا کتاب سلوک کو یا احوال مشائخ کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حاضرین حلقہ کیے بیٹھے رہتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اس مجمع میں اکثر تاجر د دوکاندار بھی حاضر ہوتے ہیں اور زباندانی کی وجہ سے مطلب سمجھتے ہیں، محتاج تفہیم نہیں ہوتے اگر کوئی لغت عبارت میں آئے یا دو حدیثیں بظاہر متعارض ہوں یا کسی مسئلہ میں اختلاف مجتہدین ہو تو اس کو قاری خود واضح کر دیتا ہے، وقت عصر سے، وقت چاشت تک اور عصر سے مغرب تک، عجیب مجمع مسجد نبوی میں رہتا ہے ـــــ ایک جماعت وعظ و تذکیر میں مشغول ہے۔ ایک تلاوت قرآن کر رہی ہے، ایک جماعت دلائل الخیرات اور درود پڑھ رہی ہے۔ ایک مواجہ شریف میں بیٹھی ہوئی عرض نیاز اور توسل بہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں شغول ہے۔ زعم فقیر میں اس طرح کا اجتماع اس حیثیت سے روئے زمین پر نہ ہوتا ہوگا۔ مکہ معظمہ میں اگرچہ بعض علماء درس دیتے ہیں اور لوگ ان کے قریب جمع ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ذکر و درود میں مشغول ہوتے ہیں، مگر یہاں تو کیفیت ہی دوسری ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى هٰذَا النَّبِيِّ ـــــ

علماء و صلحاء مدینہ منورہ

(۱) شیخ عثمان حنفی مصری ـــــ ان کی اصل دمشق ہے، مولد و منشا مصر ہے، پندرہ سال سے زیادہ گزر گئے کہ مجاور مدینہ ہیں۔ تبحر علم حدیث و فقہ میں اپنے زمانے میں حرمین کے اندر عدیل و نظیر نہیں رکھتے ـــــ تقریر مطلب اور توضیح مراد میں بے بدل ہیں۔ شافعی امام کی نماز فجر کے بعد، روشنی شمع میں، درس مسلم و بخاری دیتے ہیں، بہت بڑا مجمع اس درس میں حاضر ہوتا ہے ـــــ عشائین کے درمیان شرح ابن حجر بر اربعین نووی چند آدمی ان کے سامنے پڑھتے ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ الاشباہ والنظائر کی شرح شروع کر کے حج کو مکہ معظمہ گئے تھے۔ فقیر نے حرم مکہ میں ان سے ملاقات کی تھی اور مدینہ منورہ میں اکثر ان کی مجلس درس میں حاضر ہوتا ہے ـــــ چونکہ اہل مصر کے لہجہ میں کلام کرتے ہیں اور زبان میں کچھ سرعت بھی ہے اس لیے فقیر کی سمجھ میں ان کا کلام بتائل

نہیں آتا تیمناً ان سے اجازت روایت صحاح حاصل کی اور ایک ایک حدیث ہر کتاب سے پڑھی۔ انھوں نے مجھے اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ ان کے اور بخاری کے درمیان دس واسطے ہیں

(۲) شیخ صالح مالکی مغربی ــــ تمام علوم و فنون خصوصاً حدیث و فقہ میں تبحّر رکھتے ہیں۔ ان کی زبان فصیح ہے ــــ بعد نماز صبح و ظہر تفسیر و بخاری اور کتب فقہ مالکی کا درس دیتے ہیں۔ ــــ بین العشائین، خصائص کبریٰ مؤلفہ علامہ سیوطیؒ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چند آدمی سماع کرتے ہیں ــــ فقیر سے بہت محبت والفت رکھتے ہیں۔ چودہ سال ہو گئے کہ دیار مغرب سے آکر مجاورت مدینہ منورہ اختیار کر لی ہے کہتے تھے کہ میرا وطن حرمین سے سات ماہ کے راستے پر ہے۔

(۳) شیخ الیاس شافعی ــــ یہ تلمیذ شیخ ابوالحسن سندھی ہیں۔ بعد نماز فجر بعض کتب کا درس دیتے ہیں۔ بین العشائین بخاری کو اور ایک کسی سلوک کی کتاب کو بطور تذکیر پڑھتے ہیں اور لوگ سنتے ہیں۔ ان ایام میں بعد بخاری، طبقات شیخ عبدالوہابؒ پڑھ رہے ہیں اور اس کو قریب اختتام پہونچا دیا ہے۔ اس وقت فقیر اکثر ان کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے ــــ

(۴) شیخ احمد حنبلی ــــ ساکن نحصا از مضافات بصرہ۔ صالح اور خوبصورت نوجوان ہیں ــــ اپنے مذہب کی کتابیں استعداد تمام کے ساتھ پڑھاتے ہیں ــــ سفید ریش لوگوں کی جماعت ان کی شاگردی کرتی ہے ــــ مجھ کو ان کی فصاحت زبان، لطافت بیان اور حسن تقریر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جس وقت میں ان کی مجلس درس میں سے ہو کر گزرتا ہوں، ٹھہر جاتا ہوں اور اُن کے کلام کو سُن کر لذت یاب ہوتا ہوں ــــ

(۵) شیخ موسیٰ ــــ یہ مشارق الانوار کا درس دیتے ہیں۔ اور بزبان ترکی تقریر مطلب کرتے ہیں ــــ ترکوں کی جماعت ان کے درس میں حاضر ہوتی ہے۔ ــــ

(۶) سید احمد جمل اللیل[۵] ــــ سادات باعلوی سے ہیں۔ اس خاندان کی اصل حضر موت میں ہے ــــ سب شافعی مسلک رکھتے ہیں ــــ مدت ہوئی کہ ان کے آباء نے مدینے میں سکونت

---

[۵] جمل اللیل اُن سادات کا لقب ہو جو علی العریضی بن جعفر الصادقؒ کی اولاد ہیں۔

اختیار کرلی تھی۔ ـــــ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت ان میں جمع ہیں ـــ علوم دین سے بہرۂ کامل رکھتے ہیں۔ بہت سی کتابیں فراہم کی ہیں ـــ بعد اشراق، مسجد نبویؐ میں متصل شباک حجرۂ سیدۃ النساء درس دیتے ہیں۔ اس فقیر کو ایام مراجعت کے قریب ان سے تعارف حاصل ہوا اور دل اُن کے محاسنِ اخلاق کا مرہون رہا ـــــ

(۷) شیخ محمد عابد سندھی ـــــ یہ برادر زادۂ شیخ محمد حیات سندھی ہیں؟ خود مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں ـــ تمام علوم میں، خصوصًا بدیع و بیان، عروض و حساب اور نجوم و استخراج تقویم میں بہرۂ کامل رکھتے ہیں ـــ اشعار عربی بہت یاد ہیں، زبان بھی بہت فصیح ہے ـــ خود بھی شعر کہتے ہیں، اُن کو مجھ فقیر سے محبت و موانست بدرجۂ اتم ہے ـــــ بارہا جب کبھی باہم بیٹھے ہیں انھوں نے عربی اشعار سنائے اور میں نے اشعار فارسی ـ پھر میں اُن فارسی اشعار کا مطلب عربی زبان میں اُن کو سمجھاتا تھا۔ ایک دن ایک فارسی رباعی میں نے ان کو سنائی، بہت پسند کی۔ جس دن سے یہ دو شعر اُن کی زبان سے سُنے ہیں وردِ زبان کرلیے ہیں ـــ ان شعروں کو بطور مناجات پڑھتا ہوں اور امید قبولیت رکھتا ہوں ـــــ

الٰہی نجّنی من کُلِّ ضیقٍ　　　بجاہ المصطفٰی مولی الجمیع
وَھَبْ لی فی مدینتہٖ قراراً　　　وَرزقاً ثمّ دفناً فی البقیع

(۸) سید زین العابدین ـــــ انھوں نے شرافِ نسب کے ساتھ ساتھ فضیلت حسب کو بھی جمع کرلیا ہے۔ علوم دینیہ سے بہرہ اندوز ہیں۔ زبان فصیح رکھتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں۔ جس دن مسجد نبویؐ میں ان کی امامت کی نوبت آتی ہے۔ اُن کی خوش الحانی سے سامعین جھوم جھوم جاتے ہیں۔ اُن کا خاندان عالی ہے۔ اُن کے جدِّ اعلیٰ سید محمد برزنجی شہرستانی تھے جو خواجہ ابو یوسف ہمدانی کی اولاد میں تھے اور ولایت عراق سے آکر مدینۂ منورہ میں اقامت گزیں ہوگئے تھے ـــ وہ علم میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ وغیرہ بہت سی ان کی تالیفات ہیں۔ وہ ۱۱۰۳ھ میں فوت ہوئے ـــــ اس وقت تک برابر ان کی ذرّیت میں اہل فضل و علم ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور معظم و مکرم رہے ہیں ـــ سید محمد مذکور کے پسر نبیرۂ، سید جعفر برزنجی تھے جن کا رسالۂ مولود اور رسالۂ رجبیہ ہے اور اسماء اہلِ بدر و اُحد کو بھی ایک رسالہ میں جمع کیا ہے

سید جعفر برزنجیؒ نے ۱۱۶۷ھ میں وفات پائی ـــ سید زین العابدین، سید جعفر کے نواسے اور ان کے برادرِ حقیقی کے پوتے ہیں۔ رسالۂ مولود و معراج نیز اسماء اہل بدر و اُحد کو زبان فصیح میں نظم کیا ہے۔

سید زین العابدین نے بخاری شریف کی پہلی حدیث میرے لیے پڑھی اور اجازت روایت بخاری دی ـــ ایک دن میرے دیکھنے کو تشریف لائے ـــ اور بدست خود، روایت حدیث اور رسائل مذکورہ کا اجازت نامہ مجھے لکھا ـــ

(۹) سید علی ـــ یہ برادر سید جعفر ہیں، انھوں نے بھی اسماء اہل بدر و اُحد کو نظم کیا ہے ـــ اُن کا یہ قصیدہ، عرب سے شام و روم تک شہرت پا چکا ہے ـــ میں نے ان سے بھی ملاقات کی اور منظومۂ مذکورہ کو اُن کے سامنے پڑھ کر اجازت حاصل کی ـــ

(۱۰) ابوالسعود حنفی شورانی ـــ کتب علم دین پر عبور رکھتے ہیں ـــ بین العشائین قرأت صحیح مسلم، مسجد نبویؐ کے اندر محراب نبویؐ میں کرتے ہیں ـــ اب صحیح مسلم قریب اختتام ہے ـــ فقیر بھی ان کی مجلس درس میں حاضر ہوا ہے اور چند جزء سنے ہیں ـــ

دیگر چند اکابر مدینہ یہ چند (مذکورۂ بالا) حضرات اہل علم ہیں جن سے فقیر کو تعارف ہوا اور مصاحبت و مجالست حاصل ہوئی، ان مذکورین کے علاوہ کچھ حضرات اور بھی ہیں کہ افادہ و استفادہ میں مشغول رہتے ہیں، اُن میں ایک سید محسن مقبل ہیں جو سادات باعلوی سے ہیں۔ اس سے پہلے وہ مدینۂ منورہ کے سید السادہ تھے ـــ شریف سرور ان سے حسن عقیدت رکھتے تھے اور جب مدینۂ منورہ آتے تھے تو اُن کے گھر پر جاتے تھے اور ان کی سفارش جس کے حق میں ہوتی تھی اس کو رد نہیں کرتے تھے ـــ چند سال سے غلبۂ ورع و تقویٰ کی وجہ سے، عہدۂ مذکورہ سے استعفا دے دیا ہے اور اپنے گھر میں گوشہ گزیں ہو گئے ہیں ـــ اب حرم نبویؐ میں بھی کم آتے ہیں۔ ان کا گھر شہر پناہ کے کنارے پر ہے اور اس مکان کے سامنے باغات و صحرا کا سلسلہ، قبا اور عوالی مدینہ تک چلا گیا ہے گویا یہ تمام میدان اُن کے گھر کا صحن ہے ـــ تفریح کے لیے اس سے بہتر یہاں کوئی مکان نہ ہوگا ـــ فقیر ان کی ملاقات کو گیا اور اُن کے مکارم اخلاق سے مستفید ہوا ـــ

سید ابراہیم امیر ـــ یہ امام یمن کے بھائیوں میں سے ہیں۔ زبان فصیح اور

بیان طبع رکھتے ہیں، علوم دینیہ کے عالم ہیں، تواضع اور رقت قلب ان پر غالب ہے۔ اس سے پہلے اپنی قوم کے مطابق مذہب زیدیہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد اہل سنت وجماعت کی طرف رجوع کیا۔ امام یمن اور علمائے زیدیہ سے مباحثے کیے اور ان پر اعتراضات وارد کیے اور یمن سے چلے آئے۔ چند سال سے یہاں مقیم ہیں۔ یمن کا امام ان کو صلات وہدایا بھیجتا رہتا ہے ــــ ایام مراجعت کے قریب امیر مذکور، سید احمد جمل اللیل، ابو السعود شورانی، نیز بعض دیگر علماء اور فقیر، شیخ صالح الکی کے مہمان ہوئے تھے، پھر حرم نبویؐ میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک میں وہاں بیٹھا، رخصت ہونے کے وقت، مفارقت پر بہت تاسف وتحسر کیا ــــ وہ کہتے تھے کہ زیدیہ سوائے حکام بنی امیہ کے کسی کو برا نہیں کہتے، اور ان کے فروع فقہ اکثر حنفیہ کے موافق ہیں۔ وضو میں پاؤں دھوتے ہیں۔ مسح رجلین جائز نہیں رکھتے۔ اور اہل سنت میں سے جو یمن میں وارد ہوتا ہے اس سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں، علماء اہل سنت کی توقیر اور مشائخ طریقت کی تعظیم کرتے ہیں۔ آخر زمانے میں ظہور مہدی کے قائل ہیں۔ ان کے ائمہ مساجد سب شافعی اور حنفی ہیں ــــ

سید مصطفےٰ حلبی حنفی قادری ــــ عالم علوم دینیہ ہیں اور مسلک صوفیا رکھتے ہیں چند سال سے مجاور مدینہ منورہ ہیں۔ ان کو مجھ سے بہت کچھ محبت ہو گئی ہے۔ ایک دن میں ان سے اس مبارک مقام کی مفارقت پر اظہار تاسف کر رہا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ غم نہ کرو، حتی الامکان اپنے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رکھو۔ حقیقت محمدیؐ تمام کائنات میں جلوہ گر ہے دل کو متوجہ حضرت نبویؐ کر کے جہاں رہو گے اُن کے نزدیک رہو گے گو بظاہر دور رہو۔ اس لیے کہ اعتبار قرب معنوی کا ہوتا ہے ــــ ظاہری دوری قرب معنوی کے ہوتے ہوئے کچھ نقصان نہیں پہونچاتی ــــ کوچ کے دن میری مشایعت کے لیے بہت دور تک بیرون مدینہ آئے اور مجھے رخصت کیا ــــ

اہل مدینہ کی چند خصوصیات اہل مدینہ باوجودیکہ معاش قلیل رکھتے ہیں، لیکن کھانے پینے میں بہت تکلفات برتتے ہیں اور کسی سے قلت معاش کی شکایت یا اظہار فقر وتنگدستی نہیں کرتے ــ یہ دعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات ہیں کہ

اہلِ مدینہ کے حق میں برکت کے لیے فرمائی تھی ۔۔۔ یہاں کے تمام ساکنین حسنِ اخلاق، محاسن شیم اور کشادہ جبینی کے ساتھ موصوف ہیں۔ کیوں نہ ہوں آخر صاحبِ خلقِ عظیم کی ہمسائگی کا شرف رکھتے ہیں۔

مہاجرین کثیر التعداد، ترک اسلامبول (قسطنطنیہ) اور اقصائے روم سے آکر مجاورت مدینۂ منورہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور وہ بفراغِ قلب، خوش حالی کے ساتھ طاعت و عبادت میں بسر کرتے ہیں۔ اسی طرح عرب، سندھ اور دیگر مقامات کے لوگ بھی بڑی تعداد میں یہاں مقیم ہیں ۔۔۔ ایرانیوں میں سے کوئی مدینۂ منورہ میں نہیں پایا گیا ۔۔۔ بعض ایرانی موسمِ حج میں آتے ہیں اور اس راہ سے بھی گزرتے ہیں لیکن ہمراہِ قافلہ بلا توقف چلے جاتے ہیں۔ ان ایرانیوں میں سے کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ مجاورت مدینۂ منورہ اختیار کرے ۔۔۔

چند قابلِ ذکر ہندوستانی مہاجر اہلِ ہند کی ایک جماعت ہے جس نے غلبۂ شوق کی بنا پر بار و دیار کو ترک کر دیا ہے یا وہ لوگ ہجومِ مصائب سے تنگ آکر وطن سے نکل آئے ہیں اور اس آستانے پر پناہ گزیں ہو گئے ہیں، یہیں سکونت اختیار کر لی ہے اور اُن تمام آفات و بلیات سے جو ہندوستان میں پے در پے آ رہی ہیں ۔۔۔ مامون ہو گئے ہیں ۔۔۔ ان میں سے جس کسی کو دسترس تھی اُس نے وجہ معیشت بہم پہونچا لی یا کسی صنعت میں مشغول ہو گیا ورنہ توکل پر زندگی بسر کرتا ہے ۔۔۔ ان ہندوستانی مہاجرین مدینہ میں سے مردم دیدہ مردمی، سید حنیف بھی ہیں ان کے والد جو سادات از بکچہ میں سے تھے، دہلی میں قمر الدین خاں کے رفیق تھے ۔۔۔ عہدِ عماد الملک میں گڑبڑی واقع ہو جانے کے بعد، اپنے تمام خاندان اور اہل و عیال کو لے کر دہلی سے مدینۂ منورہ آ گئے اور یہاں سکونت اختیار کر لی نیز وظیفہ بھی جس کو اس شہر کی اصطلاح میں "معادم" کہتے ہیں ۔۔۔ معتدبہ مقدار میں بہم پہونچا لیا۔ اپنے اوقات یہاں فراغت کے ساتھ گزارتے ہیں۔ اُن کی ذاتِ عالی، مکارمِ اخلاق اور حسنِ اشفاق میں مغتنماتِ آفاق سے ہے۔ ان کے والد مرحوم کے نقیر کے والدِ مغفور سے تعلقات تھے ۔۔۔ وہ تعلقات، سید حنیف نے یاد دلائے اس وجہ سے رابطۂ مودت قدیم، محکم و مستحکم ہوا ۔۔۔ ان کو فارسی اور اردو کے اشعار خوب یاد ہیں ایک دن التزامِ مجاورت مدینہ کے بارے میں اردو کا یہ شعر پڑھا ۔۔۔

کوئی نکلا نہیں جنت میں آکر میں نکلوں کس طرح اس کی گلی سے ؟

سید بدر الدین، داماد سید حنیف مذکور ـــــ تحصیل علوم کر رہے ہیں۔ اور شیخ عثمان سے کتب حدیث و فقہ پڑھتے ہیں ـــــ

سید محمد حیات دہلوی حنفی قادری ـــــ ان کے بزرگ دہلی میں منصب دار شاہی ہوئے ہیں۔ یہ انقلاب حکومت مغلیہ کی وجہ سے دہلی سے نکلے اور حرمین، نجف، کربلا اور بغداد کی زیارت کے بعد پھر دہلی چلے گئے۔ اب چند سال سے مدینۂ منورہ میں سکونت پذیر ہو گئے ہیں ـــــ مذاہب اربعہ کی فقہ کا ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا۔ اس کے بعد بعض اہل مدینہ کی فرمائش پر اس کو عربی میں منتقل کیا۔ ان کے خصائل ذاتی و صفاتی بہت کچھ ہیں۔ ان کو مجھ سے خاص محبت و مودت ہے یہ دہلی میں مشائخ قادریہ میں سے ایک شیخ کے مرید تھے پھر اس کے بعد سید مسافر قادری نے مکہ معظمہ میں ان کو خلافت و اجازت دی۔ سید مسافر، فرزندان شیخ عبدالقادر جیلانی میں سے تھے ـــــ ان کی قبر مکہ معظمہ میں ہے اس راستے پر جو تنعیم کو جاتا ہے ـــــ اس فقیر نے ان کا نسب نامہ اور اجازت نامہ دیکھا ہے، تین چار پشت کے بعد سیدی و شیخی محمد غوث قادری (لاہوری) کے نسب نامہ کے مطابق ہو جاتا ہے ـــــ

(مولانا) محمد صدیق ساکن بڑودہ ـــــ بڑودہ گجرات میں ایک شہر ہے ـــــ یہ متقی عالم ہیں۔ چند سال سے یہاں کے ساکن ہیں اور عبادت و کسب علوم میں مشغول ہیں۔

ایک طرابلسی عالم محمد بن علیش ساکن طرابلس ـــــ پانچ سال سے یہاں مقیم ہیں، اکثر اوقات مسجد نبوی میں درود شریف اور دیگر اوراد پڑھتے رہتے ہیں اور سوائے حاجت ضروری کے حرم سے باہر نہیں نکلتے ـــــ مجھ کو ان سے بہت موانست تھی میں نے ان سے اہل مغرب کے عملیات کا استفسار اور اس کی تعلیم کا التماس کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ "درحقیقت سرزمین مغرب میں عملیات والے بہت سے ہیں اور میری ایک عامل سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور اس نے چاہا تھا کہ مجھے عمل سکھا دے لیکن چونکہ اس عمل کی غایت، منافع دنیا کمانا، تسخیر اہل دنیا اور مکر و حیلہ تھا اس لیے مجھے اس طرف توجہ نہ ہوئی" ـــــ فقیر نے اہل مغرب کے عملیات کی عجیب عجیب حکایتیں سنی ہیں ـــــ

علم حدیث کے طالبین کے لیے ایک ضروری نصیحت ایک دن میں شیخ محمد صالح مالکی

کی مجلسِ درس میں بیٹھا ہوا تھا۔ الفیہ عراقی کا جو کہ اصولِ حدیث میں ہے وہ درس دے رہے تھے ــــ باب آداب طالب حدیث پڑھ رہے تھے اُس میں مذکور تھا کہ ....

.... "آداب طالب علم حدیث میں سے بڑا ادب یہ ہے کہ اُس کی نیت طلب حدیث میں عمل کی ہو۔ شہرت وجاہ مقصود نہ ہو اور اُسے چاہیے کہ جو حدیث پڑھے اُس پر عمل کرے"

ــــ شیخ موصوف نے بیان کیا کہ بزرگان سلف میں سے ایک نے ایک عالم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارباب اموال کو مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے اے علماء تمہاری زکوٰۃ یہ ہے کہ کم از کم چالیس حدیثوں میں سے ایک حدیث پر ہی عمل کر لیا کرو ــــ

نماز میں ارسالِ یدین امام مالکؒ کا مسلک نہیں ہے

شیخ محمد صالح مالکی سے میں نے دریافت کیا کہ نماز میں ہاتھ چھوڑنا جو آپ حضرات میں معمول ہے کیا اس کی سند حدیث میں وارد ہے ــــ انھوں نے کہا کہ "کسی حدیث میں ارسال نہیں آیا ــــ امام مالکؒ نے موطّا میں روایت کیا ہے کہ نماز میں اعتماد (ہاتھ باندھنا) ہے۔ لیکن قاسم تلمیذ مالکؒ نے امام مالکؒ سے کچھ سوالات کیے تھے اور امام کے جوابوں کو ایک کتاب میں جمع کیا، مدوّنہ اس کتاب کا نام رکھا، اُس کتاب میں امام مالکؒ سے ارسال کی روایت کی ہے، مالکیہ کا عمل اسی روایت پر ہے ــ حدیث میں سوائے اعتماد کے اور کچھ نہیں ہے" ــــ میں نے سید حسین مفتی مکہ اور شیخ محمد علیش سے بھی اس مسئلے کو دریافت کیا تھا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا ــــ

دیارِ مدینہ کو الوداع

چار مہینے بیس دن کی اقامت کے بعد حسب ارادہ علیم و حکیم یہاں سے جانا پڑا۔ بروز دوشنبہ ۲۰ رجب کو مسجد نبویؐ میں مصلّائے نبویؐ کے اندر احرام عمرہ باندھ کر اور دربارِ خدا میں تضرع وزاری کر کے اندعائے معاودت و مجاورت کی اول دیارِ حبیبِ خداؐ کو الوداع کہہ کر مکۂ معظمہ روانہ ہوگیا ؎

ضرور نیست وگرنہ خدائے می داند
کہ ترکِ صحبتِ جاناں نہ اختیارِ من است

۲۹ رجب کو قافلہ قریش میں اترا، بعد زوالِ شمس وہاں سے کوچ ہوا اور آخر شب

میں وادیٔ روحا میں متصل مسجد شرف الروحا اُترے ــــــ چہارشنبہ کو مسجد مذکورہ میں نماز ظہر و عصر جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ کر کوچ کیا ــــــ رات کو وادیٔ خیف سے گزرے اور پنجشنبہ کی صبح کو بتاریخ یکم شعبان صفرا میں ورود ہوا ــــ دن کے آخری حصے میں یہاں سے روانگی ہوئی۔

بدر جمعہ کی صبح کو بدر پہونچے اور شہدار کی زیارت سے اور مساجد متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وادی میں جس میں ملائکہ اترے ہیں اور جو محل نصرت و عزت دین اور مقام فتح مبین تھی۔ جہاں کفار و مشرکین ہلاک و تباہ ہوئے ہیں ــــــ انوار فیض چمک رہے ہیں۔ اس قسم کے مقامات کو دیکھ کر اور گزشتہ احوال و واقعات کا استحضار ہو کر باطن کو نور و سرور ہوتا ہے ــــــ بدر میں آج کل جس جگہ کی زیارت کرتے ہیں وہ مسجد جمعہ ہے۔ یہ مسجد اندرون آبادیٔ بدر ہے ــــ اس کو مسجد غمامہ بھی کہتے ہیں ــــ کہتے ہیں کہ نزول ملائکہ یہیں ہوا تھا ــــ بیرون بدر کنارۂ وادی پر ایک چھوٹے سے احاطے میں قبور شہدا ہیں، اس کے متصل ایک قبہ ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بروز جنگ بدر اس جگہ تشریف فرما تھے وہاں ایک پتھر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تکیہ لگایا تھا۔ اس قبے کے پہلو میں بالائے کوہ ایک مسجد ہے اس کو مسجد سیدنا علی مرتضیٰ کہاتے ہیں۔

بدر ایک بڑا قریہ ہے، اس کی آبادی بھی معمور ہے ــ اس میں ایک نہر ہے جس کا منبع معلوم نہیں (در مثل نہر خیف و صفرا) سر پوشیدہ ہے، بیرون و اندرون شہر بدر کہیں کہیں وہ نہر کھلی ہوئی ہے ــــــ کھجوروں کو اس سے پانی دیتے ہیں ــــــ

اہل بدر سب اہل سنت و جماعت ہیں، بخلاف خیف و صفرا کے باشندوں کے کہ وہ مثل اہل یمن، زیدیہ ہیں ــــــ جمعہ کے دن یہاں قیام ہوا اور نماز مسجد غمامہ میں پڑھی ــــــ

آگے کی منزلیں مکۂ معظمہ تک شنبہ کو دن کے آخری حصے میں کوچ ہوا ــــ شام کے قریب جار کو ہستان سے نکل کر ریگستان کی زمین ہموار سامنے آئی جس کے بائیں طرف پہاڑ [illegible] اور داہنی طرف تین چار کوس کے فاصلے پر سمندر ہے۔

صبح یکشنبہ ــــــ کو ایک پہاڑ کے محاذ میں اترنا ہوا ــــــ دوشنبہ کو مستورہ میں پہونچے اور اس جگہ راہ بدر، راہ صفرا سے متحد ہو گئی ہے ــــــ سہ شنبہ کو رابغ پہونچے ــــــ صبح جمعہ

۹ شعبان بندرگاہ جدّہ اُترے وہاں دو دن ٹھہر کر یکشنبہ کو بعد نماز ظہر مکۂ معظمہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ — دوشنبہ کو جدّہ میں گزارا اور وہاں سے آخر روز میں سوار ہوکر سہ شنبہ کے دن بتاریخ ۱۳ شعبان بوقتِ سحر، حرمِ محترم میں حاضر ہوئے — طواف وسعی سے فراغت حاصل کی۔

شب برات کی فضیلت پر خطبہ

۱۴ شعبان کو بعد نماز عصر، حرم کے شمالی ایوان میں منبر بچھایا گیا، قاضی، مفتیانِ مذاہبِ اربعہ اور دیگر اکابر واصاغر جمع ہوئے۔ خطیب بالائے منبر آیا اور بیٹھ کر خطبۂ طویل پڑھا جو شب برات کی فضیلت پر مشتمل تھا۔ جب سلطان روم اور شریف مکہ کے نام پر خطیب پہونچا۔ دو خلعت اس کو پہنائے گئے۔ بعد فراغت خطبہ سب بیت اللہ کے دروازے کے سامنے آگئے — شیبی نے دروازۂ کعبہ کھول دیا اور تمام حاضرین نے رب الارباب کی درگاہ میں دعا کی —

لشکرِ اسلام کی فتح و نصرت کے لیے دعا

۱۵ شعبان کو — پنجشنبہ کے دن بعد نماز فجر مفتی عبدالملک حنفی دیگر حضرات کے ساتھ زمزم شریف کے متصل، مقابل بیت اللہ، حاضر ہوئے شیبی نے درِ کعبہ کھول دیا۔ کاتبِ سلطان نے — فرمان سلطان جو آیا ہے — باوازِ بلند پڑھا — یہ احقر اس مجمع میں تھا — فرمان طویل الذیل تھا — بنام شریف مکہ و وزیر جدّہ و قاضیان و مفتیانِ مذاہب اربعہ — شریف مکہ کے لیے بہت سے القابِ تعظیم و احترام اس میں تھے — مضمون فرمان یہ تھا کہ نصاریٰ بنی الاصفر کے دو قبیلوں نے بلادِ اسلام پر زور باندھ لیا ہے اور زن و مرد مسلمین کی ایک جماعت کثیر کو قید کر لیا ہے۔ غرضکہ ان کفار نے قدمِ ہمت آگے بڑھایا ہے، اسی وجہ سے ہمارے دل پر تشویش عظیم غالب ہے اور ہماری توجہ، دفع کفار اور نصرت اسلام کی جانب مبذول ہے — ہم نے وزیر اعظم کو فوج کے ہمراہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے بھیج دیا ہے — حضرت حق جل مجدہٗ کی جناب میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت اللہ شریف کا توسل کر کے دعا کرتا ہوں کہ وہ کفار کو مخذول و مقہور اور اولیاء سلطنت اسلام کو مظفر و منصور کرے — قاضیان و مفتیان تمام اصاغر و اکابر کے ساتھ دروازۂ بیت اللہ کو کھول کر، رکن، زمزم، مقام ابراہیم اور تمام مقاماتِ قبولیت کے پاس جا کر لشکر اسلام کے لیے دُعا کریں — فرمان

پڑھے جانے کے بعد سب مجمع نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ صحیح بخاری کو لایا گیا۔ مفتی عبدالملک نے پارہائے بخاری کو بعض حاضرین پر تقسیم کیا۔ چند روز میں بخاری ختم ہوئی ــــ چند دن یہ حقیر بھی تلاوت بخاری میں شریک رہا ــــ

طائف — سہ شنبہ ــــ ۲۰ شعبان ــــ بعد نماز عصر، بقصد زیارت سید عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خچر پر سوار ہو کر جبل کرا کے راستے سے طائف روانہ ہوا۔ کرا ایک پہاڑ ہے جو چند میل ارتفاع رکھتا ہے ــــ اس میں چشمے جاری ہیں۔ خچر اور دراز گوش کی سواری سے اس راستے سے دو روز میں مکہ سے طائف پہونچتے ہیں۔ پہلے یہ پہاڑ طے کرنا بہت مشکل تھا ــــ ایک مصری تاجر ہیں جو سابق میں مکہ میں کوئلے کی تجارت کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے ان کو وسعت دے دی ہے ــــ اس وقت کوئی سوداگر مالیت میں ان کے برابر نہیں ہے ــــ انھوں نے دامن کوہ سے چوٹی تک ایک وسیع راستہ بنا دیا ہے اور زینے تیار کرا دیے تاکہ پیدل و سواری سے بآسانی وہاں سے گزر سکیں ــــ چند جگہ بر سر راہ چھت دار مکانات بھی بنوا دیے تاکہ اگر بارش آئے تو مسافران مکانات میں پناہ پکڑ سکے ــــ اس عمل خیر میں اس تاجر نے ۲ لاکھ روپیہ صرف کیا ــــ اب یہ کام اختتام کو پہونچ گیا ہے کچھ اصلاح کا کام باقی ہے ــــ

راہ جبل کرا کے علاوہ ایک اور راستہ ہے کہ قافلہ و لشکر اس راہ سے چار دن میں بآرام طائف پہونچتا ہے ــــ تین منزلیں کر کے بوقت چاشت طائف پہونچا، مزار سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر مشاہد و مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ مسجد جس میں قبر ابن عباسؓ ہے، مساجد متبرکہ میں ہے اس لیے کہ ایام محاصرۂ طائف میں خیمۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تھا جہاں اب مسجد ہے ــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ہجرت سے پیشتر زید بن حارثہ کے ہمراہ، ثقیف کو دعوت اسلام دینے طائف تشریف لے گئے تھے ــــ طائف بہشتہائے دنیا میں سے ایک بہشت ہے ــــ اس کی ہوا بہت سرد ہے۔ رات بے رضائی کے بسر نہیں کی جا سکتی ــــ کثرت میوہ و فواکہ ــــ محتاج بیان نہیں ہے۔ بہت سے چشمے یہاں جاری ہیں ــــ گندم و جو سال میں دو بار کاٹتے ہیں ــــ طائف سے جس قدر سوئے نجد آگے بڑھتے ہیں۔ خنکی ہوا اور وفور میوہ

پڑھا جاتا ہے، اغنیاء مکہ موسم گرما میں طائف آتے ہیں اور تماشائے بساتین و باغات کرتے ہیں۔ شہر طائف ایک بڑا شہر ہے مگر اس کی آبادی اور بازار متفرق ہیں۔ آبادی قدیم جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد غزوہ حنین محاصرہ فرمایا تھا، مشہد ابن عباسؓ کے جنوب میں ہے۔ اب وہ حصہ کھنڈر ہے، محض عمارتوں کی بنیادیں باقی رہ گئی ہیں ـــ یہ روز شنبہ طائف سے ہوکر مسجد میقات قرن کے پاس احرام باندھا اور دو شنبہ کو نماز صبح مسجد حرام میں جاکر پڑھ لی اور طواف عمرہ ادا کیا۔ ـــ

مکہ معظمہ کا رمضان

جمعہ کے دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوئی۔ اس مہینے میں تمام حرم کے اندر ہجوم رہتا ہے۔ ایک بڑی جماعت اول شب میں نماز تراویح میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اور ایک جم غفیر تنعیم جاتا ہے اور وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتا ہے۔ اکثر حاضرین فرض عشا مالکی امام کے ساتھ پڑھ کر جماعتہائے متفرقہ کی شکل میں جدا جدا تراویح پڑھتے ہیں۔ امامان ہر چہار مذہب اپنے اپنے مصلوں پر ختم قرآن کرتے ہیں۔ لوگ بہت سے فانوس صحن حرم میں روشن کرتے ہیں ـــ کچھ لوگوں کو دیکھا گیا کہ بعد ہر ترویحے کے طواف کرکے دوگانہ طواف ادا کرتے ہیں، بعض شافعیہ علاوہ تراویح کے آخر شب میں سولہ رکعتیں جماعت سے پڑھتے ہیں، الغرض ایسا عجیب ذکر و تکبیر و تسبیح و تلاوت اور ذوق و حلاوت کا نقشہ ہوتا ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ـــ اہل مکہ، بعد فراغت تراویح اپنے گھروں کو جاتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔ بازار مکہ تا وقت سحر کھلا رہتا ہے۔ قندیلیں روشن رہتی ہیں۔ کھانے کی چیزیں اور میوے رکھے ہوئے ہوتے ہیں خصوصاً شب عید میں رونق بازار اور کثرت خرید و فروخت کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

مکہ معظمہ میں یوم العید

عید کے دن شریف مکہ غالب برادر شریف سرور نے تمام غلاموں کو جو پانچ سو سے زیادہ ہیں خلعت پہنائی! اور ایوان مقابل رکن یمانی میں کہ دار السعادہ اسی طرف ہے ـــ نماز عید کو آیا۔ ہجوم اہل مکہ کی وجہ سے جن میں سے ہر ایک لباس ہائے رنگا رنگ پہنے ہوئے تھا ـــ صحن مسجد حرام ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ موسم بہار میں پر فضا باغ۔ عید کے چار روز بعد تک اظہار نشاط و سرور کرنا اور لباس فاخرہ کا زیب تن کرنا اہل مکہ کا معمول

ہے۔ ان ایام میں جمیع سوار و پیادۂ عسکر نیز مدد، دن کے آخری حصے میں دارالسادہ کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں، در میدان علوخانہ میں گھوڑے دوڑاتے ہیں، نیزہ بازی کرتے ہیں نوجوان کر گدھوں کو کرایہ پر لے کر دوڑاتے ہیں۔ شریف خود باہر نکلتا ہے اور گھوڑا دوڑاتا ہے۔ کبھی علی میں جا کر اس میدان میں محسب و معلیٰ تک گھوڑے دوڑاتا ہے۔ خاندان شریف کا یہ دستور ہے کہ غلاموں اور متوسلوں کو عید کے دن خلعتہائے زنگارنگ عنایت کرتے ہیں۔ اور جس کسی کو کوئی عہدہ دیتے ہیں تو اس کی خلعت ایام حج تک موقوف رکھتے ہیں منا میں اس کو خلعت ملتی ہے۔

شریف مکہ کی چند خصوصیات

شریف مکہ کم و بیش پانچ ہزار غلام و لشکری رکھتا ہے۔ منجملہ ان کے پانچ سو سوار ہیں باقی پیادہ ہیں۔ دقت ضرورت جس قدر چاہتا ہے بدوی جمع کر لیتا ہے۔ تمام ملک میں جو تصرف شریف مکہ ہے — مالگزاری ادا کرنے کا کوئی دستور نہیں، اس لیے کہ تمام ملک کوہستان و ریگستان ہے۔ جہاں آبادی ہے وہاں، نیز وادیوں میں کچھ زراعت اور کھجور کے باغات ہیں — ان کی بڑی دولت مویشی ہیں شرفائے سابق بالالتزام نیل و مویشی کا عشر رعایا سے لیتے تھے۔ مدت سے بسبب سستی حکام زمانہ یہ عمل موقوف ہو گیا تھا — شریف سرور نے سعی بلیغ کر کے اور مبلغ کثیر صرف کر کے سرکشوں کی گوشمالی کی اور ان کو مطیع کیا۔ نیز دستور قدیم کو جاری کیا — شریف مکہ کی کل آمدنی — نصف محصول جدہ ہے نیز پورا محصول ینبوع و کنفدا ہے۔ علاوہ ازیں ایام حج کی آمدنی اور یہ کہ سلطان روم کی جانب سے آتا ہے اور وہ صدقات جو ملوک اطراف بھیجتے ہیں ان میں بھی شریف کا جو حصہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے — بعض باغات اور آراضی مزروعہ طائف میں اور دیگر وادیوں میں ہیں جن کو شرفائے حال و سابق نے خریدا ہے۔ ان آراضی سے تمام اولاد اپنا اپنا حصہ بسبیل میراث لیتی ہے — جب کوئی شریف انتقال کرتا ہے اور اس کا بیٹا اس کی جگہ بیٹھتا ہے تو وہ اپنے باپ کے مال کو بھائیوں پر تقسیم کرتا ہے۔ اور اگر لڑکے کے علاوہ کوئی اور شریف بنے تو تمام مال خاصۂ متوفی — نالق و صامت وارثوں کے لیے چھوڑتا ہے۔ شریف اس میں سے کچھ نہیں لیتا۔ ہاں قیمت سے لے سکتا ہے۔ ان دنوں کہ شریف سرور کا انتقال ہو گیا اور ان کا بھائی غالب شریف ہوا۔ اس نے پانچسو غلام اور قریب چار سو گھوڑے

اور دیگر اسباب مثل عبداللہ بن سرور سے بقیمت خرید سے ہیں۔ اور غرائب سے یہ بات ہے کہ اکثر شرفا نکاح نہیں کرتے کنیزان حبشیہ سے اُن کو سروکار ہوتا ہے۔ چند پشتوں سے ان کی مائیں حبشیہ ہی ہیں اسی وجہ سے شرفائے حال یہ رنگ حبشیاں۔ سیاہ فام ہیں۔ شرفائے بنی زید کی لڑکیاں عدم کفو کی بنا پر کسی سے نکاح نہیں کرتیں تمام عمر بے شوہر رہتی ہیں ـــــ شرفاء مکہ کے بچے بدوی علاقوں میں پرورش پاتے ہیں اور اس جگہ رہ کر زبان بدوی جو کہ اصل عربی بغیر تحریف کے ہے ـــــ اور اسپ و شتر اور خچر وغیرہ کی سواری سیکھتے ہیں۔ جب قریب بلوغ ہو جاتے ہیں تو ان کو مکہ میں لے آتے ہیں ـــــ

حرمین کے سکّے

معاملات بیع و شریٰ حرمین اور توابع حرمین یعنی جدہ وغیرہ میں نقد و بش ہے اور یہ ایسا نقد ہے کہ اب خارج میں اپنا وجود نہیں رکھتا اس کی مقدار مکّے میں تیس دیوانی ہے اور مدینہ میں بیس دیوانی ـــــ اور چاندی کے نقود مروجہ میں سے ایک ریال ہے جس کا وزن قریب ڈھائی روپیہ کے ہے ـــــ یہ مکہ میں پونے چار قروش ہے کہ ایک سو بیس دیوانی ہے اور مدینہ میں ساڑھے چھ قروش کا ایکسو تیس دیوانی ہے ریال کا آدھا اور چوتھائی بھی ہے ـــــ نیز ایک اور سکہ ہے جو مکّہ میں ساڑھے سترہ دیوانی کو آتا ہے اور مدینہ میں بیس دیوانی کو جو کہ ایک قروش ہے ـــــ مدینہ منورہ میں قطعہ ہائے سیمیں اور بھی ہیں۔ بقدر پچاس دیوانی اور اس کا نصف و ربع اور پانچ دیوانی اور ڈھائی دیوانی۔ یہ سب سکّے بنام سلطان روم ڈھلے ہوئے ہیں ـــــ اور یہ مدینہ کے علاوہ کہیں رائج نہیں ـــــ دیوانی سیم مغشوش (کھوٹی چاندی) سے بنتی ہے ـــــ اقچہ بھی سیم مغشوش سے بنتا ہے۔ یہ دیوانی سے چھوٹا سکہ ہے۔ دیوانی کو کبیر اور اقچہ کو صغیر کہتے ہیں۔ چار کبیر برابر پانچ صغیر کے ہوتے ہیں۔ سونے کے سکوں کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ایک مشخص ـــــ جو کہ مکہ میں آٹھ قروش کا اور مدینہ میں نیرہ قروش کا ہوتا ہے ـــــ دوسرا محبوب ـــــ جو مضروب بنام سلطان ہوتا ہے ـــــ اگر یہ سکہ اسلامبول (قسطنطنیہ) کا ڈھلا ہوا ہے تو پانچ قروش میں اور اگر مصر کا ہے تو چار قروش میں بکتا ہے ـــــ محبوب کے دونوں قسموں کا آدھا ہے ـــــ

تیسرا فیدمی ؟ ہے بقدر نیم ریال ـــــ مشخص میں تصویر اور انگریزی حروف نقش

ہوتے ہیں۔ اور اس کا رواج بلادِ اسلام کے اندر فرنگ و نصاریٰ سے سلسلۂ معاملت شدتِ اختلاط کی وجہ سے ہوگیا ہے، باشندگان روم بھی سکہ (شخص) سلطان کو جزیے میں دیتے ہیں — ریال مغربی وزن میں برابر ریال فرنگی کے ہے — اور اسمٰعیلی مغربی طلائی — مکہ کے ساڑھے تین قرش کے بقدر ہے۔ یہ تمام اقسام نقود رائج الوقت ہیں۔

عام باشندگان حرمین

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں زمانۂ نبوت کے باشندگانِ قدیم کی اولاد سے کوئی نہیں رہا۔ مگر مکہ میں شیبی، صاحب مفتاح کعبہ کہ اس خاندان نے مکہ سے کسی وقت ہجرت نہیں کی اور کوئی نہ کوئی ان میں سے اس جگہ مقیم رہا ہے — اور مدینہ میں انصاری ہیں کہ ان کے گھر بیرون دیوار شہر مناخہ میں متصل مصلائے عیدین فقیر کو ان لوگوں سے تعارف حاصل ہے۔ باقی ان دونوں جگہوں کے ساکنین ان لوگوں کی اولاد ہیں جو زمانۂ سابق و حال میں بلاد عرب و عجم سے چل کر یہاں توطن گزیں ہوگئے ہیں! اسی وجہ سے نسب یہاں کا معتبر نہ رہا، مگر قبیلۂ شریف و دیگر سادات حرمین کا نسب محفوظ ہے

دوسرے ملکوں کے مقابلے میں مردم ہند و سندھ یہاں زیادہ ہیں اسی وجہ سے زبان دانانِ اردو بہت سے ہیں اور فارسی بولنے والے نادر ہیں۔ اکثر مکہ و جدہ کے دوکاندار احمدآباد اور مین کے بوہرے ہیں اور وہ ہر نوع کی تجارت کرتے ہیں۔

اختلاط کی وجہ سے زبان عربی اصلی نہیں رہی

اسی اختلاط کی وجہ سے زبان عربی اصلی نہیں رہی اور اس میں عجیب تحریف ہوگئی ہے کہ بالکل قواعد نحو و صرف سے مناسبت نہیں رکھتی — ضرورت ہے کہ ایک دوسرا سیبویہ پیدا ہوتا کہ وہ حسب محاورۂ حال، قواعد نحو و صرف کا استخراج کرے —

ایک دن میں مفتی عبد الملک کے یہاں بیٹھا تھا۔ ان کا غلام میرے واسطے قہوہ لایا انھوں نے اس سے کچھ کلام کیا۔ میں نے کہا کہ مولانا آپ نے یہ لفظ کس طرح استعمال کیا؟ انھوں نے کہا کہ اگرچہ بموجب قواعد عربیہ غیر صحیح ہے لیکن عرف میں یوں ہی مستعمل ہے — میں نے کہا کہ آپ کو تو اس طرح تکلم کرنا زیبا نہیں — انھوں نے تبسم کیا اور کہا کہ اگر ان لوگوں سے ان کے محاورے میں گفتگو نہ کروں تو بات سمجھیں گے نہیں — اگر کوئی شعر ہو یا کتابی عبارت ہو تو ہم اصلی

زبان میں گفتگو کریں گے۔"

اعراب (دیہات کے باشندے) جو ان دونوں بلدوں سے خارج میں ساکن ہیں ان کے بہت سے قبائل کا نسب محفوظ اور زبان اختلاط سے سالم ہے۔

قبائل عرب

جو کچھ امور خیر قبائل عرب میں تاہنوز جاری ہیں اُن میں اصلا سستی نہیں کرتے حتی الامکان اکرام مہمان اور اس کی دلداری میں کوتاہی نہیں کرتے اکثر غرباء مساکین ہند جو جہاز سے اُتر کر قبائل میں ہوکر براہ حجاز مکہ معظمہ جاتے ہیں یا مکہ معظمہ مدینہ منورہ آتے ہیں سرراہ کے بدوی ان کی ہر قسم کی غمخواری کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان اعراب کی حکایات زبانوں پر مذکور اور کتابوں میں مسطور ہیں۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ مویشی جسقدر بھی بروئے حساب ان پر واجب ہوتی ہے خوشی و رغبت سے عامل زکوٰۃ کو پہونچاتے ہیں۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اگر ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کریں گے تو ان کا مال تلف ہوجائے گا ۔۔۔ فسق و فساد ان اعراب میں بہت کم ہے ۔۔۔ لیکن نماز روزے کی پابندی جتنی چاہیئے وہ نہیں ہے۔ قریب جبل رحمت ایک گاؤں ہے، اس کے تمام رہنے والے صحیح النسب قریش ہیں۔ میں جس دن سیدتنا میمونہؓ کے مزار کی زیارت کے لیے سرت کو جارہا تھا میں نے ایک اونٹ کرائے پر لیا، شتربان ایک نوجوان تھا قریشی نسل کا اُسی گاؤں کا ۔۔۔ جب نمازوں کے چند وقت گذر گئے اور اُس نے نماز نہیں پڑھی تو میں نے اُس سے کہا کہ تم نماز کا فرض کیوں نہیں ادا کرتے اُس نے جواب دیا کہ میں نماز نہیں پڑھا کرتا ۔۔۔ میں نے تعجب کیا تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے کہا کہ تم فرضیت نماز کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں فرضیت نماز کا تو اعتقاد رکھتا ہوں مگر ہماری یوں ہی مغفرت ہوجائے گی۔

لیکن صفرا و بدر اور دیگر بڑے بڑے قریوں میں مساجد ہیں اور وہاں کے رہنے والے کلاً یا بعضاً التزام نماز کرتے ہیں اور بچوں کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ۔۔۔ جو بدوی حج کے لیے آتے ہیں اُن سے عجیب و غریب حرکات ظہور میں آتی ہیں ۔۔۔ ان کے زن و مرد بیت اللہ کے گرداگرد اور حجر اسود پر اتنا ہجوم کرتے ہیں کہ ایک پر دوسرا گرا پڑتا ہے۔ ان کی موجودگی میں اور لوگ استیلام حجر نہیں کرسکتے اور طواف سے بھی رُک جاتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ امام سے آگے

بدوی کھڑے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں ——— مدینہ منورہ میں بھی ان کی اسی قسم کی بعض حرکات دیکھیں۔

مراجعت ہندوستان کا زمانہ قریب آگیا

آخر ماہ شوال میں مراجعت ہندوستان کا زمانہ آگیا اور آنے والوں نے قصد کوچ کیا۔ اس ضعیف کو مدینہ میں آتے ہی اس قدر دلبستگی اس موطن جان و دل سے ہوگئی کہ نام مراجعت سے دل نفرت کرتا تھا۔ اس حرم مقدس کے باشندے جو کہ جذب قلوب میں حکم مقناطیس رکھتے ہیں — اسقدر محبت اور حسن اخلاق سے پیش آتے تھے کہ یار و دیار فراموش ہوگئے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے

لا عیب فیهم سوی ان النزیل بهم — یسلو عن الاهل والاوطان والحشم

(یعنی ان میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں کہ ان کے یہاں اترنے والا مہمان اپنے اہل و عیال اور وطن کی یاد دل سے دور کر دیتا ہے ——— اور یہ دراصل بڑی خوبی کی بات ہے)

کچھ عرصہ دل متردد رہا کہ امسال وطن جاؤں اور وہاں جا کر دوستوں اور عزیزوں کو خیرباد کہہ کر یہاں واپس آجاؤں۔ اور آستانہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہ یہاں کے ساکنین کی صف میں مجاورت اختیار کر دوں ——— یا ایک سال اور حرمین میں اقامت کروں اور حج کر کے بقیہ سال مدینہ میں ہو کر سال آئندہ میں وطن جاؤں ——— ان دو شقوں میں سے جس شق کے اندر بھی خیر ہو اس شق کو اختیار کرنے کے لیے مواجہہ شریف میں اور نیز مشہد سیدۃ النساء پر الحاح و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا تھا ——— اسی تردد میں شعبان میں مکہ معظمہ آیا اور رمضان کا مہینہ بھی ختم ہوگیا ——— شوال کے مہینے میں دوسری شق کو ترجیح دی اور ارادہ اقامت امسال مصمم ہوگیا چنانچہ رفیقوں کو رخصت کیا اور خود وطن ہو کر مکہ معظمہ میں بیٹھا۔ چند روز یہ ارادہ پختہ رہا۔ اس کے بعد ایک دن یک بیک سفر ہندوستان کا وسوسہ دل میں پیدا ہوا۔ ہر چند لاحول و استغفار پڑھتا تھا یہ وسوسہ قوت پکڑتا جاتا تھا اور حطیم و مقام ابراہیم وغیرہا میں نمازیں پڑھ کر استخارہ کیا۔ بالآخر ملتزم میں زیر میزاب رحمت اور آستانہ بیت اللہ پر معاملے کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جو کچھ میرے حق میں خیر ہو اس کو جاری کر دے۔ تین چار روز استخارہ، دعا، اور الحاح کی تکرار ہوتی رہی اور وسوسہ سفر بحال خود رہا۔

ناچار بحکم عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم ـــ راضی بقضا ہو کر اسباب سفر تیار کیا ـــ ۲۰ رشوال کو کوچ درپیش ہوا۔ شب شنبہ میں بعد نماز مغرب، طواف وداع کیا اور حضرت حق سبحانہٗ سے خیر و عافیت دارین کی اپنے لیے اور اپنے اقارب و احباب کے لیے اور توفیق معاودت حرمین کی اور مدینہ منورہ میں موت کی درخواست کر کے درد اشتیاق اور الم فراق کے ساتھ باہر آیا۔ اور جدہ کو روانہ ہوا۔ یوم شنبہ جدہ میں رہا۔ سہ شنبہ یک شنبہ میں جدہ پہونچا ـــ سید حمزہ نامی ایک بزرگ جدہ میں رہتے ہیں۔ بہت سے ثقہ حضرات ان سے عقیدت رکھتے ہیں وہ کسی سے اختلاط نہیں رکھتے ـــ گاہ گاہ ان کو جذب لاحق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ چند دن مغلوب الحال ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے ان تک میری دلالت کی۔ میں وہاں گیا اور سلام کیا۔ کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہا اور اپنے برابر مجھے بٹھایا، میرے احوال پوچھے میں نے بیان کیے اور اُن سے دعائے توفیق معاودت کی درخواست کی۔

۵ ذی قعدہ کو نماز جمعہ جدہ میں پڑھ کر شب شنبہ کو بعد نماز عشاء سفینۃ الرسول نامی مرکب میں سوار ہوا ـــ صبح شنبہ کو جب موسم موافق ہو گیا تھا ـــ لنگر اٹھایا اور براہ بحر کبیر روانہ ہوئے

حدیدہ ۱۴ رشوال کو یکشنبہ کے دن بندرگاہ حدیدہ کے کنارے پہونچے ـــ صبح دوشنبہ سیر و تفرج کے لیے حدیدہ کے اندرونی حصے میں آئے ـــ یہ ایک بندرگاہ ہے مخا کی طرح یمن کی عمدہ بندرگاہوں میں سے ہے ـــ اس کے مکان اکثر خس پوش ہیں اور اچھا سامان ہر ملک کا اور طرح طرح کے میوے یہاں پائے جاتے ہیں، یہاں سے مکہ چار سو کوس اور مخا ایک سو بیس کوس ہے ـــ "صنعاء" جو یمن کا دار السلطنت ہے حدیدہ سے اور مخا سے آٹھ دن کے راستے پر ہے ـ

صنعاء سہ شنبہ کو ـــ وقت عصر حدیدہ سے روانہ ہوئے چونکہ ہوا موافق تھی ـ چہار شنبہ کو وقت ظہر کے آخری حصے میں مخا پہونچ گئے۔ وہاں لنگر کیا ـــ پنجشنبہ کو شہر آئے۔ سید احمد زیدی کے گھر جو سادات با علوی سے ہیں اترے ـــ جمعہ کے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھی ـ دولہ قاضی اور افراد جماعت زیدیہ وہاں حاضر تھے ـــ امام، شافعی مذہب تھا ـــ خطبے میں بعد ذکر آنحضرت ﷺ حضرت علیؓ کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کا، پھر حضرات حسنینؓ کا پھر

خلفاء راشدین اور امام زین العابدین علیؓ کا پھر زید بن علیؓ کا پھر خلفاء تسعہ (۹ خلفاء) کا ذکر تھا
یہ نہ معلوم ہو سکا کہ خلفاء تسعہ سے کون کون خلفاء مراد ہیں ــــ اس کی فرصت نہ ملی کہ کسی سے
اس کو معلوم کر لوں ــــ

حکام یمن کا ایک معمول

حکام یمن کا معمول ہے کہ بعد نماز جمعہ اپنے جلوخانے کے میدان میں فوجیوں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ آج فقیر بھی
اس میدان میں گیا، گھوڑوں کی دوڑ کو دیکھا، معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ فن سواری سے واقف نہیں
ہیں لیکن عربی گھوڑے بہترین بہترین نظر آئے ــــ دو تین خچر بھی اچھے دیکھے۔ اُن جیسے طویلۂ
شریف میں بھی نہیں دیکھے تھے ــــ

قریب سقوطرہ امواج سمندر کی تلاطم خیزی

شب یکشنبہ کو جہاز میں آئے اور لنگر اٹھایا۔ تین چار روز میں قریب سقوطرہ آئے، اس جگہ چاروں طرف سے موجیں متصادم ہوتی ہیں اور تمام سمندر میں یہ جگہ زیادہ خوفناک ہے۔
یہاں علاوہ تندیٔ باد کے، امواج تلاطم خیز تھیں۔ تمام لوگوں نے بڑی تکلیف اٹھائی تین
دن تک کشتی داہنی طرف کو ٹیڑھی رہی، بیٹھنا اور آرام کے ساتھ نماز پڑھنا میسر نہ تھا ــــ
آب موج شدت کے ساتھ درون کشتی آتی تھی ــــ

ساحل بمبئی

للہ الحمد کہ روز عید اضحیٰ، بوقت چاشت ــــ یکشنبہ کے دن سلامتی کے ساتھ ساحل بمبئی پر پہونچے ــــ اسی وقت جہاز سے نیچے اتر آئے ـ دکن
کی بندرگاہوں میں بمبئی ایک بڑا بندرگاہ ہے ــــ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ پہلے بمبئی چھوٹا تھا
بعد کو نصاریٰ نے سمندر کو پاٹ کر اس کو وسیع کیا ہے ــــ سمندر کے اندر بڑے بڑے جہازوں کو غرق
کر کے اُن کے اوپر بنیاد رکھ کر برج اور سنگین قلعہ بنایا ہے۔ گرد حصار تین خندقیں پختہ اور عریض
بنائی ہیں جو کہ پانی سے پُر ہیں ــــ کثرت آبادی، فراوانی اموال، نفائس و تحائف ہر ملک،
مضبوطی قلعہ، وفور توپ خانہ و آلات و اسباب جنگ، نزاکت عمارات اور شادابی باغات
و بازاروں کے لحاظ سے شہر بمبئی اتنا عجیب ہے کہ زبان اس کی خوبی بیان کرنے سے قاصر ہے
جہاز جو فرنگ سے آتے ہیں وہ اوّل یہاں آتے ہیں' بعدہٗ مدراس، کلکتہ اور دوسری

بندرگاہوں پر جاتے ہیں ۔

صنائع فرنگ

صنائع عجیبۂ فرنگ میں سے یہاں ایک ہوا کی چکی ہے اور وہ برج کی شکل کی ہے ۔ تلا اوپر دو ہاتھیوں کی قامت سے زیادہ اس کا ارتفاع ہے ۔ لکڑی سے بنائی ہے ۔ اس میں دو طبقے ہیں ، طبقۂ بالا پر چکی ہے ۔ چار بادکش بڑے بڑے بنائے ہیں کہ ہوا ان کو حرکت دیتی ہے ۔ ان کی حرکت سے ایک چرخ ہو وہ گھومتا ہے اور وہ چرخ چکی کو گھماتا ہے ۔ بادکش ہوا کے رُخ پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ ایک دن میں کم و بیش دو سو من غلہ اس چکی میں پیا جاتا ہے ، فقیر نے طبقۂ بالا پر آ کر اس کو دیکھا اور اس صنعت کاری کو دیکھ کر اس چکی کے بنانے والے کی عقل پر حیران ہو گیا ۔

دوسرا عجوبہ گودی ہے ۔ کہ برائے مرمت جہاز ہائے کلاں سمندر کے اندر ایک احاطہ بنایا ہے اور ایک دروازہ سمت سمندر پر لگایا ہے ، جب جہاز کی مرمت مطلوب ہوتی ہے ، مد آب کے وقت اس کو اندرون گودی لاتے ہیں اور دروازہ بند کر دیتے ہیں اور اس کے سگافوں پر تارکول پھیر دیتے ہیں تاکہ پانی اندر نہ جا سکے اور اس پانی کو جو درون گودی ہے تدبیر سے باہر نکالتے ہیں یہاں تک کہ زمین خشک نمودار ہو جاتی ہے اس کے بعد مستری زینوں کے ذریعہ نیچے اُتر کر جہازوں کی اصلاح و مرمت میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ بعد فراغت دروازے کو کھول دیتے ہیں کہ پانی اندر آئے اور اسی طرح ہمراہ جزر آب ، جہاز کو سمندر میں لے جاتے ہیں ۔ ان مستریوں میں سُرعت و چابکدستی اس قدر ہے کہ چند دنوں میں جہازوں کی مرمت کر کے دن کو گودی سے باہر کر دیتے ہیں ۔ ان دنوں کہ فقیر وارد بمبئی ہے یہاں کے جہاز ہائے کلاں کی مرمت ہو رہی ہے ۔ فقیر نے اپنی آنکھ سے اس مرمت کا معائنہ کیا ۔ یہ دونوں (چکی اور گودی) ایسی صنعتیں ہیں کہ عقل ان کو دیکھ کر دنگ ہو ۔ سننے سے تو کیا حال ہو ۔ اس کے علاوہ اور صنعتیں بھی قابل دید ہیں ۔

ماہم

بمبئی سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک آبادی اور ہے جس کا نام ماہم (مہائم) ہے وہاں ناریل کے باغات کثرت سے ہیں اس جگہ ایک بزرگ کا مزار ہے جن کا نام نامی شیخ علی ہے ۔ فقیر ان کے مزار پر گیا ۔ بمبئی سے ماہم تک کی مسافت راہ سیر باغات

اور تماشائے بستان میں طے ہوئی — چونکہ یہ جگہ پُر فضا اور دلچسپ تھی لہٰذا رات مزار کے احاطے میں گزاری —

بمبئی سے سورت

شہر پونا بمبئی سے چار روز کی مسافت پر ہے، پونا سے اورنگ آباد آٹھ روز کی راہ ہے — بندہ سے روانہ ہونے کے دن جبکہ کشتی کا آنا بمبئی میں قرار پایا تھا — فقیر کو اُن بزرگوں کے مزارات کی زیارت کا اشتیاق تھا جو اورنگ آباد اور برہان پور میں آسودہ ہیں۔ خیال یہ تھا کہ بمبئی سے براہ کوکن و پونا اورنگ آباد و برہان پور سے گذر کر اجمیر جائیں گے — لیکن بمبئی پہونچنے کے بعد، شدت بارش اور راستے میں دلدل کی کثرت کا حال معلوم ہوا۔ اُدھر آرزوئے ملاقات مولوی صاحب (مولانا خیرالدین صاحب محدث سورتی) بھی غالب تھی، لہٰذا سورت جانا طے کر لیا، سورت یہاں سے خشکی کے راستے سے آٹھ روز کی راہ پر ہے۔ اور سمندر سے ایک سو چوالیس کوس ہے، اگر باد موافق ہو تو ایک روز میں پہونچ جائیں بمبئی و سورت کے درمیان ساحل پر آبادیاں ہیں اور باغات ناریل و کیلہ کثرت سے ہیں۔ بروز دوشنبہ — ۲۱ر ذی الحجہ کو کشتی میں سوار ہوئے اور صبح سہ شنبہ کو لنگر اُٹھایا، چونکہ ہوا موافق نہ تھی چھٹے روز میں سورت پہونچنا ہوا — سہ شنبہ کی صبح کو بتاریخ ۲۸ر ذی الحجہ بعون و عنایت الٰہی داخل شہر سورت ہوئے —

سورت سے مراد آباد تک کی منازل

۱۵ر محرم یوم پنجشنبہ ۱۲۰۳ھ کو مولوی صاحب سے رخصت ہو کر سورت سے باہر نکل آئے۔ بریاؤں میں کہ تاپتی کے کنارے ایک گاؤں ہے رات گزاری — جمعہ کو چوکی میں کہ عالمگیر بادشاہ کی بنائی ہوئی ایک سرائے ہے سورت و بھروچ کے درمیان — منزل ہوئی — شنبہ کو انکلیسر پہونچے، احاطۂ مزار سید حلیمؒ میں رہے — یکشنبہ کو دریائے نربدا کو پار کر کے داخل بھروچ ہوئے — وہاں دو روز قیام کر کے چہارشنبہ کو روانہ ہوئے۔ تیسرے دن، ۲۳ر محرم کو بڑودہ پہونچے — یہ ایک شہر ہے مضافات احمد آباد گجرات سے — احمد آباد سے آٹھ روز کے راستے پر — اس سے پہلے دہلی سے جو حاجی جاتے تھے وہ اجمیر جاتے تھے۔ وہاں سے اودے پور کے راستے سے کہ رانا کا علاقہ ہے اور مارواڑ سے جو کہ راجہائے راٹھور کا علاقہ ہے — گزر کر احمد آباد جاتے تھے اور احمد آباد سے

بڑودہ پہونچتے تھے پھر سورت جاتے تھے ___ اس زمانے میں بسبب ضعف سلطنت مغلیہ سوائے قافلۂ کلاں کے اس راستے سے گزرنا دشوار ہے۔ ناچار بھوپال، اُجین سے برہان پور اور اورنگ آباد جاتے ہیں۔ یا براہ دوحد و باریہ ہمراہ بدرقۂ تاجران ___ جو کہ وہاں کے زمینداروں سے موافقت رکھتے ہیں ___ بڑودہ پہونچتے ہیں ___ یہ راہ اور راہ اٹی موہن کا اندورے بہرحال اس راہ سے گئے تھے ___ برابر سراہیں۔

شنبہ کو بھی بڑودہ میں قیام کیا۔ یکشنبہ کو بتاریخ ۲۵ محرم روانہ ہوئے اور جاروود میں جا کر رہے۔ دوشنبہ کو ہالول منزل ہوئی ___ پاوہ گڑھ ___ جو کہ پہاڑ کی چوٹی پر مشہور قلعہ ہے اور چانپانیر اس پہاڑ کے دامن میں واقع ہے ___ ہالول سے متصل ہے ___

شنبہ ___ ۲ صفر ___ باریہ پہونچے۔ یہ ایک شہر ہے توابع گجرات سے۔ یہاں کا راجہ ملک و جمعیت رکھتا ہے اور اس کے آبا و اجداد زمانۂ سابق میں بڑے درجے کے ہوئے ہیں۔ بالفعل حال بھی آزاد ہے کسی کا تابع نہیں ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف مرہٹے متصرف ہیں۔ لیکن راجہ سے کچھ نہیں بولتے ___

دوحد ۵ صفر ___ دوحد میں منزل ہوئی ___ غربی سمت میں اس شہر کا بازار اور نصف قلعہ صوبۂ گجرات کی حد پر ہے اور شرقی سمت میں نصف قلعہ حدِ مالوہ پر ہے اور یہی اس شہر کی وجہ تسمیہ ہے۔ یہ شہر عالمگیرؒ بادشاہ کا ولادت گاہ ہے۔ اب ایک قلعہ اور مسجد عالمگیری یہاں موجود ہے ___ میں نے رقعاتِ عالمگیری میں دیکھا کہ اپنے بیٹے اعظم شاہ کو عالمگیرؒ نے لکھا ہے ___ "فرزند بصوبۂ گجرات می روند۔ شہر دوحد مولد این عاصی است حقوق سکنہ آنجا بر من است۔ مراعات و حسن سلوک بانشاں برخود لازم دانند۔"

(یعنی دوحد میرا مولد ہے یہاں کے باشندوں کے حقوق میرے اوپر ہیں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو۔)

جمعہ ___ ۸ صفر ___ جھالوہ پہونچے۔ یہ ایک شہر ہے یہاں سے جنگل اور کوہستان طے کرکے دلی گاؤں میں جا کر رہے ___ اس جگہ راہ اٹی موہن متحد ہو گئی ہے۔ یہاں سے چار منزل قطع کرکے ۱۲ صفر کو اندور پہونچے ___ ۱۵ صفر کو وہاں سے روانہ ہوئے ___

بھوپال ۲۲ صفر کو بھوپال آئے ـــــ یہ ایک مشہور شہر ہے، افغانوں کے تصرف میں ہے، احکام اسلام اور حکومت اسلام اس مدت سفر خشکی میں بعد سورت یہاں نظر آئے ـــ اس کے چاروں طرف مرہٹے متصرف ہیں ـــــ ۲۶ صفر کو بھیلسہ پہونچے۔ یہاں زیر شہر ایک دریا ہے بیتوا نام ـــــ کہ ہر سال کاتک کے مہینے میں ہنود اشنان کے لیے اس دریا پر آتے ہیں اور بڑا مجمع ہوتا ہے۔ سوداگر، کثیر التعداد گھوڑے اور اونٹ نیز دیگر ہر قسم کے اموال یہاں لاتے ہیں۔ اگن کے آخر تک بلکہ نصف پوس تک یہ مجمع برقرار اور بازار بیع و شرا گرم رہتا ہے۔ اتفاق سے اسی موسم میں ہمارا ورود اس شہر میں ہوا ـــــ جمعہ ـــــ ۲۹ صفر۔ یہاں سے روانہ ہوکر شہر سرونج میں آئے۔ ۴ ربیع الاول کو یہاں سے روانہ ہوئے اور ۱۰ کو نرور گئے اور ۱۴ ربیع الاول کو بروز شنبہ گوالیار پہونچے۔

گوالیار یہ ایک قدیم شہر ہے۔ بہت سے مشائخ اس جگہ آسودہ ہیں۔ یہاں کے مزارات مشہورہ میں سے ایک قبر شیخ محمد غوث گوالیریؒ (مؤلف جواہر خمسہ) ہے۔ پتھر کی ایک اونچی عمارت اس مزار پر بنائی گئی ہے ـــــ شیخ حمید الدین نے، جو شیخ گوالیریؒ کے پوتوں میں سے ہیں اور آج کل سجادہ نشین ہیں ـــــ فرمایا ـــــ کہ شیخ گوالیریؒ کی تاریخ وفات غوث بے لوث (۹۷۰ھ) ہے۔ مزار شیخ اور ان کی اولاد کا محلہ بیرون شہر ہے۔ اس محلے کی آبادی شہر سے علیحدہ ہے۔ اور قبر کیوہ مجذوب اندرون شہر متصل جامع مسجد ہے ـــــ اس بزرگ کی تاریخ وفات کیوہ مجذوب (۹۰۹ھ) ہے ـــــ ان دونوں بزرگوں کے حالات اخبار الاخیار (مؤلفہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ) میں لکھے ہوئے ہیں ـــــ یہاں شیخ خان عالم شیبانی، عالم درویش صفت صاحب اخلاق حمیدہ، مخلوق سے بے تعلق اور معمر بزرگ ہیں۔ ان کی ملاقات سے دل کو راحت ملی۔ ان صفات کمال سے متصف اس زمانے میں بہت کم لوگ ہیں ـــــ ۱۷ ربیع الاول کو یہاں سے روانہ ہوا ـــــ ۱۹ کو دریائے چنبل عبور کرکے دھولپور پہونچے۔ یہاں منزل ہوئی۔ دھولپور دریائے چنبل کے کنارے ایک قدیم شہر ہے۔ صدمات زمانہ اور ظلم حکام سے ویران ہوگیا ہے۔ ۲۱ کو یہاں سے روانہ ہوکر ۲۲ ربیع الاول کو متھرا اور وہاں سے ۲۸ کو انوپ شہر اور ربیع الاول کی آخری تاریخ میں سنبھل آئے۔ یکم ربیع الثانی ۱۲۰۳ھ کو داخل مرادآباد

ہوئے۔
تمام مدت سفر
تمام مدت اس سفر کی دو سال دو ماہ اور دو ہفتہ تھی
فللہ الحمد
الفرقان کی یہ خاص اشاعت
اخباری کاغذ کی قلت کی وجہ سے محدود تیار ہوئی ہے، البتہ اچھے کاغذ پر اس کا کتابی ایڈیشن تیار کرلیا گیا ہے
آرٹ کارڈ کا دبیز نفیس کور قیمت ۱/۷۵
تاجرانہ کمیشن، ۲۵ فی صدی
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ
ہندستان میں مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا تجدیدی
کارنامہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس بوریہ نشین نے مغلیہ سلطنت کا رخ بدلدیا اور
پھر وہ اپنے رب سے جاملا — اس کے بعد انکی مسند ارشاد و ہدایت کو جس ہستی نے
سنبھالا اور انکے ڈالے ہوئے رخ کو تکمیل تک پہونچایا وہ ہیں آپکے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ
آپکے مکاتیب بھی آپکے والد ماجد کے مکاتیب کی طرح آپ کی مصلحانہ کاوشوں کے آئینہ دار ہیں۔
فارسی کے اس خزانہ کو مولانا نسیم احمد فریدی نے تلخیص کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے
اور کتب خانہ الفرقان نے اس کو شائع کیا ہے۔
کتابت و طباعت قابل دید،
کاغذ معیاری
مجلّد
ضخامت ۴۰۰ صفحات
قیمت ۷ روپے
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

سفر حج میں ساتھ رکھیے
آپ
حج کیسے کریں؟
حج وزیارت کے متعلق اردو میں بیشمار
چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن
یہ کتاب جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گویا
مشترک تالیف ہے اپنی اس خصوصیت میں بے نظیر
ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ بھی تفصیل
سے معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و جذب اور ذوق و شوق
کی وہ کیفیات بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی روح و جان
ہیں نہایت مقبول کتاب جو دس سال سے بار بار چھپ رہی ہے۔
کاغذ عمدہ قیمت مجلد ۲/-/-
آسان حج
آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا گویا خلاصہ ہے
کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی
پڑھ سکتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ
اٹھا سکتے ہیں
طباعت معیاری سائز جیبی قیمت -/۸/-
سفر حجاز 5/-
فضائل حج 3/50
معلم الحجاج 3/75
حج کا مسنون طریقہ 1/25
رفیق حج 1/50
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

المنبر کا جبری التواء

ہفت روزہ المنبر لائل پور (مغربی پاکستان) کے ڈیکلریشن کی تجدید ابھی تک نہیں ہوسکی، اس لیے عید نمبر شائع نہیں کیا جاسکتا تا وقتیکہ تجدید ہو، المنبر کی اشاعت ملتوی رہے گی۔ ہم اس جبری تاخیر و التوا پر قارئین کرام اور ایجنٹ حضرات سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ المنبر)

جس میں جماعت اسلامی ہند کے تاریخی اجلاس دہلی منعقدہ ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ نومبر ۱۹۶۷ء کی پوری کارروائی پیش کی گئی ہے، شائع ہوگیا ہے جس کا مطالعہ آج کی دکھی دنیا کے مسائل اور ان کے حل کو سمجھنے کیلئے ناگزیر ہے ۲۰×۲۶/۸ سائز کے ڈھائی سو صفحات، ٹائٹل رنگین کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، اس تاریخی دستاویز کو اجتماع گاہ اور جماعت اسلامی ہند کی مرکزی و صوبائی درسگاہوں کی دلکش فوٹو تصاویر سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ قیمت ۳ روپے علاوہ محصول ڈاک ۵۸ نئے پیسے تین جلدوں کی خریداری پر محصول ڈاک معاف، چار یا اس سے زیادہ جلدوں کی خریداری پر ۲۵ فیصد کمیشن دیا جائے گا۔

مینجر۔ روزنامہ دعوت دلی ۶

فون ۲۷۶۵۲ تار کا پتہ "جماعت دہلی"

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW

only Cover Printed at Gupta Printing Press, Lucknow.

HYDERABAD (DECCAN)
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ادارۂ الفرقان
مسئول
محمد منظور نعمانی
مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستان و پاکستان سے

سالانہ چندہ (بلکہ ہندوستان) صہ

سالانہ چندہ (بلکہ پاکستان) ۶

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

فی کاپی آٹھ آنے (۸)

غیر ممالک سے

سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ

اعزازی خریداروں سے

سالانہ چندہ ۱۵ ؍

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق جون سنہ ۱۹۶۱ء | شمارہ ۱۲

اگر دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ جون تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے — اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ انکی اطلاع ۳۰ تاریخ کے اندر آنی چاہیئے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقہ وارانہ عصبیت

مدھیہ پردیش میں ہندو فرقہ واریت کے شرمناک مظاہروں کے بعد، سوائے جن سنگھ جیسی جماعتوں کے حلقوں کے، ملک کے ہر حلقے میں یہ سوال ایک اہم ترین سوال بن گیا ہے کہ اس وبا کی روک تھام کیسے کی جائے خصوصاً مسلمانوں کے سامنے تو موت اور زیست کا سوال آگیا ہے اور اُن کے تمام اربابِ فکر کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ کسی مرض کا علاج، مرض کی پوری نوعیت اور اسکے اسباب کو سمجھے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسئلہ کی پوری نوعیت اور اس کے اسباب کو سمجھا جائے۔

ملک جب تقسیم ہوا تو ہندو مسلمانوں کی آویزش اور باہمی کھنچاؤ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ تقسیم کے نتیجہ میں ہندوستان کا اقتدار کانگریس کی تحویل میں آیا۔ اور یہ اُس وقت ملک کی گویا تنہا سیاسی طاقت تھی۔ فرقہ وارانہ تفریق و امتیاز کی اسکے اصولوں میں کوئی گنجائش نہیں تھی، اور اسکے نظریات کے اعتبار سے یہ بات ملک کے لئے سخت مضر تھی کہ یہاں ہندو مسلمان یا سکھ عیسائی متحارب اور باہم بیزار گروہوں کی شکل میں رہیں۔ اس لئے کم از کم

اسکے (کانگریس کے) اصول و نظریات کی رو سے لازم تھا کہ اُسکے لیڈر دونوں طرف کے زخموں کے اندمال کو ملک کا ایک بنیادی مسئلہ قرار دے کر ہر ممکن جد و جہد اسکے لئے کریں۔

لیکن افسوس کہ مسئلہ کی اس اہمیت کو کانگریس میں گاندھی جی کے سوا کسی نے نہیں محسوس کیا، اور حد یہ ہے کہ اس راہ میں گاندھی جی کی قیمتی جان چلی جانے پر بھی، جو اس مسئلہ کی اہمیت کی ایک انتہائی علامت تھی، کانگریس (نہ بحیثیت حکومت نہ بحیثیت پارٹی) اپنا فرض ادا کرنے کے لئے نہیں کھڑی ہو سکی۔

اس مسئلہ کے سلسلہ میں کانگریس کے دو بنیادی فرض تھے۔ ایک طرف اُن مسلمانوں کو جو بڑی تعداد میں تحریک پاکستان سے وابستہ رہ چکے تھے اور تقسیم ہونے پر بالکل ایک غیر متوقع صورت حال سے دوچار ہو گئے تھے، اور اپنا کوئی مستقبل انھیں ہندوستان میں نظر نہیں آرہا تھا، انھیں اعتماد میں لینے اور اپنے طرز عمل سے یہ باور کرانے کی ضرورت تھی کہ انھیں اپنے مستقبل سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، وہ یہاں ایک برابر کے شہری ہیں اور کانگریس ان کے حقوق کی ضامن ہے ــــــ کم از کم مسلمانوں کا ذہن صاف کرنے اور نئے ہندستان میں ایک نئے ڈھنگ سے اپنی زندگی کا آغاز کرنے میں اس چیز کا جو اثر ہوتا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

دوسری طرف ہندو اکثریت، جس کے اندر ابتداء میں محض ایک جذباتی اشتعال تھا اور کوئی بڑی منظم جماعت اس وقت اِن جذبات کو مستقل شکل دینے کے لئے موجود نہیں تھی، اس کا ذہن صاف کرنے کے لئے ایک زبردست مہم چلانے کی ضرورت تھی۔ کانگریس کا تنظیمی بازو عوام میں پھیل کر انھیں سمجھاتا کہ تقسیم کو یہ سوچ سمجھ کر قبول کیا گیا ہو کہ جو مسلمان یہاں رہنا چاہیں گے وہ رہیں گے، اس لئے جو مسلمان تقسیم کے بعد یہاں رہ گئے وہ یہاں کے شہری ہیں اُن کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ سلوک ہماری ذمہ داری ہے۔ کروروں کی جس تعداد میں مسلمان یہاں رہ رہے ہیں اُن کو ختم کر دینے یا ملک باہر

کر دینے کا خیال خام خیالی ہے، اس طرح کی جدوجہد کا نتیجہ اسکے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ ایک طرف ہندوؤں کا ذہن بجائے ملک کے تعمیری کاموں میں لگنے کے اس خام خیالی میں الجھا رہے اور دوسری طرف ملک میں مستقل طور سے ایک ایسے ناراض اور غیر مطمئن گروہ کا وجود رہے جو چپہ چپہ پر پھیلا ہوا ہے۔ جو کہ ملک کے لئے انتہائی خطرناک بات ہوگی۔ اس لئے ملک کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہندو خود بھی ملک کی تعمیر کے لئے یکسو ہوں اور ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے لئے بھی اطمینان اور حب الوطنی کا ماحول پیدا کر کے اسکو اپنے ساتھ لے کر چلیں اور حکومت کو بھی موقع دیں کہ وہ باشندگان ملک کے باہمی قضیوں اور رنجشوں کی طرف سے مطمئن رہ کر ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کر سکے ـــــــ گاندھی جی کی جانی قربانی یوں تو ملک کے لئے ایک عظیم سانحہ تھی مگر اس سانحہ نے اس کام کے لئے ایک بہترین موقع بھی پیدا کر دیا تھا۔ اس موقع پر فرقہ پرستی کے جنون کی مضرتیں اور ہلاکتیں بڑی آسانی کے ساتھ ہندو عوام و خواص کے ذہن میں بٹھائی جا سکتی تھیں، اور ایک پائدار نفرت اُن کے دلوں میں اس جنون کے خلاف اُتاری جا سکتی تھی۔

لیکن اسے ملک کی بدقسمتی کہیئے کہ اس وقت خود کانگریس میں ایک طاقتور عنصر ایسا تھا جو مسلم دشمنی میں خود کسی سے کم نہیں تھا۔[1] اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی سہارا دیکر انھیں اعتماد میں لیا جائے۔ اسی طرح وہ خود ہندو فرقہ پرستی کو پوری پوری شہ دینے پر مصر تھا، وہ خود اس جنون میں مبتلا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا یا تو تیا پانچہ کر دینا چاہیئے یا ان کو پاؤں کے نیچے دبا کر رکھنا چاہیئے۔ اور اسی جنون کے ماتحت وہ خود گاندھی جی کی ہتھیا کا بھی ذمہ دار تھا۔ اس لئے ہندوؤں کو وہ ہوشمندی کی وہ بات کیسے بتا سکتا تھا جسے وہ خود نہیں سمجھ رہا تھا۔ اور کیسے گاندھی جی کے خون کو وہ فرقہ واریت کے خلاف استعمال کرنے کا ہمنوا ہو سکتا تھا، جب کہ وہ خود اس خون سے

---

[1] جس کی نشاندہی مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں کی ہے۔

نالاں نہیں تھا۔ چنانچہ یہ دونوں انتہائی ضروری کام رہ گئے اور کانگریس اپنے اِن دو بنیادی اہمیت کے فرائض کی طرف توجہ نہیں کر سکی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف مسلمانوں میں مایوسی، بد دلی اور شکایت کی ذہنیت بڑھتی چلی گئی۔ اس ذہنیت کے پیدا ہو جانے اور مسلسل بڑھتے چلے جانے نے انھیں اس قابل نہیں رکھا کہ وہ ہندو مسلم خلیج کے پاٹنے کے لئے کوئی اقدام کریں۔ وہ مستقبل کی کوئی پُر اُمید تصویر دیکھ کر حالات کو اسکے لئے ساز گار بنانے کی جد وجہد کریں، اور اعتماد اور عزم کے ساتھ نئے ہندوستان میں ایک نئی طرز کی زندگی کا آغاز کریں، اور ان کا یہ اقدام، ان کی یہ جد وجہد اور اُن کی یہ تبدیلی ہندوؤں کو ان کے خلاف ورغلانے والوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دے۔

دوسری طرف (ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے بارے میں اپنے حال پر چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ) فرقہ پرست ہندو عناصر کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے اس بات کا پورا پورا موقع اور بالکل ایک کھلا ہوا میدان مل گیا کہ وہ ہندوؤں کو مسلم دشمنی کے نعروں پر اپنے جھنڈے کے نیچے منظم کریں، اور ہندو مسلمانوں میں نفاق اور عناد کی جڑیں مضبوط سے مضبوط کر دینے کے لئے جو پروگرام تیار کریں اس پر ہندو عوام سے پورا پورا عمل کرالیں —— یہ ہیں وہ اسباب جنھوں نے مدھیہ پردیش جیسے ہولناک واقعات کو جنم دیا۔

کانگریس کے لیڈروں اور دوسری غیر فرقہ پرست جماعتوں نے بھی، ان واقعات پر بڑی فکر و تشویش اور ندامت کا اظہار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے واقعات کا آئندہ کے لئے سد باب ان اسباب کے ازالہ ہی سے ہو سکتا ہے، اور سچی فکر و تشویش اگر ہو تو اصل کام ان اسباب کا ازالہ ہی ہے۔

کانگریس نے کچھ دن پہلے قومی اتحاد و استحکام کے لئے اپنے بعض ارکان کی جو ایک

کمیٹی مسز اندرا گاندھی کی صدارت میں بنائی تھی اُس نے کچھ سفارشات اس مقصد کے لئے پیش کی ہیں، اور وہ اچھی سفارشات ہیں، لیکن ان کی افادیت تمامتر اس پر موقوف ہے کہ ان پر ایمانداری سے عمل کیا جائے۔ خصوصاً اس سفارش پر بڑے جوش وخروش اور بڑی لگن کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے کہ عوام سے بڑے پیمانہ پر رابطہ قائم کرکے ان کو فرقہ پرستی کے مہلک نتائج سے آگاہ کیا جائے، اس لئے کہ اور بیشتر سفارشات کے عمل میں آنے کے لئے ملک میں جس قسم کی فضا درکار ہے وہ اسی جد وجہد پر موقوف ہے۔ اسی طرح دوسری غیر فرقہ پرست پارٹیاں اگر مدھیہ پردیش کے واقعات پر تشویش محسوس کرتی ہے اور اپنی کچھ ذمہ داری اس باب میں سمجھتی ہیں تو اس ذمہ داری کی ادائیگی کی صورت بھی یہی ہے کہ فرقہ پرستی کے خلاف عوامی شعور کو بیدار کرنے کی ایک ملک گیر مہم چلائی جائے، اور یہ بہت ہی اچھا ہے کہ اس مہم میں کانگریس اور یہ دوسری تمام پارٹیاں پوری طرح تعاون واشتراک کا ثبوت دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ پرستی کی یہ وبا جس کا طول وعرض مدھیہ پردیش کے واقعات میں نمایاں ہوا ہے، ملک کا کوئی مسئلہ اہمیت میں آج اسکی برابری نہیں کرتا۔ اس وبا کا اگر خاتمہ نہیں ہوا تو ملک کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی، اور ملک کی تعمیر وترقی کے سارے دوسرے کام اکارت ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لئے حُبِّ وطن اور قومی خیر خواہی کا اوّلین تقاضا ہے کہ اس وبا سے پوری قوت کے ساتھ نپٹا جائے، اور اسکے خاتمہ کا اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کا پیچھا نہ چھوڑا جائے۔

ہم یہ خیال نہیں رکھتے کہ اس مسئلہ میں کام کا میدان صرف اکثریتی فرقہ ہے مسلمانوں سے اس مسئلہ میں خطاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسا اگر کہا جائے تو یہ حقیقت سے چشم پوشی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ذہن بھی اس مسئلہ میں اصلاح کا محتاج ہے، بے شک ضرورت ہے کہ انھیں بھی فرقہ وارانہ یگانگت اور وطنی اُخوت کا سبق دیا جائے، اور دوسرے فرقوں کے ساتھ بھائی چارے اور رواداری کا جذبہ اُن میں

اُبھارا جائے، لیکن یہ بڑی ناانصافی اور ساتھ ہی ساتھ مقصد کے لحاظ سے ایک بھاری غلطی بھی ہوگی کہ اس مسئلہ میں ہندو اور مسلمانوں کو ایک ہی سطح پر رکھ کر بات کی جائے۔ فرقہ واریت کے مسئلہ میں ہندو اور مسلمان کی پوزیشن میں اس وقت ایک نمایاں اور بنیادی فرق ہے۔ مسلمانوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اُن کی اکثریت میں بھی ایک قومی نقطۂ نظر کا فقدان ہے، وہ بھی مسائل کو فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ ان میں بھی رواداری اور یگانگت کا وہ ذہن نہیں ہے جس کی ہندستان میں ضرورت ہے، لیکن ہندو فرقہ واریت کا طول وعرض صرف اتنا نہیں ہے۔ اس میں آج ایک شدید جارحیت پائی جاتی ہے، مسلمان اگر فرقہ وارانہ لائنوں پر منظم ہونے کو سوچتے ہیں تو اپنے بچاؤ اور صرف تحفظ کے لئے سوچتے ہیں، جبکہ ہندوؤں کی فرقہ وارانہ تنظیمیں مسلمان اقلیت کو بیخ وبن سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے اُٹھتی ہیں۔ ایک کے سامنے اپنے بچاؤ کا مسئلہ ہے، دوسرا دراز دستی اور حملہ آوری کی پوزیشن میں ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں پوزیشنوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اور اس لئے انصاف کے خلاف ہے کہ ان دونوں فرقوں کو ایک سطح پر رکھ کر اور ایک زبان سے بات کی جائے۔

علاوہ ازیں مقصد کے اعتبار سے۔ اس طرح کا رویہ ایک بھاری غلطی بھی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ناانصافی مسلمانوں میں چڑھ پیدا کرے گی۔ اور عام انسانی فطرت کے مطابق اُن سے توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس غیر منصفانہ لہجہ میں کہی ہوئی بات سے متاثر ہوکر اپنا جائزہ لے سکیں گے۔ گاندھی جی کی جانی قربانی نے جس طرح ہندوؤں کا ذہن فرقہ واریت کے خلاف بنا دینے کا ایک نادر موقع فراہم کیا تھا، اسی طرح یہ مسلمانوں کا دل مٹھی میں لے لینے اور ہندوؤں سے اُن کے کھنچاؤ کو ختم کر دینے کا بھی ایک بہترین موقع تھا، مگر اس موقع کو کھو دیا گیا۔ اب اگرچہ اس درجہ کا نہیں پھر بھی خاصے درجہ کا ایک موقع اس کام کے لئے مدھیہ پردیش کے دردناک واقعات نے پیدا کر دیا ہے۔ مسلمان اپنے مسئلہ میں جتنے سنجیدہ اس موقع پر ہوسکتے ہیں کم از کم گزشتہ بارہ سال کی مدت میں اتنے سنجیدہ کبھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ اس موقع پر اگر ان کے سامنے اُن کی

شکایات کا مداوا کرتے ہوئے سنجیدگی، خیر خواہی اور جذبات کی جائز پاسداری کے ساتھ یہ بات آئے کہ وہ جس فرقہ پرستانہ جنون کی زد میں ہیں اُسکے علاج کے لئے کچھ اُن کی بھی ذمہ داری ہے، اور وہ یہ کہ ہے وہ ملک میں بھائی چارے اور اخوت و یگانگت کا ماحول پیدا کرنے میں اپنے حال و قال اور عمل سے پوری پوری مدد دیں تو یقین کرنا چاہیئے کہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی۔ کانگریس اگر اس مقصد کے لئے تعاون مانگے گی تو بیشتر حلقوں کے با اثر اور مخلص مسلمان رہنما اور کارکن اس کام میں اس سے ہم آہنگ ہونے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن اگر کانگریسی لیڈروں نے مسلمانوں کے بارے میں لہجہ یہ اختیار کیا جس لہجے میں ہم اترپردیش کے نئے صدر کانگریس مسٹر جین کو بات کرتا ہوا پا رہے ہیں ـــــ کہ

”فرقہ پرست جو ۱۴ سال قبل ملک کی تقسیم کے ذمہ دار تھے اب انھوں نے پھر اپنی سرگرمیاں شروع کر دی ہیں۔ مسلم حقوق کی حفاظت کا بہانہ کر کے مسلم لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جبل پور کا حادثہ اور جو کچھ علیارمیں نعرے لگائے گئے ہیں، یہ جن سنگھ کی سرگرمیاں ہیں جو مسلم فرقہ پرستی سے کم درجہ کی بری نہیں ہیں۔ کانگریس دونوں برائیوں کا سختی کے ساتھ اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرے گی“

(قومی آواز ۲۶ مئی ۱۹۶۱ء)

تو سمجھ لینا چاہیئے کہ کانگریس اس موقع کو بھی کھو دے گی، اور نہ صرف مسلمانوں میں اپنی آواز کو بے اثر کر دے گی، بلکہ ہندو فرقہ واریت کے خلاف اپنی جنگ کی مہم کو بھی نقصان پہنچائے گی۔ جن سنگھ وغیرہ ہندوؤں میں اسی طرح کے پروپگنڈے کے ذریعہ جارحانہ فرقہ پرستی کو اُبھار رہی ہیں کہ مسلمان ایک نئے پاکستان کی فکر میں ہیں۔ وہ حقوق کے سوالات کی آڑ میں ایک نئی تقسیم کے لئے منظم ہونا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جب کانگریس کے لیڈر بھی اپنی زبان سے اس غلط پروپگنڈے کو تقویت پہنچائیں گے، تو سوچنے کی بات ہے کہ ہندو فرقہ پرستی کی آگ کیونکر ٹھنڈی

ہوسکے گی! کانگریس کے لیڈر اگر ہندو فرقہ واریت کے خلاف اپنی مہم میں سنجیدہ اور مخلص ہیں تو پھر اس زبان سے انھیں اجتناب کرنا چاہیئے اور دونوں پلڑوں کو زبردستی برابر رکھنے کی کوشش میں اپنی اصل مہم کو اپنے ہی ہاتھوں دونوں رخوں پر بے کار اور بے اثر نہیں کر دینا چاہیئے۔

وہ مسلمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بھی ہندو مسلم خلیج کو پاٹنے کے لئے اپنے کرنے کے کام نہیں کئے ہیں، وہ مسلمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلم لیگ وغیرہ کا احیاء ان کے لئے نقصان دہ ہوگا، اور ملک کی فضا کو مکدر کرے گا، لیکن انھیں اس حقیقت کا احساس کرنا ہوگا کہ آج کی ہندو فرقہ پرستی کے ہم معنی مسلم فرقہ پرستی کا وجود آج ہندوستان کے کسی گوشے میں نہیں ہے، اور اعتراف کرنا ہوگا کہ پبلک اور سرکاری اداروں میں مسلمانوں کے ساتھ مسلسل زیادتیوں اور ناانصافیوں کے نتیجے میں عدم تحفظ کا ایک بالکل فطری احساس اُن کے اندر پیدا ہو گیا ہے اور مسلم لیگ یا کسی دوسرے نام سے سیاسی لائنوں پر اپنی جداگانہ تنظیم کی بات اگر کچھ مسلمان سوچتے ہیں تو وہ اسی عدم تحفظ کے احساس کا نتیجہ اور گویا تحفظ کے حصول کی ایک کوشش ہے۔ یہ بات ہمارے قلم سے ایک مسلمان ہونے کی بنا پر نہیں نکل رہی ہے۔ ہم زبردستی مسلمانوں کو کوئی الاؤنس نہیں دلوانا چاہتے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف ہم آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری مسٹر اجے گھوش کی زبان پر بھی پاتے ہیں۔ ۲۶ مئی کے اخبارات میں فرقہ پرستی کے خلاف جنگ کے سوال پر ملک کی تمام بڑی غیر مذہبی جماعتوں کی کانفرنس بلانے کی جو تجویز انھوں نے کانگریس کے سامنے رکھی ہے اُس میں پوری صراحت کے ساتھ انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

الغرض کانگریس کے رہنما اگر فرقہ پرستی کے خلاف سنجیدگی اور سچے دل سے مہم چلانا چاہتے ہیں تو انھیں اس معاملہ میں اپنا ذہن پوری طرح صاف کرنا چاہیئے اور اپنے تمام ذمہ دار کارکنوں کو بھی ذہن کی یہ صفائی دینی چاہیئے، ورنہ مسٹر جین کے ایسے بیانات بھی اگر اس مہم میں چلتے رہے تو بات جوں کی توں رہے گی مسلمانوں میں

اس ناانصافی پر جھنجھلاہٹ بڑھے گی اور نہ فرقہ پرستی کو اس سے غذا ملے گی۔

مسلمانوں سے !

اسکے بعد ہم مسلمانوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ انھیں اپنے مستقبل کے مسئلہ میں بہت سنجیدہ ہو جانا چاہیئے، شہدائے جبل پور و ساگر کا خون ایک رنگ لایا ہے۔ ملک میں ایک فضا بنی ہے، مرکزی حکومت کے سربراہ اور کانگریس کے چوٹی کے رہنما اپنی جگہ سے ہلے ہیں اور کچھ کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس وقت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور ایک بڑی قیمت دیکر بنائی ہوئی فضا کو بیکار نہ جانے دینا چاہیئے۔ اس وقت اگر مسلمانوں نے سنجیدگی اور ہوشمندی کا ثبوت نہیں دیا تو وہ اپنی بدقسمتی کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔

اس وقت مسلمانوں کے کرنے کا کام کیا ہے، اور کس طرح وہ اس فضا کو اپنے حق میں نفع بخش بنا سکتے ہیں؟ اس گزارش سے پہلے ہم دو تمہیدی باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں جو ہمیں مذکورہ بالا سوال کے سلسلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دے سکیں۔

۱۔ ملک میں یوں تو اس وقت ۵ - ۶ قابل ذکر سیاسی پارٹیاں ہیں، لیکن اب سے دو سال پہلے تک ان میں سے تین پارٹیاں قابل لحاظ تھیں۔ ایک کانگرس پارٹی دوسری کمیونسٹ پارٹی، تیسری جن سنگھ، کانگریس تو خیر پورے ملک میں اپنی زبردست اکثریت کے ساتھ حکمراں پارٹی تھی، اس لئے سب سے پہلے نمبر پر قابل لحاظ تھی، لیکن کمیونسٹ پارٹی اور جن سنگھ، یہ دو پارٹیاں اس بنا پر قابل لحاظ تھیں کہ یہ دونوں ملک گیر پیمانہ پر اپنی طاقت میں اضافہ کا ثبوت دے رہی تھیں۔

موخر الذکر دونوں پارٹیوں میں مقابلتاً کمیونسٹ پارٹی کا پلڑا بھاری تھا۔ چھوٹی سی ایک ریاست میں اس نے اپنی حکومت بھی بنالی تھی، لیکن یکایک اس کا ستارہ گردش میں آیا اور ہند چین کشمکش نے اسے برسوں کی حساب سے پیچھے ہٹا دیا۔ دوسری طرف اسی قضیہ نے جن سنگھ کی طاقت میں اضافہ کا سامان فراہم کیا۔ حکمراں پارٹی نے اس غیر متوقع قضیہ میں جو کمزوری دکھائی تھی جن سنگھ نے ہندوؤں میں اس کا بھرپور

پروپیگنڈہ کیا۔ اس کمزوری کے خلاف کانگریس پارٹی کو ملامت کرنے والی اور عوام میں اسکے اعتماد کو نقصان پہنچانے والی پارٹیاں اور بھی تھیں لیکن بعض خاص اسباب کی بناپر ہندو عوام و خواص کے اس ٹوٹتے ہوئے اعتماد کا مرجع عام طور پر جن سنگھ ہی بنی۔ اور عام پبلک سے لے کر سرکاری مشینری تک ہر طبقہ میں جن سنگھ کی طاقت ایک دم غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ـــــــ علاوہ ازیں ہند مسلم سوال پیدا کر کے ہندوؤں میں مقبولیت کا جو پروگرام جن سنگھ شروع سے چلا رہی تھی ادھر دو سال سے اسکو بھی فسادات کی شکل میں نہایت تیز کر دیا گیا۔

الغرض اس وقت یہ شکل ہے کہ کانگریس کے طاقتور حریف کی حیثیت سے گویا تنہا جن سنگھ میدان میں ہے، اور کانگریس کے ہاتھ سے اگر اقتدار نکلتا ہے تو سیدھا جن سنگھ کے ہاتھ میں جاتا ہے، سرکاری مشینری اور نظم و نسق کے کار پردازان و کارکنان پر کسی اپوزیشن پارٹی کا اثر ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، دہلی کے حالیہ ضمنی الیکشنوں میں جب سے سرکاری افسران و ملازمان پر جن سنگھ کا زبردست اثر ظاہر ہوا ہے، کانگریس کے حلقوں میں ایک کھلبلی مچ گئی ہے اور کانگریس کی قیادت اس پر سخت متفکر ہے، یہ فکر و پریشانی اسی وجہ سے ہے کہ یہ ایک سیاسی انقلاب کا اشارہ ہے۔

پس مسلمانوں کو اس وقت سب سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کیا وہ جن سنگھ کا برسر اقتدار آ جانا پسند کرینگے؟ ـــــــ ہمارے خیال میں یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں کہ جن سنگھ کے برسر اقتدار آ جانے کو مسلمانوں کا پسند کرنا اپنی موت اور نہایت بے کسی کی موت پر دستخط کر دینا ہے۔ آج بہت سے مسلمان، جن میں بعض اچھے پڑھے لکھے بھی شامل ہیں، جذباتی انداز میں کہنے لگتے ہیں کہ ہمیں اس کا کیا غم کہ کون برسر اقتدار آتا ہے، جن سنگھ آ جائے گی تو اور اس سے زیادہ کیا ہونے لگے گا جو آج نہیں ہو رہا ہے۔ اس طرح کا انداز فکر دراصل انسان کی ایک جذباتی کمزوری ہے۔ انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی لیکن جب اسکے

بڑی کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تب اس کو احساس ہوتا ہے کہ پہلی حالت اس سے بہرحال بہتر اور قابل شکر تھی، بارش کی بوندوں میں کھڑے ہو کر بھیگنے پر آدمی مجبور کیا جائے تو سوچے گا کہ اس سے زیادہ بھیگنا اور کیا ہو گا، لیکن وہاں سے ہٹا کر ایک زوردار پرنالے کے نیچے اگر کھڑا کر دیا جائے تو اسے سمجھ آئے گی کہ بوندوں میں بھیگنا تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا، یہاں تو سانس بھی نہیں آنے پاتی۔ بالکل یہی معاملہ ہے کہ آج جو کچھ حال ہے، اس انداز سے سوچنے والوں کو، اسکی قدر اس وقت ہو گی جب خدانخواستہ جن سنگھی حکومت مسلّط ہو جائے گی۔ جب دستور کی رو سے بھی ہمارے حقوق دوسروں کے برابر نہ ہوں گے، جب تحریر و تقریر سے ہم کوئی احتجاج بھی نہ کر سکیں گے، جب ہم کسی ضرورت کے لئے کوئی انجمن اور جماعت بھی نہ بنا سکیں گے، جب جبل پور اور ساگر کے واقعات دُھرائے جائیں گے اور لب پر شکایت کی اجازت بھی نہ ہو گی۔ جب مظلوم ہی مجرموں کے کٹھرے میں کھڑے کئے جائیں گے، جب اسکی بھی اجازت نہ ہو گی کہ ہم مظلوموں کی خبر گیری کے لئے پہنچیں اور انھیں کوئی امداد پہنچائیں، جب کوئی کھڑے ہو کر یہ کہنے والا نہیں ہو گا کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہے اور اس پر لوگوں کو شرم آنی چاہیے۔ جب ہمیں اس پر بھی ٹوکا جائے گا کہ ہم حج کے لئے باہر کیوں جاتے ہیں۔ جب ہمارے اس سفر پر اور دوسرے مسلمان ملکوں کی آمد و رفت پر سازشوں کی تہمتیں باندھی جائیں گی ـــــ مختصر الفاظ میں کہیے کہ جب ہماری زندگی شودروں اور غلاموں سے بدتر بنا دی جائے گی ـــــ خدا نہ کرے!

یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس میں ایک لفظ مبالغہ کا نہیں ہے، ایک ایک بات کو لیتے جائیے اور جن سنگھ کے آج کے قول و فعل کی روشنی میں جانچتے جائیے کہ کل یہی سب کچھ جن سنگھ کرے گی یا نہیں، جبل پور اور ساگر کے جیسے دردناک مظالم جن پر بے حس سے بے حس لوگوں کے دل ہل گئے اور گردنیں شرم سے جھک گئیں، ان پر بھی ہم سب' جن سنگھ کے لیڈروں اور اخباروں کی سنگدلی اور بے حیائی کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ اُلٹا مسلمانوں ہی کو مجرم بنانے پر تلے ہوئے ہیں، اور نہایت برافروختہ ہیں

مسلمانوں کی مظلومیت کا اعتراف کیوں کیا جا رہا ہے اور کیوں ہندوؤں کو سرزنش کی جا رہی ہے، اور حد یہ کہ کیوں مسلمانوں کو وہاں امدادی کام کی اجازت دی جا رہی ہے؟ ــــــ یہ ہوگا جن سنگھی اقتدار کا ہمارے ساتھ معاملہ، جس کا ہم نہایت ٹھوس بنیادوں پر آج وقت سے پہلے ہی تصور کر سکتے ہیں! ــــــ بلکہ ہم تو جن سنگھ کی نظامیت کو دیکھتے ہوئے اس میں بھی شبہ نہیں رکھتے کہ جس دن جن سنگھ ملک میں برسر اقتدار آ جائے گی جمہوریت کے بجائے یہاں نازی ازم چلے گا، اور الیکشن تک کا نام سننے میں نہ آئے گا۔

۲۔ اسکے بعد دوسری بات نہایت کھلے دماغ سے ہمیں یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ ہمارے ملک کا موجودہ نظام گو نا مذہبی جمہوریت ہے، جو اگر پورے اصولوں کے ساتھ وجود میں آئے تو اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہندوستان جیسے ملک میں ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن ہندو جو یہاں کی اکثریت ہیں اُن کے اور ہمارے مابین چونکہ آزادی کے موقع پر شدید بدگمانیوں، بداندیشیوں اور شکوک و شبہات کی ایک ناخوشگوار فضا قائم ہوگئی تھی جس کا زہر بہت سے قوم پرست ہندوؤں تک میں سرایت کر گیا، اس لیئے حقیقی سیکولر جمہوریت جس میں ہمارے حقوق کا پورا تحفظ ہوتا، ابھی تک وجود میں نہیں آسکی ہے اور نہ اُس وقت تک آسکتی ہے جب تک یہ زہریلی فضا ملک میں قائم رہے گی۔ ایسی فضا میں دراصل یہی بہت بڑی بات تھی کہ ملک کا دستور مکمل نا مذہبی جمہوری اصولوں پر بن گیا، ورنہ تعجب کی بات نہ ہوتی اگر دستوری حد تک بھی کامل نا مذہبی جمہوریت ملک میں قائم نہ ہوتی۔ پس اس فضا کی موجودگی میں اگر ہم یہ چاہیں اور توقع کریں کہ عملاً ایک کھری نا مذہبی جمہوریت ملک میں پیدا ہو جائے تو یہ دانعات کی دنیا میں تو ممکن نہیں ہے، خواہ ملک کا اقتدار اعلیٰ بھی کتنے ہی خلوص دل سے اس بات کو چاہے۔ عملی طور پر تو نا مذہبی جمہوریت کا قیام ملک میں اسی وقت ممکن ہے جب ملک کی مذہبی اکثریت اس خواہش سے ساز کرے، اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بلند ہو جائے ــــــ اس لئے مسلمان اگر ملک میں حقیقی نا مذہبی جمہوریت کا عملی قیام

اپنی ضرورت سمجھتے ہیں تو انھیں خواہش پسند بننے کے بجائے حقیقت پسند بن کر اس فضا کے قائم کرنے کی جدوجہد کرنا ہوگی جس میں نا مذہبی جمہوریت کا عملی قیام ممکن ہو۔

یہ دونوں تمہیدی باتیں اگر تسلیم ہیں تو آئیے اب ہم پھر اصل بات پر آئیں کہ مسلمانوں کو ماضی اور حال کے غم اور شکوہ و شکایات سے بلند ہو کر ساری توجہ اس وقت اپنے مستقبل کے مسئلہ پر مرکوز کر دینی چاہیئے اور جو فضا اس وقت شہدائے جبل پور وساگر کے خون کے صدقے میں بن گئی ہے اس سے پوری ہوشمندی اور وقت شناسی کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

مستقبل کے لئے کرنے کے جو کام ہو سکتے ہیں ان کی طرف یہ تمہیدی مسلّمات ہماری خود رہنمائی کر رہے ہیں، یعنی ایک تو ہمیں فوری طور پر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ جن سنگھی اقتدار کے خطرے کو روکنے کے لئے ہمیں کیا مؤثر عملی رُخ اختیار کرنا ہے؟ اس باب میں کسی نتیجہ خیز فیصلہ تک پہنچنے میں ہمیں مندرجہ ذیل حقائق مدد دے سکتے ہیں۔

(۱) کانگریس ہی اس وقت سب سے بڑی طاقت ہے جو جن سنگھ کے بڑھتے ہوئے اثر سے ٹکر لے سکتی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جسے کانگریس کی حریف غیر فرقہ پرست سیاسی پارٹیاں بھی مانتی ہیں، چنانچہ اوپر ہم نے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری کی اس تجویز کا ذکر کیا ہے کہ کانگریس کو فرقہ پرست طاقتوں کے مقابلے کے لئے ایک آل پارٹیز کانفرنس بلانی چاہیئے اس تجویز میں پنڈت نہرو سے یہ اپیل بھی ہے کہ وہ فرقہ پرستی کے خلاف اس مجوزہ تحریک کی قیادت کریں۔

(۲) اور اس نے (کانگریس نے) مدھیہ پردیش کے واقعات اور اسکے بعد کے کچھ دوسرے حالات کو اپنے لئے جن سنگھ کی طرف سے ایک آخری چیلنج محسوس کر لیا ہے۔

(۳) کانگریس کی قیادت اب اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر بھی رہی ہے۔ اور اسکے انداز میں آج پچھلے تمام ایام سے زیادہ سنجیدگی اور حقیقت پسندی جھلک رہی ہے۔

اِن حقائق کا تقاضہ ہے کہ ہم اس جذباتیت میں نہ پڑتے ہوئے کہ کانگریس اب تک ہمارے حق میں کیا بھلی ثابت ہوئی ہے اس معرکہ میں پوری یکجہتی کے ساتھ اسکی مدد کریں، اور اپنا ہر ممکن تعاون اُسے پیش کیا جائے۔

ہم کانگریس کے اعمال سے کچھ کم نالاں نہیں ہیں، الفرقان کے کتنے ہی ادارتی مقالات اس بات کے گواہ ہیں۔ لیکن اس وقت مسئلہ کانگریس کی اچھائی برائی کا نہیں ہے۔ اس وقت مسئلہ ہماری اپنی موت وزیست کا ہے۔ ہماری اپنی بھلائی اگر اس وقت اس میں ہے کہ کانگریس سے تعاون کیا جائے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہوسکتی کہ ہم اسکے آسمان کے بوندوں کی اذیتوں کو یاد کرکے پرنالے کی مصیبت اپنے سر آجانے دیں۔ کانگریس اس وقت ہمارے معاملہ میں بھی اپنی کوتاہیوں کی تلافی پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اس تلافی کے رجحان کی اچھی سے اچھی عملی شکل بنوانے کی بھی یہی مؤثر صورت ہے کہ کانگریس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کے جواب میں ہم اپنا ہاتھ بڑھانے میں تامل نہ کریں۔ اور اسکے روّیہ کی تبدیلی کو پائیدار بنانے کی کوشش کریں۔

۲۔ اسی معرکہ کے سلسلہ میں کانگریس ہندو مسلم آویزش کو ختم کرنے کے سلسلہ میں بھی سنجیدہ نظر آتی ہے، جس طرح یہ کانگریس کی ضرورت ہے ہم بتا چکے ہیں کہ یہ ہم مسلمانوں کی بھی اپنی ضرورت ہے۔ ہم شاید تنہا اسکو مشکل سے حل کرپاتے۔ اسے ایک تائیدِ غیبی سمجھنا چاہیئے کہ کانگریس جو آج بھی ہندوؤں کی اکثریت پر اثر رکھتی ہے، خود اس کام کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے، اور اسکی جدوجہد کے پروگرام سے جائز حدود تک تعاون کرکے ہم شاید زیادہ آسانی سے اس مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں ——— اسکا یہ مطلب نہیں کہ کانگریس کا پروگرام ہماری ضرورت اور ہمارے مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ یقیناً ہمیں اس کام کے سلسلہ میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن اس وقت صورت یہ ہے کہ ایک خاص قسم کی فضا سے اس کام کے گویا راستے بند ہیں۔ کانگریس کی اس مہم میں تعاون سے ہمیں خاص فائدہ یہ پہنچے گا کہ اس کام کے راستوں پر پڑے ہوئے قفل ٹوٹ جائیں گے۔ اور ہماری اپنی کوششوں کے لئے راہ ہموار ہوجائے گی۔ کانگریس کی مہم سے تعاون کے ذریعہ اگر یہ فائدہ ہمیں حاصل ہوتا ہو تو بیشک بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور اسکا موقع جو آگیا ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے ——— وقت ہے کہ مسلم زعماء و اہلِ فکر ہندو مسلم آویزش کو ختم کرنے کے لئے ایک طویل المیعاد عملی پروگرام تیار کریں۔ ص

معارف الحدیث

(مسلسل)

اذان :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے مسجد بنالی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لئے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں صحابہ کرام سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لئے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جایا کرے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگھا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لئے نرسنگھا بجایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا، اور آپ اس مسئلہ میں متفکر رہے، آپ کی اس فکرمندی نے بعض صحابہ کرام کو بھی بہت متفکر کر دیا، ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نے جو حضور کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکرمند اور بے چین ہو گئے تھے، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہو گی) اس خواب میں انھیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی، انھوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "انشاء اللہ یہ رؤیا حق ہے

یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے . (یہ بات آپ نے یا تو اس لئے فرمائی کہ ان صحابی کے خواب بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالےٰ نے آپ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی) بہر حال آپ نے ان صحابی عبداللہ بن زید سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو ، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لئے اسی طرح اذان دیا کریں ——— بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور امت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے ——— اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے !

(۳۱) عَنْ اَبِي عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهُ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِهْتَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ كَيْفَ يَجْمَعُ النَّاسَ لَهَا فَقِيْلَ لَهُ اِنْصِبْ رَايَةً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا رَاَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ يَعْنِي شَبُّوْرَ الْيَهُوْدِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْيَهُوْدِ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُرِيَ الْاَذَانَ فِيْ مَنَامِهٖ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَبَيْنَ نَائِمٍ وَيَقْظَانَ اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَاَرَانِي الْاَذَانَ .... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا يَاْمُرُكَ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَافْعَلْهُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ

——— رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض

بچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے، روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لئے لوگوں کو کس طریقہ سے جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپ کے سامنے یہودیوں کے بھونپو کا بھی ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے —
(الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فکر مندی کو دیکھ کر آپ کے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زید بن عبدربہ بھی بہت فکر مند ہوئے اور اسی فکر مندی کی حالت میں حضور کی مجلس سے واپس آ کر پڑ گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انھوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ رات جبکہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہکر دکھائی .... (پھر انھوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی حضور نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید جو تم سے کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔

(سنن ابی داؤد)

(فائدہ) ابوداؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زید کے حضور کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب عبداللہ بن زید سبقت کر کے حضور کی خدمت میں پہنچ گئے اور انھوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انھوں نے حضور سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابوبکر صدیق کے اور بعض میں اور بھی چند صحابہ کرام کے اسی قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

(۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْبِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ ذَالِكَ وَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ قَالَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ عَنِّيْ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا
حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَاَيْتَ
فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ
فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ ذَالِكَ
عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ
يَجُرُّ رِدَاءَهٗ وَيَقُوْلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ـــــ

ـــــــ رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کے لئے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اُسکے ذریعہ نماز باجماعت کا اعلان لوگوں کے لئے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے تھا، میں نے اُس سے کہا اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اُس نے کہا تم اس کا کیا کروگے، میں نے کہا ہم اُسکے ذریعہ اعلان کرکے لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ اُس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتادوں جو اس کام کے لئے اس سے بہت بہتر ہے میں نے کہا ہاں ضرور بتائیے، اُس نے کہا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ ـــــ

عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ اشھد ان محمداً رسول اللہ حیّ الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الّا اللہ ——

(عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا آپ نے فرمایا یہ رؤیا حق ہے انشاء اللہ (اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اُن کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے اُن کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ اُن کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا، میں اُنکی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے —— عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسکو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے تھے قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللّٰہ الحمد

—— (سنن ابی داؤد مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے —— ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زید کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لئے فرمایا تھا، اور حضرت انس کے صاحبزادے ابو عمیر کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ نصاریٰ کی چیز ہے، اس

عاجز کے نزدیک اس اختلافِ روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لئے جو چند تجویزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھیں، ان میں سے جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اسی لئے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپ نے صرف یہ فرمایا کہ "ھو من امر النصاری" (وہ نصاری کی چیز ہے) اور کوئی اور ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اسکی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپ کے اُس وقت کے لب ولہجہ سے بھی بعض صحابہ کرام نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اس بنا پر اُنھوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضور نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرما لیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہوگا (اور غالباً اسی لئے اسکے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے غالباً اسی صورت کو "اَمَرَ بِالنَّاقُوسِ" سے تعبیر فرما دیا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث میں اسکی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے، آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آرہی ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جا رہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے، بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری

قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جا سکتا ہے۔

(۳۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوا اَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُوْنَهٗ فَذَكَرُوا اَنْ يُوْرُوْا نَارًا اَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ۔

رواہ البخاری ومسلم واللفظ لہ

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لئے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انھوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی بر وقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے، واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم مذکور ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اُس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات

ہوئی تھی اسکے بعد سے عرصہ تک یہی طرز عمل رہا، لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوۂ حنین سے واپسی پر حسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اس لئے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ "حرف آخر" ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کے بارہ میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔[1]

---

[1] وعندی انها کاحرف القرآن کلها شاف کاف ۱۲ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۱ ج ۱

وراثتِ ابراہیمیؑ

(از مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

[یہ تقریر مولانا نے اپنے سفر برما کے دوران اہل رنگون کے ایک عظیم مجمع میں فرمائی تھی جو قریب قریب لفظاً بلفظ قلمبند کی گئی۔ اسکے لئے ہم مولانا محمد ابراہیم صاحب مظاہری اڈیٹر روزنامہ دورجدید رنگون کے ممنون ہیں ———————]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ مسنونہ!

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۰

دوستو! عزیزو اور بزرگو! ہمارے اور آپکے اوپر سب سے زیادہ، اور سب سے بڑا اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے، کہ اس نے ہم کو وجود عطا فرمایا۔ اس دنیا میں بھیجا، اور زندگی عطا فرمائی۔ دینی اور دنیاوی جتنی بھی نعمتیں، جتنی ترقیاں، جتنے کمالات، جتنی لذتیں اور عزتیں ہیں، سب کا سرچشمہ اور سب کا اصل سبب یہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو عطا کی ہے۔ نہ ہم زندگی کا خلعت پہن کر اس عالم میں آتے اور نہ ایمان کی دولت سے، حیات کی دولت سے، علم کی دولت سے، اور ان تمام دولتوں سے آشنا اور لطف اندوز ہوتے، جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں عطا فرمائیں اور ہمارے لئے مقدر کی ہیں۔

یہ زندگی! ہماری یہ زندگی ہی ساری ترقیوں، سارے کمالات اور سارے احساسات کی جڑ ہے اور ان کا حقیقی سبب ہے۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ ہمارے متعلق اس دنیا میں آنے کا ہوتا ہی نہیں، تو پھر یہ ساری ترقیاں اور یہ سارے کمالات

جو انسان کے لئے ممکن ہیں، اور اگر وہ خوش نصیب ہے تو ان کمالات کو حاصل بھی کرتا ہے یہ سب اس کو کچھ نہ ملتا۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت، اولیاء کرام کی ولایت، اہل علم کا علم، اور ان کے علمی کمالات، اہل معرفت کی معرفت اور ان کے عارفانہ مقامات، سب کے سب اس نعمت کا نتیجہ ہیں۔ بڑی مبارک گھڑی تھی میرے دوستو! جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور ارادۂ الٰہی نے ہمارے اور آپ کے لئے اس دنیا میں آنے کا فیصلہ فرمایا۔

زندگی کی نعمت کا شکریہ

بس یہ فیصلہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر گھنگھور گھٹا کی طرح، اور ایک موسلا دھار بارش کی طرح برسیں، اللہ کی اس نعمت و رحمت کی بارش کے قطروں کا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی بارش کے قطروں کا شمار کر سکتا ہے؟ آپ کا یہ ملک ایک بارشی ملک ہے، یہاں بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کسی ایک گھنٹہ کی بارش کے قطروں اور بوندوں کو کوئی گن سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو ہم پر بارش کی طرح برسیں اس بارش کے قطروں کو کون گن سکتا ہے۔ اگر انسان ایک قطرہ کا شکر ادا کرنا چاہے، اور اسکے شکریہ کا حق ادا کرنا چاہے تو ہرگز نہیں کر سکتا۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کرنے کا تم بیڑا اٹھاؤ تو تم ان نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔

زندگی کی اس نعمت کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کو پہچانیں، جو سب سے بڑی دولت ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کا نام لے سکیں جو سب سے بڑی عزت ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی محبت کو دل میں بسائیں جو سب سے بڑی لذت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کے حقوق کو جانیں، اس کے احسانات کو پہچانیں، جو سب سے بڑی معرفت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی اس لطیف ہوا میں سانس لیں اور یہ جان ڈالنے والا، یہ زندگی بخشنے والا پانی پئیں، اور اللہ کی

قدرت کی نشانیوں کو دیکھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ، کہ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اسکی نہ فنا ہونے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس غیر فانی زندگی کی (جس کا اسکی نعمتوں کے صحیح استعمال سے، صحیح معرفت سے، استحقاق پیدا ہوتا ہے) تمنا کریں اور اس زندگی کے لئے کوشش کریں۔

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ

(جس نے زندگی اور موت کو بنایا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔)

زندگی کی بدولت دُنیا میں آنے کے بعد جس کو جو کچھ ملا وہ اسی زندگی کی بدولت ملا۔ اگر ہم اس دنیا میں نہ آتے، اگر فیصلہ خداوندی یہ ہوتا کہ ہم اس دنیا میں نہ آئیں۔ کروڑوں روحیں ہیں جو اس دنیا میں نہیں آئیں۔ بے چین ہیں اس دنیا میں آنے کے لئے، لیکن فیصلہ خداوندی نہیں ہے ان کے لئے کہ اس دنیا میں آئیں۔ وہ ان تمام کمالات سے، ان تمام ترقیات سے، اس غیر فانی زندگی سے جنت کی نعمتوں سے، اللہ کی معرفت اور ایمان سے محروم رہیں، یہ محض اللہ کا فضل تھا۔ ہماری ذاتی لیاقت کو اس میں، دخل نہیں۔ ہم نے اس کا استحقاق نہیں پیدا کیا۔ ان کروڑوں ہستیوں کے مقابلے میں جو زندگی کی اس نعمت سے محروم رہی ہیں کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، کہ ہم ناچیز انسانوں کے لئے اس نے فیصلہ کیا کہ ہم دنیا میں آئیں، اور اس دنیا میں صحیح طریقہ پر، صحیح راستہ پر، محنت کر کے، اور کوشش کر کے، اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے مستحق بنیں، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مقدر فرمائی ہیں، اور ان انسانی کمالات کو حاصل کریں جو انسان کے لئے ممکن ہیں۔ وہ امکانات وہ کمالات، انسان کی پرواز کی وہ حدیں کہ جہاں تک کسی انسان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان فضاؤں میں پرواز کے لئے، اور ان کمالات تک پہنچنے کے لئے، اپنی انسانیت کی، اپنے ایمان کی، اپنے معرفت کی، اپنے علم کی، اپنے تعلق باللہ کی تکمیل کرنے کے لئے، اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا اور ہم کو توفیق دی۔

احسان کی تکمیل یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر ہم ساری عمر اسی ایک احسان کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں تو ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس سے فارغ نہیں ہو سکتے، لیکن اس احسان کا ایک تکملہ، اور اس احسان کا، یوں سمجھئے کہ ایک ضمیمہ ہے، اس احسان کی اللہ تعالےٰ نے تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہمارے اس خاکی جسم میں جو کسی قابل نہ تھا، کثیف، بھاری، وزنی، نیچے کی طرف جانے والا، ٹوٹ پھوٹ جانے والا فساد کو قبول کرنے والا، بیماریوں کو دعوت دینے والا، بگڑ جانے کے لئے، بکھر جانے کے لئے، مٹ جانے کے لئے، خاک میں مل جانے کے لئے، ہر وقت تیار، مشتاق، اس جسم میں اللہ نے اپنی ایک امانت، ایک سرّ الٰہی اس میں ڈالا، جس کا نام روح ہے۔ یہ ہمارا جسم خاکی، یہ پنجرہ، یہ قفس بالکل بیکار تھا، مٹی سے بنا تھا۔ اسکی فطرت مٹی تھی، یہ مٹی ہی میں ملنے کے لئے ہر وقت بے تاب تھا، ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔ یہ نیچے کی طرف آنے والا جسم یہ خواہشات سے بھرا ہوا جسم، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک امانت ودلیعت فرمائی۔

روح اور روح الروح! ایک سرّ الٰہی، ایک راز اسکی قدرت کا، اسکی حکمت کا، اسکی صنعت کا ایک راز جس کو روح کہتے ہیں۔ اس انسان میں ساری استعدادیں اور ساری صلاحیتیں اس روح کی بدولت پیدا ہوتیں، یہ روح ایک سرّ الٰہی ہے۔ خدا کا ایک راز ہے، یہ خزانہ غیب کی ایک چیز ہے، اسکو اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں ڈالا تاکہ یہ جسم ان تمام کمالات اور ترقیات کے لئے تیار ہو جائے اور ان کا اہل بنے۔ اور ان کو قبول کر سکے، جو بغیر اس روح کے اور بغیر اس سرّ الٰہی کے، بغیر اس مناسبت الٰہی کے انسان کی رسائی سے باہر تھے، یہ اس احسان کی تکمیل ہے، یہ انسان کی تاریخ کا ایک دوسرا باب ہے۔

لیکن ابھی یہ احسان مکمل نہیں ہوا۔ اس کے بعد یہ احسان اس طرح مکمل فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اس میں ایک دوسری جان پیدا کی، ایک جان تو ہے جس کو روح کہتے ہیں، اور جس کو ہم سب، آپ محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کا تجربہ کرتے ہیں۔

اور ایک وہ جان ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔ جس طریقہ سے ہمارے اس جسم کے لئے یہ روح جسم کی جان ہے، اسی طریقہ سے اس روح کے لئے وہ ایمان جان ہے۔ اگر اس کو روحِ جسم کہئے تو اس کو روح الروح کہیے۔ اگر ہماری یہ روح اس قسم کی جان ہے جس سے کہ ہمارے اس جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں میں بینائی آتی ہے، کانوں میں شنوائی آتی ہو دماغوں میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ دل میں محبت کرنے، خوف کرنے، تعلق پیدا کرنے، درد پیدا کرنے، دردمندی، احساس اور لطافت کی اس میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اسی طریقے سے اس روح میں ذکاوت، اس روح میں لطافت، اس روح میں احساس، اس روح میں پرواز، اور اس روح میں بلندی، اس روح میں حرارت اور اس روح میں صحیح معرفت پیدا ہوتی ہے اس ایمان سے۔

روح حیوانی اور روح ایمانی

اللہ نے درحقیقت ہمارے جسم کے اندر دو روحیں پیدا کی ہیں۔ ایک روح حیوانی، اور ایک روح ایمانی، روح حیوانی کا مخزن تو ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ خزانۂ غیب، جہاں سے روح آتی ہے۔ اور یہ روح ایمانی کا مخزن ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم، ہم پہلی مرتبہ تو اس روح سے زندہ ہوئے اور دوسری مرتبہ اس ایمانی روح سے زندہ ہوئے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسم میں صرف جسمانی روح ڈالتا یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، بڑی مہربانی تھی، دنیا میں کروروں، اربوں انسانوں میں اس نے وہ روح پیدا کی، آج وہ دنیا میں اپنی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، زندگی کا ثبوت دیتے ہیں، ہواؤں میں وہ پرواز کرتے ہیں۔ سمندروں پر دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، اپنی طاقت کا، اپنی حرکت کا، اپنی زندگی کا، اپنی ذہانت کا انھوں نے دنیا میں ثبوت دیدیا، اور جگہ جگہ انھوں نے اپنی زندگی کا نقش قائم کر دیا۔

یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، لیکن اللہ کا یہ احسان تکمیل کے اس درجہ کو نہ پہنچتا۔

زندہ مگر مردہ!

اگر وہ اپنے فضل سے ہمارے اندر وہ روح ایمانی نہ ڈالتا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا، باوجود روح کے مردہ تھا ایسا بھی ہوتا ہے۔ روح اندر موجود ہے کھانے کے لئے زندہ، پینے کے لئے زندہ بولنے کے لئے زندہ، تماشہ دیکھنے کے لیے زندہ، اپنی قوت کا ثبوت دینے کے لئے زندہ، ظلم کرنے کے لئے زندہ، اپنی نفس کے خواہشوں اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے زندہ، دوسروں کو مغلوب کرنے کے لئے زندہ، مظلوم پر ظلم کرنے کے لئے زندہ، بیکسوں پر ظلم وستم کرنے کے زندہ، دوسرے انسانوں کو پامال کرنے اور روندنے کے لئے زندہ، ملکوں کو تاراج کرنے کے لئے زندہ، ہزاروں گھروں کے چراغ گل کرنے کے لئے زندہ، ہزاروں توروں کو ان کے چولھے پر سے اتارنے کے لئے زندہ، لاکھوں انسانوں کا پیٹ پھاڑنے اور کاٹنے کے لئے زندہ، تمام دنیا کو آگ سے اور خون سے بھر دینے کے لئے زندہ، مگر خدا کی معرفت کے لئے مردہ، خدا کے علم صحیح کے لئے مردہ، عدل وانصاف کے لئے مردہ، اپنے انسانیت کو پہچاننے کے لئے مردہ، اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے کے لئے مردہ، اللہ کے سامنے ایک مرتبہ سر جھکانے کے لئے مردہ اور بیکار، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لئے مردہ، اللہ کے سامنے دو حرف اپنی التجا کے، مناجات کے، بھیک اور سوال کے کہنے کے لئے مردہ۔

حقیقت میں زندہ! تو ایک زندگی کی قسم یہ بھی ہے، محدود زندگی، فانی زندگی، دیکھنے بھر کی زندگی، کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے زندہ اور ایسا زندہ کہ لاکھوں انسانوں کو اس کی زندگی کے لئے قربان ہو جانا پڑتا ہے، اسکی زندگی کے بھینٹ چڑھ جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کی قیمت ادا کرنے کے لئے قوموں اور ملکوں کو تیار رہنا پڑتا ہے۔ ایسی زندگی کہ اس پر اللہ کی لاکھوں کروڑوں لعنتیں فرشتوں کی لعنتیں ارواح مقدسہ کی لعنتیں اس کے لئے انسان زندہ ہے، ایک غریب اور یتیم کے منھ پر طمانچہ مارنے کے لئے زندہ، اور ایک بیوہ کے سر کا آنچل چھیننے کے لئے، اور اس کو بے ستر کرنے کے لئے زندہ، ایک آدمی جس کے پاس ایک دانہ ہے، ایک لقمہ ہے

اس کا وہ لقمہ بھی چھین لینے کے لئے زندہ، لیکن عدل وانصاف کے لئے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسکی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے اعضا جواب دے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، (ومن کان میتا فاحیینٰہ)، بھلا وہ جو اگرچہ زندہ تھا پھر بھی مردہ تھا، دیکھنے میں زندہ تھا لیکن حقیقت میں مردہ تھا، (ومن کان میتاً) ہمارے لئے وہ مردہ تھا، اپنی روح کے لئے مردہ تھا، اپنے انجام کے لئے وہ مردہ تھا، یوں پیٹ بھر کر جانوروں کی طرح کھانے کے لئے وہ زندہ تھا، اور اپنی شہوت رانی اور اپنی نفس پرستی کے لئے وہ زندہ تھا، فاحیینٰہ ہم نے اس کو زندہ کر دیا، ہم نے اسکی زندگی مکمل کر دی ہم نے اسکی حقیقی معنوں میں زندہ کر دیا۔ اب وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے۔

زندگی کے بعد روشنی!

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ وجعلنا لہٗ نوراً یمشی بہٖ فی الناس ہم نے اُس کو وہ روشنی عطا کی، جس کے سہارے وہ لوگ کے درمیان چلتا پھرتا ہے، جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بازاروں میں موٹریں ٹکرا جاتی ہیں، اگر ٹریفک کنٹرول نہ کیا جائے، اگر سپاہی کھڑا نہ ہو، تو موٹر، موٹر سے ٹکرا جائے، ہوائی جہاز، ہوائی جہاز سے ٹکرا جائے، کشتی، کشتی سے ٹکرا جائے، اور ایک انسان اندھیرے میں دوسرے انسان سے ٹکرا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے اگر اللہ کی روشنی نہ ہو، اللہ کسی کو روشنی عطا نہ فرمائے، تو انسان انسان سے ٹکرائے، قوم، قوم سے ٹکرائے، ملک، ملک سے ٹکرائے، تمدن، تمدن سے ٹکرائے، تہذیب، تہذیب سے ٹکرائے، طاقت، طاقت سے ٹکرائے، ایک شخص کا مقصد دوسرے شخص کے مقصد سے ٹکرائے، اغراض میں تصادم ہو، مفادات میں تصادم ہو، انانیت، انانیت سے ٹکرائے، انسان انسان سے ٹکرائے، ایک باپ کا بیٹا، باپ کے دوسرے بیٹے سے ٹکرائے، بھائی، بھائی سے ٹکرائے، باپ بیٹے سے ٹکرائے، بیٹا، باپ سے ٹکرائے، مرد، عورت سے ٹکرائے، عورت مرد سے ٹکرائے، فرماتا ہے وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوراً ہم نے اس کو روشنی بھی عطا کی، انسانوں کے جنگل میں چلنے کے لئے ان راستوں میں ان تنگ و تاریک گلیوں میں سے گزرنے کے لئے اس کو چراغ بھی چاہیئے۔ اس کو مشعل بھی چاہیئے۔

زندگی بھی عطا کی اور روشنی بھی بخشی، وجعلنالہ نوراً ہم نے اس کو ایسی روشنی دی، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ٹکراتا نہیں ہے، بھلے مانسوں کی طرح

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا

اللہ کے وہ بھلے انسان، وہ معقول انسان جو زمین پر شریفوں کے چال چلتے ہیں۔ بھلے مانسوں اور انسانوں کی طرح چلتے ہیں۔ یمشون علی الارض ھونا دبے پاؤں چلتے ہیں کہ چیونٹی بھی ان کے پاؤں کے نیچے نہ آنے پائے، کوئی کمزور ہستی ان کے پاؤں سے روندی نہ جائے، کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، ان کی زندگی کی حرکت کسی کی زندگی کا خاتمہ نہ کرے، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما اور جب جاہل ان سے منھ لگتے ہیں تو کہتے ہیں بھائی صاحب اسلامت، معاف کرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تم سے لڑنے کا، تم سے بحث کرنے کا۔

انسان کی پستی

دوستو! ہم انسان، اللہ کی دی ہوئی اس روشنی اور عقل کے باوجود صحیح راستہ نہیں پاسکتے، ہم اپنے جیسے انسانوں کے سامنے بلکہ اپنے سے بھی پست تر اور ذلیل تر مخلوقات کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ انسان کی تاریخ، انسان کی لغزشوں کی نہیں، بلکہ انسان کی حماقتوں اور انسانیت کی رسوائیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ اگر آپ مذاہب کی تاریخ دیکھیں گے، تو معلوم ہوگا کہ انسان نے ایسی ایسی ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکا رکھا تھا کہ جن کو بعض اوقات وہ خود وجود میں لاتا تھا۔

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللہُ خَلَقَکُمْ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بھلا تم اسکی پرستش کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اس سے بڑھ کر انسان کی حماقت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے ایک چیز بناتا ہے اور پھر اسکے سامنے سر جھکاتا ہے، پھر اسکو اپنا خالق و مالک مان لیتا ہے۔ پہلے بھی اور آج بھی دنیا میں ہر جگہ اسکی مثالیں ہیں کہ انسان نے جس کو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ایمان نہیں عطا فرمایا، یا اس نے انبیاء علیہم السلام کے اسر

کے اندر ایمان پیدا کیا۔

سیدنا ابراہیم کی شخصیت!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کی نجاست سے بچایا۔ بت پرستی کی نجاست سے بچایا، اوہام پرستی کی حماقت سے بچایا۔ اپنے جیسے انسانوں کو اپنا معبود، اور اپنی قسمت کا مالک سمجھنے کی جہالت سے بچایا، آپکے دماغ کو روشن کیا، آپکے دل کو روشن کیا، آپ کی آنکھیں کھولیں، آپ کو اتنی سمجھ عطا فرمائی کہ آپ سمجھیں کہ عبادت کا مستحق کون ہے؟ بندگی کا مستحق کون ہے؟ خوف کا مستحق کون ہے؟ کس سے ڈرنا چاہیئے؟ کس سے امید رکھنی چاہیئے؟ کس سے دعا کرنی چاہیئے؟ کس سے نذر و نیاز اور منت مانگنی چاہیئے؟ کس سے اپنی مرادیں مانگنی چاہئیں؟ کون بحر و بر کا مالک ہے؟ کس کا سکہ خشکی اور تری پر رواں ہے؟ کون ہواؤں کا مالک ہے؟ کون بادلوں کا مالک ہے؟ کون روزی کا مالک ہے؟ کون قسمت کا مالک ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ سارے پیغمبروں پر اللہ کا درود و سلام ہو کہ انھوں نے دنیا کے سامنے خالص توحید پیش کی، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کے بتکدے میں جب ساری دنیا میں اللہ کو چھوڑ کر سب کی پرستش ہو رہی تھی، وہ اللہ کا مستِ توحید بندہ، مستِ معرفت بندہ، مستِ یقین بندہ کھڑا ہوا، ساری دنیا سے باغی، ساری دنیا کے طلسمات سے باغی، ساری دنیا کے عقائد سے باغی، ساری دنیا کے مذاہب سے باغی، سارے خداؤں کی خدائی سے باغی، کھڑا ہو کر یہ مردِ خدا اکیلا تھا۔

> إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

ابراہیم اپنی ذات سے ایک تھے، لیکن ایک پوری نسل کے بانی، ایک پورے عہد

کے بانی، ایک پوری تاریخ کے بانی، انسانیت کے نئے دور کے بانی، تمدن کے نئے دور کے بانی، ساری مذہبی اقوام کے مورث اعلیٰ اور بانی، توحید کے داعی، وہ ایک تخم تھے، تخم دیکھنے میں ایک، لیکن سارا کھیت اس تخم کا نتیجہ۔ دانہ ایک، لیکن سارا باغ اس ایک دانہ کا نتیجہ، ایک قلم دیکھنے میں ایک، گننے میں ایک، لیکن سارا درخت، اپنی پوری شاخوں پتیوں، اور پھولوں کے ساتھ اس کا شرمندہ احسان، اسی طرح ابراہیم ایک تھے، لیکن ایک پوری دنیا تھے، ابراہیم ایک تھے لیکن پوری ایک نوع تھے، پوری ایک قسم تھے، انسانوں کی ایک پوری قسم، انسانوں کا ایک پورا گروہ۔

وہ اللہ کا بندہ سب سے پہلے دنیا میں کھڑا ہوا جس وقت ساری دنیا میں شرک کا اور بت پرستی کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، بادشاہ پرستی کا، آتش پرستی کا، کواکب پرستی کا، انسان پرستی کا، درخت و شجر و حجر پرستی کا سایہ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس وقت وہ اللہ کا بندہ اکیلا کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ ہم تم سے بری اور بیزار ہیں، اور ان سب چیزوں سے جن کی تم عبادت اور پرستش کرتے ہو وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ اور پھر اس توحید کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے امانت چھوڑ گئے کہ وہ اس توحید کی طرف آئیں، ساری دنیا سے اس اصل کی طرف آئیں۔ یہ مرکز ہے انسانوں کا، اس مرکز کی طرف رجوع کریں۔ یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہے، اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت میں ان کی صدائیں، ان کی کوشش اور ان کی محنت میں ہم نے بہت بڑی برکت عطا فرمائی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم کی یادگار باقی رکھنے کا فیصلہ کیا، ہم نے کہا ابراہیم پھلیں گے، پھولیں گے، اور پھلتے پھولتے ہی چلے جائیں گے، انھوں نے جو درخت لگایا ہے یہ درخت کبھی خشک نہیں ہوگا، انھوں نے جو چشمہ جاری کیا ہے، کبھی اس کا پانی

زمین میں جذب نہیں ہوگا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، چنانچہ وہی چشمہ ہے جو برما تک پہنچا، ملابار، ملایا تک پہنچا، انڈونیشیا پہنچا، ہندوستان، فرنگستان تک پہنچا، چین تک پہنچا، ترکستان تک پہنچا، یہ دعوت ابراہیمی ہے جو ساری دنیا میں پھیلی، پھولی اور پھل لائی۔

وطن کی محبت کے ساتھ ساتھ

ہم ہندوستان کے باشندے ہیں یا اس ملک کے باشندے ہیں، باشندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس زمین کے حقوق ہیں۔ ہم کو حق شناس ہونا چاہیئے، ہم کو اس ملک کی خاک سے محبت ہونی چاہیئے، انس ہونا چاہیئے، اس کو ترقی دینے کے لئے ہمارے اندر جذبہ ہونا چاہیئے، ہمیں وہاں کے کلچر اور وہاں کی زبان اور وہاں کی ادبیات سے تعلق اور دلچسپی ہونی چاہیئے، ہمیں سیکھنا چاہیئے مگر ہمیں اپنی سب سے بڑی دولت، دولت توحید کو سمجھنا چاہیئے، ہم سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں، ہم غریب ہیں یا فقیر ہیں، ہم ٹکڑوں کے محتاج ہیں، دانے دانے کے محتاج ہیں، ہم رکشا چلاتے ہیں، یا بوجھ اٹھاتے ہیں، ہم نان شبینہ کے محتاج ہیں، فاقہ کرتے ہیں بھوکے سو جاتے ہیں، لیکن ہم اپنے وقت کے سب سے بڑے دولتمند ہیں، اور سب سے بڑے خوش قسمت ہیں، سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں کہ ہمارے سینوں کے اندر توحید کی امانت ہے، توحید کی دولت ہے، ہمیں سب کو دیکھنا چاہیئے، لیکن ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا مقام سب سے اونچا ہے، ہمیں اللہ نے توحید کی وہ دولت عطا فرمائی ہے کہ ہمیں اب شرک کی پستیوں تک اترنے کی بالکل ضرورت نہیں، ہم جس وقت کسی معبد کے پاس سے گذریں تو ہمارا سر اللہ کے سامنے احسان مندی اور رسول اللہ کے سامنے اعتراف احسان میں جھک جانا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں کس پستی سے اٹھا کر مسجدوں کی اس بلندی تک پہنچایا۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ○

قوم موسیٰ کی تقلید سے بچیے!

دوستو! کبھی مشرکانہ چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے نہ دیکھنا، ایمان کے سلب ہوجانے کا اندیشہ ہے کہ اللہ نے جس کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہو، وہ ان چیزوں کو کبھی محبت یا احترام یا لالچ کی یا قدر کی نگاہ سے دیکھے، اور کہے کہ افسوس ہم کو یہ چیز نہیں ملی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے اُن کو توحید کی دولت عطا فرمائی، لیکن وہ ناشکر، وہ ناقدر انسان تھے، انھوں نے کہا:۔

(قَالُوا) يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَ بَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ۔

اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو توحید کی سمجھ عطا فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا، ان کے اندر ایمان پیدا کیا، وہ یہ سمجھے کہ اللہ کے سوا اس دنیا میں کوئی پرستش اور بندگی کے لائق نہیں، اور اس کے سوا اس دنیا میں کسی کی حکومت نہیں، لیکن وہ ایسے ناقدردان تھے، ایسے جاہل تھے، کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک میلہ دیکھا کہ خدا کے سوا اور ہستیوں کو لوگ پوج رہے ہیں، اس شرک کو دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آیا کہ اگر ایسے ہمارے لئے بت بنا دیا جاتا تو ہم بھی اس کے سامنے جھکتے، ہم بھی اس کے سامنے گھنٹی بجاتے، کیسی رونق ہوتی، کیا لطف آتا، انھوں نے کہا:۔

قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ

اے موسیٰ! ذرا ہمارے لئے بھی ایسا ہی کوئی معبود تجویز کر دیجئے، جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ اپنے وقت کا موحّد اعظم، اپنے وقت کا پیغمبر اعظم بولا، إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ تم پرلے درجے کے جاہل، پرلے درجے کے نادان ہو، تمھاری عقل پر پتھر پڑے ہیں، تمھیں نظر نہیں آتا؟ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ یہ سب کے سب

تباہ ہو جانے والے ہیں اور یہ جو کچھ انھوں نے کارخانہ بنایا ہے، سب تباہ ہو جانے والا ہے، وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ جو یہ کر رہے ہیں وہ خاک میں مل جانے والا ہے، وہ کچھ کام آنے والا نہیں، اسکے بعد انھوں نے ذرا اُبھار کر کہا :-

قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ

اللہ کے بندو! خدا تمھارے حال پر رحم کرے، خدا تمھیں عقل اور سمجھ دے، أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا میں خدا کو چھوڑ کر تمھارے لئے اور کوئی خدا لاؤں ؟ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا پر فضیلت دی ہے، اور تم کہتے ہو کہ اس فضیلت دینے والے خدا، احسان کرنے والے خدا، جس نے فرعون کی غلامی سے تم کو نجات دی، اس کو چھوڑ کر میں عاجز اور بے اختیار کوئی خدا تمھارے سامنے لے آؤں۔

ایمان کی حلاوت حدیث شریف میں آتا ہے کہ:-

ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، اَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُودَ اِلَى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں جس میں جمع ہوں گی، اس کو ایمان کا ذائقہ معلوم ہوگا، کیا ہیں وہ تین چیزیں، کیا ہیں وہ تین علامتیں، فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا اللہ اور رسول تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوں۔ جتنی محبت اللہ سے اور اسکے رسول سے، اتنی محبت کسی سے نہیں، نہ اپنی اولاد سے نہ بیوی سے، نہ اپنے سے، نہ والدین سے، نہ دوستوں سے، نہ مال سے، نہ کسی چیز سے، اور دوسری بات یہ کہ کسی انسان سے محض اللہ کے لئے محبت کرے۔ لا یحبہ الا للہ،

اور تیسری بات جس کے لئے میں نے یہ حدیث پڑھی ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال سے کہ جاہلیت اور کفر کی، اس کیفیت کی طرف واپس جاؤں، اور پھر ویسے ہی بت پرستی کرنے لگوں، دوسری چیزوں کے سامنے جھکنے لگوں، اسکے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اور ایسی اس پر کپکپی طاری ہو جائے جیسے کہ آگ میں ڈالے جانے سے کسی انسان کو ڈر معلوم ہو، یہ ہے ایمان کی علامت، یہ سوچ کر کہ میں بھی خدا کے سوا کسی کے سامنے جھکنے لگوں، میں بھی کوئی اور تہذیب اختیار کر وں، اس خیال ہی سے اسکے اوپر لرزہ طاری ہو جائے، اور اس کا دم گھٹنے لگے، اور اس کی جان پر بن جائے، اور وہ کہے کہ ہزار بار اللہ کی پناہ، ہزار بار اللہ کی پناہ، جیسے کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ میں تم کو آگ میں ڈالدوں۔ اسی طریقے سے کفر اور شرک سے مسلمان کو نفرت ہونی چاہیئے، اور اس حالت کی طرف واپس جانے سے اسکے دل میں ایک نفرت اور اسکے اندر ایک خوف اور دہشت طاری ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا

اے ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو، کہ تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے ہوئے تھے، اور تمھارے گرنے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی، کہ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا اللہ نے تم کو اپنے نبی کے ذریعہ سے بال بال بچا لیا یہی ہمارا سب کا حال ہے:۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ جنت میں جس وقت جنتی جائیں گے تو کہیں گے وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ ہم خود اپنی سمجھ سے، اپنی ذاتی عقل کے ذریعہ، اپنی ذاتی سمجھ سے تو یہاں تک پہنچنے والے نہیں تھے، ہماری عقل تو ایسی نہیں تھی، کہ یہاں تک رہبری کرتی۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ کے پہچانے کا طریقہ کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے پیغمبر! دوستو! عقل ہرگز کافی نہیں، علم ہرگز کافی نہیں، ذہانت ہرگز کافی نہیں، خلوص کافی نہیں، محنت کافی نہیں، مطالعہ کافی نہیں، صرف پیغمبر کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے

پیغمبر ہی کو ذریعہ بنایا ہے، صحیح توحید کا، صحیح ایمان کا، صحیح معرفت کا، صحیح تہذیب کا، صحیح انسانیت کا، اس لئے فرماتا ہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔

شکر ہے اس خدا کا، جس نے کہ ہمیں یہاں تک پہنچایا، وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ ـــــ خود پہنچنے والے نہیں تھے، اگر اللہ ہم کو یہاں تک نہ پہنچاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کس طرح پہنچایا، اللہ ایک ایک کے پاس نہیں جاتا، اللہ ایک ایک کی انگلی پکڑ کے نہیں پہنچاتا، اللہ پیغمبروں کے ذریعہ پہنچاتا ہے، اسی لئے اس آیت کا تکملہ یہ ہے :-

لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

(بیشک پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے)

معلوم ہوا کہ ہدایت کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں پس معرفت وہ صحیح ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے پہنچے، توحید وہ صحیح ہے حضرات انبیاء جس کو کہیں کہ یہ توحید ہے، سیدنا ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو کہیں کہ اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے وہی عقیدہ ہے، ساری دنیا جو کہے غلط، ہماری عقل جو کہے، غلط، فلسفی جو کہے، غلط، ادیب اور شاعر جو کہے غلط، اور اللہ کے پیغمبر جو کہیں، وہ صحیح، اس لئے کہ وہی دیکھ کر کہتے ہیں اور وہی دیکھ کر کے آئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہی کو صحیح سمجھ عطا فرمائی ہے۔

لقد جاءت رسل ربنا بالحق

اور پیغمبروں کی تہذیب ہی صحیح انسانی تہذیب ہے۔

صحیح تہذیب سیکھنی ہے، تو اس کا ذریعہ صرف پیغمبروں کی ذات ہے، اسی لئے حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک یہودی نے کہا :-

یُعَلِّمُکُم نبیکم کل شیٔ حتی الخراءۃ قال اجل نھانا ان

نستقبل القبلة ونستد برها بغائط او بول

حضرت سلمان فارسی جو ایرانی النسل تھے، وہ مسلمان ہوئے تو ایک یہودی نے ان سے چھیڑنے کے لئے کہا، کہ تمہارے نبی جو ہیں وہ تم کو چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتے ہیں، ہگنا موتنا تک سکھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسی نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا، انکار بھی نہیں کیا، اور چڑے بھی نہیں، انھوں نے کہا، ہاں! ہاں سکھاتے ہیں، ہمیں ہگنا، موتنا ہمیں اپنی ضروریات بشری پورا کرنا بھی نہیں آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہر بات سکھائی، اور ہم کو آدمی بنایا، ایسا آج دنیا کی تہذیبوں میں نہ کوئی شعور ہے نہ اخلاق ہے، نہ تعلقات صحیح، نہ تعلقات کے صحیح حدود، نہ معاملات کے صحیح حدود ہیں، یہ سب پیغمبروں کے تہذیب ہے، کھانے پینے سے لے کر مرنے اور مرنے کے بعد کی تمام منزلیں اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بتائی ہیں۔

ایمان کی حفاظت کرو معلوم نہیں اللہ کے وہ کون مقبول بندے تھے، جو اس ملک میں آئے اور جن کی بدولت آج تم مسلمان ہو، ہم ان کا نام نہیں جانتے مگر ہم ان کے حق میں دعا کرتے ہیں، ہمیں ان کا نام جاننے کی کچھ ضرورت نہیں، اور ان کو اپنا نام ہمیں بتانے کی بالکل ضرورت نہیں، انھوں نے جس کے لئے کیا تھا، وہ ان کو ان کے عمل کا انعام دے گا، اور ان کے عمل کا انعام دے رہا ہے، لیکن ہم کو اور تم کو شکر کرنا چاہیئے کوئی بھی ذریعہ بنا، اللہ نے ہم کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی، اس دولت کو قائم رکھنا، اس دولت کو پھیلانا، اور باقی رکھنا اور اپنی آئندہ نسلوں تک اس دولت کو منتقل کرنا تمہارا فرض ہے، بیشک کھاؤ، پیو، بیشک دکانیں کرو، بیشک خوب کماؤ اور تجارت کرو، کوئی تم کو نہیں روکتا، لیکن تمہارا پہلا فرض یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس تہذیب کا وارث بناؤ، اپنی اولاد کو اس توحید کا وارث بناؤ تم پر تمہارا سب سے بڑا ظلم ہوگا، تمہاری یہ خودکشی، اور نسل کشی ہوگی، اگر تم اپنی اولاد کو اس دولت سے محروم رکھو اور محروم دیکھو، اللہ نے تم کو جو دولت عطا فرمائی ہے، اپنی اولاد کو یہ دولت عطا کرو، ان کو اسلامی تعلیم دو، ان کو اللہ اور رسول کی پہچان

کراؤ، توحید کی محبت ان کے دل میں بٹھاؤ، اسلامی تہذیب سے عشق اور اسلامی تہذیب سے وابستگی اور اسلامی تہذیب سے شیفتگی، ان کے اندر پیدا کراؤ۔

ان کو بتاؤ کہ اسی پر جینا بھی ہے، اسی پر مرنا بھی ہے،

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

آدمی اگر خدا نخواستہ کفر کے ساتھ گیا، جہالت کے ساتھ گیا، ایمان سے محروم چلا گیا تو اسکی بدبختی، اور اسکی محرومی ہمیشہ قائم رہے گی، فاقہ ہے ایک دن کا، دو دن کا، لیکن یہ روحانی فاقہ ایسا ہے جس کی کبھی روزہ کشائی نہیں، یہ جسم کا روزہ، شام کو افطار ہو جاتا ہے اس کا، ایک دن میں نہ ہو، دوسرے دن افطار ہو جاتا ہے، لیکن اگر خدانخواستہ، روح کا روزہ ہے، روح کا فاقہ ہے، اس کا افطار کہیں نہیں، اپنی اولاد کو سب سے بڑا تحفہ جو دے سکتے ہو، سب سے بڑا ان کا حق جو تم پر ہے، اور سب سے بڑا ذمہ جوان کا تمھارے ذمہ ہے، وہ ہے ان کو صحیح اسلامی تعلیم دینا، اس کے لئے مدارس ہیں، اس کے لئے مکاتب ہیں، اس کے لئے اسلامی تعلیم گاہیں، اس کے لئے صحبتیں ہیں، اسکے لئے تبلیغ ہے، اسکے لئے خانقاہیں ہیں، اسکے لئے اللہ کے بندے ہیں، عالم ہیں، درویش ہیں، سب اسی لئے ہے کہ ایمان کی دولت باقی رہے، اور ایمان کی دولت ہمارے ساتھ جائے۔

ابراہیمی شعار

دوستو! تمھارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ تم اپنے کو مسلمان سمجھو، خاندانی حیثیت سے تم جو کچھ ہو، لیکن روحانی اور ایمانی حیثیت سے تمھارا اور ہمارا خاندان ایک ہے، مراکش سے لے کر چین تک سارے مسلمانوں کا خاندان ایک ہے اور وہ خاندان ابراہیمی ہے، وہ خاندان محمدی ہے، ہم سب خاندان ابراہیمی میں داخل ہیں، اس خاندان کا سب سے بڑا شعار، اوّل شعار، ہے توحید، اس خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے پہلے فرد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس خاندان کے آخری فرد تک توحید کا سلسلہ باقی رہے گا،

سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

سب سے بڑی جو لو لگی ہوئی ہے ان کو، وہ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو شرک کی لعنت سے بچا، خاندان ابراہیمی کا سب سے بڑا شعار خاندان ابراہیمی کا طرۂ امتیاز خاندان ابراہیمی کا تعارف، خاندان ابراہیمی کی دنیا میں شناخت کیا ہے، جہاں بھی خاندان کا کوئی فرد ہے، توحید کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، سارے مشرکانہ نظاموں سے باغی، سب سے منحرف، سب سے مختلف، سب سے ہٹا ہوا، سب کا انکاری، بس ہر جگہ جہاں بھی ہے، کوئی ابراہیمی ہو یہی کہتا ہے کہ میں اللہ ہی کو جانتا ہوں، بس وہی ہے۔

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۔

ابراہیمی خاندان کا پہلا شعار یہی توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی ابتدا اسی سے ہوئی، اور زندگی کی انتہا، اسی پر ہوئی، اپنے باپ سے اسی بنا پر جدا ہوئے، اور اپنے ملک سے اسی بنا پر نکلے اور اسی بنا پر خاندان تعمیر کیا، اسی نام پر انھوں نے خانہ کعبہ تعمیر کیا، اور اسی کے نام پر انھوں نے اپنی اولاد کو وہاں بسایا۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

دوسرا شعار دوسرا شعار اس خاندان کا کیا ہے؟ اس کی تہذیب، ایمان کی تہذیب خدا کی تہذیب ہے، اللہ کا نام، اسکی پوری تہذیب میں، پوری معاشرت میں بسا ہوا ہے، رچا ہوا ہے، اُترا ہوا ہے، اسکی پوری تہذیب و معاشرت اللہ کے نام میں اور اللہ کے تعلق میں ڈوبی ہوئی ہے اور رنگی ہوئی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

دکان پر دیکھو تو اللہ والا، کھلیان میں دیکھو تو اللہ والا، تجارت کرتا ہوا پاؤ گے تو اللہ والا، لڑتا ہوا پاؤ گے تو اللہ کے نام پر، کھاتا ہوا دیکھو گے تو اللہ کے نام سے، اللہ کا نام لے کر کھانا، اللہ کے نام پر کھانا ختم کرنا اور شکر ادا کرنا، اللہ کے نام پر جینا، اللہ کے نام پر مرنا، اللہ کے نام پر ملنا، اللہ کے نام پر جدا ہونا، اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا پہننا اور اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا اتارنا، آئے دنیا میں تو اذان اس کے کان میں دی جارہی ہے، حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ، حَیَّ عَلَی الفلاح، کچھ نہیں سنتا، کچھ نہیں سمجھتا، مگر کان میں اذان دی جارہی ہے، ندائے ابراہیمی، کہ وہ سمجھ جائے کہ مجھے اس نظام سے ہمیشہ وابستہ رہنا ہے، پہلی آواز جو کان میں پڑی ہے وہ خدا کا نام ہے، اور جب وہ دنیا سے جائے تو اس دعا کے ساتھ:-

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

جب اسکی نماز پڑھی جائے تو اس میں بھی یہی دعا کی جائے کہ:-

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اے اللہ ہم میں سے کسی کو زندہ رکھ تو ایمان پر زندہ رکھ، دنیا سے اٹھا تو ایمان پر اٹھا .... ، جب تک زندہ رکھنا اسلام پر زندہ رکھنا اس نظام اطاعت اور نظام عبودیت پر زندہ رکھنا جو تو نے پسند کیا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اور جب اس دنیا سے اٹھاتا تو ایمان پر اٹھانا، تیرا کلمہ پڑھتے ہوئے ہم اس دنیا سے جائیں، جب اس ابراہیمی کو قبر میں رکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

بسم اللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ

اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کی ملت پر۔

مراکش سے چین تک

خاندان ابراہیمی جو مراکش سے چین تک ہے، جس کا ایک گھرانا یہاں بیٹھا ہوا ہے، برما میں، دوسرا گھرانا ملایا میں، تیسرا گھرانا پڑا ہوا ہے انڈونیشیا میں، چوتھا گھرانا پڑا ہوا ہے ہندوستان و پاکستان میں، اور ایک گھرانا خاص اس دیوار کے سائے کے نیچے پڑا ہوا ہے، عرب میں، اور کوئی دریائے نیل کے کنارے اور کوئی خلیج فارس کے کنارے، ساری دنیا میں ابراہیم کا گھرانا پھیلا ہوا ہے، دنیا کا کوئی کور دہ مقام ان کی برکت سے خالی نہیں۔

سرِ کوہِ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے پاؤ گے کھوج انکا

اس خاندان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسکی تہذیب، اسکی معاشرت، اسکی تعلیم، اسکی پوری زندگی اللہ کے نام میں بسی ہوئی ہے، جیسے خوشبو میں کوئی چیز بسادی جاتی ہے

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ہمارا یہ جسم مٹی کا ہے، ہمارے یہ کپڑے کپاس اور ریشم کے ہیں، اور ہمارے یہ برتن اور ہمارا یہ کھانا سب کا تعلق خاکی چیزوں سے ہے۔ لیکن یہ سب اللہ کے نام میں بسادی گئی ہیں، اس خوشبو میں بسائی گئی ہیں، مہینوں خوشبو کے اندر رکھ کر بسائی گئی ہیں اب بس میں بس گئی ہیں، عطر ابراہیمی میں ہماری پوری تہذیب بس گئی ہے، اگر تم چاہو پچاس مرتبہ دھو ہزار مرتبہ دھو، اس عطر کی خوشبو اس سے جا نہیں سکتی، ابراہیم علیہ السلام نے ایسا اس کو غوطہ دیا تھا، ایسا رنگا تھا صبغۃ اللہ میں کہ اب یہ رنگ اس کا اتر نہیں سکتا، کتنا ہی رنگ اس پر چڑھاؤ، کوئی رنگ اس پر چڑھ نہیں سکتا۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ

اللہ کا رنگ اور اسکے رنگ سے زیادہ پیارا اور زیادہ دلفریب کوئی رنگ نہیں ہے۔

تیسرا شعار

تیسری خصوصیت خاندان ابراہیمی کی کیا ہے، جہاں رہے گا باطل سے کش مکش کرتا رہے گا، حق کے لئے لڑتا رہے گا، توحید کی صدا بلند کرتا رہے گا۔ اللہ کے

راستے کی طرف سب کو بلاتا رہے گا۔ یہ سعادت قیامت تک کے لئے خاندان ابراہیمی کے لئے .... مقدر ہو چکی ہے، جس نے اللہ کے نام کا جھنڈا بلند کیا دنیا کے کسی گوشے اور کسی حصے میں اگر سراغ لگاؤ گے، اور تحقیق کرو گے تو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا رشتہ ملتا ہوگا۔ آج ساری دنیا میں بار بار جنگیں ہوئیں۔ دو دو جنگیں ہو چکی ہیں، لیکن یہ خاندان ابراہیمی کی جنگ نہیں تھی۔ اس جنگ میں خاندان ابراہیمی کی کوئی شاخ فریق نہیں تھی، یہ پیٹ کے لئے تھی، یہ بازاروں کے لئے مارکیٹ حاصل کرنے کے لئے تھی، یہ ہوا وہوس کی جنگ تھی، اس لئے کہ یہ خاندان ابراہیمی کی طرف سے نہیں لڑی گئی تھی۔

آج ساری دنیا میں جس کو دیکھو گے کہ وہ اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کا نام دوسروں کو سکھاتا ہے اور اللہ کے نام کی تلقین کرتا ہے۔ اگر تحقیق کرو تو وہ ابراہیمی نکلے گا۔ اس کا تعلق دور سے یا قریب سے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نکلے گا، یا ان کی صلبی اولاد میں ہے یا ان کے غلاموں کے ذریعہ سے وہ ان کے معنوی خاندان میں داخل ہو چکا ہے، قیامت تک کے لئے توحید کا اعلان، قیامت تک کے لئے ایمان کی دعوت، قیامت تک کے لئے خوف خدا اور فکر آخرت کی دعوت، قیامت کے لئے دینی جد و جہد کو اللہ تعالیٰ نے خاندان ابراہیمی سپرد کر دیا ہے، ہر جگہ ہر زمانہ میں خاندان ابراہیمی کا کوئی سر پھرا ملاح موجوں سے ٹکراتا رہے گا، کشتی کو کنارے لگاتا رہے گا۔ دھارے کے خلاف اس کشتی کو چلاتا رہے گا۔ باز دشمن ہو جاتے ہیں۔ تیوار جواب دے جاتے ہیں۔ موجیں گستاخیاں کرتی ہیں، مگر خاندان ابراہیمی کا ملاح ہے کہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

دامن کے اندر چراغ کو لے کر چھپائے گا، سینے سے لگائے گا، ہزار بار اس پر جھک جائے گا، سپر بن جائے گا، مگر چراغ کو سینے سے لگائے ہوئے، اولاد کی پروا نہیں۔ عزیزوں کی پروا نہیں، مگر اللہ کا چراغ گل نہ ہونے پائے۔ اسکی فکر۔ یہ جنون اگر تم کو ملے گا، یہ فکر اگر

تم کو ملے گی۔ یہ عشق کیشی اگر تم کو ملے گی تو سیدنا ابراہیم و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے خاندان اور ان کے نام لیواؤں میں، پیٹ کے لئے لڑنے والے بہت، اقتدار کے لئے لڑنے والے بہت، نفس کے لئے لڑنے والے بہت، عزت کے لئے لڑنے والے بہت، کرسیوں کے لئے لڑنے والے بہت، اللہ کے لئے لڑنے والا ایک، اور وہ ابراہیم۔

بڑی خوش قسمتی

میرے بھائیو! خوش قسمت ہو کہ تم کو اللہ نے اس خاندان میں داخل کیا، خاندان ابراہیمی سے وابستہ ہونا، اللہ کے غلاموں میں داخل ہونا سب سے بڑی خوش قسمتی، سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی عزت ہے، اللہ نے بڑا فضل فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمیں اس بابرکت خاندان میں اور اس بابرکت درخت کے سائے میں لے لیا، پس ہم اس دولت سے کبھی محروم نہ ہو جائیں، خدا کے لئے اس دولت کو سینے سے لگائے رکھنا، برما میں رہتے ہو کہ ملایا میں، ترکستان میں بستے ہو کہ چین میں، ہندوستان میں رہتے ہو کہ فرنگستان میں رہتے ہو، دارالاسلام میں رہتے ہو یا کفرستان میں، جہاں رہو اس کا نام لیتے رہو، جہاں رہو اللہ کے سامنے سر جھکاتے رہو، ان مسجدوں سے متعلق رہو، اللہ کے نام سے متعلق رہو، اپنے کو ابراہیمی کہتے رہو، جو زبان چاہتے بولو، جیسا لباس چاہو (بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق ہو) پہنو، مگر ابراہیم کی تہذیب کو سب سے اعلیٰ تہذیب سمجھو، اس سے محبت کرو اور اس کو اپنی سعادت سمجھو۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

ہم ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اتنا بڑا فضل فرماتا، ہم کو گھر بیٹھے یہ دولت عطا فرماتا اور یہ نعمت ہمارے گھر بھیجتا، اور برما اور ملایا میں رہ کر ہم اسلام کو قبول کرتے، مگر اللہ نے ہم کو یہ دولت نصیب فرمائی۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

دولت ایمانی کی حفاظت

پس اللہ نے تم کو یہ دولت عطا فرمائی ہے۔ اب اس دولت کی حفاظت

کرو، اس دولت کو سینے سے لگائے رکھو، اپنی اولاد کو اس دولت میں شریک کرو، آئندہ نسلوں کے لئے ایمان کی دولت کو قائم رکھو، اسکے لئے کوشش کرو کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور سب فرماتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔

فرماتا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ اللہ کے راستے میں ہر طرح کی کوششیں کرو کیوں؟ هُوَ اجْتَبَاكُمْ اس نے تم کو چن لیا، تم کہاں اس قابل تھے؟ اے برمی بھائیو! اے ہندوستانی بھائیو، اے پاکستانی بھائیو، اے ترکستانی بھائیو! تم کہاں اس قابل تھے کہ اللہ اتنی بڑی دولت نصیب کرے، ایمان کی دولت سے تم کو نوازا ہے، هو اجتبٰکم اس نے تم کو ہزاروں قوموں میں سے اور لاکھوں انسانوں میں سے اور کروروں کے گلوں اور مخلوقات میں سے، اس نے تم کو انتخاب کیا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اور تم کو ایسا آسان دین عطا فرمایا، کہ جس میں کوئی دقت نہیں، اس میں یہ نہیں کہ اپنی انسانیت کو خاک میں ملا دو، اس میں یہ نہیں کہ راہب بن جاؤ اور بھونگی بن جاؤ، اس میں یہ نہیں کہ شادی نہ کرو، اس میں یہ نہیں کہ گیروا لباس پہنو، اس میں یہ نہیں ہے کہ اپنے گھر کو اور اپنے گھر والوں کو سلام بناؤ، اور ان کا منھ دیکھنے کے بھی روادار نہ ہو، اس میں یہ نہیں ہے کہ مکان نہ کرو اور مکان میں نہ رہو، مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس نے ایسا دین عطا فرمایا جو تمھارے لئے آسان ہو، اس میں کوئی بندش نہیں ہے، اس میں فطرت کے خلاف تم سے کوئی مطالبہ نہیں ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ملۃ ابیکم ابراهیم تمھارے مورث اعلیٰ

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ انھوں نے تمھارا نام، یہ پیارا نام مسلمان انھوں نے رکھا، انھوں نے سب سے پہلے تم کو مسلمان کے نام سے پکارا۔ من قبل اس سے پہلے جب تم نہیں تھے، تمھاری نسل نہیں تھی، وفی ھٰذا اور پھر اسکے بعد اللہ نے تم کو اس نام سے یاد فرمایا، لیکون الرسول شھیداً علیکم تاکہ رسول تمھارے اوپر گواہ بنے، وتکونوا شھداء علی الناس اور پھر تم ساری دنیا کے لئے گواہ بنو، رسول تمھارے لئے نمونہ اور تم ساری دنیا کے لئے نمونہ۔

تہذیب ابراہیمی کی حفاظت

پس میرے دوستو! اس ابراہیمی تہذیب کو جان سے زیادہ عزیز سمجھو، وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ نہ مرنا مگر مسلمان، سچے اور پکے مسلمان، موحد اور مومن مسلمان، اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے بے خوف، کسی ایک سے نہ ڈرنے والا مسلمان، خدا کے سوا ہر کسی سے بے طمع، ایک اسی کی طمع کرنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے پیٹھ پھیر کر، حنیفاً مسلماً اور اسی کی طرف رخ کرنے والا مسلمان، یہی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔

حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

سب سے کٹ کر اسی سے جڑ جانے والا، سب سے پھر کر اسی کے در پر پڑ جانے والا، سب سے روٹھ کر اسی ایک کا ہو جانے والا، سب سے ہٹ کر اسی ایک سے مل جانے والا، یہی شان تھی ابراہیم کی اور یہی شان ہونی چاہیئے اس خاندان کی، بس اپنے اس خاندان کی آن کو، اس خاندان کی شان کو، اپنے اس خاندان کی آن بان کو اور اپنے اس خاندان کی میراث کو قائم رکھو، اور یہاں اس دنیا میں ایمان کے ساتھ رہو، ایمان اور عافیت کے ساتھ اس طرح سے جاؤ کہ اللہ کی طرف سے آواز آئے، روح القدس کی طرف سے یہ پیغام سنایا جائے۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ!

اے نفس مطمئنہ، وہ نفس جو اطمینان سے رہتا تھا، اطمینان اس کی فطرت بن گئی تھی، اپنے پرور دگار کی طرف خوش خوش جاؤ، خوش خوش فارغ البال فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی پس میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ، میری جنت میں داخل ہو جاؤ، ہمارا وہاں استقبال ہو۔ ایمان کا تحفہ اور ایمان کی نذر لے کر جائیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم سے کہا جائے، کہ اے میرے پیارے بندے بیشک تو ایمان پر قائم رہا، بیشک اپنے ایمان کے ساتھ ہمارے یہاں آیا، تونے یہ امانت پہنچا دی، تیرے لئے ہم نے سب کچھ تیار رکھا ہے، نُزُلاً من غفور رحیم۔

رب توفنا مسلمین و الحقنا بالصّٰلحین غیر خزایا و لا نداماٰ ولا مفتونین، یا حیّ یا قیوم برحمتك نستغیث اصلح لنا شأننا کلّہ، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لّدنك رحمۃ انك انت الوھاب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحبہ اجمعین۔

ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ

(از عتیق الرحمن سنبھلی)

محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے برادر معظم جناب ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلیؒ کی وفات کی خبر ناظرین الفرقان کو بھی مل چکی ہوگی۔ خدا غریق رحمت کرے، ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی ذات اور اپنے اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے سید احمد شہیدؒ جیسی ناقابل فراموش ہستی ملت کو بخشی، اور اپنے بزرگوں کے اوصاف و کمالات کے امانت دار تھے۔

اس فرشتہ صفت ہستی کو ۱۹۴۳ء سے لے کر عین اس وقت تک جب اس کی پاک روح نے اپنے مالک کی طلبی پر لبیک کہتے ہوئے پرواز کی مسلسل اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ الفرقان کا دفتر شروع میں تو [illegible] سال تک گویا ڈاکٹر صاحب کے مطب اور دولت کدہ سے بالکل متصل ہی رہا۔ اس کے بعد جو کچھ فاصلہ بڑھا بھی تو وہ چند قدم سے زیادہ کا نہ تھا، رہائشی مکان بھی ۵-۶ سال تک ڈاکٹر صاحب کے زیر سایہ ہی رہا اور اٹھنا بیٹھنا لکھنؤ کے قیام کے روز اول ہی سے ڈاکٹر صاحب کے متعلقین کے ساتھ رہا۔ اس طرح اپنی بدقسمتی سے کچھ حاصل کچھ نہیں کیا لیکن خوش قسمتی سے دیکھا بہت کچھ اور جو کچھ دیکھا وہ کبھی بھولنے والا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی صورت ہی دیکھ کر دل کو انس اور عقیدت پیدا ہوتی تھی، یہ دراصل ان کے باطن کی نورانیت اور جاذبیت کا عکس تھا جو پوری آب و تاب کے ساتھ اُن کے چہرے پر نمایاں رہتا تھا۔ اہل تقویٰ آج بھی اس دنیا میں بہت سے ہیں اور ایک سے ایک

بڑھ کر ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کو بہت تھوڑی ہی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد دل گواہی دیتا تھا کہ معاصی سے پرہیز کرنا تو الگ بات ہے، ان کے دل میں معصیت کا تصور بھی شاید نہیں ہوتا۔ وصال کے چند دن بعد ڈاکٹر صاحب کے رفیق خاص و دمساز حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی (طال اللہ بقائہ) کی خدمت میں اس درخواست کے لیے حاضری ہوئی کہ آپ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو جتنا جانتے ہیں شاید ہی کوئی دوسرا اس درجہ کا واقف کار ہو، لہذا جی چاہتا ہے کہ اگر صحت مساعد ہو تو مرحوم کے بارے میں کچھ ارقام فرمائیں، بہت بندگان خدا کو اس سے دینی فائدہ پہنچے گا۔ اسی صحبت میں ڈاکٹر صاحب کی سیرت کے اس پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے مولانا نے [illegible] مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ حیدرآباد کے زمانہ قیام میں میری ہی تحریک پر علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کا علاج شروع ہوا، پہلی ملاقات تھی جو کافی مدت رہی [illegible] جب مجھ سے کہا کہ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ ایک ایسے آدمی کے دیکھنے کا موقع تم نے میرے لیے فراہم کیا [illegible] اب تک ان آنکھوں نے دیکھا ہے اور نہ امید ہے کہ دوسرا دیکھنے میں آئے [illegible] میرا دل پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اس شخص کے قلب پر کسی معصیت کا خطرہ بھی نہیں گزرتا۔

یہ واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو تھوڑی ہی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد پورے جزم و وثوق کے ساتھ یہ تاثر لازماً ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی درجہ کا بھی معصیت کا مادہ ہی اس انسان کے اندر نہیں رکھا ہے، [illegible] قسم کے انسان نہیں تھے۔ [illegible] کرتے تھے، زمین اور باغات کے علاوہ [illegible] وسیع کاروبار کے ذمہ دار تھے، [illegible] کی ذمہ داریاں تھیں، غرض ہر طرح کے بشری علائق تھے، مگر قول و عمل میں وہ پاکیزگی، وہ طہارت، وہ معصومیت کہ فرشتے بلائیں لیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسی طرح کا ایک امتیازی وصف جسے مذکورہ بالا بنیادی وصف کا شاخسانہ کہنا چاہئے [illegible] ان کی للہیت [illegible] باطنی کمال

کے یقین سے دل معمور تو تھا ہی مگر مرحوم کا وہ خط دیکھ کر جو عین جوانی کی عمر میں انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا، یہ یقین حق الیقین سے بدل گیا۔ اللہ اللہ کیا ٹھکانہ ہے اس للّٰہیت اور استحضار عبدیت کا کہ الٰہ آباد یونی ورسٹی سے بی ایس سی کر کے نکلے ہیں اور اپنی آئندہ زندگی کے نقشے کے خطوط تیار کرتے ہوئے والد ماجد کو لکھتے ہیں۔

عمر بت عصیاں ہوا وہ حصۂ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

جس کی جوانی میں للّٰہیت اور عبدیت کا یہ رنگ ہو، کیا پوچھنا ہے اس کی پختہ سنی اور بڑھاپے کے رنگ کا۔ بس للّٰہیت و عبدیت کی ایک مومنی تصویر تھی جو نہ جانے کب تک آنکھوں میں پھرتی رہے گی۔

اتباع سنت میں بھی اپنے بزرگوں کا پورا پورا ورثہ پایا تھا...... سنت اور سنت کے قائم کردہ حدود کی پابندی ہر چیز میں عزیز تھی۔ انگریزی تعلیم اور ڈاکٹری کے پیشے میں کامیابی کے باوجود وضع قطع، رہن سہن اور گھر کا چال چلن از اول تا آخر سنت کے حدود کا پابند۔ ہر طرف ایک دلآویز مسنون سادگی۔ تکلفات سے دوری، سنت اور حدود سنت ہی نہیں، مذاق سنت کی بھی ایسی پاسداری تھی کہ انسانی کمزوری کے نہایت نازک مواقع پر بھی اس میں فرق نہیں آتا تھا۔ پانچ صاحبزادیوں پر اکلوتے صاحبزادے، سب سے چھوٹے اور فطری سعادت کی بنا پر صحیح معنیٰ میں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، لیکن لکھنؤ کے پر تکلف اور گرانبار رواجوں سے جکڑے ہوئے ماحول میں اس شان سے شادی کی تقریب ادا ہوئی کہ جیسے سارا ارمان یہی تھا کہ سنت کے مذاق سادگی کی پیروی کا ایک یہ موقع بھی میسر آئے۔ بڑا دل گردہ چاہیے ایسے فطری کمزوریوں کے مواقع پر بھی مذاق سنت کو عزیز رکھنے میں!۔

لڑکیوں کے رشتے آج کی ایک عام کمزوری ہیں۔ اچھے اچھے دیندار اور ناپابند اخیار لڑکیوں کے دنیاوی عیش و آرام کی خاطر ان کے رشتے میں دینداری کی تلاش کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں راقم نے اپنی محدود نظر سے ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ ہی کو دیکھا کہ

دنیاوی تعلیم، دنیاوی وجاہت، دینی عزت اور عالی نسبی کا جامع ہوتے ہوئے پانچوں صاحبزادیوں کے رشتوں میں ایک نگاہِ غلط انداز بھی ان مواقع پر نہیں ڈالی جو ان معزز حیثیات کا جامع ہونے کی بدولت دنیوی اعتبار سے اچھے رشتوں کے حصول میں انھیں حاصل ہو سکتے تھے۔ تمام صاحبزادیوں کے رشتے میں رسول اکرمؐ کے پسندیدہ دینی معیار کو شرطِ اول قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ اگر اپنی جیسی حیثیت کا دنیوی معیار بھی جمع نہیں ہو سکا تو ادنیٰ پرواہ نہیں کی — کتنی عظیم قربانی ہے آجکل کے ماحول میں، معیارِ سنت کی خاطر اپنے لختِ ہائے جگر کے دنیوی عیش و آرام کے امکانات کو قربان کر دینا! اور کس پائے کا اخلاص ہے اپنے دین اور عشقِ رسالت میں!

ان اوصاف کا لازمی تقاضا تھا کہ اس شخصیت میں اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے دردمندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی تڑپ بھی ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا سینہ ان جذبات کا بھی گنجینہ تھا۔ اسلامی دنیا میں کہیں کوئی ناگوار واقعہ ہوتا تو بالکل طبعی انداز کے رنج کی کیفیت طاری ہوتی۔ اور کوئی خوش کن خبر ملتی تو طبیعت سرور و نشاط سے لبریز ہو جاتی اور اس کے اثرات دیکھنے میں آتے، مرحوم کے جو بعض خطوط کا سلسلہ اسی شمارہ سے شروع کیا جا رہا ہے اُس سے اچھا خاصہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سینے میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کی کیسی تڑپ اور اسلام کے لیے کیسا درد تھا۔

بزرگوں کی اخلاقی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی میں خوش اخلاقی کا کوئی رنگ ہے کسی میں کوئی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خوش اخلاقی میں ایک عجب باوقار جمال تھا، کشادہ جبینی اور خندہ روئی کے ساتھ ملنے والوں کا استقبال فرماتے۔ عین سنت کے مطابق پورے رُخ کے ساتھ التفات ہوتا۔ ڈاکٹری کا پیشہ ہونے کی بنا پر وقت بے وقت اُن سے ضرورت پڑتی رہی، ہمیشہ ایک ہی انداز سے متوجہ ہوتے ہوئے پایا، مسجد میں نماز کے بعد کچھ عرض کرنا ہوا تب، مطب سے گھر تک یا مسجد سے گھر تک کے راستے ہی میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت پڑ گئی تب، اور گھر کی آرام گاہ میں اجازت لے کر جا پہنچے تب، کشادہ جبینی تھی کہ کسی وقت جدا نہیں ہوتی تھی، خاموش اور

باوقار چہرے پر شفقت جیسے برستی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر حاضری قریب سے قریب تر کرتی اور دل میں محبت کا تعلق ابھارتی۔ بلا شائبہ تکلف اس خادم کو تو وہ بالکل اپنے خاندان کے ایک بزرگ محسوس ہوتے۔ اُن کی خاموش مجلس میں جی لگتا اور بغیر کسی ضرورت ہی کے جا کر کچھ دیر بیٹھنے کو دل چاہتا۔

مرحوم اپنی ذات اور اپنے ظاہری و باطنی کمالات سے خود بھی ایک نہ بھولنے والی شخصیت ہیں، مگر ایک زندہ (اور ان شاء اللہ زندۂ جاوید) یادگار بھی ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں، اور وہ ہیں ہمارے محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مدظلہم) مولانا کے والد مرحوم اُن کو صرف نو سال کا چھوڑ کر اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے، اس دن سے ڈاکٹر صاحب کے روزِ وفات تک وہ اپنی والدۂ محترمہ کے علاوہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ہی کے سایۂ عاطفت میں رہے اور انہیں کے دامنِ شفقت میں تعلیم و تربیت کے سارے مراحل طے کیے۔ مولانا محترم کی آج کی پوری شخصیت انہیں کی تربیت و شفقت کا فیض ہے اور فیض بھی کیسا جاری فیض! اللہ تعالیٰ اس فیض کو مدتوں جاری رکھے اور ڈاکٹر صاحب کے لئے درجات کا ذریعہ بنائے۔

کیسا قابلِ رشک اور قابلِ تقلید ہے وہ بندہ جو عمر بھر اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی آخرت کمائے اور اپنے بعد بھی اس کمائی کا ایک عظیم ذریعہ چھوڑ جائے۔ خدا اس کی بال بال مغفرت فرمائے، انبیاء و صالحین کا قرب عطا فرمائے اور پسماندگان کے دلوں پر اپنے فضل خاص سے سکینت برسائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اور اسلافِ کرام کی کس نادر یادگار کو سپردِ خاک کیا، مجھ ناچیز و ننگِ وجود کے نام جو شفقت نامے ہیں وہ شفیق والدین، جاں نثار بھائیوں اور مربیوں اور اتالیقوں کے لیے دستور العمل اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں سوائے اس کے کہ اپنے محسنوں، اور مخلص دوستوں سے اپنے جیل پدر نما شاد و مربّی و محسن کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست کروں۔ ٹوٹے ہوئے دل کو تسکین دینے کا اور کوئی سامان نہیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ابو الحسن علی

سیدی و ولی نعمی متعنا اللہ بحیاتہ[۱]

آداب فدویانہ کے بعد گزارش ہے کہ کمترین بخیر و عافیت بسوہ پہونچ گیا، راستہ میں ایک دن کے لیے کان پور میں ٹھہر گیا تھا۔ حافظ حلیم صاحب تو منصوری پر تھے، ان کے صاحبزادے اور منشی یسین حسن صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اور انھیں کے یہاں قیام بھی رہا تھا۔ کانپور میں مسٹر جے پی سریواستو، منسٹر کیمیائی حکومت صوبجات متحدہ و اسسٹنٹ ڈائرکٹر صنعت و حرفت سے ملاقات کی تھی انھوں نے جو مشورہ دیا وہ گزارش کروں گا۔

اپنی آئندہ طرز ماند بود کے متعلق میں چار پانچ برس سے غور کر رہا ہوں اور اصولاً میں وہی سمجھتا ہوں جو جناب ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی مقصد زندگی حیاتِ اُخروی ہے اور دُنیا مزرعۂ آخرت ہے۔ اگر دنیا سے مقصود آخرت ہو تو حصولِ دنیا کے لیے کوشش بھی باعثِ ثواب ہے۔ اس حیثیت سے معاملات بھی عبادات بن جاتے ہیں۔ پھر بھی دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ ایک مقصود ہے اور دوسرا مقصود کا آلہ۔ اگر منطقی دلائل سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو عرفانِ الٰہی و حیاتِ دنیاوی میں جو کچھ نسبت ہے وہ قلبِ سلیم سے کسی وقت مخفی نہیں۔

---

[۱] یہ خط والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحیؒ کے نام ہے اور غالباً ۱۹۱۹ء میں بی۔ ایس۔ سی۔ پاس کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس امتحان میں بھائی صاحب پورے کیننگ کالج میں اول اور یوپی الہ آباد یونیورسٹی میں دوسرے نمبر پر آئے تھے یہ خط آئندہ کے پروگرام کے متعلق ہے پڑھتے وقت یہ پیش نظر رہے کہ یہ تحریک خلافت کے شباب کا زمانہ تھا۔

صرفِ عصیاں ہوا وہ حصۂ عمر جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

عرفانِ الٰہی کے بعد ایک انسان کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ اپنے اوقات خدائے عزوجل کی رضاجوئی میں صرف کرے اور حقیقت میں یہ عرفانِ کامل کے لیے ایک امرِ لازم ہے۔ طلبِ معاش اس حیثیت سے ضروری ہے کہ رضاجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں۔ اس لیے یہ اسی حد تک ضروری رہے گی جس حد تک یہ رضاجوئی کے لیے کارآمد ہو اس کے بعد اگر رضاجوئی میں مخل نہ ہو تو مباح ہوگی اور اگر اوقاتِ عزیزہ کو ضائع کرے تو حرام ہوگی۔

رضاجوئی کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے۔ ان میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ سب سے مقدم وہ اعمال ہیں جو محض ذکرِ الٰہی و تزکیۂ باطن پر مشتمل ہیں۔ مثلاً صوم و صلوٰۃ و حج و تلاوۃ۔ اس کے بعد وہ اعمال ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ و ہدایتِ خلق پر مشتمل ہیں۔ مثلاً جہاد و استعداد للجہاد و وعظ و تذکیر۔ اس کے بعد وہ اعمال ہیں جو عامۃ المسلمین کے منافعِ دنیاوی پر مبنی ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ و صدقات و صلہ رحم و تعلیم۔ میرے خیال میں ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں اس فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ ترتیب معتدل و متوسط حالات کے لیے ہے۔ غیر معمولی حالات میں اس میں تغیر کرنا ہوگا۔ مثلاً جس وقت صنف دوم یا سوم کی عبادات زیادہ ضروری ہو جائیں تو صنف اول کی عبادات میں اتنا تغیر کرنا ہوگا کہ ان میں سے فرض و سنن ادا کرنے کے بعد جو وقت بچے وہ صنف دوم یا سوم ... لیکن صنف اول کا وہ حصہ جو صنف دوم و سوم کے ... بھی ہو سکتا ہے مثلاً ذکرِ قلب و تلاوت وہ کسی حال میں نہ چھوڑنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ کسی خاص صنف کے زیادہ ضروری ہونے کی حالت میں تمام اعمال میں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی اسے پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اور ان کا انتخاب اس طرح کرنا چاہیے کہ حتی الامکان تمام اعمال کم از کم ضمناً ہی اس صنف کی عبادت کے لیے معین ہوں۔

تذکیر و تعلیم ہمیشہ سے ضروری رہی ہے اور جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعدِ زمانی بڑھتا گیا ہے اسی قدر زیادہ ضروری ہوتی گئی ہے۔ لیکن یہ اصول کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہی تذکیر مفید ہو سکتی ہے جس کی جانب مخاطب کا نفس متوجہ کیا جا سکے۔ عوام بلکہ خواص کے نفوس بھی امورِ حاضرہ دنیاوی کی جانب آسانی سے متوجہ ہو جاتے ہیں کہ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ اس لیے حکمتِ الٰہی اکی

مقتضی ہوئی کہ اس اُمت کے لیے جس کو بعنوانِ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ہدایت کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ غلبہ و تفوق فی الارض و علو بھی لازم کر دیا گیا نہ اس لیے کہ اکراہ فی الدین ہو۔ بلکہ اس لیے کہ نفوسِ اُمم اس اُمت کی تقلید پر آمادہ ہو جائیں اور اُن کی تذکیر پر توجہ کریں۔ کیونکہ اہلِ دنیا جن کے نزدیک دنیا ہی سب سے بڑی چیز ہے کسی کا دنیاوی غلبہ دیکھ کر اُسے ہر امر میں اپنے سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کے مذہبی اور ذہنی تفوق پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔ انبیائے سابقین میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے سبا کے قاصدوں کو دکھلانے کے لیے اپنی عظمت اسی لیے ظاہر کی تھی اور ملکہ سبا کا تخت منگوا لینا بھی اسی پر مبنی تھا نیز اسی طرح ممرد میں لے جانا بھی اسی غرض سے تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی حیثیت سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کمتر سمجھے اور جس طرح اس نے کانچ کو پانی سمجھنے میں غلطی کی اور اس غلطی کا احساس کیا اسی طرح اپنی آفتاب پرستی کی غلطی کا بھی احساس کرے۔ چنانچہ اس غلطی کے احساس کے بعد اُسے اس غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور وہ ایمان لے آئی۔ معجزات کا بہت بڑا فائدہ بھی یہی تھا کہ ان کی وجہ سے انبیاء کی عظمت نمایاں ہو جاتی تھی اور قوم کے نفوس ان کے کلام پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

اس زمانے کے حالات دیکھتے ہوئے یہ اظہر من الشمس ہے کہ صنفِ دوم کی عبادات کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور ان میں بھی بحکم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ استعداد کی اہمیت سب سے زائد ہے۔ اس وقت کے حالات اس کے مقتضی ہوئے ہیں کہ قتال کی فرضیت استعداد کی طرف منتقل ہو جائے اسلیے مسلمانوں کے تمام اعمال میں یہ اصول پیشِ نظر رہنا چاہیے اور اپنی اپنی ہمت کے مطابق اپنے تمام اعمال میں خواہ وہ معاش کیلئے ہوں یا معاد کیلئے اسکی اعانت کرتے رہنا چاہیے مطلق علم ایک صفت مستحسن ہے اس طرح تمام علوم طبع سلیم کو مرغوب ہیں لیکن ان میں سے بعض عملی حیثیت سے انسان کی جسمانی و مادی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور بعض روحانی ترقی و تزکیہ باطن کے لیے اور بعض تنشیط ذہن و تفریح طبع کے لیے۔ تحصیل علوم کے احکام نیت پر موقوف ہیں۔ لیکن جو علوم تزکیۂ باطن کے لیے ضروری ہیں مثلاً علوم قرآن و حدیث و سیرت اُن سے بہر حال شغل رکھنا ضروری ہے۔ جن حالات میں استعداد کی اہمیت بڑھ جائے گی انہیں حالات میں ان علوم کی اہمیت بھی بڑھ جائے گی جن پر استعداد موقوف ہے۔ مثلاً کیمیا و ریاضی

و طبعیات و السنہ و تاریخ و اقتصاد و صناعات وغیرہ۔ دستعداد فرض کفایہ ہے۔ اس لیے ان علوم کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہو جائے گی۔ اور جب تک ان علوم کے ماہرین کی تعداد کفایت کی حد تک نہ پہونچ جائے تمام افراد پر اس کا بار رہے گا۔ تیسری قسم کے علوم شلاً ادب و شعر بھی بعض وقت موکد ہو جاتے ہیں اور بعض وقت مکروہ۔ جب باعث اضاعۃ وقت ہو جائیں، تو مکروہ ہو جائیں گے اور جب ان سے فرائض و موکدات کے لیے ذہن کو تیار کرنے کا کام لیا جائے تو موکد ہو جائیں گے۔

میں اپنے لیے جو راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ انھیں اصول پر مبنی ہے۔ سب سے پہلے میں تزکیۂ نفس و احسان کو ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے لیے میری یہ خواہش ہے کہ مولانا محمود حسن[۱] صاحب سے بیعت کروں۔ اور حسب ضرورت ان کی خدمت میں رہوں۔ اب میں اُن کی واپسی کا منتظر ہوں لیکن معلوم نہیں کہ کل کیا ہو، اس لیے اس کے متعلق میں جناب سے مشورہ چاہتا ہوں، میری ذاتی خواہش ان کے بعد مولانا محمد علی[۲] صاحب سے ہے، لیکن مولانا محمود حسن صاحب کے علاوہ اور کسی بزرگ سے میں اسی وقت بیعت کروں گا جب کچھ روز صحبت میں رہ کر مجھے اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

معاش کے لیے فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ تحصیل معاش میں وقت کم صرف ہو اور حتی الامکان شدید دماغی محنت نہ برداشت کرنی پڑے تاکہ میں اپنا دماغ اس سے بہتر کاموں میں لگا سکوں، اور بہتر تو یہ ہے کہ کسی خاص مقام، یا شخص یا حکومت کا مجھے پابند نہ ہونا پڑے۔ ڈاکٹری میں حسب ذیل وجوہ سے پسند نہیں کرتا۔ (۱) اگر برابر پاس ہوتا جاؤں تو پانچ برس مجھے ابتدا کرنے کے لیے چاہئیں۔ (۲) بہترین قوائے دماغی اس کی تحصیل میں ضائع ہو جائیں گے۔ (۳) مطب کی کامیابی کی صورت میں اگر ایمانداری سے کام کروں تو نہ وقت بچے گا نہ دماغ۔

جناب نے محکمہ تعلیم کی ملازمت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ٹریننگ کالج کی مدت تعلیم چھ مہینے نہیں بلکہ دو سال ہے اس کے بعد بھی پروفیسری کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی وہ تو ایم اے سی پاس کرنے کے بعد صرف کثرت مطالعہ پر موقوف ہے، اگر محض خدمت علم، منظر ہوتی تو میں اپنی تمام عمر اس میں صرف کرتا اور مجھے امید تھی کہ نئے نتائج حاصل کرتا، اگر مقصود دین ہے اس لیے اس علم پر

---

[۱] حضرت شیخ الہندؒ جو استاد بھی تھے۔ اور اس وقت مالٹا میں اسیر تھے۔
[۲] حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، بانیٔ ندوۃ العلماء

جو دین کا وسیلہ نہ ہو قناعت نہیں کی جا سکتی۔ اگر ٹریننگ کالج میں ایل ٹی پاس کر دوں تو ہیڈ ماسٹر ہو سکتا ہوں۔ لیکن یہاں بھی مجھے مدرسہ کے علاوہ وقت صرف کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ دنیاوی حیثیت سے بھی یہ دونوں جگہیں زیادہ مفید نہیں، یعنی اس صوبے میں دو گورنمنٹ کالج ہیں ایک الٰہ آباد میں دوسرا بنارس میں، اور وہاں مجھے پروفیسری کی کوئی امید نہیں اس لیے کہ وہاں انگریزی پروفیسر ہوتے ہیں یا ایسے ہندوستانی جو جرمنی وغیرہ کے تعلیم یافتہ ہوں۔ اس لیے مجھے اسسٹنٹ پروفیسری کی امید ہو سکتی تھی مگر دستور یہ ہے کہ حتی الامکان وہ انگریز پروفیسر اپنے شاگردوں ہی کا انتخاب کیا کرتے ہیں۔ اور کالجوں یا اسکولوں میں ملازمت کروں تو تھوڑی تنخواہ پر بہترین وقت و عمر و دماغ صرف کرنے کے بعد بھی پنشن نہیں مل سکتی، محکمۂ تعلیم کے علاوہ اور کسی صیغہ میں مستقل طور سے ملازمت کرنے پر طبیعت راغب نہیں ہے۔

میرے خیال میں تیسری صورت سب سے بہتر ہے۔ یعنی میں مطب کروں[1]۔ لیکن اسی پر انحصار کر لینا بہتر نہیں معلوم ہوتا۔ خدائے تعالیٰ سے بہر حال امید ہی ہے لیکن توکل فعل قلب ہے نہ کہ فعل جوارح اگر تزکیۂ باطن سے توکل حاصل ہو جائے تو اسباب پیشے اس میں مضر نہیں ہو سکتے، اگر نہ حاصل ہو تو اور اعمال کے ترک سے توکل پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں مطب کے ساتھ ہی دوسرا شغل بھی رکھنا چاہتا ہوں یعنی ہندوستانی دواخانے کے طرز کی دوکان اور انگریزی دواسازی یا صابون سازی کا کارخانہ اس میں غالباً جناب خیال فرمائیں کہ وقت زیادہ صرف ہوگا لیکن میرا خیال اس کے برعکس ہے۔ اگر صحیح طریقہ پر کام کیا جائے تو محض نگرانی سے سب کام چل سکتے ہیں۔ ابتدا میں جس وقت کام چھوٹے پیمانے پر ہوگا تو مجھے بہ حیثیت صناع کیمیائی کے بعض جزئیات کی براہ راست نگرانی کرنی ہوگی۔ اس کے بعد جب میں معمولی درجہ کے کیمیا دانوں کو مقرر کر سکوں گا تو میں مشیر کیمیائی کی حیثیت سے ان کے کام پر نظر رکھوں گا اور محض تجارتی نگرانی ضروری ہوگی۔ عملی تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ کانپور میں گورنمنٹ سوڈا فیکٹری کا انتظام مسٹر سریواستوا[2] کے سپرد تھا اور وہ کارخانہ اپنی طرز کا پہلا کارخانہ ہے۔ کیونکہ اس طریقہ سے سوڈا بنانا خود سریواستوا نے دریافت کیا ہے۔ باوجود اس کے سریواستوا

۱؎ بھائی صاحب طب یونانی کے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ ۲؎ جے۔ پی سریواستوا جو بعد میں یو۔ پی کے منسٹر بھی ہوئے

کو اس کارخانہ میں جانے کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی اور اس سے وہ اتنا وقت بچا سکتے تھے
کہ ایک صنعتی مدرسہ میں پرنسپل اور محکمہ صنعت و حرفت میں اسسٹنٹ ڈائرکٹری کے فرائض بھی انجام
دیتے تھے اور اس کے بعد بھی بالکل عدیم الفرصت نہ تھے، اس کارخانے کے متعلق تو میرا عینی تجربہ
ہے۔ دوسرے کارخانوں کے متعلق بھی میں نے ایسا ہی سنا ہے۔ مثلاً کانپور کا دواسازی کا کارخانہ
جس میں اس کا منیجر زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے روزانہ صرف کرتا ہے۔

یہ صورت میں اس لیے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ تحصیل زر سے کم از کم میری یہ نیت نہیں ہے کہ محض
ذاتی آسائش حاصل کروں اور مجھے خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ اپنی نیت پر عمل کرنے کی مجھے توفیق
دے گا۔ میں تحصیل زر کو صفت دوم کی عبادات میں سے سمجھتا ہوں۔ جو اس وقت بہت اہم ہوگئی ہیں
نیز خود ذریعہ تحصیل اس سے زیادہ اہم ہے کیونکہ ایمان و اخلاق کے بعد صناعات جدیدہ ہی موجب قوت
ہیں واعدوا لهم ما استطعتم من قوة پر عمل ان صناعات کو کچھ مسلمانوں میں رائج کرنے ہی سے
ممکن ہے اور دواسازی پر سیاست حربی کا بڑا حصہ مبنی ہے، میں نے اس کے متعلق جے. پی سریواستوا
سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ کہا کہ انگریزی دواسازی اور صابون سازی سب سے زیادہ مفید اور
مالی حیثیت سے بہت امید افزا ہیں۔ اور چیزوں کے متعلق میں نے دریافت کیا تو انھوں نے
بہت سی صنعتوں کے نقائص بتائے اور بعض کے متعلق کہا کہ انہیں زیر تجربہ ہیں۔ دواسازی اور
صابون سازی کے کام کرنے کا انھوں نے یہ طریقہ بتایا کہ پہلے بنگلور کے سائنس انسٹی ٹیوٹ میں تقریباً
ایک سال تک اس کا عملی تجربہ حاصل کرنا چاہیے اس کے بعد کسی کارخانے میں ملازمت کرلینا چاہیے جو
بہت آسانی سے ممکن ہے وہاں کارخانہ چلانے کا اور تجارت و نرخ کی کمی بیشی اور بازاروں کا
عملی تجربہ ہو جائے گا۔ جب اپنے اوپر اعتماد ہو جائے تو خود کام شروع کر دینا چاہیے اسوقت
روپیہ ملنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ ایسی حالت میں لوگ اپنی خواہش سے سرمایہ دیں گے۔ انھوں نے یہ
کہا کہ ہمیشہ بنیاد مضبوط رکھنی چاہیے اور بغیر دوسرے کارخانے میں تجارتی تجربہ حاصل کیے ہرگز کام
نہ شروع کرنا چاہیے، بنگلور سائنس انسٹی ٹیوٹ میں کام سیکھنے کی یہ صورت بتائی کہ گورنمنٹ صوبجات
و نظام وغیرہ کی جانب سے وظائف دیے جاتے ہیں ان میں سے کوئی وظیفہ حاصل کرلینا چاہیے
گورنمنٹ کا وظیفہ حاصل کرنے کی یہ صورت ہے کہ میرے لیے کیننگ کالج اور لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر

تحریک کریں۔ وہ تحریک کان پور کے بورڈ صنعت وحرفت میں پیش کی جائے گی۔ اس بورڈ کا تعلق سر یواستوا سے بھی ہے اور ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور ڈاکٹر ولی محمد صاحب بھی اس کے ممبر ہیں۔ مسٹر سر یواستوا نے امید دلائی کہ یہاں اس تحریک کے پاس کرانے میں مدد دیں گے اس کے بعد گورنمنٹ ممالک متحدہ اسے منظور کرلے گی اور پچھتر روپے ماہوار وظیفہ ملے گا۔

اس رائے کے سننے کے بعد میں نے یہ خیال کیا کہ وظیفہ حاصل کر کے بنگلور میں ایک سال رہوں اور اس عملی تعلیم کے دوران میں طبی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کروں اس کے بعد اگر دہلی کے کسی کارخانے میں ملازمت ہو جائے تو حکیم اجمل خاں صاحب کے یہاں مطب بھی کرتا رہوں اور اگر بمبئی و کان پور دغیرہ میں ملازمت ہو تو خود مطب کروں۔ اور ملازمت چھوٹنے کے بعد لکھنؤ میں مطب کے ساتھ کام شروع کروں۔ اور اگر مناسب ہو تو لکھنؤ میں مطب شروع کرنے سے پہلے طبیہ کالج دہلی میں ایک سال کے لیے کیمیا، علم النبات یا علم الحیوانات پڑھانے کے لیے ملازمت کرلوں۔ اور اسی کے ساتھ حکیم اجمل خاں صاحب کے مطب سے استفادہ کرتا رہوں۔ سر یواستوا نے یہ بھی کہا کہ انگریزی دواسازی حاصل کرنے کے بعد میں طب کو بھی فائدہ پہونچا سکتا ہوں۔ میرے خیال میں یہ قرین قیاس بھی ہے۔ ایک سال ہوا میں نے اس خیال سے کہ زہر مہرہ اصلی بہت مشکل سے ملتا ہے اس کا کیمیائی تجزیہ کیا تھا تاکہ مصنوعی زہر مہرہ بنا سکوں جو نفع میں اصلی کے برابر اور قیمت میں بالکل سستا ہو جیسا کہ آپ کے ... میں دریافت کر چکا تھا۔ اس کے بعد موقع نہیں ملا کہ اس کی تکمیل کرتا۔ انگریزی دواسازی بھی اگر مطب کے ساتھ کرتا رہا تو اس قسم کے کام بھی کر سکوں گا۔

وظیفہ حاصل کرنے میں بظاہر کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی مجھے امید ہے کہ اگر میں کیننگ کالج کے پرنسپل سے کہوں گا تو وہ خود بھی تحریک کریں گے اور ڈپٹی کمشنر سے بھی کہہ دیں گے، مگر وہ آج کل منصوری میں ہیں اور چھ ماہ کے لیے ولایت جانے والے ہیں۔ اس لیے اگر وظیفہ ہی کے لیے کوشش کرنا ہو تو مجھے اُن سے مل لینا چاہیے۔ یا خط لکھ دینا چاہیے۔ اس وقت جو فیصلہ کیا جائے گا وہ دنیاوی داُخروی دونوں زندگیوں پر ابد تک کے لیے مؤثر ہوگا۔ اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے اس لیے جناب سے گزارش ہے کہ میں نے جو اصول عرض کیے ہیں اور کام کا جو نظام قائم کیا ہے اس میں جو سقم ہوں اس سے جناب مطلع فرمائیں۔ اب تک میرا یہ تجربہ رہا ہے

کہ جناب کے حسب ارشاد عمل کرنے میں میں نے فلاح پائی ہو۔ اس لیے آئندہ بھی میں اسی تجربہ سے فائدہ
اُٹھانا چاہتا ہوں۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جس کے اختیار کرنے کے لیے جناب ارشاد نہ
فرمائیں اور اس پر میرا قلب مطمئن نہ ہو جائے

وعلی اللہ توکلنا وھو یھدی السبیل وھو حسبنا ونعم الوکیل

کمترین عبد العلی

از سوہ ، ۵ رمضان

مولنا المحترم[1]۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سو روپیہ کا ایک نوٹ روانہ خدمت کرتا ہوں، رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ پانچ روپیہ کا نوٹ علی سلمہ کو دے دیجئے۔ علی سلمہ پہونچ گئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا یہ سفر محض تفریح سے کچھ بڑھ کر ثابت ہوگا۔ اور آپ اُن کی اخلاقی تربیت سے غافل نہ رہیں گے۔ لاہور کی علمی خصوصیتیں توجہ دلانے کے قابل ہیں معابد علمی کے علاوہ ممتاز شخصیتوں کے فیض صحبت سے جو کچھ مل جائے اُس کے حصول سے غفلت نہ کرنا چاہیے، میوزیم کی سیر دلچسپ اور سبق آموز ہوگی۔ مولانا احمد علی (شیرانوالہ گیٹ) کی صحبت کو غنیمت سمجھیں۔ ان سب سے زیادہ ضروری آپ کی صحبت سے استفادہ ہے۔ ان پر یہ نقش کر دیجئے کہ موجودہ تمدن کی آب و تاب جتنی اور جیسی کھلی ہے اور ہمارے آباء کرام کا طریقہ ہمارے لیے ہمیشہ قابل تقلید رہے گا خواہ ہم کتنی ہی علمی و اقتصادی ترقی نہ کر لیں، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اسلاف ذاتی کمالات (نہ کہ اضافی) سیرت اور تقویٰ میں ایسے تھے جن کی نظیر اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی۔ ہماری بدنصیبی ہوگی اگر ہم اُن سے بےخبر رہیں۔ اور ان کے اتباع سے محروم رہ جائیں۔ ان کو بتا دیجئے کہ اُن کی عملی زندگی ہمارے منتہائے تخیل سے بھی بدرجہا بلند تھی۔ ہمارا مطمح نظر ابھی اس سے بدرجہا پست ہے۔ آدمیت علم و دولت و تہذیب سے بہت اونچی چیز ہے۔ اچھی بھوا سے سلام کہہ دیجئے۔

عبد العلی ۳۱ مئی سنہ ۲۹ء

---

[1] یہ خط پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے کے نام ہے جو اس وقت اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور یہ ناچیز سنہ ۲۹ء میں جبکہ ۱۲ سال کی عمر تھی پہلی مرتبہ لاہور گیا تھا۔

اسلام کا نظامِ عقائد و عمال؟
اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ ــــ اور ــــ ان کی حقیقت کیا ہے؟
اسلامی زندگی کن امور سے عبارت ہے؟ ــــ اور ــــ انکی صورت و حقیقت کیا ہے؟
ان مجمل سوالات کا مفصّل جواب
آپ کو
مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی تازہ کتاب
دین و شریعت
میں ملے گا
جس میں ضروری تفصیل کے ساتھ توحید، آخرت اور رسالت ــــ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اخلاق و معاملات، دین کی خدمت و نصرت، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے عنوانات پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ شکوک و شبہات کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں، غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو کر اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے اور دل و دماغ، عقل و وجدان اطمینان و سکون سے معمور ہو جاتے ہیں۔
جن عقائد میں غور و خوض بہت سوں کے لئے الحاد و تشکیک کا موجب ہو جاتا ہے ان کو ایسے سادہ انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ متوسط درجہ کے ذہن کا آدمی بھی پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔
یہ کتاب ان مسائل میں سلف صالحین کے مسلک پر پورا اطمینان بخشتی ہے، بشرطیکہ سلامتی فکر بالکل رخصت نہ ہو چکی ہو۔
مولانا نعمانی کی دوسری کتابوں کی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ذہنی اطمینان اور قلبی انشراح کے علاوہ یہ حلاوت ایمان اور ذوق عمل بھی پیدا کرتی ہے جس کے بغیر دینی مباحث اور دین کی باتیں محض فلسفہ اور ذہنی تعیش ہیں، جس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں
اوپر جو موٹے موٹے عنوانات دئے گئے ہیں ان کے علاوہ ذیلی عنوانات کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔
۳۰۰ کے قریب صفحات ــــ بہترین سفید کاغذ ــــ عمدہ جلد اور خوشنما گرد پوش ــــ قیمت تین روپے
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ